گیان چند جین کے خطوط
مشاہیرِ ادب کے نام

جلد اوّل

مُرتّب
ڈاکٹر ٹی۔ آر۔ رینا

گیان چند جین کے خطوط
مشاہیرِ ادب کے نام

(جلد اوّل)

مُرتّب

ڈاکٹر ٹی.آر. رینا

جملہ حقوق بہ حقِ مُرتّب محفوظ

نام کتاب : .... گیان چند جین کے خطوط مشاہیرِ ادب کے نام
مُرتّب : .... ڈاکٹر ٹی.آر. رینا
F-237, Lower Hari Singh Nagar, Rehari Colony
Jammu - 180005 (J&K, U.T), Mob. No. 09419828542
E-mail: trrainaraina@yahoo.com
ناشر : .... ڈاکٹر ٹی.آر. رینا (ڈاکٹر تیرتھ رام رینا)
سنہ اشاعت : .... نومبر 2024
صفحات : 634
تعداد : 400
قیمت : .... 750 روپے
کمپوزنگ : .... عبدالرشید (دہلی)
E-mail: rasheedblue@gmail.com, Mob.9990972397
مطبع : .... اصیلا آفسٹ پرنٹرس، دریا گنج، نئی دہلی-110002
E-mail: javedasila@gmail.com, Mob. 9871202888

تقسیم کار:

- شارداکٹیر، F-237، لوئر ہری سنگھ نگر، رہاڑی کالونی، جموں-180005 (جے اینڈ کے، یو۔ٹی)
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، شمشاد مارکیٹ، اے.ایم. یو، علی گڑھ–202002 (یو پی)

ISBN: 978-81-964054-9-6

Gyan Chand Jain ke Khutoot
Mashaheer-e- Adab ke Naam

Edited by Dr. T. R. Raina

Edition : November 2024
Price : 750/-

انتساب

برِّصغیر ہند و پاک کے
اُن ادبی حضرات کے نام جنھوں نے راقم کو
گیان چند جین کے خطوط مہیا کرانے میں تعاون کیا

فہرست

~~~~~
~~~~~

پیش لفظ

کسی ادبی یا سیاسی شخصیت کے خطوط صرف اس کی زندگی کا ہی آئینہ نہیں ہوتے بل کہ ان میں ان کے عہد کے معاشرے کی تصویر کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ محقّقین، ناقدین اور مورخین نے ایسے حضرات کی سوانح مرتّب کرتے وقت بعض حقائق کی سند کے طور پر استعمال کیا ہے۔

پروفیسر گیان چند جین کی زندگی بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کو محیط ہے (۱۹؍ستمبر ۱۹۲۳ء تا ۱۹؍اگست ۲۰۰۷ء)۔ ادب میں انھیں بہ حیثیت محقق، نقاد، مورّخ، ماہرِ لسانیات، ماہرِ عروض، مدوّن اور مشرقی ادبیات کے فاضل کے طور پر جانا جاتا ہے۔

ان کی تصنیفات میں 'اُردو کی نثری داستانیں'، 'اردو مثنوی شمالی ہند میں'، 'تفسیرِ غالب'، 'رموزِ غالب'، 'ابتدائی کلام اقبال'، 'اردو کا اپنا عروض'، 'لسانی مطالعے' اور 'ایک بھاشا، دو لکھاوٹ، دو ادب' بہت مشہور ہوئیں، مگر خود انھیں اپنی تصنیفات میں سب سے زیادہ پسند 'تحقیق کا فن' تھی۔ اس کتاب کے متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور آج بھی اپنے موضوع پر سب سے مفید اور معتبر سمجھی جاتی ہے۔ مستقل کتابوں کے علاوہ سیکڑوں مضامین برِّصغیر ہند و پاک کے مختلف ادبی رسائل میں شائع ہوئے جن میں سے اکثر ان کے مختلف مجموعوں میں شامل ہیں جیسے 'حقائق'، 'تجزیے'، 'ذکر و فکر'، 'کھوج'، 'پرکھ اور پہچان' اور 'تحریریں'۔

جین صاحب شاعر بھی تھے اور اپنے کلام کا مجموعہ 'کچّے بول' کے نام سے خود انھوں نے ۱۹۹۲ء میں لکھنؤ سے شائع کیا تھا۔

جین صاحب نے بہ حیثیت استاد اپنی ملازمت کا آغاز ۱۰؍جولائی ۱۹۵۰ء میں شعبۂ اُردو گورنمنٹ حمیدہ ڈگری کالج بھوپال سے کیا تھا، پھر جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی، ڈویژن جمّوں،

الہ آباد یونی ورسٹی اور مرکزی یونی ورسٹی آف حیدرآباد میں پروفیسر رہے۔ حیدرآباد سے مارچ ۱۹۸۹ء میں مکمّل طور پر سبک دوش ہوکر اپریل ۱۹۹۰ء میں لکھنؤ چلے آئے، اپنا مکان تعمیر کیا، مگر آٹھ سال بھی نہیں گزارے ہوں گے کہ جنوری ۱۹۹۸ء کے پہلے ہفتے میں اپنا سب کچھ فروخت کرکے اپنے بیٹے اور بیٹی کے پاس ہمیشہ کے لیے امریکہ منتقل ہوگئے اور ۲۰۰۷ء میں وہیں انتقال کیا۔

جین صاحب کا نام برِّصغیر کے تمام علمی حلقوں میں نہایت توقیر اور احترام سے لیا جاتا تھا۔ ۱۹۹۱ء میں 'مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد نے ان کے بارے میں 'ڈاکٹر گیان چند جین (کتابیات)' کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا۔ ۱۹۹۲ء میں 'نقوش' لاہور نے انھیں 'نقوش ایوارڈ' سے نوازا۔ امریکہ منتقل ہونے کے بعد ۲۰۰۲ء میں حکومتِ ہند نے انھیں ہندستان کے سب سے بڑے سویلین ایوارڈ 'پدم شری' سے نوازا۔

جین صاحب کو میں نے اپنے ایک دوست کے ساتھ جنوری ۱۹۶۶ء میں پہلی بار شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی، جمّوں کے اولڈ کیمپس، کنال روڈ میں دیکھا۔ ہمیں خوشی ہوئی تھی کہ جمّوں میں شعبۂ اُردو کا آغاز ہوا ہے۔ بعد میں ہمارے چند ساتھی ریگلر ایم.اے اُردو کررہے تھے۔ ہم گاہے گاہے اُن سے ملنے جایا کرتے تو جین صاحب سے کبھی کبھی ملاقات ہوجاتی۔ ان کی قد کاٹھی اتنی مضبوط نہیں تھی، آنکھوں پر موٹے فریم کا چشمہ، آواز نہایت دھیمی لیکن شخصیت پُرخلوص۔

جین صاحب امریکہ سے پہلی بار ۱۵رستمبر تا یکم دسمبر ۱۹۹۹ء معِ اپنی اہلیہ ہندستان تشریف لائے لیکن جمّوں نہیں آئے۔ دوسری بار جین صاحب معِ اہلیہ کے ۲۳راگست ۲۰۰۱ء کو ہندستان آئے اور ۲۶رستمبر کو ہوائی جہاز سے جمّوں پہنچے۔ ۲۷رستمبر کو شعبۂ اُردو میں ان کے اعزاز میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا، دیر رات تک شعبے میں رہے۔ انگلش کے پروفیسر رام پال نے انھیں اور مجھے اپنی کار میں بٹھا کر گاندھی نگر چھوڑا۔ جین صاحب اور ان کی اہلیہ اُن لوگوں سے ملنے چلے گئے جہاں یہ کبھی کرایے پر رہتے تھے۔ میں آٹو سے گھر چلا آیا۔

۲۸رستمبر کو یونی ورسٹی گیسٹ ہاؤس میں پروگرام ہوا جس میں مختلف شعبوں کے لکچرروں اور پروفیسروں نے شرکت کی۔

۲۹رستمبر کو ڈاکٹر اسداللہ وانی (لکچرر اُردو) نے گورنمنٹ ایم.اے.ایم کالج کے پرنسپل

ڈاکٹر ایم.ایم.ساہنی کے زیرِ اہتمام شام کے وقت کالج کے کھلے لان میں ایک بڑا جلسہ کیا، جس کی صدارت پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے کی۔ اس جلسے میں شہر کی مشہور ہستیاں بھی شامل ہوئیں۔ جین صاحب اور ان کی اہلیہ کو شالوں اور دوسرے تحفوں سے نوازا گیا۔ یہ ایک یادگار جلسہ تھا جو دیر رات تک چلا۔ اس کا ذکر جین صاحب نے امریکہ سے اپنے ایک خط بہ نام ڈاکٹر اسداللہ وانی کیا ہے۔

جین صاحب مع اہلیہ ۲۸-۲۷/اکتوبر ۲۰۰۱ء کی درمیانی شب کو ہندستان سے امریکہ کے لیے پرواز کر گئے اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئے، اور ۲۰۰۷ء میں وہیں انتقال کیا۔

جین صاحب کا شمار اُردو کے صفِ اوّل کے محقّقین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بھرپور علمی زندگی گزاری۔ اپنے سارے معاصرین سے ان کے تعلّقات استوار تھے اور باہم خط و کتابت بھی تھی۔ خطوط لکھنے اور جواب دینے میں وہ وقت کے پابند تھے۔ دوسرے اہلِ علم کی طرح ان کے مکتوبات بھی نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔ سوانحی تفصیلات کے ساتھ ان میں بے شمار علمی مسائل زیرِ بحث آئے ہیں۔ جین صاحب کی شخصیت، مزاج، رجحانات، تعلّقات، تصنیفات اور دوسری سرگرمیوں پر کوئی گفتگو ان خطوط کے مطالعہ کیے بغیر مکمّل نہیں ہو سکتی۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مگر جین صاحب کے خطوط کی جمع آوری کا خیال میرے ذہن کے کسی دور کے گوشے میں بھی نہ تھا۔

میں ایک مدّت سے رشید حسن خاں پر کام کر رہا تھا۔ ان کے خطوط کی تین جلدیں مرتّب کیں جو منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ ان کے بعد مقالات کی چھے جلدیں مرتّب کیں جن میں سے پانچ شائع ہو چکی ہیں۔ پھر ۲۰۲۰ء میں رشید حسن خاں کی ایک نادر بیاض شائع کی اور خطوط کی روشنی میں بعض اور کتابیں مرتّب کیں۔ اب میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ گیان چند جین یا کسی اور بزرگ محقّق پر کام کرنے یا اس کے خطوط مرتّب کرنے کا کوئی منصوبہ میرے پیشِ نظر نہ تھا۔ پھر اچانک ایک 'حادثہ' پیش آیا۔ دسمبر ۲۰۲۲ء کے اواخر میں ڈاک سے میرے نام ایک پیکٹ موصول ہوا۔ بھیجنے والے میرے مخلص دوست ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی (نئی دہلی) تھے۔ پیکٹ کھولا تو حیران ہوا کہ اس میں گیان چند جین کے خطوط تھے۔ اصلاحی صاحب کو فون لگایا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ''آپ رشید حسن خاں صاحب پر بہت کام کر چکے، اب انھیں مرتّب کیجیے''۔ میں نے اپنے جی میں کہا: ''رام دہائی''۔ پھر اصلاحی صاحب سے

عرض کیا: ''اب یہ میرے بس کا نہیں، میں عمر کے اس پڑاؤ پر ہوں کہ زیادہ دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا۔ باقی خطوط کہاں تلاش کروں گا''۔

انھوں نے پھر کہا: ''یہ عمر کا چکر چھوڑیے، ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے! یہی کوئی ۸۰ سال کے ہو رہے ہوں گے، اگر آپ اس غلط فہمی میں ہیں کہ بوڑھے ہو گئے ہیں تو سچ سچ بتائیے، وہ بڑھاپا بھی کوئی بڑھاپا ہے جس پر جوانیاں رشک کریں، کام کیجیے کام، اسی میں ہے سارا آرام''۔ قصّہ یہ ہوا کہ اصلاحی صاحب ۲۱ر دسمبر ۲۰۲۲ء کو ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے مکاتیب کی تلاش میں نیشنل آرکائیوز دہلی گئے تھے۔ وہاں ان کی نظر آلِ احمد سرور کے نام گیان چند جین کے خطوط پر پڑی جو خاصی تعداد میں تھے۔ انھوں نے آرکائیوز کے ذمے داروں سے ان خطوط کے عکس بنوانے کی درخواست کی اور دوسرے دن جب یہ عکس ملے تو انھیں تاریخی ترتیب سے رکھا اور صفحات کے نمبر شمار لگا کر ان کا پیکٹ اسپیڈ پوسٹ سے مجھے بھیج دیا۔ گیان چند جین کے خطوط کا یہ مجموعہ جس کی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کی داستان اس طرح شروع ہوئی یا یوں کہیے کہ اس کا بنیادی پتھر یوں رکھا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت میں ذہنی طور پر اس کام کے لیے بالکل تیار نہ تھا، مگر ایک طرف اصلاحی صاحب کا خلوص اور حوصلہ افزائی اور دوسری طرف جین صاحب کا علمی مقام اور ان کے مکتوبات کی اہمیت، میں نے ہامی بھر لی اور کمرِ ہمت کس لی۔ اصلاحی صاحب نے بھی مجھے بے یار و مددگار نہ چھوڑا۔ میرے ساتھ وہ خود بھی ان سارے وسائل کی تلاش میں لگ گئے جو مکاتیب یا مکتوب نگاروں تک رسائی میں معاون ہو سکتے تھے۔ مشاہیر کے خطوط کے کئی نئے اور پرانے مجموعے جن میں جین صاحب کے خطوط شامل ہیں، انھی کی وساطت سے ملے مثلاً ڈاکٹر آمنہ خاتون کے نام خطوط کا مجموعہ 'گلہاے صد رنگ'، پروفیسر محمد علی اثر کے نام 'مکاتیبِ مشاہیر' انھی کی نشان دہی پر میں نے ڈاکٹر ابو محمد سحر کے صاحبزادے ڈاکٹر فرخ اختر (بھوپال) سے رابطہ قائم کیا۔ انھوں نے بلا معاوضہ 'مشاہیر کے خطوط بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر' مرتبہ مختار شمیم، دو جلدیں بھیج دیں۔ ابھی حال میں اصلاحی صاحب نے میرے لیے 'مشاہیر کے خطوط گوپی چند نارنگ کے نام' ترتیب و تہذیب گوپی چند نارنگ کی چار جلدیں خرید لیں جن میں جین صاحب کے نوّے (۹۰) خطوط شامل ہیں۔ اصلاحی صاحب کے ساتھ دوسرے کرم فرما جو گذشتہ علمی کاموں میں میرے ساتھ مسلسل مخلصانہ تعاون کرتے رہے، اس نئے منصوبے کی تکمیل میں بھی

ان کی مدد اسی طرح شاملِ حال رہی۔

جین صاحب کے خطوط پر کام کچھ آگے بڑھا تو ایک روز اصلاحی صاحب نے فرمایا کہ اگر جین صاحب کے خطوں کے ساتھ ان کے نام مشاہیر کے خط بھی مل جائیں تو ان سے خود جین صاحب کے خطوط پر روشنی پڑے گی اور اگر کہیں کوئی اشکال یا ابہام نظر آیا تو اس کی وضاحت مل جائے گی۔ کسی جگہ نوٹ لکھنا ضروری ہوا تو اُس میں بھی سہولت ہوگی۔ یہ بات اصلاحی صاحب نے کچھ اس طرح کہی کہ میرے دل میں گھر کرگئی۔ یہ تو بعد میں اندازہ ہوا کہ ابھی اصلاحی صاحب کے پہلے دام سے نکل نہ پایا تھا کہ دوبارہ ان کے زیرِ دام آ گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت میرے پاس جین صاحب کے نام مشاہیر کے قریب گیارہ سو خطوط جمع ہو چکے ہیں اور ان کی بڑی تعداد ڈاکٹر اطہر فاروقی کی عنایت سے انجمن ترقّی اردو (ہند) نئی دہلی کے ذخیرے سے ملی ہے۔

اصلاحی صاحب کی کرم فرمائیوں (بل کہ ستم گاریوں) کا سلسلہ ابھی رُکا نہیں۔ وہ ایک عرصے سے مجھے اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ میں اپنے استاد پروفیسر شیام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری کے اہلِ خانہ سے ملاقات کروں اور ان سے ان کے علمی ورثے کے بارے میں دریافت کروں۔ دراصل اصلاحی صاحب کو اس پر تعجب تھا کہ رشید حسن خاں کے خطوط کی تینوں جلدیں عابدؔ پیشاوری کے خطوط سے خالی ہیں۔ ان دونوں محقّقین کے درمیان روابط کے باوجود مراسلت نہ رہی ہو یہ بات ان کے نزدیک ناممکن ہے۔

عابدؔ پیشاوری کا انتقال ۲۶؍جنوری ۱۹۹۹ء کو جمّوں میں ہوا۔ ان کے اہلِ خانہ آج تک جمّوں میں اپنے مکان میں ہیں۔ ۲۰۱۴ء میں راقم نے عابدؔ صاحب پر مضامین کا ایک مجموعہ 'پروفیسر عابدؔ پیشاوری: شخصیت اور فن' کے نام سے شائع کیا تھا جس میں پہلا مضمون گیان چند جین کا تھا اور چار مضامین میرے قلم سے۔ رشید حسن خاں کے خطوط مرتّب کرنے کا اعلان میں اس سے بہت پہلے ۲۰۰۶ء میں 'ہماری زبان' دہلی میں کر چکا تھا اور خطوط کی تین جلدیں بالترتیب ۲۰۱۱ء، ۲۰۱۵ء اور ۲۰۱۹ء میں شائع ہوئیں۔ بیس بائیس سال کی اس مدّت میں ہند و پاک کے دُور و نزدیک سارے علاقوں سے خاں صاحب کے خطوط ملے جو ان جلدوں میں شامل ہیں مگر یہیں میرے شہر جمّوں میں میرے ہی استاد کے گھر پر جو خزانہ پوشیدہ تھا، افسوس کہ اس کی طرف کسی وجہ سے توجہ نہیں ہوئی۔ اب جو اصلاحی صاحب کے مسلسل اصرار پر میں اور

میرے ایک ساتھی ڈاکٹر دلجیت ورما (جو بہ حیثیت کالج لکچرر ملازمت سے سبک دوش ہو چکے ہیں) عابد صاحب (جو ایم فل اور پی ایچ.ڈی میں ہمارے نگراں تھے) کے دولت کدے پر حاضر ہوئے اور ان کی شریکِ حیات شریمتی کیلاش کالڑا کی اجازت سے دسمبر ۲۰۲۳ء اور جنوری ۲۰۲۴ء پورے دو ماہ ان کا ادبی اثاثہ چھانٹا تو ان کے پاس برِّصغیر ہند و پاک کے مشاہیر کے دو ہزار سے زیادہ خطوط ملے جو ہم ساتھ لائے۔ ان میں جین صاحب کے ۵۳ اور رشید حسن خاں صاحب کے ۶۶ خطوط دستیاب ہوئے جو ان کے خطوط کی چوتھی جلد میں شامل ہوں گے۔

عابد پیشاوری صاحب کے نام مشاہیر کے ان خطوط پر میں اور ڈاکٹر دلجیت ورما دونوں مل کر کام کریں گے۔ بیشتر خطوط کی ترتیب مکمّل ہو چکی ہے۔

غرض اب اسّی (۸۰) سال کا یہ بوڑھا جسے اصلاحی صاحب کی ستم ظریفی جوان قرار دے رہی ہے، تین کشتیوں کا سوار ہے۔ اصلاحی صاحب کے ساتھ آپ سب دعا کریں کہ یہ تینوں کشتیاں بہ خیریت ساحلِ مراد تک پہنچ جائیں۔

فی الحال جین صاحب کے خطوط کی پہلی جلد پیشِ خدمت ہے۔ اس میں ۲۲ حضرات کے نام ۴۵۹ خطوط شامل ہیں۔ دستیاب خطوط کی روشنی میں ان کا سب سے قدیم خط مرقومہ ۲۶ رمئی ۱۹۵۶ء بہ نام پروفیسر حنیف نقوی (بنارس)، پروفیسر کالونی، بھوپال کا لکھا ہوا ہے، اور آخری خط مرقومہ ۵ر جولائی ۲۰۰۵ء بھی انھی کے نام کا ہے جو جین صاحب نے چنّو ہلز، کیلی فورنیا (امریکہ) سے لکھا ہے۔

جین صاحب کے خطوط کے مستقل مجموعے اب تک صرف دو چھپے ہیں، ایک 'گیان نامے' جو پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کے نام تیس (۳۰) خطوط کا مجموعہ ہے اور اسے ارشد محمود ناشاد نے مرتّب کیا اور یہ سرمد اکادمی، اٹک (پاکستان) سے جنوری ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔ میں نے 'گیان نامے' کے سارے خطوط اپنے اس مجموعے میں شامل کر لیے ہیں کہ وہ یہاں ہندستان میں دستیاب نہیں۔

دوسرا مجموعہ 'گیان چند جین کے خطوط بہ نام مرزا خلیل احمد بیگ' ۶۳ خطوط پر مشتمل ہے، جو خود پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ نے ۲۰۲۳ء میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی سے شائع کیا۔ اس کی اشاعت سے قبل میں نے مرزا صاحب سے درخواست کی تھی کہ اپنے نام جین صاحب کے خطوط وہ مجھے عنایت فرمائیں۔ بہت خوشی ہوئی کہ انھوں نے خود یہ خوب

صورت مجموعہ شائع کر دیا اوران کے حواشی سے اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو گیا۔

پروفیسر حنیف نقوی جین صاحب کے نہایت عزیز اور لائق شاگرد تھے، ممکن ہے بعض قارئین کو تعجب ہو کہ اس جلد میں ان کے صرف بیس (۲۰) خطوط ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خطوط اس 'ارمغانِ علمی نذرِ حنیف نقوی' سے ماخوذ ہیں جو محترم پروفیسر سیّد حسن عبّاس نے ۲۰۱۰ء میں شائع کیا تھا۔ وہ پروفیسر حنیف نقوی کے نام مشاہیر کے خطوط مرتّب کر رہے ہیں۔ جین صاحب کے باقی خطوط اس مجموعے میں شامل ہیں۔ امید ہے کہ وہ پروفیسر سیّد حسن عبّاس کے حواشی کے ساتھ جلد ہی منظرِ عام پر آئے گا۔

توقّع یہ ہے کہ پاکستان میں دوسرے اُدبا اور محقّقین کے علاوہ مشفق خواجہ مرحوم کے پاس جین صاحب کے خطوط بڑی تعداد میں رہے ہوں گے۔ ڈاکٹر محمود احمد کاوش کی رسائی ان خطوط تک ہو تو جس طرح انھوں نے رشید حسن خاں اور مشفق خواجہ کی مراسلت کو یک جا شائع کیا ہے، کیوں نہ جین صاحب اور خواجہ صاحب کے خطوط کو بھی یک جا شائع کر دیں۔

آخر میں ان ادبی شخصیات کے اسمائے گرامی درج کرتا ہوں جنھوں نے جین صاحب کے خطوط اور جین صاحب کے نام خطوط کے عکس بھیجے یا ان کی جانب رہنمائی کی: پروفیسر سیّد حسن عبّاس (شعبۂ اُردو و فارسی، بنارس ہندو یونی ورسٹی، وارانسی)، ڈاکٹر عطا خورشید (لائبریرین علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ)، ڈاکٹر شائستہ بیدار (سابق ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری، پٹنہ)، ڈاکٹر سیّد مسعود حسن و شکیل احمد شمسی (دونوں خدا بخش لائبریری، پٹنہ)، جناب مہر الٰہی ندیم (علیگ)، علی گڑھ، ڈاکٹر عارف نوشاہی (اسلام آباد، پاکستان) جنھوں نے 'ڈاکٹر گیان چند جین کتابیات' از انعام الحق اور اپنے نام کا ایک خط بھی بھیجا، جناب کاشف طارق جو پروفیسر مختار الدین احمد آرزو کے پوتے ہیں، انھوں نے جین صاحب کے قریب ڈیڑھ سو خطوط بہ نام آرزو صاحب کے عکس ڈاکٹر فخرِ عالم (شعبۂ عربی مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ) کے ذریعے بنوا کر بھیجے اور ڈاکٹر شاہنواز فیاض (شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) جنھوں نے جین صاحب پر پی ایچ. ڈی کی اور نارنگ صاحب کے نام خطوط کی نشان دہی کی۔

میں تہِ دل سے ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُن حضرات کا بھی جنھوں نے اپنے نام کے خطوط بھیجے ہیں۔ مجموعے میں شامل ان خطوط کے نیچے میں نے نام لکھ دیے ہیں اور شکریہ بھی ادا کر دیا ہے۔

انجمن ترقّی اردو (ہند) نئی دہلی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی کا شکریہ ادا کرنا میں فرض اوّلین سمجھتا ہوں کہ انھوں نے میری درخواست پر انجمن کے آرکائیوز سے محمد ہاشم رشیدی صاحب کے ذریعے جین صاحب کے نام سیکڑوں خطوط کے عکس بنوا کر بھیجے۔ انجمن کے دوسرے اراکین کا بھی شکریہ جو وقتاً فوقتاً میری مدد کرتے رہتے ہیں۔

آخر میں عبدالرشید صاحب کا شکریہ ادا کرنا میں لازم سمجھتا ہوں جنھوں نے آج تک میری ساری کتابیں کمپوز کی ہیں۔ اب کی بار اُن کی ایک آنکھ میں تکلیف ہوگئی اور وہ کئی دن تک اسپتال میں رہے اور اُن کی بینائی متاثر ہوگئی۔ دو ڈھائی ماہ تک وہ کام کرنے کے قابل نہیں رہے۔ میری مجبوری کو دیکھتے ہوئے اُنھوں نے خطوط کے اِس مجموعے کو مکمّل کر دیا۔ میں اِسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔

جب میں نے جین صاحب کے خطوط مرتّب کرنا شروع کیے تو اِس کا پتا ڈاکٹر شمس بدایونی کو چلا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اُنھوں نے فرمایا: ''یہ کام آپ ہی کر سکتے تھے، کوئی اور نہیں''۔ وہ ایسے کاموں میں میری حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں، میں اُن کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جین صاحب کے خطوط برِّصغیر ہند و پاک کے علاوہ جاپان اور امریکہ تک پھیلے ہوئے ہیں، اُنھیں جمع کرنا آسان کام نہیں۔

اب میں ادبی حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ اِس مجموعے کی خامیوں اور میری کوتاہیوں سے آگاہ کیا جاؤں تاکہ دوسرا مجموعہ جو عنقریب شائع ہونے والا ہے اُس میں سدھار کر سکوں۔

ٹی.آر.رینا

جمّوں

۲۰ر نومبر ۲۰۲۴ء

پروفیسر گیان چند جین کا حیات نامہ

شجرۂ نسب

سیتارام
↓
منگنی رام
↓
موہن لال
↓
پدم سین

(حکیم پدم سین، فارسی کے عالم و شاعر تھے۔ ان کی کتابت کردہ (قلمی) تین کتابیں قتیلؔ کی 'چار شربت'، برہمن کی 'منشاتِ برہمن' اور 'مثنوی ہلالی شیرازی' خدا بخش لائبریری، پٹنہ کو تحفتاً بھیج دی تھیں، انھوں نے یونانی طب کی تعلیم ہرات (Herat) افغانستان سے حاصل کی اور ایک سال تک اسی کا درس کابل میں دیا)۔

↓
↓
بہاری لال
↓
بحال سنگھ
↓
گیان چند جین

نام : گیان چند جین[۱]
قلمی نام : گیان چند
تخلّص : غافلؔ
تاریخِ پیدائش : ۱۹؍ستمبر ۱۹۲۳ء، سرکاری کاغذات میں ۴؍فروری ۱۹۲۷ء[۲]
مقامِ پیدائش : قصبہ سیوہارہ، ضلع بجنور (اُتر پردیش، ہندستان)

والد کا نام : شاہو بحال چند جین (کسی جگہ صرف بحال سنگھ لکھا ہے)
والدہ کا نام : پاروتی (ان کا تعلّق سناتن خاندان سے تھے)
بھائی بہنیں : پانچ۔ دو بہنیں، تین بھائی (گیان چند سب سے چھوٹے تھے۔ اِن سے بڑے بھائی ڈاکٹر پرکاش مونس تھے۔ وہ پیشے سے ایڈوکیٹ تھے، مگر وہ ادیب اور شاعر بھی تھے۔ اِن کی دو کتابیں 'اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر' اور 'خس وخاشاک' شائع ہو چکی ہیں)۔
بیوی : اُرملا (سال ۱۹۵۳ء میں اِن سے شادی ہوئی۔ یہ سہارن پور کی تھیں)
اولادیں : دو بیٹے اور ایک بیٹی (تینوں اہل وعیال والے ہیں۔ بیٹی اور چھوٹا بیٹا کیلی فورنیا (امریکہ) میں اور بڑا بیٹا بنکاک (تھائی لینڈ) میں رہتا ہے) بڑا بیٹا منوج جین، چھوٹا آشو جین اور بیٹی منیشا جندل۔
تعلیم : ابتدائی تعلیم کے لیے اِنھیں قصبے کے گورنمنٹ لوئر اسکول میں یکم جولائی ۱۹۲۹ء میں داخل کرایا گیا، جب کہ یہ قریب چھے سال کے تھے۔ مئی ۱۹۳۳ء میں یہاں سے اِنھوں نے درجہ چار پاس کیا۔ اِس کے بعد سیوہارہ کے ایک پرائیویٹ اسکول سے انگریزی سیکھی، جون ۱۹۳۳ء تا جنوری ۱۹۳۴ء درجہ پانچ تا آٹھ: مسلم قدرت اسکول، ۴/فروری ۱۹۳۴ء تا ۸/جولائی ۱۹۳٦ء۔ درجہ نو تا دس: مشن پارکر ہائی اسکول مرادآباد، ۱۲/جولائی ۱۹۳۷ء تا مئی ۱۹۳۹ء۔ اُردو اور ریاضی کے ساتھ فرسٹ ڈویژن سے ہائی اسکول پاس کیا۔
انٹرمیڈیٹ : گورنمنٹ انٹر کالج مرادآباد، ۱۵/جولائی ۱۹۳۹ء تا ۱۴/جون ۱۹۴۱ء، سیکنڈر ڈویژن سے پاس کیا۔
بی.اے : الٰہ آباد یونی ورسٹی ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۳ء، سیکنڈ ڈویژن سے پاس کیا۔
ایم.اے (اُردو) : الٰہ آباد یونی ورسٹی ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۵ء فرسٹ کلاس فرسٹ سے پاس کیا۔
ڈی.فل (اُردو) : الٰہ آباد یونی ورسٹی، جون ۱۹۴۷ء تا مارچ ۱۹۴۸ء (مقالے کا عنوان تھا 'شمالی ہند میں اُردو کے نثری قصے: ابتدا سے ۱۸۷۰ء تک، نگراں پروفیسر ضامن علی)۔
ایم.اے (سوشیالوجی) : پرائیویٹ، آگرہ یونی ورسٹی، ۱۹۵۴ء سیکنڈ ڈویژن (ٹیچر کنڈیڈیٹ)۔
ڈی.لٹ (اُردو) : آگرہ یونی ورسٹی، ۱۹۵٦ء تا ۱۹٦۰ء۔

لسانیات : ساگر یونی ورسٹی کے سمر اسکول میں ۱۹۶۱ء میں شرکت کی۔ دھارواڑ (کرناٹک یونی ورسٹی) میں ۱۹۶۲ء کے Advance Course میں شرکت کی۔

بے کار رہے : جولائی ۱۹۴۷ء تا جون ۱۹۵۰ء۔

ملازمت : ● سب اڈیٹر، روز نامہ 'پائنیر' (Pioner) لکھنؤ، کچھ دیر کے لیے بلا معاوضہ ۱۹۵۰ء۔ ● لکچرر: شعبۂ اُردو گورنمنٹ حمیدیہ ڈگری کالج، بھوپال (مدھیہ پردیش) ۱۰؍جولائی ۱۹۵۰ء (۱۹۵۲ء میں اسی کالج کے شعبۂ اُردو کے صدر ہوئے، جون، جولائی ۱۹۵۷ء میں اُردو کے بورڈ آف اسٹڈیز کے صدر اور Academic Council, Senate Faculty of Arts کے بھی ممبر ہوئے) تا ۱۳-۱۴؍اکتوبر ۱۹۶۵ء۔ ● پروفیسر شعبۂ اُردو، جموں و کشمیر یونی ورسٹی، ڈویژن جموں ۱۵؍اکتوبر ۱۹۶۵ء تا ۵؍اکتوبر ۱۹۷۶ء، ● پروفیسر شعبۂ اُردو، ۶-۸۴، یونی ورسٹی روڈ الہ آباد، ۶؍اکتوبر ۱۹۷۶ء تا ۲۴؍مارچ ۱۹۷۹ء، ● پروفیسر شعبۂ اُردو، مرکزی یونی ورسٹی آف حیدرآباد ۲۶؍مارچ ۱۹۷۹ء تا ۲۸؍فروری ۱۹۸۷ء۔ ملازمت سے سبک دوشی کے بعد دو سال دو ماہ کی توسیع ملی اور ۳۰؍اپریل ۱۹۸۹ء کو مکمل طور پر فارغ ہوئے۔ مارچ ۱۹۷۹ء میں یہاں آ کر انھوں نے اُردو کا نیا شعبہ شروع کیا۔ وہ ڈاکٹر اسداللہ وانی، جموں کو لکھتے ہیں: ''میں مارچ ۱۹۷۹ء میں الہ آباد یونی ورسٹی چھوڑ کر مرکزی حیدرآباد یونی ورسٹی میں آ گیا ہوں۔ یہ عثمانیہ یونی ورسٹی سے الگ مرکز کی نئی یونی یونی ورسٹی ہے۔ یہاں میں نے اُردو کا شعبہ شروع کیا ہے''۔ (مکتوبت مرقومہ ۱۶؍اگست ۱۹۷۵ء بہ مقام یونی ورسٹی آف حیدرآباد، حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

دورانِ ملازمت جن مقامات پر جین صاحب نے قیام کیا:

جین صاحب جولائی ۱۹۵۰ء میں حمیدیہ ڈگری کالج، بھوپال میں بہ حیثیت لکچرر اُردو ملازم ہوئے۔ اپنے قیام کے دوران انھوں نے شہر میں کرایے کا مکان لیا۔ ۱۹۵۲ء میں یہ اِسی شعبے کے صدر ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں ان کی شادی ہوئی۔ جون/ جولائی ۱۹۵۷ء میں اُردو بورڈ آف اسٹڈیز کے صدر اور Academic Council, Senate Faculty of arts کے ممبر ہوئے، تب یہ پروفیسر کالونی، بھوپال (پروفیسرس ہاؤسنگ سوسائٹی، ٹی ٹی نگر، بھوپال) میں منتقل ہو گئے۔ مارچ/ اپریل ۱۹۶۰ء میں یہ ۱۳۲، مالویہ نگر، بھوپال میں چلے آئے اور اس سال کے آخر تک یہاں قیام کیا۔

جنوری ۱۹۶۱ء میں یہ ۳۶، مالویہ نگر، بھوپال میں شفٹ ہو گئے۔ ۱۳/۱۴/اکتوبر ۱۹۶۵ء کو انھوں نے جمّوں کا رُخ کیا۔ ۱۵/اکتوبر ۱۹۶۵ء کو اُنھوں نے شعبۂ اُردو کے صدر کی حیثیت سے چارج لیا۔ یہ شعبہ جمّوں وکشمیر یونی ورسٹی، ڈویژن جمّوں کے طور پر قائم ہوا تھا اور جین صاحب اِس کے پہلے پروفیسر اور صدر مقرر ہوئے تھے۔ اِن کے اہل وعیال ابھی بھوپال ہی میں تھے۔ سال ۱۹۶۹ء تک شعبۂ اُردو، جمّوں وکشمیر یونی ورسٹی، ڈویژن جمّوں کہلاتا رہا۔ اِسی سال اِسے جمّوں وکشمیر یونی ورسٹی، جمّوں کا مکمّل درجہ مل گیا۔ جین صاحب کی خط وکتابت کا سلسلہ شعبے کے پتے پر ہی ہوتا رہا۔ اِسی سال اکتوبر میں یہ ڈین فیکلٹی آف آرٹس منتخب ہوئے۔ انتخاب بلا مقابلہ ہوا کیوں کہ آرٹس میں پروفیسر کے Status کا اور کوئی شخص نہ تھا۔ یہاں آرٹس کے علاوہ Social Science کی علاحدہ فیکلٹی تھی۔ آرٹس میں محض مختلف زبانیں، فلسفہ، نفسیات اور موسیقی کے شعبے تھے۔ اس مختصر فیکلٹی کے کُل ۱۳ ممبر تھے اُس وقت۔

۲۸/فروری ۱۹۷۰ء کے خط میں جین صاحب نے پہلی بار شعبے کے پتے کے علاوہ اپنے پرائیویٹ قیام کا پتا A-654، گاندھی نگر، جمّوں لکھا، ڈاکٹر ابومحمد سحر کے نام۔ لیکن اِس سے قبل اپنے ایک خط میں جس کے سرنامے پر شعبۂ اُردو، جمّوں وکشمیر یونی ورسٹی، جمّوں لکھا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرورؔ کو لکھتے ہیں:

> ''میں نے تین چار دن قبل مکان تبدیل کیا ہے۔ یہ مکان بھی اچھا ہے گو پہلا قدرے زیادہ اچھّا تھا۔ کرایہ زیادہ ہے یعنی ۱۸۰/روپے۔ جمّوں میں خانہ بدوشوں کی طرح رہنا پڑتا ہے۔ مالک مکان زیادہ دن ٹھہرنے نہیں دیتے کیوں کہ کرایے روز بڑھتے رہتے ہیں۔ سوا دو سال کی مدت میں مَیں چوتھے مکان میں آیا ہوں''۔

(مکتوب مرقومہ ۱/جنوری ۱۹۶۸ء، بہ نام پروفیسر آل احمد سرور، خط نمبر ۳۹، غیر مطبوعہ)

بار بار مکان بدلنے کی وجہ سے ہی وہ مشاہیر کے نام خطوط کے سرنامے پر ہمیشہ شعبے کا پتا درج کرتے تھے تاکہ ان تک خط پہنچنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہو۔

۲۸/جون ۱۹۷۴ء کو جین صاحب نے جو خط ڈاکٹر ابومحمد سحرؔ کو لکھا وہ گاندھی نگر والے مکان کے پتے پر سے لکھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اب کی بار وہ قریب سوا چار سال اُسی مکان میں رہے۔ ۶/ستمبر ۱۹۷۴ء والا خط شعبے کے پتے پر سے لکھا گیا، لیکن ۱۳/اکتوبر ۱۹۷۴ء کو جو خط انھوں نے ابومحمد سحر صاحب کو لکھا اُس کے اوپر 270، کرشنا نگر، جمّوں-180001 درج ہے۔ یہ

مکان یونی ورسٹی کیمپس کے بالکل نزدیک ہے، یعنی شعبے سے مشکل سے تین سومیٹر کے فاصلے پر ہوگا۔ شہر سے مین سڑک جو تالاب تلّو کی طرف جاتی ہے اس کے داہنے طرف کرشنا نگر ہے اور بائیں طرف گاندھی میموریل سائنس کالج اور یونی ورسٹی کیمپس ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک پتلی سی سڑک ہے۔ یونی ورسٹی کیمپس کے مغربی جانب راجندر پارک ہے جس کے بیچوں بیچ سے رنبیر نہر گزرتی ہے۔ ان دنوں جموں شہر میں گرمیوں کی تفریح کے لیے یہی ایک پارک تھا۔ کیمپس کی چار دیواری میں اس جانب بھی ایک چھوٹا سا گیٹ تھا۔ آج کل اس کو اولڈ کیمپس کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں یونی ورسٹی ملازمین کے لیے کوارٹر بنے ہوئے ہیں۔

جین صاحب ۱۰/مئی ۱۹۷۶ء تک 270، کرشنا نگر والے مکان میں رہے۔ اس کے بعد انھیں یونی ورسٹی کوارٹر مل گیا اور وہ اس میں منتقل ہو گئے۔ ابومحمد سحر صاحب کو لکھتے ہیں:

''آپ کا ۱۰/مئی کا کارڈ ملا۔ شکریہ۔ میں نے ۱۱/مئی کو مکان بدل لیا ہے۔ یونی ورسٹی کوارٹر میں آ گیا ہوں۔ اب خواہ مندرجہ بالا پتا لکھیے خواہ شعبۂ اُردو جموں یونی ورسٹی کا، کوئی فرق نہیں پڑتا''۔

(مکتوب مرقومہ ۲۱/مئی ۱۹۷۶ء، 3، اسٹاف کوارٹر، جمّوں یونی ورسٹی، جمّوں-100081، خط نمبر ۵۶، ''مشاہیر کے خطوط بہ نام ڈاکٹر ابومحمد سحر'' جلد اوّل، ص ۱۸۹)

پروفیسر گیان چند جین ۲۶/جولائی ۱۹۷۶ء کو دلّی سے ابومحمد سحر صاحب کو لکھتے ہیں:

''پرسوں میں الہٰ آباد میں انٹرویو دے آیا اور آپ کی دعاؤں سے منتخب ہو گیا۔ باہر سے کوئی امیدوار نہیں آیا تھا۔ دو مقامی امیدوار فردوس فاطمہ اور عقیل تھے۔ ماہرین میں رفیعہ سلطانہ اور خورشید الاسلام تھے۔ لکھنؤ میں انھوں نے جس طرح میری مخالفت کی تھی الہٰ آباد میں اسی طرح پُر زور حمایت کی۔ انٹرویو میں مجھ سے بالکل کوئی سوال نہیں پوچھا۔ کمیٹی کے جملہ ممبران میرے حق میں تھے۔ ریڈر کے لیے فردوس فاطمہ اور عقیل کا انتخاب ہوا۔ تین لکچرر بھی مقرر ہوئے ہیں۔ ان کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ افواہ ہے کہ تینوں سنّی ہیں۔

۲۹/جولائی کو ایکزکیٹو کونسل کی میٹنگ میں فیصلے کی توثیق ہو جائے گی اور پھر تقررنامہ جاری ہوگا۔ امید ہے اگست کے آخر تک میں کام سنبھال لوں گا''۔

(مکتوبہ مرقومہ ۲۶/جولائی ۱۹۷۶ء، مقام دلّی، ایضاً، جلد اول، ص ۹۲-۱۹۱)

مکتوب مرقومہ ۱۵/اگست ۱۹۷۶ء بہ مقام جمّوں کی آخری سطر میں لکھتے ہیں:

''میں اکتوبر کے پہلے ہفتے جمّوں چھوڑ کر الہٰ آباد جاؤں گا''۔(ایضاً، ص۱۹۵)

ایسا ہوا، ۵/اکتوبر ۱۹۷۶ء کو انھوں نے صدرِ شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی کا چارج پروفیسر شیام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری کو دیا اور اُسی رات الہٰ آباد کے لیے روانہ ہوگئے۔ ۶/اکتوبر ۱۹۷۶ء کو انھوں نے بہ حیثیت صدرِ شعبۂ اُردو، ۶-۸۴، یونی ورسٹی روڈ، الہٰ آباد کا چارج لے لیا۔ یہ یہاں ڈھائی سال کے قریب رہے۔ اس دوران جن حضرات سے مراسلات کا سلسلہ رہا وہ یونی ورسٹی کے پتے پر ہی رہا۔ کسی بھی خط میں ان کے پرائیویٹ قیام کا پتا درج نہیں ہے۔

پروفیسر گیان چند جین ۲۴/مارچ ۱۹۷۹ء تک صدرِ شعبۂ اُردو، الہٰ آباد یونی ورسٹی رہے، اس کے بعد وہ حیدرآباد کے لیے مع اپنی اہلیہ کے روانہ ہوگئے۔ وہ اپنے مکتوب مرقومہ ۶/اپریل ۱۹۷۹ء کو ڈاکٹر ابو محمد سحر کو لکھتے ہیں:

> ''میں اپنی اہلیہ کے ساتھ یہاں ۲۶/مارچ کو آ گیا اور پروفیسری کا چارج لے لیا۔ چند روز بعد D.A کی آخری حد 2400 سے بڑھا کر 2750 روپے کر دی گئی جس کے نتیجے میں مجھے 2250 کی بنیادی تنخواہ پر کُل ملا کر 3025 روپے ملیں گے۔ اب حیدرآباد سے الہٰ آباد نہیں جاسکتے۔ یہ مرکزی یونی ورسٹی J.N.U کے نمونے پر بنی ہے۔ ابھی اس میں کُل 250 طلبہ ہیں۔ سائنس کے کلاس نئے کیمپس میں ہوتے ہیں۔ آرٹس کے شعبے شہر میں ہیں۔ اُردو میں میرے سوا ایک ریڈر ڈاکٹر ثمینہ شوکت ہیں۔ لکچرر کا تقرر ہونا ہے۔ مزید پوسٹ بعد میں ملیں گی۔ یہاں Semister نظام ہے۔ جولائی سے ایم فل اور پی ایچ ڈی شروع کر دوں گا۔ یہاں مارچ میں آ کر ہم اُردو میں سوا ۳۲ ہزار روپیوں کی کتابیں خرید سکے''۔
>
> (مکتوب مرقومہ ۶/اپریل ۱۹۷۹ء، بہ مقام University of Hyderabad, Golden Threshold, Hyderabad-500001، خط نمبر ۶۷)

اسی خط میں آگے لکھتے ہیں:

> ''ابھی ہم یونی ورسٹی کے گیسٹ ہاؤس میں رہ رہے ہیں۔ جون میں مکان لے لیں گے اور سامان لے آئیں گے۔ یونی ورسٹی ۱۰/مئی سے دو ماہ کے لیے بند ہوگی۔ اکتوبر میں ایک ہفتہ اور دسمبر میں ایک مہینا بند رہتی ہے''۔

جین صاحب جولائی کے مہینے میں سحرؔ صاحب کو لکھتے ہیں:

> ''میں نے یہاں مکان لے لیا ہے۔ سامان لے آیا ہوں۔ اِس سال ایم

اے اُردو اور پی ایچ ڈی کھولنا ہے۔ ایک لکچرر کا فی الحال مزید تقرر ہوگا۔ ریڈر ثمینہ شوکت پہلے ہی سے ہیں۔...میرے پتے کے لیے نام اور یونی ورسٹی آف حیدرآباد، حیدرآباد-500001 کافی ہے‘‘۔

(مکتوب مرقومہ ۱۳ر جولائی ۱۹۷۹ء، بہ مقام یونی ورسٹی آف حیدآباد، حیدرآباد–500001)

شہر میں جین صاحب نے مکان تو لے لیا مگر اُس کا پتا درج نہیں کیا۔ مراسلات کے لیے یونی ورسٹی کا پتا ہی لکھ دیا، لیکن ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو جو خط سحرؔ صاحب کو لکھا اُس کے سرنامے پر پتا یوں درج ہے: 4-986/7، سالار جنگ کالونی، حیدرآباد 500008۔

۲۴ر ستمبر ۱۹۸۲ء کے خط میں جین صاحب نے یونی ورسٹی کواٹرس کا پتا یوں درج کیا ہے: A/5، اسٹاف کوارٹرس، سنٹرل یونی ورسٹی، پوسٹ آفس حیدرآباد–500134۔

جین صاحب جتنی مدت حیدرآباد میں رہے مراسلات کا سلسلہ شعبے کے پتے پر ہی ہوتا رہا۔ صرف دو چار خط ہی یونی وسٹی کوارٹرس کے پتے پر سے لکھے گئے۔ وہ ۳۰ر اپریل ۱۹۸۹ء کو مکمّل طور پر ملازمت سے فارغ ہوئے، جس میں ان کی ملازمت کی توسیع کے دو سال دو ماہ بھی شامل ہیں۔ لیکن یہ مارچ ۱۹۹۰ء کے آخر تک حیدآباد میں ہی رہے۔

۹ر اپریل ۱۹۹۰ء کو ایک ہی دن ڈاکٹر خلیق انجم اور ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ کو 12/692، اندرا نگر، لکھنؤ-226016 سے لکھتے ہیں۔ خلیق انجم صاحب کے خط میں صرف یہ پتا درج کیا ہے، جب کہ سحرؔ صاحب کو لکھتے ہیں: ’’میں ۲ر اپریل کو ساز و سامان کے ساتھ آ گیا۔ فی الحال اپنے خطۂ زمین کے بالکل پاس کرایے کا مکان لے لیا ہے۔ امید ہے ایک دو دن میں مکان کی چھت پڑ جائے گی۔ اگست تک مکان مکمّل ہونا چاہیے‘‘۔ (مکتوب بہ نام ابو محمد سحرؔ، خط نمبر ۸۷)

۳۰ر اپریل ۱۹۸۹ء کے بعد حیدرآباد میں قیام کی اصل وجہ یہ تھی جو وہ خلیق انجم صاحب کو لکھتے ہیں:

> ’’مجھے دو سال کے لیے یو جی سی سے Emertus Fellow ship ملی ہے جس کے تحت ۴ ہزار روپیہ ماہانہ اور سال بھر کے لیے دس ہزار روپے متفرق اخراجات کے ملتے ہیں۔ نو دس مہینے حیدرآباد میں رہ کر میں نے اپنی فیلوشپ لکھنؤ یونی ورسٹی کو منتقل کرالی۔ یو جی سی اور لکھنؤ یونی ورسٹی میں اتنی بد نظمی ہے کہ آج نو مہینے گزرنے پر بھی مجھے لکھنؤ یونی ورسٹی سے فیلوشپ کا یا Contingency کا ایک پیسا بھی ادا نہیں ہوا۔ حیدرآباد میں

Contingency کی فیس کی تقریباً آدھی رقم خرچ کرسکا، ساڑھے چار ہزار روپے یو جی سی کو واپس ہو گئے۔

اس Contingency میں منجملہ اور اخراجات کے باہر کے سفر کے اخراجات بھی ملتے ہیں۔ میں جولائی اور اکتوبر میں جو دہلی گیا اُس کا TA وصول کرنا چاہتا ہوں۔لکھنؤ یونی ورسٹی کے دفتر حساب والے چاہتے ہیں کہ اس کے لیے دہلی سے کسی کا سرٹی فکٹ چاہیے کہ میں نے وہاں لائبریری سے استفادہ کیا۔حیدرآباد والے تو ایسا مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ بہرحال آپ سے گزارش ہے کہ آپ مجھے دو سرٹی فکٹ دے دیں جن میں آپ لکھ دیں کہ میں نے انجمن کے کتب خانے میں مطالعہ کیا۔حسبِ ذیل تاریخیں لکھیے :

۷؍جولائی ۱۹۹۰ء (سنیچر) تا ۹؍جولائی ۱۹۹۰ء (سوموار) کُل تین دن۔

۲۰؍اکتوبر ۱۹۹۰ء (سنیچر) تا ۲۵؍اکتوبر ۱۹۹۰ء (جمعرات) کُل ۶ دن۔

سرٹی فکٹ انگریزی میں لکھیں۔اس پر آپ دستخط کریں یا لائبریرین کے دستخط کرادیں۔میرا خیال ہے کہ آپ کے دستخط ہی کافی ہوں گے۔اس عنایت کے لیے مشکور رہوں گا''۔

(مکتوب مرقومہ ۷؍دسمبر ۱۹۹۰ء، 9/25، اندرا نگر، لکھنؤ-226016، خط نمبر ۲۷، غیر مطبوعہ)

مذکورہ خط پر جو سرنامہ درج ہے یہ جین صاحب کے اپنے مکان کا پتا ہے۔اسی پتے پر سے ابو محمد سحرؔ صاحب کو لکھتے ہیں:

''میں ۶؍اپریل ۱۹۹۰ء کو لکھنؤ پہنچا تھا۔مکان کی تعمیر کا کام اس سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔۲۲؍اگست ۱۹۹۰ء کو ہم مکان میں منتقل ہو گئے۔قطعۂ زمین ۲۸۸ مربع میٹر یعنی ۳۴۴ مربع گز کا ہے۔with area تقریباً 1900 فیٹ ہے۔کافی بڑا مکان ہے۔ساتھ کا ایک اور پلاٹ بھی میرا ہے۔اس پر احاطے کی فصیل بنوادی ہے اور پھاٹک لگوادیا ہے۔اس میں اور مکان کی تعمیر میں چار لاکھ ۶۵ ہزار روپے ٹھیکے دار اور achitect کو دیے۔ان کے علاوہ بھی کچھ اور لگا ہے یعنی تقریباً پونے پانچ لاکھ روپے۔ زمین کی قیمت اس کے علاوہ ہے''۔

(مکتوب مرقومہ ۸؍فروری ۱۹۹۱ء، بہ نام ابو محمد سحرؔ، خط نمبر ۸۸)

اسی خط میں یوں لکھتے ہیں:

''میرے سب بچّے ملک کے باہر چلے گئے ہیں۔ چھوٹا لڑکا آشو دلّی میں تھا۔ وہ بھی جولائی میں امریکہ چلا گیا اور لاس اینجلس میں نوکری کر لی ہے۔ لڑکی وہیں ہے۔ ایک لڑکا نائیجیریا میں ہے۔ اگر زندہ رہے تو کچھ برس بعد ہمیں بھی ملک چھوڑ کر امریکہ جا بسنا ہوگا۔ کم از کم اُس وقت جب ہم زن و شو میں سے ایک ہی رہ جائے گا۔ مکان میں کبھی کوئی اولاد نہیں آئے گی۔ آخر کار اسے بکنا ہے''۔ (ایضاً)

مکان کے بکنے کے آثار ۱۹۹۶ء میں ہی ظاہر ہونے لگے تھے۔ جین صاحب سرؔور صاحب کو لکھتے ہیں:

''میرے تین بچّوں میں سے دو امریکہ میں ہیں اور ایک تھائی لینڈ بنکاک میں۔ ان کا شدید اصرار تھا کہ میں اور میری اہلیہ امریکہ منتقل ہو جائیں۔ ۱۹۹۶ء کی گرمیوں میں جب ہم امریکہ گئے تو ہم نے ان کے اصرار کو قبول کر لیا۔ درخواست دے دی گئی جو منظور ہو گئی لیکن ابھی بہت سی کاغذی کارروائی باقی ہے۔ امید ہے سال کے آخر تک ہمیں visa مل جائے گا۔ اس کے چند ماہ بعد چلے جائیں گے۔ اپنی لائبریری اُردو اکیڈمی کو ہدیہ کروں گا۔ امریکہ جانے پر اُردو کے رسالے تو پڑھ سکوں گا لیکن لکھنا بہت کم ہو جائے گا، لیکن یہاں جو ہم بے سہارا ہیں، اس کے ہوتے اور کوئی چارہ نہیں''۔ (مکتوب مرقومہ ۱۸؍جون ۱۹۹۷ء، 9/25، اندرا نگر، لکھنؤ-226016، خط نمبر ۹۵، غیر مطبوعہ)

قریب ایک سال بعد انھیں ویزا مل گیا۔ مستقل ہجرت سے متعلّق سرؔور صاحب کو یوں بتاتے ہیں:

''میں اور اہلیہ چار دن دہلی رہ کر کل واپس آئے۔ دو قسم کے ویزا لایا ہوں۔ ایک پاکستان کا ویزا ہے ۱۵ دن کا۔ اکتوبر میں جا کر بابائے اُردو لکچر کو نمٹا آؤں گا۔ اس کے بعد لاہور اور اسلام آباد جاؤں گا۔ دوسرا امریکہ کا Immigrant visa ہے۔ ہمیں ۷؍جنوری ۱۹۹۸ء تک امریکہ میں داخل ہونا ہے جس کے بعد ہمیں گرین کارڈ دے دیا جائے گا۔ میرا ارادہ دسمبر کے آخری ہفتے میں جانے کا ہے۔ میں ایک بار ہی آخری طور پر جاؤں گا۔ جانے سے پہلے ہزار مسائل ہیں۔ مکان اور اسبابِ خانہ داری کو فروخت کرنا یا پھینکنا ہیں۔ امریکہ میں صرف دو بڑی بڑی Attache لے جا سکتے ہیں یعنی اہلیہ اور میں کُل

ملا کر چار اٹیچی کیس۔ سوچتا ہوں کہ کچھ کتابیں سمندر کے راستے پارسل کرادوں گا۔ اس عمر میں پھر ایک بار سکونت منتقل کرنے کی ذمے داری آ پڑی ہے۔

دلّی سے آکر بیمار ہو گیا۔ کھانسی ہو گئی ہے۔ آج ڈاکٹر کے پاس جاؤں گا۔ چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے ایک بار آپ سے نیاز حاصل کر لیتا لیکن یہ مقدر میں نہیں۔ بہر حال لکھتا رہوں گا''۔

(مکتوب مرقومہ ۱۳؍دسمبر ۱۹۹۷ء، 9/25، اندرا نگر، لکھنؤ-226016، خط نمبر ۱۰۰، غیر مطبوعہ)

ستمبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء میں جین صاحب نے اپنا مکان، اسبابِ خانہ داری، پلاٹ سب کچھ فروخت کر ڈالا۔ کتابوں کے چار کریٹ بھی بہ ذریعۂ سمندر پارسل کرا دیے۔ ۲۱؍دسمبر کی رات مع اپنے سامان و اہلیہ کے لکھنؤ ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ کسی اُٹھائی گیرا نے ان کا چھوٹا بیگ اُٹھا لیا جس میں ان دونوں کے پاسپورٹ، ہوائی اور ریل ٹکٹ، ۹-۹ ہزار روپے کے ۲۷ بینک ڈرافٹ، لاکھ روپے سے زیادہ کے اندرا وکاس پتر، کچھ نقد اور احباب کے پتوں والی ڈائری تھی، سب گم ہو گئے۔

اسٹیشن پر پولیس میں رپورٹ درج کرائی اور مجبوراً آ کر خالی مکان میں ٹھہر گئے۔ بھاگ دوڑ کے بعد دوبارہ سے نئے سرے سے انھیں یہ چیزیں حاصل کرنی پڑی۔ اندرا وکاس پتر کا تو پوی طرح نقصان ہو گیا، کیوں کہ ان کے نمبر ان کے پاس نہیں تھے۔ ۳۰؍دسمبر ۱۹۹۷ء کو انھیں پاسپورٹ ملے اور یکم جنوری کو بینک ڈرافٹ۔ اُسی شام کو دلّی کے لیے روانہ ہوئے اور ۶؍جنوری ۱۹۹۸ء کو امریکہ پہنچ گئے۔ امریکہ میں ان کا پتا یہ رہا:

3262 OAK LEAF CHINO HILLS-CA-91709, USA

فون نمبر 001-909-3932963

۱۹۹۸ء تک امریکہ میں ان کا یہی پتا رہا۔ اس کے بعد ان کے بیٹے نے دوسری جگہ مکان بنا لیا اُس کا پتا یوں ہے:

23 NEVADA IRVINE-CA-91606, USA

فون نمبر 949-559-6012

داماد وولٹر کی یعنی بیٹی کا پتا:

r. JINDAL, MD/MANISHA JINDAL
22356, WEST HARRISON STREET PORTER VILLE,
CALIFONIA, 93257

پروفیسر گیان چند جین اور ان کی اہلیہ کی زندگی کے آخری ایام کا پتا:

valleycare centre, 661 W.Poplar AVE,
Porter Ville, CA-93257 (USA)

زندگی کے آخری ایام میں دونوں میاں بیوی اسی شفاخانے کے ایک کمرے میں رہتے تھے۔ اسی کمرے کی پُشت پر ایک چھوٹا کمرا تھا جس میں ان کے کاغذات اور کچھ کتابیں تھیں۔

جین صاحب کو پارکنسن (Parkinson)، پروسٹیٹ (Prostate) کا کینسر اور دماغ میں گُٹھلی ہوگئی تھی۔ ان کی بیوی کا بھی آخری عمر میں دماغی توازن بگڑ گیا تھا۔ دونوں کو عمر کے آخری ایام تک اسی شفاخانے میں رہنا پڑا۔ یہاں ان کے داماد ڈاکٹر تھے۔

۱۹؍اگست ۲۰۰۷ء کو ادبی دُنیا کا ایک درخشندہ ستارہ یہیں غروب ہوا۔ امریکہ میں جین صاحب کے بیٹے اور بیٹی کے پتے اس لیے درج کیے گئے کہ ان دونوں کا آخری قیام انھی کے پاس رہا، دوسرے آیندہ آنے والا کوئی ریسرچ اسکالر جین صاحب پر کام کرنا چاہے تو بہ ذریعۂ خط وہ ان سے رابطہ قائم کر کے اُن سے متعلّق معلومات حاصل کرسکتا ہے (مگر اس کی امید کم ہی ہے)۔

انعامات واعزازات:

۱- یو. پی اُردو اکیڈمی کا انعام برائے سال ۷۱-۱۹۶۹ء، دو ہزار روپے، ’اردو مثنوی شمالی ہند میں‘ کے لیے مارچ ۱۹۷۳ء میں دیا گیا۔

۲- یو. پی اُردو اکیڈمی کا انعام برائے سال ۱۹۷۲ء، تین ہزار روپے، ’تفسیرِ غالب‘ کے لیے مارچ ۱۹۷۳ء میں دیا گیا۔

۳- یو. پی اُردو اکیڈمی کا انعام برائے سال ۱۹۷۳ء، تین ہزار روپے، ’لسانی مطالعے‘ کے لیے مارچ ۱۹۷۴ء میں دیا گیا۔

۴- غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کا انعام برائے سال ۱۹۷۳ء، پانچ ہزار روپے، ’تفسیرِ غالب‘ کے لیے ۱۹۷۴ء (Received in the very first bathc) میں دیا گیا۔

۵- جے اینڈ کے اکیڈمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لنگویجز کا انعام برائے سال مارچ ۱۹۷۵ء، دو ہزار روپے، ’تجزیے‘ کے لیے دیا گیا۔

۶- ادبی خدمات کے لیے آل انڈیا میر اکیڈمی، لکھنؤ کا ’امتیازِ میر‘ پانچ ہزار روپے کے انعام سے ۲۷؍نومبر ۱۹۷۷ء کو جین صاحب کو نوازا گیا۔

۷- یو. پی اُردو اکیڈمی کا انعام برائے سال ۱۹۷۸ء، تین ہزار روپے، ’حقائق‘ کے لیے مارچ

۱۹۷۹ء میں دیا گیا۔

۸- ساہتیہ اکیڈمی، نیو دہلی کا انعام برائے سال ۱۹۸۲ء، پانچ ہزار روپے 'ذکر و فکر' کے لیے فروری ۱۹۸۳ء میں دیا گیا۔

۹- ادبی خدمات کے لیے آل انڈیا میر اکیڈمی، لکھنؤ کا 'امتیازِ میر' تین ہزار روپے کے انعام سے ۲۲ر دسمبر ۱۹۸۵ء کو جین صاحب کو نوازا گیا۔

۱۰- Declined U.P. Urdu Academy's 1991 award of Rs. 10,000, Announced in August 1992 for Total Sevices

۱۱- 'نقوش ایوارڈ' لاہور، ۱۹۹۲ء، ۲۵ ہزار روپے، لسانی خدمات کے لیے۔

۱۲- ہندستان کا سب سے بڑا سویلین ایوارڈ پدم شری پروفیسر گیان چند جین کو ۲۰۰۲ء میں ملا۔

عہدے اور امتیازات:

۱- چار پوسٹ گریجویٹ شعبہ جات میں یہ اُردو کے صدر اور پروفیسر رہے، ایک کالج میں اور تین یونی ورسٹیوں میں۔

۲- اُردو کے تین نئے پوسٹ گریجویٹ شعبہ جات قائم کیے: بھوپال، جمّوں اور حیدر آباد۔

۳- جولائی ۱۹۵۲ء سے فروری ۱۹۸۷ء (ملازمت سے سبک دوشی) تک مسلسل یہ صدرِ شعبۂ اُردو رہے۔ مارچ ۱۹۸۷ء تا اپریل ۱۹۸۹ء ملازمت میں توسیع تو ہوئی لیکن بہ حیثیت صدرِ شعبہ نہیں۔

۴- آل انڈیا یونی ورسٹیز اُردو کانفرنس کی ریسرچ سیکشن کی مسلسل تین بار صدارت کی جو سری نگر، علی گڑھ اور لکھنؤ میں منعقد ہوئیں۔

۵- بنارس ہندو یونی ورسٹی کے ایک ریسرچ اسکالر کو 'ڈاکٹر گیان چند جین: حیات و خدمات' پر پی ایچ. ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی۔ عثمانیہ یونی ورسٹی، حیدر آباد اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ریسرچ اسکالرز کو بھی جین صاحب پر تحقیقی کام کرنے کے عوض میں ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں تفویض ہو چکی ہیں اور کئی شعبہ جات میں کام ہو رہا ہے۔

۶- پروفیسر گیان چند جین چھے یونی ورسٹیوں کے پی ایچ. ڈی اور ڈی لٹ کے ریسرچ اسکالرز کے نگراں رہ چکے ہیں، جن میں آگرہ، وکرم، بنارس، جمّوں، الٰہ آباد اور حیدر آباد قابلِ ذکر ہیں۔

۷- مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد (پاکستان) نے ۱۹۹۱ء میں ڈاکٹر گیان چند جین (کتابیات) نام

کا ۲۶ صفحات کا کتابچہ شائع کیا۔

۸- حکومتِ مدھیہ پردیش، بھوپال کے پہلے 'اقبال سمّان' چار ممبرانِ جیوری کے جین صاحب ممبر رہے (پہلے یہ سمّان پچاس ہزار کا تھا بعد میں اِسے بڑھا کر ایک لاکھ کا کر دیا گیا)۔

۹- Referee for Ramon Magaaysay award of Philippines for 1987

۱۰- انجمن ترقّیِ اُردو کراچی (پاکستان) نے پروفیسر گیان چند جین کو ۱۹۹۴ (اکتوبر) میں بابائے اُردو میموریل لکچرز کے لیے دعوت دی تھی اور یہ وہاں تشریف بھی لے گئے تھے۔ کراچی، اسلام آباد اور لاہور سے ہو آئے تھے۔

۱۱- پروفیسر گیان چند جین کشمیر سے کنیا کماری، آسام سے مہاراشٹر، یو.کے، یو.ایس.اے، کنیڈا، جاپان، سنگاپور، تھائی لینڈ (بنکاک) اور پاکستان کے سفر کر چکے تھے۔

تصانیف (کتب)

۱- کئی سو آرٹیکل (مضامین) برِّصغیر ہند و پاک کے مختلف ادبی جرائد میں شائع ہوئے جن میں سے بہت سے ان کی کُتب میں شامل ہیں۔

۲- کئی انگلش آرٹیکل، انسائیکلو پیڈیا، جرنل اور خصوصی شماروں کے لیے لکھے گئے۔

کتب معِ نام و سالِ اشاعت

۱- اُردو کی نثری داستانیں: ڈی.فل کا مقالہ، انجمن ترقّیِ اُردو، پاکستان، کراچی پہلا اڈیشن ۱۹۵۴ء، دوسرا اضافہ شدہ اڈیشن ۱۹۶۹ء، تیسرا مزید اضافہ شدہ اڈیشن، یو.پی اُردو اکیڈمی، لکھنؤ۔

۲- تحریریں: تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ، فروغِ اُردو لکھنؤ، ۱۹۶۴ء۔

۳- اُردو مثنوی شمالی ہند میں: ڈی.لٹ کا مقالہ، انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)، پہلا اڈیشن علی گڑھ، ۱۹۶۹ء، دوسرا نظرِ ثانی شدہ اڈیشن دہلی، ۱۹۸۷ء۔

۴- تفسیرِ غالب: جمّوں اینڈ کشمیر آف آرٹ، کلچر اور لنگویجز، سری نگر، پہلا اڈیشن ۱۹۷۲ء، دوسری اڈیشن ۱۹۸۶ء۔

۵- لسانی مطالعے: لسانیات سے متعلّق۔ پہلا اڈیشن ۱۹۷۳ء، نیشنل بُک ٹرسٹ، نیو دہلی، دوسرا اڈیشن بیورو فار پرموشن آف اُردو، نیودہلی ۱۹۷۹ء، تیسرا نظرِ ثانی شدہ اڈیشن۔

۶- تجزیے: تحقیقی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ، جامعہ بُک ڈپو، نیودہلی، ۱۹۷۳ء۔

۷- رموزِ غالبؔ: غالبؔ سے متعلّق تحقیقی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ۔ جامعہ بُک ڈپو، نیودہلی، ۱۹۷۶ء۔

۸- حقائق: لسانیات سے متعلّق تحقیقی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ۔ ۱۹۷۸ء میں الٰہ آباد سے جین صاحب نے خود شائع کیا۔

۹- ذکروفکر: تحقیقی، تنقیدی اور لسانیات سے متعلّق مضامین کا مجموعہ۔ ۸۱-۱۹۸۰ء میں جین صاحب نے الٰہ آباد سے خود شائع کیا۔

۱۰- عام لسانیات: (۹۱۰ صفحات) بیوروفار پرموشن آف اُردو، نیودہلی، ۱۹۸۵ء۔

۱۱- اُردو کا اپنا عروض: پہلی بار مقالے کی صورت میں ’اُردو ادب‘ دہلی میں ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔ کتابی صورت میں انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور سے بھی اِسے شائع کیا۔

۱۲- کھوج: تحقیقی مضامین کا مجموعہ۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۰ء۔

۱۳- پرکھ اور پہچان: تنقیدی مضامین کا مجموعہ، ایضاً، ۱۹۹۰ء۔

۱۴- تحقیق کا فن: (۶۸۰ صفحات) یو. پی اُردو اکیڈمی، لکھنؤ، ۱۹۹۰ء۔

۱۵- ادبی اصناف: گجرات اُردو اکیڈمی، گاندھی نگر، گجرات، ۱۹۹۰ء۔

۱۶- مقدمے اور تبصرے: انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)، نیودہلی، ۱۹۹۰ء۔

۱۷- کچّے بول: کلام کا مجموعہ۔ جین صاحب نے اِسے خود ۱۹۹۲ء میں لکھنؤ سے شائع کیا۔

۱۸- ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیبِ ماہ وسال (۱۹۰۸ء تک): اُردو ریسرچ سنٹر، حیدرآباد، ۱۹۸۸ء اور شائستہ پبلشنگ ہاؤس، کراچی، ۱۹۸۸ء۔

۱۹- تاریخِ اُردو ادب، حصہ اوّل (۱۷۰۰ء تک)، شرکت میں پروفیسر سیّدہ جعفر، بیورو فار پرموشن آف اُردو، نیو دہلی۔

○

۱- اوپندر ناتھ اشکؔ	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۱ء
۲- غالب شناس مالک رام	غالب اکیڈمی، حضرت نظام الدین، نئی دہلی
۳- اردو کی ادبی تاریخیں	انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان، ۲۰۰۱ء
۴- نیا ورق	اُردو ریسرچ سنٹر، حیدرآباد
۵- شخصیات و مشاہدات	
۶- قاضی عبدالودود بہ حیثیت مرتّبِ متن	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۹ء
۷- ایک بھاشا، دو لکھاوٹ، دو ادب	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۵ء

○

۱- شاعر، بمبئی کا گوشۂ گیان چند جین	۱۹۸۳ء
۲- نذرِ جین	سنٹرل یونی ورسٹی حیدرآباد کے اساتذہ اور طلبہ نے جین صاحب کو ساہتیہ اکیڈمی کی طرف سے انعام ملنے پر ایک تقریب کا انعقاد ۸/مارچ ۱۹۸۳ء کو کیا اور اُس میں اِنھیں یہ پیش کیا گیا۔

ممبر شپ اور پوزیشن

۱- جنرل کونسل آف انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) کے تاحیات ممبر منتخب ہوئے۔

۲- ڈین فیکلٹی آف آرٹس، جمّوں یونی ورسٹی، ۷۳-۱۹۶۹ء۔

۳- گجرال کمیٹی فار پرموشن آف اُردو، گورنمنٹ آف انڈیا کے ممبر رہے، ۷۵-۱۹۷۲ء۔

۴- جمّوں یونی ورسٹی کی سنڈی کیٹ کمیٹی کے ممبر رہے، ۱۹۷۶ء۔

۵- بھارتیہ جن پیٹھ نئی دہلی کی اُردو کمیٹی کمیٹی کے ممبر رہے۔
۶- ہندستانی اکیڈمی، یو. پی، آلہ آباد کے وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔
۷- بیورو فار پرموشن آف اُردو، گورنمنٹ آف انڈیا، نیو دہلی کے ممبر رہے۔
۸- ساہتیہ اکیڈمی (نیشنل اکیڈمی آف لیٹرز) گورنمنٹ آف انڈیا کی اُردو کمیٹی کے ممبر رہے۔
۹- ساہتیہ اکیڈمی آندھرا پردیش کی اُردو کمیٹی، حیدرآباد کے ممبر رہے۔
۱۰- غالب انسٹی ٹیوٹ، گورنمنٹ آف انڈیا، نئی دہلی کے تاحیات ممبر منتخب ہوئے۔
۱۱- ڈاکٹر امبیڈکر یونی ورسٹی، لکھنؤ (اکیڈمک کونسل) کمیٹی کے ایکسپرٹ منتخب ہوئے۔
۱۲- یو. پی اُردو اکیڈمی، لکھنؤ کی ایگزیکیٹو کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔
۱۳- لکھنؤ ٹی وی سنٹر کے اسپانسر پروگرام اور فیچر فلم کی سلیکشن کمیٹی کے ممبر رہے۔

جن عہدوں کے لیے انھوں نے انکار کیا یا استعفا دیا

۱- گورنمنٹ ڈگری کالج سیہور سے (نزدیک بھوپال) مدھیہ پردیش کے پرنسپل کے عہدے کے لیے انکار کیا۔
۲- مدھیہ پردیش، بھوپال کے بورڈ آف ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن اُردو کمیٹی کی چیئرمین شپ سے انکار کیا۔
۳- کشمیر یونی ورسٹی کی سنڈی کیٹ کمیٹی کی ممبر شپ سے انکار کیا، ۱۹۷۶ء۔
۴- جمّوں یونی ورسٹی کی سنڈی کیٹ کمیٹی کی ممبر شپ سے ۱۹۷۶ء میں استعفا دے دیا۔
۵- الٰہ آباد یونی ورسٹی کے پرو وائس چانسلر شپ کے لیے اگست ۱۹۷۸ء میں انکار کیا۔
۶- کئی سنٹرل اور اسٹیٹ یونی ورسٹیوں کے لیے پروفیسروں کے انتخاب کرنے والی سلیکشن کمیٹیوں کی ممبر شپ سے انکار کر دیا۔
۷- ہیومین پروپینل آف دی یو جی سی، گورنمنٹ آف انڈیا، نیو دہلی کی ممبر شپ سے انکار کر دیا۔
۸- انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) نئی دہلی کی جنرل کونسل کی تاحیات ممبر شپ سے استعفا دے دیا۔

☆☆☆

جین صاحب کا اِملا

دُنیا کی ہر زبان کا اپنا ایک رسم الخط ہے اور اِس کے اِملا کے قاعدے منضبط ہیں۔ اگر قاعدے منضبط نہ ہوں تو پھر ہر آدمی آزاد ہے وہ جس طرح چاہے لکھّے، اِس سے یہ ہوگا کہ زبان کے اِملا میں یک رنگی اور یک سائی قائم نہیں رہے گی، ایسی صورت میں زبان کے لیے ایک خطرہ پیدا ہو جائے گا اور انتشار بڑھتا چلا جائے گا۔

دُنیا کی سبھی بڑی زبانوں سنسکرت، فارسی، عربی اور انگریزی نے اپنے اپنے قاعدے مقرر کر رکھّے ہیں۔ اِن کے لکھنے والے اِن کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے کسی زبان کے لکھنے میں کوئی بے ضابطگی پائی جاتی ہے تو زبان کے ماہرین اس کی اِصلاح کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ زبان کی ترقّی کے ساتھ ہمیشہ آگے بڑھتا رہتا ہے۔

اِصلاح ہمیشہ اِملا میں ہوتی ہے، رسم الخط میں نہیں۔ رسم الخط یا تو رہے گا یا نہیں رہے گا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اُردو کا رسم الخط وہی ہے جو پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں عرب میں رائج تھا۔ اِس میں اتنا ضرور ہوا کہ ایران اور ہندستان تک پہنچتے پہنچتے اس کے بعض حروف میں ایک ایک، دو دو اور چار چار نقطوں کے اضافے سے صوتیاتی نظام میں اضافہ کر دیا گیا، لیکن حروف کی شکلیں نہیں بدلی۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک لکھنے والا تیز رفتاری یا بے اختیاری سے کسی ایک لفظ کو ایک انداز سے لکھ دیتا ہے، وہ کتاب میں شامل ہو گیا۔ وہاں سے وہ اخبار و رسائل کے صفحات کی زینت بن گیا۔ عوام بغیر سوچے سمجھے اِس کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور وہ عام چلن میں آ جاتا ہے۔

آپ اِس بات کو اچھّی طرح جانتے ہیں کہ صحّت زبان اور اس کے اُصولوں پر نظر رکھنے والوں کی تعداد کم سے کم ہوتی ہے۔ لہٰذا اِصلاح کی ذمّہ داری اُنھی حضرات پر عاید ہوتی ہے۔ اِن کے لیے لازم ہے کہ وہ انجمنیں اور کمیٹیاں بنائیں اور اِملا کے قاعدے منضبط کریں اور اِن کو عمل میں لانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ ادبی اداروں اور درسگاہوں سے رابطہ قائم کریں۔ تحریروں، سمیناروں اور درسی کتب کے ذریعے اساتذہ اور طلبہ تک پہنچانے کی کوشش کریں تاکہ آیندہ کے لیے ان پر روک لگائی جا سکے۔

۶ / جون ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا۔ اِس کا افتتاح لارڈ ویلزلی نے کیا تھا۔ اِس تاریخ کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ اِسی دن ۶ / جون ۱۷۹۹ء کو سرنگاپٹم کے مقام پر

انگریزی فوجوں نے ٹیپو سلطان کو شکست دی تھی۔کالج اِسی فتح کی یادگار کے طور پر قائم کیا گیا تھا۔☆

(ٹیپو سلطان کی شکست وشہادت کے چودہ مہینے بعد ۱۱-۱۰/ جولائی ۱۸۰۰ء مطابق ۴/ ساون ۱۸۵۷ سمپت اور ۱۷/صفر 1215 ہجری، کو گورنر جنرل مارکوئس آف ویلزلی نے فورٹ ولیم کالج کی باضابطہ داغ بیل ڈالی۔ اِسی تاریخ یعنی ۱۰/ جولائی کو گورنر جنرل کی کونسل نے کالج کے آئین وضوابط کا مسودہ منظور کر کے کالج کے وجود کو قانونی شکل دی۔اس دستاویز کی بتائی گئی عبارت سے ہماری معلومات میں یہ اہم اضافہ ہوتا ہے کہ:

''ہز لارڈ شپ (ویلزلی) کے حکم خاص سے اس [دستاویز] پر ۴/مئی ۱۸۰۰ء کی تاریخ ڈالی گئی، جو میسور کے دارالسلطنت سرنگا پٹم میں برطانوی افواج کی شاندار اور فیصلہ کن فتح کی پہلی سال گرہ کی تاریخ تھی۔'' ایضاً ص:۱۱۳ (صفحہ ۳۳ پر ٹیپو سلطان پر فتح کی تاریخ ۶/ جون ۱۷۹۹ء درج ہے۔ جب کہ ص:۱۱۳ پر ۴/مئی ۱۸۰۰ء کو پہلی سال گرہ کے طور پر یہ درج کیا گیا۔ ۴/مئی اور ۶/جون میں ایک ماہ دو دن کا فرق ہے)

کالج کونسل کے ممبران کے نام حسبِ ذیل ہیں:

(۱) پادری ڈیوڈ براؤن (D. Brown) پرووسٹ [پرنسپل]
(۲) پادری بکھانن (C. Buchanan) وائس پرووسٹ
(۳) جارج بارلو (G. H. Barlow) [ممبر]
(۴) ایڈ مانس ٹن (Edmonstone) [ممبر]
(۵) کرک پیٹ رک (Kirk Patrick) [ممبر]

اِن حضرات کے یہاں نام درج کرنے کی ضرورت اِس لیے پڑی کہ اُردو ادب کے بہت سے حضرات ڈاکٹر جان گل کرسٹ کو ہی کالج کا پرنسپل مانتے ہیں۔ جب کہ حقیقت اِس کے برعکس ہے، وہ اِس کالج کے شعبۂ اُردو کے انچارج تھے۔کالج میں دوسرے شعبے بھی قائم کیے گیے تھے۔

گل کرسٹ کے عہد میں فورٹ ولیم کالج کے اُردو مُصنّفین کی تعداد ۳۶ کے قریب تھی۔ اِن میں چیف منشی بہادر علی حسینی، سکنڈ چیف منشی تارنی چرن متر، ماتحت منشی میر امنؔ، حیدر بخش حیدری کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات تھے۔اِن کی تاریخ تقرر ۴/مئی ۱۸۱۰ء ہے۔

شیر علی افسوسؔ (مترجم) کا تقرر ۱۵/اکتوبر ۱۸۰۰ء کو، کاظم علی جوانؔ اور مظہر علی ولاؔ (مترجم)

☆ ''گل کرسٹ اور اس کا عہد'' از محمد عتیق صدّیقی، انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) نئی دہلی، اشاعتِ دوم، ۱۹۷۹ء، ص:۳۳

کا تقرر ۱۰ رنومبر ۱۸۰۰ء کو ہوا تھا۔

کالج کے قائم ہونے اور اس کے اُردو مصنّفین کے تقرر کی تاریخ درج کرنے کا مقصد نہایت ہی اہم ہے۔گل کرسٹ نے کالج کے قیام کے دوران جتنی کتابیں تیار کروائی اُن کے لیے اس نے ایک خاص نظام اِملا مرتب کیا تھا۔ ترجمہ کی گئی کتابوں کی عبارت میں اِس نظام اِملا کو سختی سے عمل میں لایا گیا۔''کتاب نما'' ماہ نامہ جامعہ نئی دہلی کے اگست ۱۹۹۰ء کے شمارے میں رشید حسن خاں صاحب کا ایک مضمون بہ عنوان ''گل کرسٹ کا نظام اِملا'' ص: ۵۷تا۸۵ شائع ہوا ہے جس میں اِملا سے مُتعلّق اُن سبھی پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے جن کو گل کرسٹ نے اپنے کتابچے میں تحریر کیا تھا۔ اس سے قبل ہمارے اُردو ادب میں اِملا سے متعلّق کوئی قاعدہ قانون منضبط نہیں تھا، خاص طور سے رموزِ اوقاف اور اعراب نگاری کے لیے۔ رشید حسن خاں صاحب نے اُردو اِملا کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی جو مئی ۱۹۷۴ء میں ترقّیِ اُردو بورڈ نے شائع کی تھی۔

اس کتاب میں صحّتِ زبان اور اِس کے اِملا سے متعلّق وہ سب اُصول وقاعدے یک جا کر دیے ہیں جو انفرادی یا اجتماعی (کمیٹیوں کے ذریعے) طور پر واضح کیے گئے ہیں۔

رشید حسن خاں صاحب کی اِملا سے متعلّق بات کو آگے بڑھانے سے قبل میں سر سیّد کی اِملا سے متعلّق کوشش کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ اُردو میں گل کرسٹ نے پہلی بار نظامِ اِملا مرتب کیا اور وہاں سے شائع ہونے والی کتابوں میں اُس کے اُصولوں کی پیروی پر عمل بھی کروایا۔۱۸۰۴ء میں وہ ہندستان سے انگلستان کے لیے روانہ ہو گیا۔

جو کتابیں وہاں سے شائع ہوئیں وہ ملک کے طول وعرض میں نہیں پہنچ پائیں۔ ادبی حضرات عموماً اِن اُصولوں سے محروم رہے۔۷۰ سال کی مدّت کے بعد سر سیّد نے اپنے مضمون کے ذریعے ادبی حضرات کی توجہ اِس طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر شمس بدایونی لکھتے ہیں:

''سر سیّد کے عہد میں توقیف نگاری کا رواج نہیں تھا۔فورٹ ولیم کالج کی تصانیف میں بعض علامتوں کا استعمال ضرور تھا، لیکن سرکاری نصابِ تعلیم کے مرتبین اور اس دور کے موقر مصنّفین کا اپنا اپنا طریقۂ کار تھا، اِس انتشار کو دُور کرنے اور اسے ایک معیاری، پسندیدہ اور مقبولیت سے ہم کنار کرنے کے لیے سر سیّد نے رُموزِ اوقاف پر اپنی تجاویز پر ایک مضمون کی صورت میں پیش کیں اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ 'تہذیب الاخلاق' میں اِن کے استعمال کو رواج دینے پر قوم کو متوجہ کیا۔''

('جہاتِ سر سیّد' از ڈاکٹر شمس بدایونی، اشاعتِ اوّل ۲۰۱۸ء، براؤن بک پبلی کیشنز نئی دہلی، ص:۱۴)

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سرسیّد کوگل کرسٹ کے نظامِ اِملا کا علم نہیں تھا یا وہ اِن کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔ وہاں کی مرتبہ کتابیں تو اِن کی نظر سے ضرور گزری ہوں گی۔ اُن کے مقدّموں میں اِن باتوں کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ اِن کی کوشش سے قبل ''۳؍مئی ۱۸۴۵ء کو شیخ امام بخش صہبائی (ف ۱۸۵۷ء) کا رسالہ 'صرف ونحو'، 'قواعدِ اُردو' لیتھوگرافک پریس دہلی سے پہلی بار چھپ کر شائع ہوا۔ اِس کے مُقدّمہ میں رموزِ اوقاف پر اُصولی گفتگو کی گئی ہے۔'' (ایضاً، ص: ۱۸)

رموزِ اوقاف کے لیے انگریزی میں پنکچویشن کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی میں یہ اُصول قائم تھے۔ گل کرسٹ نے اِنھیں اُردو میں منتقل کیا اور اِن کے لیے اُردو نام تجویز کیے۔ انگریزی ناموں سے ادبی حضرات زیادہ مانوس ہیں۔

ایسا نہیں کہ گل کرسٹ، شیخ امام بخش صہبائی اور سرسیّد کے بعد صحّت اِملا سے مُتعلّق حضرات کی توجہ مبذول نہیں ہوئی، مگر بعض حضرات نے اِس مسئلے سے مُتعلّق ایسی تجاویز پیش کیں جو قابلِ قبول نہیں ہو سکتی تھیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوا کہ اِملا کی بحث کو رسمِ خط کی بحث میں اُلجھا کر رکھ دیا یا جستہ جستہ باتیں کہی گئیں۔ اِس مسئلے کو ایک مستقل موضوع کی صورت میں پیش نہیں کیا گیا۔ اِس مسئلے سے مُتعلّق رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

''اب سے بہت پہلے یعنی ۱۹۰۵ء میں مولانا احسؔن مارہروی مرحوم نے صحّتِ اِملا کے قاعدوں کی طرف توجہ کی تھی اور رسالہ 'فصیح الملک' میں کچھ اہم تجاویز کو پیش کیا تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نے اپنی کتاب 'علمی نقوش' میں تفصیل کے ساتھ مولانائے مرحوم کی اِن خدمات کا ذکر کیا ہے اور اُن تجاویز کو نقل کیا ہے۔... یہ تجاویز نا تمام اور مختصر سہی، مگر نہایت درجہ اہم ہیں اور اِن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانائے مرحوم کے ذہن میں اِس موضوع کی اہمیّت کا احساس موجود تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اِس طرف کماحقہ توجہ نہیں کر سکے۔ اسی زمانے میں ڈاکٹر عبدالستّار صدّیقی مرحوم واحد شخص تھے جنھوں نے اِس موضوع کا، مستقل موضوع کی حیثیت سے مطالعہ کیا اور بار بار لوگوں کی توجہ اِس طرف مبذول کرائی۔ 'رسالۂ ہندستانی'، 'رسالۂ اُردو'، 'رسالۂ معیار' (پٹنہ) میں اُن کے نہایت اہم مضامین محفوظ ہیں۔ اِن مضامین کے علاوہ مختلف کتابوں کے تبصروں اور مقدّموں میں بھی وہ اِن مسائل کا بار بار ذکر کرتے رہے۔ اِن میں 'مُقدّمۂ کلیاتِ ولؔی'، 'مُقدّمۂ خطوطِ غالبؔ' (مرتبۂ منشی مہیش پرشاد مرحوم)، 'تبصرۂ مکاتیبِ غالبؔ' (مرتبۂ عرشی صاحب) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اِس کے علاوہ بہت سے خطوں میں اُنھوں نے اِملا کے مسائل و اغلاط کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ نقطے، شوشے، حرفوں کے جوڑ، حروف کی ترتیب، حروف کا تعیّن، غرض اِن

سب باتوں کی طرف وہ زندگی بھر لوگوں کو متوجہ کرتے رہے۔ اُن کی مختلف تحریروں نے واقعتاً بہت سے لوگوں کے ذہن میں اِس موضوع کی اہمیّت کا اِحساس پیدا کیا۔ انجمن ترقّیِ اُردو نے اِصلاحِ اِملا کی تجاویز کو جس اَنداز سے مُرتّب کیا تھا۔ اور جس طرح اِس موضوع کو اہمیّت دی تھی؛ اُس میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کی کاوشوں کو بہت زیادہ دخل تھا۔

(اُردو اِملا' از رشید حسن خاں، ترقّیِ اُردو بورڈ، نئی دہلی، اشاعت: مئی ۱۹۷۴ء ص: ۳۴-۳۲)

اصل میں اِصلاحِ اِملا کمیٹی کی تشکیل ۱۹۴۳ء میں ہوئی اور اس کا پہلا اجلاس جنوری ۱۹۴۴ء میں ناگ پور میں ہوا۔ اِس میں جو سفارشات پیش ہوئیں اور اِن پر اتّفاقِ رائے ہوا۔ یہ سب اِسی سال کے 'رسالۂ اُردو' میں شائع ہوئیں اور انجمن ترقّیِ اُردو نے اِنھیں اپنا لیا۔

گو یہ تجاویز مختصر و نا تمام تھیں مگر اِن کی حیثیت بنیادی تھی۔ مثلاً جن لفظوں کو پہلے ملا کر لکھا جاتا تھا، اُن کے لیے یہ قاعدہ بنایا کہ اب انھیں الگ الگ لکھا جائے، اِس سے اِنھیں لکھنے اور پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالستّار صدّیقی کے بعد جس شخصیت نے اِملا سے مُتعلّق کام کیا، وہ ہیں قاضی عبدالودود صاحب۔ جو لوگ اِن سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ موصوف اِملا پر بھی نظر رکھتے تھے۔ اُن کا طریقۂ نگارش دوسروں سے الگ تھا۔ وہ تحریر میں رموز اوقاف کا پورا پورا دھیان رکھتے تھے۔ اِس سے پڑھنے اور معانی کی تفہیم میں آسانی ہوتی ہے۔ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے نئی نسل کو اِس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالستّار صدّیقی، قاضی عبدالودود کے بعد مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا نمبر آتا ہے۔ یہ مُحقّق ہی نہیں مدوِّن بھی تھے۔ انھوں نے 'دیوانِ غالبؔ' کو مرتب کر کے اِملا اور اس سے جڑے ہوئے رُموزِ اوقاف کے تمام مسائل کو آئینے کی طرح صاف کر کے ادبی دُنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اِنھوں نے اِملاے فارسی سے مُتعلّق دو پُر اَز معلومات مقالے بھی لکھے ہیں۔ پہلا ''امیر خسروؔ کا فارسی تلفّظ'' جو مجلۂ 'فکر و نظر' (علی گڑھ) کے شمارہ ۴۵، ۴۶ میں شائع ہوا اور دوسرا مقالہ ''فارسی کا ہندستانی لہجہ'' ارمغانِ مالک (جلد اوّل) میں شامل ہے۔ یہ دونوں مقالے بلند پایہ ہیں اور اِملا کے کئی اہم مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ 'فکر و نظر' کے اِسی شمارے میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا بھی ایک اہم مقالہ ہاے مختفی سے مُتعلّق مسائل پر شائع ہوا ہے، اِس کا عنوان ہے، ''ہاے مختفی اور اُس سے مُتعلّق دستوری و اِملائی مسائل'' یہ مقالے نہایت ہی معلوماتی ہیں۔ (اُردو اِملا، ص: ۳۸-۳۷)

اِملا کے مسائل پر نظر رکھنے کے لیے ہم لغات کا سہارا بھی لے سکتے ہیں۔ اصل میں اِن

کے ذریعے ہمیں الفاظ کے معانی اور اِن کی شکل وصورت سے مُتعلّق اہم جان کاری ملتی ہے۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں ہماری درس گاہوں کے متعدد اُساتذہ نے اِملا کے مسائل سے مُتعلّق توجہ کی ہے۔ اِن کے مکاتیب، رسائل اور صرف ونحو کی کتابوں کو دیکھا جا سکتا ہے، مثلاً ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر شوکت سبزواری، جناب حیات اللہ انصاری، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر ابو محمد سحر، رشید حسن خاں اور ڈاکٹر گیان چند جین...وغیرہ۔

پروفیسر گیان چند جین اُردو ادب کی ایک قد آور شخصیت ہو گزرے ہیں۔ وہ مُحقّق، نقّاد، تاریخ نگار، ماہرِ لسانیات، ماہرِ غالبیات، ماہرِ اقبالیات، ماہرِ عروض اور شاعر تھے۔ اُن کے کام کرنے کا اپنا ایک انداز تھا۔ ادب میں رونما ہونے والی تحریکوں کو اُنھوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے پروان چڑھتے اور زوال پذیر ہوتے دیکھا۔ ترقّی پسند، رومانیت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت نے اِن کے سامنے دم توڑا۔ اِنھوں نے کھلی آنکھ سے سب سے استفادہ کیا لیکن کسی کی رَو میں بہ نہیں گئے۔

اُردو اِملا میں بھی اِن کا یہی اُصول رہا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے اس کے آخر تک اِملا میں جتنی اِصلاح ہوئی اُس پر اِن کی نظر رہی۔ اِملا سے مُتعلّق کئی کمیٹیوں اور سیمناروں میں اُنھوں نے شرکت کی۔ برصغیر ہندو پاک کے نامور حضرات کے ساتھ اِن کے مراسلات رہے، نہ یہ کسی سے متاثر ہوئے اور نہ ہی اِنھوں نے نے اپنی روش (طرزِ تحریر) کو بدلا۔ اُردو اِملا سے مُتعلّق اپنے ایک مکتوب مرقومہ ۸؍مئی ۱۹۸۳ء میں ڈاکٹر ابو محمد سحر کو لکھتے ہیں:

''آپ کی گراں قدر کتاب 'زبان ولُغت' کئی دن پہلے مل گئی تھی لیکن میں رسید دینا بھول گیا۔ کتاب کے لیے مشکور ہوں۔ اِس کتاب میں آپ کی کتاب 'اُردو اِملا' کو زیرِ طبع (کم از کم دیباچے میں) دکھایا ہے۔ حالاں کہ پہلے چھپ کر آ گئی۔ آپ کی یہ دونوں کتابیں نہایت مفید ہیں۔ آپ رشید حسن خاں کی طرح زبان ولُغت و اِملا کے ماہر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ میں نے واصف کی کتاب 'ادبی بھول بھلیاں' نہیں دیکھی تھی، صرف نام سنا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ رشید حسن خاں کے خلاف کوئی مناظراتی کتاب ہے۔ اب معلوم ہوا کہ اس میں کام کی باتیں ہیں، لیکن میں ایک بات کہوں گا کہ رشید حسن خاں کے علم اور تحقیقی الفاظ میں وسیع وعمیق نظر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سیّد بدر الحسن کی ایک کتاب 'صحتِ الفاظ' بھی اچھی ہے جو کتب خانہ انجمن ترقّیِ اُردو سے شائع ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ تلفّظ اور اِملا میں عام چلن کو ترجیح دینی ہوگی۔ قدامت پرستی اور اجتہاد کے بیچ کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ ص: ۱۱۲ پر آپ نے لفظ چُھڑے بمعنی تنہا کا جوذکر کیا ہے وہ سو فی صدی پنجابی

ہے، پنجابی میں چھڑا کنوارے کو کہتے ہیں۔ اہلِ اُردو کو اِس لفظ کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آپ کی یہ دونوں کتابیں نیز رشید حسن خاں کی کتابیں مفید اور پُرمغز ہیں لیکن اِنھیں تفصیل سے پڑھنے اور استفادے کا وقت کیوں کر نکالا جائے۔ پڑھا جائے، پنسل سے نشان کیا جائے اور تبصرہ کیا جائے تو ایک چھوٹی سی کتاب اور تیار ہو جائے گی۔

(مکتوب مرقومہ ۸/مئی ۱۹۸۳ء، شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد، حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱)

اس خط کے متن سے ثابت ہوتا ہے کہ جین صاحب ماہرِ لسانیات ہی نہیں تھے بل کہ اُردو کے تلفّظ اور اِملا سے مُتعلّق اب تک جو کچھ لکھا گیا اُن کی نظر سے گزرا تھا، وہ قدامت پرستی اور اجتہاد کے بیچ کے راستے کو پسند کرتے تھے، یہی اُنھوں نے کیا بھی۔

وہ فنِ تحریر اور اُردو رسم الخط سے بھی اچھّی طرح واقف تھے۔ وہ اپنے مکتوب مرقومہ ۳۱/ اگست ۱۹۸۳ء میں ابومحمد سحؔر صاحب کو لکھتے ہیں:

''میری لڑکی نے ٹکٹ بھیج دیا تھا جس کی وجہ سے میں اور میری اہلیہ امریکہ جا سکے۔ ۱۴/ مئی کو لندن پہنچے۔ چار دن وہاں قیام کیا۔ دو دن اُردو مرکز میں زبردست تقریبیں ہوئیں۔ وہاں کی علمی مجلس میں میں نے فنِ تحریر اور اُردو رسم الخط کے موضوع پر ایک گھنٹہ بیس منٹ بات کی۔ دونوں دِن تقریب کے بعد شعرخوانی ہوئی۔ یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ ہم لندن میں ہیں۔ عمارت کے اندر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے لکھنؤ یا دلّی میں کوئی نشست ہو۔''

(مکتوب مرقومہ ۸/مئی ۱۹۸۳ء، شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد، حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱)

شعبۂ اُردو، بمبئی یونی ورسٹی میں صدرِ شعبۂ اُردو، پروفیسر عبدالستّار دلوی نے انٹرنیشنل اِملا سیمینار کا انعقاد ۱۰/ تا ۱۳/ دسمبر ۱۹۸۶ء میں کیا۔ اس میں ہندستان کی نامور ادبی شخصیات کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ پروفیسر گیان چند جین بھی اس میں شامل ہوئے۔ وہاں اِملا کے مسائل پر جو بحث و مباحثہ ہوا اُس کی مختصر داستان وہ اپنے مکتوب میں ڈاکٹر ابومحمد سحؔر سے یوں بیان کرتے ہیں:

''میں ایک ہفتہ بمبئی رہ کر ۱۶/ دسمبر کو آ گیا۔ مصروفیت کے سبب پہلے خط نہ لکھ سکا۔ سیمینار کامیاب رہا۔ بہت سے آدمی شریک ہوئے۔ پہلے جلسے کی صدارت مسعود حسین خاں نے کی اور اختتام سیّد حامد سابق وائس چانسلر علی گڑھ نے۔ شرکا میں نارنگ، رشید حسن خاں، عنوان چشتی، تنویر علوی وغیرہ تھے۔ مختلف موضوعات پر مضامین پڑھے گئے لیکن اِصلاحِ اِملا کی کوئی خاص تجاویز زیرِ غور نہیں آئیں۔ حیرت یہ ہے کہ نارنگ اور رشید حسن خاں نے اپنی سابقا تحریروں کے برعکس یہ کہا کہ اُردو ہجا میں ہائیہ حروف کو نہ رکھا جائے اِس سے تعداد بہت بڑھ جائے گی۔ ہائے ہوز کے علاوہ

دوچشمی 'ھ' کو رکھ لیا جائے۔ آخری جلسے میں میری صدارت میں یہ طے ہوا کہ املا میں کوئی انقلابی تبدیلی نہ کی جائے۔ ایک فیصلہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں میں ایک آٹھ دس رکنی ارکان کی کمیٹی کی جائے جن میں جملہ تجاویز پر غور کر کے کچھ فیصلے کیے جائیں۔ دلوی اِس کمیٹی میں مجھے بھی رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے معذرت کی لیکن یہاں آ کر لکھا ہے کہ اگر جنوری کے بعد میٹنگ کی جائے تو میں آسکتا ہوں بشرطے کہ ابومحمد کو بھی بلایا جائے۔ میں اصرار کر کے اُنھیں شرکت کے لیے تیار کرلوں گا۔

اسکیٹروگرام پُرانی مشین ہے۔ نارنگ نے امریکہ میں اِس پر مختلف مصوّتوں اور معنوں کی تصویریں لی ہیں۔ بمبئی میں بورڈ پر نقشا بنا کر بتایا کہ دس ہائیہ حروف میں ہائیت کے نقوش آواز کی ابتدا ہی کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے ہیں جب کہ بقیہ جزوی ہائیوں میں آواز کی ادائیگی کے وسط کے بعد ظاہر ہوئے ہیں۔ اِس سے طے ہو جاتا ہے کہ محض دس بندشی مصوّتوں ہی میں ہائیت کا مکمّل انضمام ہے۔ نارنگ نے اُردو میں ۱۵ ہائیہ آوازیں مانی ہیں لیکن وہ ان کے لیے کوئی حرف دینے کو تیار نہیں۔

رشید حسن خاں نے بتایا کہ فورٹ ولیم کالج میں ۱۸۰۱ء سے دوچشمی 'ھ' کے موجودہ چلن کا التزام ہے۔ ''گنجِ خوبی'' کے میر امّن کے ہاتھ کے نسخے میں اگر کاتب نے 'ھ' کی جگہ 'ہ' لکھ دی ہے تو میر امن نے اپنے ہاتھ سے تصحیح کی ہے۔

میں نے اپنا مضمون رجسٹری سے آپ کو بھجوایا تھا۔ آپ کو مل گیا ہوگا۔ اِدھر میں نے پلیٹس کی لُغت خریدی ہے۔ اِس میں پایا کہ اِنھوں نے اسماعیل میرٹھی کی طرح دس ہائیہ حروف کے ساتھ 'ڑھ' کو بھی شامل کیا ہے یعنی اُردو مین گیارہ ہائیے مانے ہیں۔ میں آپ کے اس خیال سے متفق نہیں ہوں کہ اُردو میں اِصلاحِ اِملا کی تجاویز سے اُردو کی مقبولیت پر کوئی اثر پڑتا ہے یا یہ تجویزیں اُردو دشمن ہیں۔ اِصلاحِ املا اور اُردو کا فروغ وزوال بالکل غیر مُتعلّق ہیں۔ ہندستان میں اُردو کی عدم مقبولیت کا اِملا اور رسم الخط سے کوئی تعلّق نہیں۔ وہ دوسرے سیاسی اور سماجی اسباب ہیں۔ پھر اُردو ختم ہونے والی زبان نہیں، پاکستان میں پھل پھول رہی ہے۔ اِصلاحِ اِملا کی تجاویز کم از کم ۱۸۰۱ء سے چل رہی ہیں۔ فورٹ ولیم کالج میں واو اور 'ی' معروف، مجہول، لین، تینوں کے لیے الگ الگ علامتوں کا سختی سے التزام کیا گیا۔ درمیانی نون غنہ کے لیے بھی ایک علامت کا استعمال کیا گیا۔

میں اپنے مضمون کے آخری حصے کو قدرے ترمیم کر کے دلوی کو دے دوں گا۔ وہ جب بھی چھاپیں۔ ''آہنگ'' کو معذرت کا خط لکھ دیا ہے۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۸۶ء، شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد، حیدرآباد–۵۰۰۰۰۱)

خط کے متن کو غور سے دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ جین صاحب اُردو اِملا میں وقتاً فوقتاً ہونے والی اِصلاح سے پوری طرح واقف تھے۔ فورٹ ولیم کالج ۱۸۰۱ء سے لے کر ۱۹۸۶ء تک اِملا کی اِصلاح سے متعلّق جو کچھ رسائل اور کتب میں شائع ہوا وہ اتنی کتابوں کا ذکر کیوں کر کرتے۔ اِصلاحِ اِملا کی کمیٹیوں اور سیمیناروں میں وہ شرکت کر چکے تھے۔ ترقّیِ اُردو بورڈ، دہلی کی اِملا کمیٹی کے وہ ممبر تھے۔

جین صاحب ۶ رجنوری ۱۹۹۸ء کو ہمیشہ کے لیے مع اپنی اہلیہ امریکہ اپنے بیٹے اور بیٹی کے پاس پہنچ گئے۔ اُنھیں گرین کارڈ مل چکا تھا۔ بدیش میں رہ کر بھی اُنھوں نے اپنا ادبی سفر جاری رکھا گو وہ سہولیات اُنھیں وہاں میسّر نہیں تھیں جو اُنھیں ہندستان میں تھیں۔ وہ صرف تھوڑی سی کتابیں وہاں لے جا سکے تھے۔ اتنی ساری لائبریری اُنھوں نے حیدرآباد اور لکھنؤ میں دوسروں کو بانٹ دی تھی۔ آخری عمر میں اُن کی صحّت کافی خراب رہنے لگی تھی پھر بھی دس سالوں میں اُنھوں نے وہاں رہ کر بہت کام کیا۔

وہاں رہ کر بھی وہ اُردو اِملا میں ہونے والی وقتاً فوقتاً اِصلاح کی تجاویز سے غافل نہیں رہے۔ ڈاکٹر ابومحمد سحر کی کتاب 'اُردو رسم الخط' جو اُنھیں پندرہ سال پہلے ملی تھی اور اُس کا سرسری مطالعہ اُس وقت اُنھوں نے کیا تھا، اب اُس سے متعلّق اپنی راے اُنھیں لکھ بھیجتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے خط کا متن:

''آپ کی کتاب 'اُردو رسم الخط' ہے جو عالمانہ ہے۔ کوئی پندرہ سال پہلے میں بمبئی یونی ورسٹی میں اُردو سے متعلّق ایک سیمینار [انٹرنیشنل اُردو اِملا سمینار] میں گیا تھا۔ وہاں لسانیات کے ایک سندھی ہندو اُستاد نے تقریر میں کہا کہ اگر کسی زبان کا اِس کے رسم الخط سے کام چلتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ صوتیات کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ اِس رسم الخط میں کسی ترمیم و اِصلاح کی ضرورت نہیں۔ میں اِن کی بات سے متفق ہوں۔ ماضی میں میں نے خواہ مخواہ موشگافان تجویز کی۔ جن اِصلاحات کے قبولِ عام کا امکان نہ ہو، ان کو تجویز کرنا بھی تضیعِ اوقات ہے۔ آپ کی کتاب پر اپنے مشاہدات خاطر خواہ نہیں دے سکتا کیوں کہ اِس کے لیے نہ قوت ہے نہ وقت۔ مختصراً کچھ عرض کرتا ہوں۔

ص۶: ہندستان کے آئین میں سرکاری زبان ہندی میں ہندسے انگریزی زبان میں لکھّے جائیں گے، اس لیے سرکاری کاغذات میں اُردو عبارت میں بھی ہندسے رومن میں لکھّے جائیں تو اعتراض کا مقام نہیں لیکن سرکاری ادبی اشاعتوں (مثلاً تاریخِ ادب) نیز غیر سرکاری جملہ تحریروں میں اُردو عبارت میں ہندسے اُردو ہی میں لکھّے جانے چاہیے۔

''اُردو رسم الخط'' میں اِملا سے مُتعلّق بات کرتے ہوئے جین صاحب اِس میں لسانیات کے پہلو کو کس طرح سے جوڑتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

''ص: فٹ نوٹ؛ میں نہیں کہہ سکتا کہ پنجابی میں 'کھ'، 'دھ'، 'گھ' وغیرہ کی آوازیں ہیں کہ نہیں۔ مَیں نے جمّوں میں پنجابی اور ڈوگری بولنے والوں کو سنا ہے کہ وہ ابتدائی 'بھ' کو 'پ' (ذرا زور دے کر) یعنی 'بھارت' کو 'پارت' ابتدائی 'ڈھ' کو 'ٹ' مثلاً 'ڈھابا' کو 'ٹابا' ابتدائی 'جھ' کو 'چ' مثلاً 'جھاڑو' کو 'چاڑو'، ابتدائی 'گھ' کو 'ک' مثلاً 'گھر' کو تقریباً 'کار' بولتے تھے۔ نیز جب وہ ہندی اُردو میں بات کرتے تھے تو اِن آوازوں کو ابتدائی پوزیشن میں بھی ہماری طرح بولتے تھے۔ یہ ناممکن ہے کہ اقبالؔ اِن آوازوں کو نہ بول سکتے ہوں نہ سن سکتے ہوں۔''

اب اُردو رسم الخط میں ہائیہ آوازوں سے مُتعلّق جین صاحب کی رائے سنیے جو ابو محمد سحرؔ صاحب کو لکھتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کی صوتیات پر بھی گہری نظر تھی:

''ص ۳۷: ہائیہ حروف سنسکرت کا قواعد نویس پانِنی ایک غیر معمولی نظر والا ماہرِ صوتیات تھا۔ اِس نے سنسکرت/ دیوناگری کے حروف کو جس طرح ترتیب دی اِسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مشین کے بغیر اسے آوازوں کا صحیح مخرج کیسے معلوم ہو گیا۔ سب سے بڑی دریافت Voiced, Voicedlen آوازوں کی ہے جسے اِس نے گھوش، اگھوش نام دیا اور اُردو میں مصیتی (سموع) اور غیر مصیتی کہتے ہیں۔ ان کا عمل حلق کے اندر ہوتا، وہ کیوں کر اتنا صحیح جان گیا۔ آوازوں کے نازک فرق کو پہچاننے کے لیے ذکی الحس سامع کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ہائیہ حروف میں مصمّتے اور ہائیت کا ادغام جتنا مشکل ہے وہ 'رھ'، 'ڑھ' (مذہب)، 'ڑھ'، 'لھ'، 'مھ' ' 'نھ' میں نہیں۔ لیبوریٹری میں مشین کے سامنے بولا جائے تو اِن آوازوں کے نقشے میں دوزمرے صاف دکھائی دیں گے۔''

ص ۴: آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ صوتیات کا آوازوں کا تجزیہ اُردو رسم الخط کے حروف لازماً یکساں نہیں ہوتے نہ یکسانیت ضروری ہے۔

ص ۴۲: آپ کی حروف کی فہرست۔ مجھے اِس سے دو جگہ اختلاف ہے۔ 'ہ'، 'ھ' کو دو حروف کہنے کے بہ جائے ایک ہی کیوں مان لیا جائے۔ 'ہ' اور 'ھ' کی آواز کیا ہے؟ حلق سے زائد ہوا چھوڑنا۔ آپ کے منہ کے آگے ہتھیلی یا ایک کاغذ سامنے رکھ کر 'کہ'، 'کھ' کہیے دونوں میں تنفس کا زائد اخراج محسوس ہوگا۔ دوسرا اختلاف 'ی'، 'ے' کو دو حروف ماننے کا ہے۔ جب ہم واؤ معروف اور واؤ مجہول (نیز واوِ لین) کو ایک ہی حرف مانتے ہیں تو یائے معروف اور یائے مجہول (نیز یائے لین) کو دو حروف کیوں مانا جائے، ویسے چلن اور روایت کے پیش نظر اگر انھیں مختلف بھی مانا جائے

تو مجھے اعتراض نہیں۔ 'ی'، 'ے' ایک ہی حرف کی دو شکلیں ہیں جیسے 'ہا' اور 'ۂ' کی دو شکلیں نفع، نزاع/ خودی، حدی یا خدا۔

ص۴۳: میری راے میں ہاے مختفی کی آواز محض 'الف' کی ہے۔ اس میں 'ہ'، 'ھ' کی ہائیت بالکل نہیں۔ 'پردہ' کا تلفظ 'پردا' اور 'کہ' کا تلفظ 'کے' سے ذرا بھی مختلف نہیں۔

ص۴۴: انگریزی میں ابتدائی تین حروف جن میں ہائیت شامل کی جاتی ہے PTK ہیں PTB نہیں۔ K کو B لکھنا سہو کتابت ہے۔ K کے ساتھ ابتدائی C کو بھی شامل کرنا چاہیے، مثلاً Cat، Car۔ ان تینوں حروف کی ہائیت ہمارے 'پھ'، 'ٹھ'، 'کھ' سے قدرے کم ہوتی ہے یعنی ہوا قدرے کم چھوڑی جاتی ہے۔

ص۴۵: اُردو رسم الخط میں ہائیت کے لیے دو چشمی 'ھ' کا استعمال اس کا صحیح اور قطعی تعیّن گل کرسٹ نے اپنے رسالے میں کیا تھا۔ دیکھیے رشید حسن خاں کی مرتبہ ''باغ و بہار'' کا مُقدِّمہ ص۸۶، معلوم نہیں آپ نے یہ مُقدّمہ دیکھا ہے کہ نہیں۔ اِس کا ص۸۳ تا ۹۴ ضرور دیکھیے۔

ص۵۹: آپ نے اکھڑ کی مثال خوب دی ہے لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ اِن سے اِن آوازوں کی دوئی ثابت ہوتی ہے کہ نہیں۔ آواز کے ادا کرنے میں دو منزلیں ہوتی ہیں، پہلی میں Artialetor (عفو تلفیظ) نقطۂ تلفیظ پر آتا ہے۔ دوسری میں اس سے جدا ہوتا ہے یعنی Release ہوتی ہے۔ دونوں منزلوں میں اختلاف ہے۔ اکھڑ کہنے میں پہلی منزل (ک) میں سانس کی مقدار کم ہوتی ہے۔ دوسری منزل (کھ) میں قدرے زیادہ تنفس خارج ہوتا ہے۔

ص۵۹: 'رھ' کے لیے ہندی میں مفرد حرف نہ ہونے کی مثال آپ نے اچھی تلاش کی۔ ویسے ہندی میں 'لھ'، 'نھ'، 'ٹھ' وغیرہ کے لیے بھی مفرد حرف نہیں لیکن اِن میں ایک حرف کو آدھا لکھا جاتا ہے جب کہ 'رھ' (سرھانا) میں نہیں لکھا جاتا۔ یہ ایک کمی ہے۔

ص۶۸ سے ص۸۷ تک آپ نے بہت نادر ماخذ سے مواد پیش کیا ہے۔ میں اِن میں ۹۰٪ سے واقف نہ تھا۔

ص۸۸ پر حیات اللہ انصاری کا مقولہ باون تولے پاؤ رتّی دُرست ہے۔

ص۹۳: سطر۶ میں ایک لفظ عنب چھپا ہے غالباً جنبہ (جنبہ داری) یا جنبش ہوگا۔

ص۹۸: ہندی خط میں کہیں آدھا لکھا جاتا ہے کہیں اُوپر نقطہ۔ اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ لکھاوٹ کے دو Alternate (متبادل) طریقے ہیں جیسے اُردو میں 'س'، 'س' کسی طرح بھی لکھیے دُرست ہے۔

ص۱۳۳، آخری پیرا: مجھے یاد نہیں کہ میرے بچپن میں حروف کے ہجّے کس طرح سکھائے گئے تھے لیکن الف بے زیر اِب کہنا بالکل نامعقول ہے۔ الف زبر بےاب سکھانا چاہیے۔ اس سے کسی تحریری اصول کی بے حرمتی نہیں ہوتی۔

مجھے خوشی ہے کہ آپ نے ص۱۴۲ تا۱۴۴ پر رسالہ گل کرسٹ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ آپ کا باب روایتی طرزِ عمل اچھا ہے لیکن باب ''کچھ اصلاحی کوششوں کا جائزہ'' بیت الغزل ہے۔ یہ تعریف سے ماورا ہے۔ میں اس کے تقریباً تمام حوالوں سے ناواقف تھا۔ میں تنہا اِس باب پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دے سکتا ہوں، لیکن اِس کے یہ معنی نہیں کہ میں اس کے ہر بیان اور ہر تجزیے سے متفق ہوں۔ ایک بات طے ہے کہ اُردو رسم الخط کے بارے میں اور کوئی کتاب ایسی عالمانہ اور فاضلانہ نہیں جیسی آپ کی کتاب ''اُردو رسم الخط اور املا'' ہے۔ ایسے کام برسوں کی ریاضت کے بعد ہی ممکن ہیں۔''

(مکتوب مرقومہ ۲/ جنوری ۲۰۰۰ء، مقام 23, Nevada Irvine-CA-92606 U.S.A. مشمولہ ''مشاہیر کے خطوط بہ نام ڈاکٹر ابومحمد سحرؔ'' از ڈاکٹر مختار شمیم، جلد اوّل، اشاعت ۲۰۲۰ء، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ص:۲۵۱-۲۴۷)

جین صاحب کے اِس طویل خط کو یہاں درج کرنے کا میرا مقصد یہ ہے کہ آپ اُردو رسم الخط کے اِملا، اِس کے ہائیہ حروف کی صوتیات، اِس کے حروف کے دوسری زبانوں سے لسانیاتی تعلّقات اور نظامِ مخارج سے مُتعلّق اچھّی طرح جان سکیں۔ ایسی تحریریں ایک دو دِن میں نہیں بل کہ برسوں کے مطالعے کے نچوڑ کے بعد سامنے آتی ہیں اور خردوں کی رہنمائی کرتی ہیں۔

نومبر ۱۹۸۶ء میں جین صاحب کی دہلی میں مالک رام صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو یہ بات سامنے آئی کہ ہر زبان کے حروف پر علاقائی اثرات نمایاں طور پر ظاہر ہوتے ہیں اور ان کی آوازوں یعنی صوتیات میں تبدیلی آتی ہے جس سے اِملا بھی بدل جاتا ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ کو لکھتے ہیں:

''اس سفر میں مالک رام اور خلیق انجم سے ملاقات ہوئی۔ مالک رام سے معلوم ہوا کہ مختلف عرب ممالک میں عربی حروف کی آوازیں بہت مختلف ہیں۔ اب تک یہ خیال تھا کہ مصمّتے کی آواز بدل کر دوسرے مصمّتے کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ مصمّتہ مصوّتہ میں بھی بدل جاتا ہے۔ 'ق' کی آواز شمالی مصر اور شمالی لیبیا میں الف کی ہے اور جنوبی مصر اور جنوبی لیبیا میں 'گ' کی قال کو شمالی مصر میں 'آل' (آلو) اور جنوبی مصر میں 'گالؤ' بولتے ہیں گویا 'ج' اور 'ق' دونوں کو 'گ' بولتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لیبیا کے مدافی کو گدافی کہتے ہیں۔ مصر کی ایک Consulate

فرانس کے شہر مارسیلز میں تھی۔ مراقش کے کچھ لوگ حج کے لیے براہِ خشکی یعنی براہِ مصر جانا چاہتے تھے وہ Visa کے لیے مصر کے کاؤنسل سے ملے تو Interprator کی معرفت بات کرنی پڑی۔ مصری کاؤنسل نے فوراً یہ بات مالک رام کو بتائی۔ گویا مصر والے مراقش والوں کی عربی نہیں سمجھ سکتے۔ مالک رام کہتے ہیں کہ قرآن نے عربی ممالک کی عربی کو بچا رکھا ہے ورنہ مختلف عرب ممالک کی زبان بالکل مختلف ہے۔ اہلِ مصر جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو 'ق' کو 'ق' 'ج' کو 'ج' ہی بولتے ہیں، 'گ' نہیں۔ لیکن قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو 'ق' کا لہجہ دوسرا ہوتا ہے۔ انگریزی کا تر کی میں 'ج' اور اٹلی میں 'چ' بولا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ تحریری کتاب تقریری زبان کی نشان دہی نہیں کرتی۔ مختلف علاقوں میں جا کر رہا جائے تبھی وہاں کی آوازوں کے تنوع اور اختلاف کا اندازہ ہوتا ہے۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۲ر نومبر ۱۹۸۶ء، شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد، حیدرآباد–۵۰۰۰۰۱)

خط کے متن کی آخری سطور سے یہ بات صاف ہوگئی کہ تحریری زبان و تقریری زبان میں بعض علاقوں میں فرق ہوتا ہے۔ یہ اُصول پوری دُنیا میں پوری دُنیا کی زبانوں پر لاگو ہوتا ہے۔ جین صاحب ماہرِ لسانیات تھے، اِس لیے وہ ہندستانی زبانوں کے علاوہ فارسی اور کسی حد تک عربی سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔

جین صاحب کے لسانیاتی مطالعے اور معلومات سے مُتعلّق اُن کے خط کا تھوڑا سا متن پیش کر رہا ہوں، جو اُنھوں نے پروفیسر آل احمد سرورؔ کو لکھا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس علم پر اُن کی گہری نظر تھی۔ اُن کا ایک خواب تھا وہ ''اُردو ہندی میں کھڑی بولی'' کے عنوان پر ایک مکمّل کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ مگر حیدرآباد کی ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد وہ منتقل ہو کر مستقل طور پر لکھنؤ چلے آئے یہاں اُنھیں لائبریری کی سہولیت میسّر نہیں تھی، اس لیے اُن کا یہ خواب پورا نہ ہوسکا۔ وہ لکھتے ہیں:

''مَیں وہ کتاب لکھ پاتا تو ابتدا سے اُنیسویں صدی تک اُردو ہندی میں کھڑی بولی کے نمونوں کو پرکھ کر نقل کرتا۔ کھڑی بولی کے قدیم نمونے اکثر برج بھاشا کی چھوت کے ساتھ ملتے ہیں یعنی کلام کا کچھ حصّہ کھڑی بولی کا، کچھ برج کا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے اپنے مضمون ''اُردو کا قدیم ترین ادب'' نقوش مئی ۱۹۶۵ء میں ہندی ادبیات میں سے تیرھویں تا اٹھارھویں صدی کے کھڑی بولی کے نمونے پیش کیے ہیں۔ میرے بڑے بھائی مونسؔ نے (ولادت ۷ر ستمبر ۱۹۱۱ء یعنی آپ سے دو دن بڑے) ساتویں صدی سے اُنیسویں صدی تک کے نمونے دیے ہیں۔ اِن سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ کھڑی بولی کے پُرانے نمونے دیوناگری ہی میں ہیں۔ اُردو میں کھڑی بولی کے

نمونے دکنی زبان کے پردے میں ملتے ہیں، شمالی ہند میں تو اٹھارہویں صدی ہی میں ملتے ہیں۔

اُردو میں علاحدگی پسندی کا رُجحان زبان اور شعریات میں سے ہندی کا عنصر کم کر کے عربی فارسی عنصر کے اضافے کو کہیں تو یہ کام وؔلی نے شروع کیا۔ شمالی ہند میں حاتؔم، مظہؔر۔ عہدِ ناسؔخ وغیرہ میں ہوا کیا۔ اِسی رُجحان سے اُردو کا ارتقا ہوا اور نہ وہ فارسی رسم الخط میں ہندی کے سوا کچھ نہ ہوتی۔

اُنیسویں صدی میں ہندی نے ضرور اُردو سے استفادہ کر کے اپنے یہاں کھڑی بولی کے عنصر کو مضبوط کیا یعنی عربی فارسی الفاظ کو خارج کر کے کھڑی بولی ہندی کو استوار کیا۔ کوئی بغیر Prejudice کے دونوں رسوم الخط میں کھڑی بولی کے نمونوں کو تلاش کر کے ان کی صحّت کو پرکھے تب حقیقت کا اندازہ ہو۔ اب تاریخی لسانیات کا فیشن ہی نہیں رہا۔ میں بہت کچھ کرنے کی ہوس رکھتا ہوں لیکن وسائل نہیں۔''

(مکتوب مرقومہ ۱۱راگست ۱۹۹۳ء، بہ نام پروفیسر آل احمد سرؔور غیر مطبوعہ ۹/۲۵، اندرا نگر، لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶)

جین صاحب نے لسانیات سے مُتعلّق تین کتابیں لکھیں: 'لسانی مطالعے' (۱۹۷۹ء)، 'لسانی رشتے' (۲۰۰۳ء) اور 'عام لسانیات' (اکتوبر ۱۹۸۵ء)۔ جین صاحب نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۶؍ مارچ ۱۹۸۶ء کے آخر میں پروفیسر خلیل احمد بیگ کو لکھا: 'میری کتاب 'عام لسانیات' ترقّیِ اُردو بورڈ سے شائع ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ فرسودہ لسانیات سے مُتعلّق ایک ناواقف کی تحریر ہے''۔ اس خط کے حواشی میں مرزا خلیل احمد بیگ صاحب لکھتے ہیں:

''گیان چند جین نے یہاں نہایت انکسار سے کام لیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ زائد از ۹۰۰ صفحات اور ۲۴ ابواب پر مشتمل یہ ''عام لسانیات'' (General Linguistics) پر ایک نہایت جامع اور اہم کتاب ہے اور دقتِ نظر کے ساتھ لکھی گئی ہے۔''

('گیان چند جین کے خطوط بہ نام مرزا خلیل احمد بیگ'، ص: ۱۸)

جین صاحب نے ''اُردو زبان کے آغاز و ارتقا'' سے مُتعلّق بھی مضمون لکھا جو ان کی کتاب ''تاریخ ادب اُردو'' جلد اوّل ۱۷۰۰ء تک میں شامل ہے۔ اِن کی کتاب 'لسانی مطالعے' میں صوتیات سے مُتعلّق کئی مضامین شامل ہیں۔ اِنھوں نے شعبۂ اُردو، بمبئی یونی ورسٹی میں جو ''انٹرنیشنل اِملا سیمینار'' ۱۰ر تا ۱۳ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو منعقد ہوا تھا، اُس میں اُردو کے ہائیہ حروف (ہائے مخلوط) سے مُتعلّق مضمون پڑھا تھا۔ 'اُردو کا اپنا عروض' جیسی کتاب شائع کی۔ اُردو شاعری میں ہائیہ حروف کے استعمال پر خاص دھیان رکھا جاتا ہے، خاص طور سے عروض کے سلسلے میں۔

جولائی ۲۰۰۰ء جمیل اُلدّین عالؔی صاحب لاس اینجلس تشریف لے گئے، وہاں اِن کے

اعزاز میں ایک جلسے کا انعقاد کیا گیا۔جین صاحب نے بھی اِس میں شرکت کی اور وقت کی تنگی کی وجہ سے عالؔی صاحب سے مُتعلّق مختصر سا ذکر کیا۔ بعد میں اُنھیں خط لکھتے ہیں جس میں اُن کے دوہوں سے مُتعلّق اپنی راے کا اظہار کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے آپ کے جو دوہے دیکھے ہیں (دراصل بہت کم دیکھے ہیں) وہ سب سرسی کے وزن میں ہیں۔ دوہے کے وزن میں ایک بھی نہیں۔ آپ نے کہے ضرور ہوں گے۔تقریب میں گو میں نے دوہے کے وزن میں لچک کی بات کی تھی لیکن دل سے میں اس کا قائل نہیں۔ رُباعی کی طرح دوہے کا وزن بھی مقرر اور کسا ہوا ہے۔اس کے باہر جو بھی کچھ کہا جائے گا وہ دوہا نہیں کہا جا سکتا، اِسے سرسی کا فرد یا کچھ اور کہہ سکتے ہیں۔ دوہے کا بنیادی وزن یہ ہے:

فعلن فعلن فاعلن فعلن فعلن فاع ۱۳+۱۱: ۲۴ ماترائیں سرسی کا وزن ہے:

فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فاع ۱۶+۱۱: ۲۷ ماترائیں دونوں میں فعلن فعلن کی جگہ اِن کے متبادلات مثلاً فعل فعولن، فعلن فعلن، فعلن فعلن، فعل فاعلن، فعل فعولن بھی آ سکتے ہیں۔ میری راے میں آپ آیندہ محض ۲۴ ماتراؤں کے دوہے لکھا کریں۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۳ راگست ۲۰۰۰ء، بہ مقام 23, Nevada Irvine-CA-92606 (USA) غیر مطبوعہ)

جمیل الدّین عالؔی اپنے دوہوں کی وجہ سے کافی مشہور ہیں۔ اُمید ہے آج تک کسی اور نے اِن کی توجہ اس طرف مبذول نہیں کرائی ہوگی۔جین صاحب ادبی اختلاف کو ذاتیات کے درمیان نہیں آنے دیتے تھے، اِس لیے اُنھیں ۲۴ ماتراؤں میں آیندہ کے لیے دوہے کہنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

جین صاحب کو اُردو عروض پر دست رس حاصل تھی۔ وہ خود بھی شاعر تھے اور شاعر کے لیے عروض جاننا ضروری ہے، اس سے اُس کی شاعری میں جھول کبھی نہیں آتی۔ضرورتِ شوق کی وجہ سے کبھی کبھی اِملا میں کمی بیشی کرنی پڑتی ہے۔ وہی شاعر کامیاب کہلاتا ہے جو اِس فن سے پوری طرح واقف ہو۔جین صاحب نے ۱۹۸۸ء میں ہی عروض سے مُتعلّق ایک کتاب لکھنے کا منصوبہ بنا لیا تھا اور اُسے بعد میں پورا بھی کر دیا۔ اپنے اس منصوبے سے مُتعلّق ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی (لاہور والے) کو لکھتے ہیں:

''میں نے ایک مختصر کتاب 'اُردو کا نیا عروض' لکھنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اِس کے لیے پڑھ لیا ہے لکھنا باقی ہے۔ میرا عروض آسان اور تجدید کے ساتھ ہوگا جس میں زحافات کے نام نہ دوں گا، غیر مانوس اوزان نہ لوں گا۔ ہندی کے اوزان اُردو میں آ گئے ہیں، اُنھیں اُردو ارکان میں ظاہر کر کے دوں گا۔ نیز اُردو شعرا نے مختلف اوزان میں جن اجتہادات اور آزادیوں کو جائز کیا ہے، اُن کو تسلیم

کروں گا۔تقریباً سو صفحے کی کتاب ہوگی۔اِس کے بعد زندگی کا آخری بڑا کام کرنا چاہتا ہوں اور بس، اُردو تحقیق کی تاریخ۔یہ دو جلدوں میں ہوگی۔تقریباً چار سال لکھیں گے۔میری حماقت تو دیکھیے :

ع: سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں''

(مکتوباتِ مرقومہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۸۸ء، شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی، حیدر آباد-۵۰۰۱۳۴، ہندستان، خط نمبر ۱۳)

جین صاحب نے لسانیات سے مُتعلّق تین کتابیں اُردو عروض سے مُتعلّق ایک کتابچہ اور اِملا سے مُتعلّق کئی مضامین لکھے۔وہ ہندستان کی اِملا کمیٹی کے ممبر بھی تھے۔اس کمیٹی کی ہر میٹنگ میں اِنھوں نے حصّہ لیا اور اپنے خیالات کا کھُل کر اظہار کیا۔ادبی معاملات میں بیباک قسم کی شخصیت تھے۔اپنے ایک مراسلے میں وہ ڈاکٹر خلیق انجم کو لکھتے ہیں: اُردو کے اہلِ زبان میں علاقائی فرق کی وجہ سے متعدد الفاظ کی تذکیر و تانیث پر اتّفاق نہیں۔اِس طرح کی اُردو میں جنس سماعی ہے قیاسی نہیں۔ڈاکٹر فضلِ امام نے 'ہماری زبان' بابت ۸؍دسمبر ۸۷ء کے مراسلے میں اِملا کی تذکیر کے لیے ''فرہنگِ آصفیہ'' اور ''پلیٹس'' کی سند پیش کی ہے لیکن معلوم نہیں کیوں وہ ہجّے کی جنس کے سلسلے میں اِن کتابوں کو گول کر گئے۔دونوں میں ہجّے کو مذکّر بھی لکھا ہے۔'پلیٹس' میں مذکّر کا مختلف انگریزی حرف m ہے جو ہجّے کے سلسلے میں دیا ہے۔میں اِملا اور ہجّے دونوں کو مذکّر بولتا ہوں۔ رشید حسن خاں نے بھی ذیل کے جملے میں اِملا کو مذکر استعمال کیا ہے:

''ہمارے اکثر سینئر اساتذہ کمیٹیوں کے ممبر بننے اور ترقّی کے ہجّے کرنے میں اِس قدر مصروف رہتے ہیں کہ لکھنے پڑھنے کے 'فالتو' کاموں کے لیے اِن کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔

('ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ'، ص: ۶۲)

فضلِ امام کہتے ہیں کہ اُردو کا مزاج یہ ہے کہ جس لفظ کے آخر میں 'ا' ہوتا ہے، اِس کو مذکّر اور جس لفظ کے آخر میں 'ی' اسے مونث بولتے ہیں۔اِس اعتبار سے اِملا مذکّر اور ہجّے مونث ہے۔

یہ پوری طرح صحیح نہیں۔اُردو میں دیسی الفاظ میں آخری 'ا' تذکیر کی نشانی ہے لیکن بہت سے عربی فارسی الفاظ میں نہیں، مثلاً دُعا، قضا، فضا، فنا، سزا، التجا وغیرہ مونث ہیں۔جہاں تک 'ی' کا سوال ہے 'ہجّے' کے آخر میں 'ی' (یاے معروف) نہیں بل کہ 'یاے مجہول' 'ے' ہے جو عموماً جمع مذکر کی نقالی ہے۔'یاے معروف' کے بعض الفاظ بھی مذکّر ہوتے ہیں، مثلاً: نائی، دھوبی، درزی، موچی، قاضی، عرض یہ ہے کہ جو شخص جس لفظ کی جنس جس طرح بولتا لکھتا ہے، اِسے قبول کر لیجیے۔اپنا اختلافی استعمال ظاہر کر دیجیے لیکن دوسرے کے استعمال کو غلط نہ ٹھہرائیے۔''

(مراسلہ مشمولہ مکتوب مرقومہ ۱۵؍دسمبر ۱۹۸۷ء، خط نمبر ۱۵، غیر مطبوعہ)

جین صاحب کے اسفار

بحال سنگھ صاحب کے ہاں ۱۹ر ستمبر ۱۹۲۳ء کو ایک بچّہ پیدا ہوا۔ جب اِس کا نام کرن سنسکار ہوا تو گیان چند نام رکھّا گیا۔ اسکول داخل کرواتے وقت نام گیان چند جین لکھوایا گیا۔ اِن کے بزرگ جین مذہب سے تعلّق رکھتے تھے۔ اِنھوں نے اپنے نام کے ساتھ مذہبی پہچان کو نہیں جوڑا۔ وہ صرف گیان چند لکھّا کرتے تھے۔

اپنی تعلیم مکمّل کرنے تک اِنھوں نے کِن کِن مقامات کے سفر کیے، اِن کا مختصر ذکر گذشتہ اوراق میں آ چکا ہے۔ اب ہم اِن کے خطوط کی مدد سے اِن کی ملازمت کے آغاز (بھوپال) سے زندگی کے آخری ایام (امریکہ) تک کے اسفار کی داستان بیان کرتے ہیں۔ وہ پروفیسر آل احمد سرورؔ کو لکھتے ہیں:

میرے یہاں دسہرہ کی چھٹیاں ۲۳ دن کی ہیں۔ اِس بار اِس دوران میں بچّوں سمیت جنوبی ہند کی سیاحت پر جاؤں گا۔ میسور اور اُٹا کمنڈ تک جانے کا ارادہ ہے۔ مدراس اور حیدر آباد بھی دیکھے جائیں گے۔ اگر سکت باقی رہی تو پونا، بمبئی ہوتا ہوا واپس آؤں گا۔''

(مکتوب مرقومہ ۱۹/۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء، مالویہ نگر بھوپال بہ نام پروفیسر آل احمد سرورؔ خط نمبر ۱۸، غیر مطبوعہ)

''میں ۲۴/ اکتوبر کو بھوپال سے چل دیا تھا۔ ۱۲/ نومبر کو واپس آیا۔ میسور میں ڈاکٹر حبیب النساء کے اصرار پر اُنھیں کے یہاں قیام کیا۔ انھوں نے کمال خلوص سے بڑی تواضع کی۔ حیدر آباد میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر رضیہ سلطانہ اور نصیر الدّین ہاشمی سے ملاقات ہوئی۔ مدراس میں یوسف کوکن صاحب صدر اُردو فارسی نے رہبری کی۔ تمام سفر میں اُردو والوں کی وجہ سے بڑی سہولت رہی۔ شمال و دکن، ہندو مسلمان کا کوئی فرق ہی نہ تھا۔ ایک اُردو کی برادری ہے جس میں واقف ناواقف ہر شخص ہر ایک کی مدد کو کمر بستہ ملا۔ اس طویل سفر میں سب لوگ ٹھیک رہے صرف میں ہی بودا ثابت ہوا اور اُٹا کمنڈ اور حیدر آباد میں ایک ایک دِن کے لیے بخار اور کھانسی میں مبتلا ہوا۔ بھوپال واس آنے پر پھر بخار اور کھانسی نے گھیر لیا۔ دو بار ڈاکٹر کو گھر بلانا پڑا۔ اب افاقہ ہے۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۴/ نومبر ۱۹۶۳ء، ایضاً خط نمبر ۱۹، غیر مطبوعہ)

پروفیسر آل احمد سرورؔ نے پروفیسر گیان چند جین کو انجمن ترقّیِ اُردو علی گڑھ کی مجلسِ عام

میں شرکت کے لیے دعوت دی ہے۔ وہ اِس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''میں انجمن کی مجلسِ عام میں شرکت کے لیے ۱۹ر اپریل کی صبح حاضر ہوں گا اور ۲۰ر اپریل کو علی الصباح آگرے کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ میرے قیام کا انتظام آپ ہی کے ذمّے رہے گا۔ شکریہ۔''

(مکتوب مرقومہ ۱۰ر اپریل ۱۹۶۴ء، ایضاً خط نمبر ۲۱، غیر مطبوعہ)

جین صاحب اپنے ایک اور طویل سفر کا حال پروفیسر آل احمد سرورؔ کو یوں بیان کرتے ہیں:

''میں چھٹیوں میں اپنے صرفے سے اہل وعیال کے ساتھ کشمیر اور ڈلہوزی گیا۔ کشمیر میں تقریباً ۱۸ دن رہا۔ سروریؔ صاحب [عبدالقادر] نے وہاں مجھے اُردو کی سلیکشن کمیٹی میں رکھ دیا۔ دوسرے ماہر ڈاکٹر عابد حسین تھے۔ میرا تقرر آپ کی جگہ پر ہوا تھا۔ آپ نے مئی میں آنے سے انکار کر دیا تھا۔ ریڈر شپ کے لیے ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کا انتخاب کر لیا اور لکچرر کی جگہ پر اُنھیں حضرات کو جو وہاں کام کر رہے ہیں۔''

(مکتوب مرقومہ ۴ر جولائی ۱۹۶۴ء، ایضاً خط نمبر ۲۲، غیر مطبوعہ)

جین صاحب نے ۲ر اگست ۱۹۶۴ء کو انجمن ترقیِ اُردو دلّی کے جلسے میں شرکت کی اور بھوپال واپس چلے آئے۔ وقت گزرتا چلا گیا۔۔ انھوں نے دِل میں یہ ٹھان لیا تھا کہ وہ ساری عمر بہ طور لکچرر یا پرنسپل کالج میں نہیں گزاریں گے۔ وہ اپنی علمی زندگی کو یہاں رہ کر برباد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ کسی نہ کسی یونی ورسٹی میں بہ طور پروفیسر جانا چاہتے تھے، کیوں کہ وہاں کام کے مواقع بے پناہ ہوتے ہیں۔ آخر انھیں ایک ایسا موقع نصیب ہوا۔ اِس کی داستان وہ اپنے خط مرقومہ ۳۱ر جولائی ۱۹۶۵ء بہ نام ڈاکٹر ابومحمد سحرؔ میں یوں بیان کرتے ہیں:

''آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میرا تقرر جمّوں میں پروفیسر کی جگہ پر ہو گیا ہے۔ اس غیر متوقع تقرر کی تاریخ یوں ہے۔ جمّوں عرضی دینے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن ۱۰ر جون کو سروریؔ صاحب کا خط آیا جس میں اُنھوں نے تاکید کی کہ میں ضرور عرضی دوں چناں چہ میں نے ۱۶ر روپیہ کا پوسٹل آرڈر بھیج کر فارم کے لیے لکھا۔ ۱۰ر جون کو میں وطن چلا گیا اور وطن ہی سے عرضی بھیجی۔ ۱۵ر جولائی کو میرے پاس تار آیا کہ ۱۹ر جولائی کو انٹرویو کے لیے سری نگر پہنچوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ کون کون اُمیدوار ہیں اور کون ماہرین ہیں۔ جی نہ چاہا کہ اتنا لمبا سفر کروں (حالاں کہ سری نگر والے .T.A، .D.A دے رہے تھے) چناں چہ میں نے سری نگر کو تار دے دیا

اور خط لکھ دیا کہ وقت بہت کم ہے اس لیے عرضی کی بنا پر غور کر لیا جائے۔ ۱۶؍جولائی کو سرورؔ صاحب کا خط آیا جس میں اُنھوں نے لکھا کہ اگر مجھے انٹرویو کے لیے بلایا جائے تو مجھے ضرور جانا چاہیے اور خورشید الاسلام اُمیدوار نہیں اور وہ بہ طور ماہر کے جا رہے ہیں۔ مجھے پھر بھی تامّل ہوا۔ سرور صاحب کو تار دیا کہ وقت کم ہے عرضی پر فیصلہ کرا دیجیے۔ اگلے دن دوستوں کے اصرار پر پٹھان کوٹ ایکسپریس سے دلّی چل دیا اِس ارادے سے کہ اگر ہوائی جہاز میں جگہ مل گئی تو سری نگر چلا جاؤں گا نہ ملی تو بھوپال واپس آ جاؤں گا۔ ۱۸؍جولائی کو دلّی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ۳۰؍جولائی سے پہلے کوئی سیٹ نہیں مل سکتی۔ مجبوراً پھر یونی ورسٹی کو تار دیا اور فوراً بھوپال واپس آ گیا۔ ۲۲؍جولائی کو سروری صاحب کی چٹّھی ملی کہ ''سرورؔ صاحب اور فاروقی صاحب بہ طور ماہرین کے آئے تھے میری عرضی ہی کو انٹرویو مان کر میرا تقرر کر دیا گیا ہے۔ سنڈیکیٹ سے منظوری کے بعد میرے پاس یونی ورسٹی کی اِطّلاع آئے گی۔ فاروقی صاحب اور سرورؔ صاحب نے اِس خبر کی توثیق کرتے ہوئے مبارک باد بھیجی ہے۔ علی گڑھ سے اور بھی کچھ لوگوں کے مبارک باد کے خط آئے ہیں۔ یونی ورسٹی سے ابھی تک کوئی چٹھی نہیں آئی۔''

(مکتوب مرقومہ ۳۱؍جولائی ۱۹۶۵ء، مالویہ نگر بھوپال۔ ''مشاہیر کے خطوط بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ'' از ڈاکٹر مختار شمیم، اشاعت ۲۰۲۰ء، ص ۱۱۰-۱۰۹)

۷؍اپریل ۱۹۶۵ء کے خط میں بھوپال سے سرورؔ صاحب کو لکھتے ہیں کہ ''میں کل رات لکھنؤ اور گورکھپور کے سفر سے واپس آیا ہوں۔ اِسی طرح ۳۰؍مئی ۱۹۶۵ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ ''اب ۱۰؍جون سے ۳۰؍جون تک یو پی میں گزاروں گا، کیوں کہ بیوی بچوں کو میکے بھیج دیا ہے۔ (خط نمبر ۲۶، ص ۲۲)

پروفیسر گیان چند جین نے بھوپال سے ایک طویل سفر جمّوں کے لیے کیا جس نے اِن کی ادبی زندگی بدل کر رکھ دی، وہ دِلی طور پر یہی چاہتے بھی تھے، اِن کی خواہش پوری ہوئی۔ وہ پروفیسر آل احمد سرورؔ کو اپنے مکتوب مرقومہ ۲۰؍اکتوبر ۱۹۶۵ء، شعبۂ اُردو، کشمیر یونی ورسٹی ڈویژن جمّوں سے لکھتے ہیں:

''آپ یہ جان کر مطمئن ہوں گے کہ آخر کار میں نے یہاں ۱۵؍اکتوبر کو چارج لے ہی لیا۔ ابھی اہل و عیال کے بغیر تنہا آیا ہوں، اس لیے عجب بے سروسامانی کا حال ہے۔ شعبے میں بھی ابھی کچھ نہیں۔ سب کچھ مجھے خریدنا اور بنانا ہے۔ اُردو کی ایک کتاب نہیں۔ کتابوں کے

لیے مجھے پندرہ ہزار روپیہ دیا گیا ہے جس کی کتابیں دو تین مہینے میں منگائی ہیں۔

ایم.اے. پر یویس اُردو میں محض ایک لڑکے نے داخلہ لیا ہے۔ یہ لڑکا مقامی ہندو ہے اور کہیں ملازم ہے۔ محض ایک طالب علم ہونے کی وجہ سے شعبے میں میرے علاوہ بقیہ حضرات کا تقرر منسوخ کر دیا گیا ہے۔

یہاں یونی ورسٹی میں کوئی ۳۰ر اساتذہ دو سو طلبہ ہیں۔ علمی فضا مفقود ہے۔ بعض اساتذہ کا کہنا ہے کہ یہاں کے ایم.اے. کے لڑکے دوسری جگہوں کے انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے معیار کے ہیں۔ اُردو ادب کا شہر میں بھی کوئی ماحول نہیں۔

ایک عجیب نامعقول بات یہ ہے کہ یہاں پر استاد کو دس بجے سے چار بجے تک یونی ورسٹی میں رہنا ضروری ہے۔ یہ تو بالکل اسکول ہو گیا۔ میں نے کہیں ڈگری کالج میں بھی ایسا نہیں دیکھا۔ چھے گھنٹے یہاں رہنے کے بعد آدمی اپنے گھر پر کچھ پڑھنے لکھنے کے قابل ہی نہ رہے گا۔ یہ غیر علمی فضا دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی ہے۔

یوں پرو وائس چانسلر بھان نہایت شریف، معقول اور ہمدرد آدمی ہیں۔ یہ چھے گھنٹے قیام کا قاعدہ بڈھے وائس چانسلر Prof. T. M. Advani (1903-1967) کا بنایا ہوا ہے۔ زیادہ پھر لکھوں گا۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۶۵ء، خط نمبر ۳۰، غیر مطبوعہ)''

جمّوں میں اُردو کی زبوں حالی کے بارے میں جین صاحب یوں لکھتے ہیں:

''یہاں اُردو کا حالِ زار ہے۔ طلبہ کی کمی کے پیشِ نظر یہ طے کیا گیا کہ بہ طور خاص اُردو ایم.اے. کی جماعتیں شام کو ہوا کریں تا کہ ملازمین بھی داخلہ لے سکیں۔ لیکن پھر بھی ابھی محض ایک داخلہ ہوا ہے۔ اُمید ہے چار پانچ اور آ جائیں گے لیکن معلوم نہیں یہ کم بخت دیر کیوں کر رہے ہیں۔ Whole-times کوئی بھی نہ ہوگا۔ سب دِن میں اِسکول یا دفتر میں چکّی چلا کر آیا کریں گے۔ دراصل جمّوں اُردو کی جگہ نہیں۔ مصنوعی ذرائع سے اِس نہال کو بارآور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(مکتوب مرقومہ ۱۳ر اگست ۱۹۶۶ء، خط نمبر ۳۲، غیر مطبوعہ)

صوبہ جمّوں کے گرمائی خطّے میں گرمیوں کی تعطیلات جون، جولائی میں ہوتی ہیں۔ اس لیے جین صاحب اپنے وطن جانا چاہتے ہیں۔ پروفیسر آل احمد سرور کو لکھتے ہیں:

''میں ۱۵؍جون سے ۱۷؍جولائی تک باہر یعنی وطن میں رہوں گا۔ اِس دوران میں بھی یونی ورسٹی کے پتے پر لکھی ہوئی چٹھیاں مجھے مل سکیں گی۔''

(مکتوب مرقومہ ۱۶؍مئی ۱۹۶۶ء، خط نمبر ۳۱، غیر مطبوعہ)

جین صاحب اکثر دُور دراز کے سفر سے بچنا چاہتے تھے، مگر بعض اوقات مجبوری کی وجہ سے انھیں سفر کرنا پڑتا تھا۔ اسی طرح کے ایک سفر کا ذکر پروفیسر آل احمد سرؔور سے یوں کرتے ہیں:

''میں ان تعطیلات میں آسام نہ جا سکا۔ گوہاٹی یونی ورسٹی میری دی ہوئی تاریخ 2؍ جنوری کے لیے رضامند نہ ہوئی اور ۴؍جنوری کی رٹ لگاتی رہی۔ جھنجھلا کر میں لکھ دیا کہ میں بالکل نہیں آؤں گا۔ لیکن مجھے جانا پڑے گا۔ بچنا چاہتا ہوں لیکن اُمیدوار نے اِلحاح وزاری شروع کر دی ہے۔''

(مکتوب مرقومہ ۸؍جنوری ۱۹۶۸ء، خط نمبر ۲۹، غیر مطبوعہ)

نہ جانے سفر سے جین صاحب کیوں اتنے گھبراتے تھے؟ دیکھیے سرؔور صاحب کو کس طرح لکھتے ہیں:

''سفر خواہ فرسٹ کلاس میں ہو یا ہوائی جہاز میں موجب زحمت ہے۔ پھر میری یہ کیفیت ہے کہ سفر سے کئی دِن پہلے لکھنا پڑھنا ختم ہو جاتا ہے اور واپسی کے بعد بھی دو تین دِن ذہن حاضر نہیں رہتا۔''

اِس پیراگراف کے بعد دو پیراگراف چھوڑ کر لکھتے ہیں:

''پرسوں [۱۳؍جنوری] مع عیال کے ایک ہفتے کے لیے وطن سیوہارہ جا رہا ہوں۔ بھتیجی کی شادی ہے۔ سفر سے مفر نہیں۔ پھر بھی گوہاٹی جانا ہے۔ وہاں سے تقاضے آ رہے ہیں۔ آپ علی گڑھ کی تاریخ مقرر کریں تو اِسی سلسلے میں آسام بھی ہو آؤں۔ جنوری گزر جانے پر تاریخ آئے تو اچھا ہے تا کہ موسم میں اعتدال آ سکے۔''

(مکتوب مرقومہ ۱۱؍جنوری ۱۹۶۸ء، خط نمبر ۴۰)

مارچ کے خط میں پروفیسر سرؔور کو جمّوں یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو میں آنے کی دعوت دیتے ہیں اور دو تقریریں لکچر کی صورت میں کروانا چاہتے ہیں۔ اِسی کے ساتھ اُنھیں اِطّلاع دیتے ہیں:

''میں ۴؍اپریل کو بھوپال جاؤں گا اور وہاں تین دِن ٹھہر کر واپس ہوں گا۔ اہل وعیال

کے ساتھ نہ جا کر تنہا ہی جاؤں گا۔‘‘

دوسطریں چھوڑ کر لکھتے ہیں:

’’میں دسمبر ۱۹۶۶ء میں علی گڑھ میں بورڈ آف اسٹیڈیز کے اجلاس میں شرکت کے لیے آیا تھا، ۱۸؍دسمبر ۱۹۶۶ء کی تاریخ تھی۔‘‘

اِس کے بعد اپنے .T.A بل کی داستان بیان کی ہے، جو انھیں کم ملا تھا۔ اب اِن سے درخواست کی ہے کہ میں بل دوبارہ بھیج رہا ہوں۔ بقیہ رقم کہہ کر دلوا دیجیے۔‘‘

(مکتوب مرقومہ ۲۶؍مارچ ۱۹۶۸ء، خط نمبر ۴۱)

پروفیسر جین کی دلّی جانے کی وجہ تو معلوم نہ ہوسکی، مگر وہ سرؔور صاحب کو لکھتے ہیں:

’’میں ۱۱؍اپریل کو دِلّی میں تھا۔ نثار احمد فاروقی کے ساتھ کوہِ نور پریس گیا تو معلوم ہوا کہ کتاب [اُردو مثنوی شمالی ہند میں] کی کاپیاں ظِلِّ عباس لے گئے ہیں، اب کہیں اور چھپوائیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کتاب پُرانی ہوجانے کی وجہ سے Acid لگا کر حرف اُبھارے جائیں گے نیز چند کاپیاں دوبارہ لکھانی ہوں گی۔ اِس سب سے مجھے نا اُمیدی ہوئی کہ ہنوز روزِ اوّل والا معاملہ ہے۔ دِلّی سے واپسی پر آپ کا کرم نامہ ملا۔ اِس میں آپ نے تفصیل سے صورتِ حال لکھی ہے۔ بڑا اطمینان ہوا۔ جب پُوری تفصیل سے آپ واقف ہیں اور معاملہ اپنے ہاتھ میں لیے ہیں تو مجھے نہ کوئی تشویش کا مقام ہے نہ تقاضے کا۔ جو کچھ ضروری ہوگا وہ آپ خود ہی کرلیں گے۔‘‘

’’اُردو مثنوی شمالی ہند میں‘‘ جین صاحب نے نظرِ ثانی کے بعد ۱۹۶۱ء میں انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) علی گڑھ میں اشاعت کی غرض سے دفتر میں جمع کرائی تھی، پروفیسر آل احمد سرؔور کی مرضی کے مطابق۔ سات سال گزر چکے تھے مگر کتاب اشاعت کے مرحلے سے نہیں گزر پائی تھی۔‘‘

(مکتوب مرقومہ ۵؍مئی ۱۹۶۸ء، خط نمبر ۴۲)

ایک سال بعد کے خط میں معلوم ہوتا ہے کہ جین صاحب نے اِس دوران دوسفر کیے، وہ سرؔور صاحب کو لکھتے ہیں:

’’میں چھٹیوں میں وطن گیا تھا۔ آپ کا عنایت نامہ جمّوں سے Redirect ہوکر ملا۔ کل واپس آیا ہوں۔............

.... میں ۲۳؍جولائی کو بنارس میں ایک ریڈر اور ایک لکچرر کے انتخاب کے لیے

گیا۔ دوسرے ماہر اعجاؔز صاحب تھے۔ ریڈر کے سلسلے میں اُمیدوار مسیح الزماؔں، حُکم چند نیّر اور امرت لال عشرؔت تھے۔ مسیح الزماؔں لیے گئے۔ کیا لطف ہے کہ اعجاؔز صاحب نے حُکم چند کے لیے کہا اور میں نے مسیح الزماؔں کے لیے۔ لکچرر کی جگہ پر حنیف نقوی کا انتخاب ہوا۔ ۲۴؍جولائی کو مجھے جامعہ سلیکشن کمیٹی کے لیے بلایا گیا تھا، میں نے تاریخ کے ملتوی کرنے کی درخواست کی۔ مان لی گئی۔ اب ۴؍اگست کو کمیٹی ہے۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۸؍جولائی ۱۹۶۹ء، خط نمبر ۴۶)

جین صاحب اپنے خط میں ڈاکٹر ابومحمد سحؔر (بھوپالی) کو اپنے سفرِ دِلّی کی مختصر اِطّلاع یوں دیتے ہیں:

''میں پرسوں دِلّی پہنچوں گا اور تین چار دِن رہوں گا۔ نجی کام سے جار ہا ہوں۔ مالک راؔم چاہتے ہیں کہ رسالہ ''تحریر'' کی خریداری بڑھائی جائے۔ میں شاید آپ کو پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ کالج میں منگوا لیجیے۔''

(مکتوب مرقومہ ۱۷؍مارچ ۱۹۷۰ء، خط نمبر ۱۷)

اِسی ماہ ایک اور خط ڈاکٹر ابومحمد سحؔر کو تفصیل سے لکھتے ہیں:

''میں ۱۹؍مارچ کو موٹر بیچنے دِلّی گیا تھا۔ وہاں ۱۶۲۰۰ میں بیچ دی، جو اچھّی قیمت ہے۔ جمّوں میں مَیں خواہ مخواہ اتنے دِن پریشان رہا۔

پرسوں میں نثؔار کے کمرے پر گیا وہ نہ تھا یقینی چُھٹیوں میں امروہے گیا ہوگا۔ حیرت ہے کہ اِس نے ''نقوش'' اب تک آپ کو نہیں بھیجا۔ آج کل مجھ سے ناخوش ہے کیوں کہ میں نے اِس سے ''نقوش'' کے پچاس ساٹھ پرچے اپنی لائبریری کے لیے نہیں لیے۔ وہ کوئی ۴۰؍روپے شمارہ چاہتا تھا میں پندرہ روپے شمارہ سے زیادہ کے لیے تیار نہ تھا۔ کوئی لوٹ تھوڑے ہی ہے۔

ہاں تو طفیؔل نے ایک پرچہ کسی کے ہاتھ میرے لیے بھیجا۔ ایک میری اگر دہ پاکستان سے لے آئی۔ طفیؔل کا بھیجا ہوا پرچہ نثؔار کے پاس ہی جمع ہے اور نثار نے لکھّا تھا کہ اِس پر ساڑھے چودہ روپے خرچہ آتا ہے۔ میں نے لکھّا تھا کہ وہ پرچہ آپ کو بھیج دے اور جو صرفہ آئے میں اِسے ساڑھے چودہ روپے ملا کر منی آرڈر کر دوں گا۔

آپ پرچہ اپنے لیے لیں تو آپ کو صرف ساڑھے چودہ روپے میں نذر ہے۔ اگر کالج لائبریری میں دیں تو ۴۰ روپے میں دے دیجیے۔ لیکن پہلے یہ پرچہ نثؔار سے نکلے تو۔ اب تو وہ خطوں

کا جواب ہی نہیں دیتا۔ پرسوں شام میں دو گھنٹے تک قاضی عبدالودود سے ملا۔ وہ کہتے تھے کہ توفیق ان سے ملا تھا اور چاہتا تھا کہ ایک لاکھ روپے قیمت میں خدا بخش لائبریری کو مخطوطہ دلوا دیں۔ قاضی سے میں نے کہا کہ خدا بخش لائبریری کی سالانہ گرانٹ ۹ ہزار روپے ہے۔ ۱۱ سال میں پوری رقم بہم پہنچائی جا سکتی ہے۔ میں نے نظیر کا ''کلّیاتِ غالبؔ'' نہیں دیکھا۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۴؍ مارچ ۱۹۷۰ء، خط نمبر ۱۸)

''میں ۴؍ اکتوبر کو ایک شادی کے سلسلے میں لکھنؤ گیا۔ اہل و عیال ۱؍ اکتوبر کو جا چکے تھے۔ ۱۳؍ اکتوبر کو سب واپس ہوئے۔ لکھنؤ میں مسعود حسن رضوی صاحب کے پاس سے پانچ ہزار کی کتابیں اور مخطوطے خریدے۔ دانش محل سے بھی کافی قدیم کتب لیں۔ اِس سال ہمارے پاس اُردو کتب کے لیے ساڑھے گیارہ ہزار روپیا ہے۔ اُمید ہے دسمبر کے آخر تک میں وارے نیارے کر دوں گا۔ ایک بار پھر محویؔ صاحب سے پوچھیے کہ وہ مخطوطات اور دوسری قدیم کتابیں دینا چاہیں تو دے دیں۔ اس وقت موقع ہے۔ ہم مخطوطات کی اچھی قیمت دے دیں گے۔ اگر انھوں نے تامّل کیا تو ہمارے پاس روپیا ختم ہو جائے گا۔............

لکھنؤ میں ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی بھی ملے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ غالبؔ کے مقدمے کا کیا حال ہے۔ اِس سال میں مجھے تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔ اِدھر اکبر علی خاں اور انصاراللہ نظرؔ دونوں نے مجھے مخطوطے کے اصلی و جعلی ہونے کے بارے میں لکھا۔ اکبر علی خاں نے لکھا کہ ''میں 'ہماری زبان' میں کچھ سوالات کروں گا اور اِس کے بعد آپ کو 'حکم' بنانا چاہتا ہوں قبول کر لیجیے۔'' میں نے معذرت کر لی کہ ان معاملات میں حکم کا سوال ہی نہیں۔ اُردو دُنیا کا ہر شخص اپنی اپنی رائے قائم کر سکتا ہے اور اگر حکم بنانا ہے تو قاضی عبدالودود کو بنائیے۔

سروریؔ صاحب یہاں آئے تھے۔ دِلّی گئے ہیں۔ ۱۸؍ اکتوبر کو مرکزی غالبؔ کمیٹی کی ایکزیکٹو میں شرکت کریں گے اور ۲۳؍ اکتوبر کو دِلّی میں اُردو ریڈر کی سلیکشن کمیٹی میں بیٹھیں گے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۲۳؍ اکتوبر ۱۹۷۰ء، خط نمبر ۲۰)

جینؔ صاحب کوئی زیادہ مضبوط قد کاٹھی کے مالک نہیں تھے، مگر ۴۷ برس کی عمر ہی میں اِن کے ذہن میں بڑھاپے کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ آل احمد سرورؔ صاحب کو لکھتے ہیں:

''آپ سے ملنے کی شدید خواہش ہے۔ ابھی سے مجھے بڑھاپے کے آثار آ گئے ہیں۔ سفر سے بچنے لگا ہوں۔ اِس سے پہلے انجمن کی دِلّی کی میٹنگ اور وکرم یونی ورسٹی کے بورڈ آف

اسٹیڈیز میں نہ گیا۔ مجھے کشمیر یونی ورسٹی کی سنڈیکیٹ میں بھی رکھ دیا تھا۔ تقریباً ہر ماہ اِس کی بیٹھک ہوتی ہے۔ میں کبھی نہیں گیا۔ ایک سال غیر حاضر رہنے کے بعد چند روز قبل میں نے استعفا بھیج دیا۔ جب میں وہاں کا سفر ہی نہیں کرنا چاہتا تو کیوں ممبر رہوں۔''

(مکتوب مرقومہ ۱۲؍دسمبر ۱۹۷۰ء، خط نمبر ۴۷)

بھوپال کے اُمیدوار کے Viva زبانی امتحان کے لیے رفیعہ سلطان کی بار بار تاریخ بدلنے کی وجہ سے کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ پروفیسر ابو محمد سحر کو لکھتے ہیں:

''صاحب اِس آپ کی رفیعہ نے تو جان لے لی۔ ۲۰؍فروری کو دِلّی میں سروری صاحب نے پیغام دیا کہ رفیعہ نے ۵؍مارچ کہلائی ہے۔ میں نے مان لیا۔ کل وکرم (یونی ورسٹی) سے خبر آئی کہ ۴؍مارچ کو امتحان رکھ دیا۔

میرے یہاں بورڈ آف اسٹیڈیز کا جلسہ ہونا ہے۔ مجھ سے پوچھ کر ۲؍مارچ رکھّی۔ باہر سے بھی ممبر آنے ہیں۔ ۴؍مارچ کو بھوپال پہنچنے کی خاطر ۲؍مارچ کو جمّوں سے چلنا چاہیے۔ یہ ممکن نہیں، مَیں نے دِلّی بھی ۴؍کی شام کو بھوپال کا ٹکٹ لینے کو لکھ دیا ہے۔ میں تو ۵؍مارچ کی صبح سوا پانچ بجے آؤں گا۔ رفیعہ کو ایک دن مزید روک لیجیے۔ اگر وہ بالفرض محال راضی نہ ہوں تو انھیں کہہ دیجیے کہ ۵؍مارچ کی صبح سات بجے اُمیدوار کو لے کر مالویہ نگر منوچہ کے یہاں آ جائیں۔ وہیں اِس سے دو سوال کر کے کاغذوں پر دستخط کر دیں گے اور رفیعہ صبح سوا نو بجے جانے والی دکن ایکسپریس سے چلی جائیں۔ میں تو پونے چھے بجے تک مالویہ نگر پہنچ جاؤں گا اپنے قبیلہ سمیت شاید منوچہ کے یہاں قیام ہو۔

اگر رفیعہ ۵؍کی صبح جانے پر بہ ضد ہوں تو ۵؍کو صبح سات بجے کا وقت مناسب رہے گا۔ کاغذات میں دس بجے کا وقت دکھا دیں گے یا حمیدیہ کالج میں صبح پونے آٹھ بجے کر سکتے ہیں۔ کالج تو اس وقت کھُل جاتا ہے۔ رفیعہ آٹھ بجے رُخصت ہو سکتی ہیں۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۲۶؍فروری ۱۹۷۱ء، خط نمبر ۲۵، ص ۳۶)

بھوپال سے واپسی پر دِلّی میں جین صاحب کی ملاقات سروری صاحب اور لالہ پرتھوی چندر سے ہوئی۔ اِس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

''بھوپال سے واپسی پر آپ کے دونوں خط ملے۔ سفر میں کوئی دِقّت نہیں ہوئی۔ ہم لوگ بھوپال ہی میں اوپر کی دو سیٹوں پر قابض ہو چکے تھے۔ صبح آگرے میں بھیڑ بالکل چھٹ

گئی۔ جب ہم لوگ دِلّی پہنچے تو اسٹیشن پر 'مرقعِ غالبؔ' والے لالہ پرتھوی چندر اور سرورؔ صاحب ہمیں لینے کو موجود تھے۔ سرورؔ صاحب کی موجودگی سے حیرت ہوئی۔ میں نے سامان کہیں اور یعنی صغیر احمد صوفی کے پاس رکھا اور دوپہر کا کھانا پرتھوی چندر کے یہاں سرورؔ صاحب کے ساتھ کھایا۔ شام کو سروری صاحب کو اسٹیشن تک پہنچایا، یہ آخری ملاقات تھی۔ ہم نے ایک ہی گاڑی سے سفر کیا لیکن الگ الگ ڈبوں میں۔ وہ ۹؍ مارچ کو سری نگر پہنچے۔ ۱۱؍ مارچ کو دِل کا دورہ پڑا اور رات کو وفات کر گئے۔ مجھے بہت قلق ہوا۔ اِن کی بیوی اور بڑا لڑکا دو تین دِن بعد پہنچ سکے۔ اِن کی موت بالکل یکا یک ہوئی۔ اِس سے پہلے وہ کبھی دِل کے مرض میں مبتلا نہ ہوئے تھے۔

میں آج کل بالکل سفر نہیں کرنا چاہتا لیکن مجھے الہ آباد یونی ورسٹی میں ایم.اے. کے Viva کے لیے مدعو کیا گیا ہے۔ بادِلِ ناخواستہ منظوری کر لی ہے، لیکن احتشام صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ اگر کسی اور کو بُلا سکیں تو کرم ہو۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۳۰؍ مارچ ۱۹۷۱ء، خط نمبر ۲۶، ص ۳۷)

جینؔ صاحب ابومحمد سحرؔ صاحب کو علی گڑھ کی سلیکشن کمیٹی سے مُتعلّق یوں لکھتے ہیں:

''محّبی میں ۵؍ مئی کو علی گڑھ گیا تھا۔ ایک سلیکشن کمیٹی تھی، تین ریڈر اور ایک لکچرر کا انتخاب کرنا تھا۔ مستقل ریڈر کی جگہ پر قاضی عبدالستار کو کیا۔ عارضی ریڈر کی جگہ پر نسیم قریشی کو، مستقل Reader in Comparative Rit کی جگہ پر شکاگو کے چودھری محمد نعیم کو۔ فی الحال ۹۵۰؍ روپے پر لکچرروں کی جگہ پر دو عارضی لکچرر ڈاکٹر نورالحسن اور ڈاکٹر کوکبؔ قدر سجّاد علی مرزا کو مستقل کیا گیا۔ دوسرے ماہر ڈاکٹر عابد حسین تھے۔ ۲۸؍ مئی کو پھر علی گڑھ انجمن کے جلسے میں جانا ہے۔'' (مکتوبِ مرقومہ ۱۱؍ مئی ۱۹۷۱ء، خط نمبر ۲۸، ص ۳۸)

اگلے خط میں جینؔ صاحب لکھتے ہیں:

''میں ۲۸؍ مئی کو علی گڑھ انجمن کے جلسے میں ہو آیا۔ ۵؍ جون کو پھر جانا ہے۔ ایم.اے. کا وائیوا کرنے کے لیے۔ سرورؔ صاحب نے بہت اصرار کیا۔ الہ آباد سے احتشام صاحب نے بھی مجھے اِس کام کے لیے بلایا تھا لیکن میں نے معذرت کر لی تھی جس کے بعد انھوں نے محمد حسن کو بلایا۔'' (مکتوبِ مرقومہ ۳؍ جون ۱۹۷۱ء، خط نمبر ۲۹، ص ۳۹)

جینؔ صاحب اپنے خط مرقومہ ۱۲؍ جون ۱۹۷۱ء میں یکے بعد دیگرے علی گڑھ کے تین

اسفار کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''میں اِدھر تین بار علی گڑھ گیا۔ ۵؍مئی کو سلیکشن کمیٹی میں، ۲۸؍مئی کو انجمن ترقیِ اُردو کے جلسے میں اور ۵؍جون کو ایم.اے. فائنل کے زبانی امتحان کے لیے۔ ۲۸؍مئی کو سرورؔ صاحب نے مجھ سے بہت اصرار کیا کہ ۵؍جون کو آجاؤں کیوں کہ انھیں کوئی دوسرا شخص نہیں مل رہا تھا، اِس لیے میں چلا گیا۔'' (مکتوبِ مرقومہ ۱۲؍جون ۱۹۷۱ء، خط نمبر ۳، ص ۴۰)

جین صاحب لکھنؤ اُردو کانفرنس سے متعلّق ابومحمد سحرؔ صاحب کو یوں اِطّلاع دیتے ہیں:

''لکھنؤ اُردو کانفرنس میں مجھے تیسری بار شعبۂ تحقیق کی صدارت کے لیے کہا گیا ہے۔ میں نے معذرت کی، قبول نہ ہوئی، میں نے مان لیا۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی اِس کانفرنس میں آئیں تا کہ مختلف لوگوں سے ملاقات ہو سکے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۲۶؍اگست ۱۹۷۱ء، خط نمبر ۳۳، ص ۴۳)

جین صاحب سات ماہ بعد پھر ابومحمد سحرؔ صاحب کو خط لکھتے ہیں، جس میں لکھنؤ کے سفر کی داستان ہے۔ لیکن سات ماہ کی وقفے کی وجہ نہ معلوم ہو سکی۔ جب کہ جین صاحب ہر ماہ انھیں تین چار خط لکھا کرتے تھے۔

جین صاحب پروفیسر آلِ احمد سرورؔ کو اپنے علی گڑھ آنے کی اِطّلاع یوں دیتے ہیں:

''۲۲؍جنوری کے لیے سلیکشن کمیٹی سے متعلّق تار ملا۔ میں نے فوراً منظوری کی اِطّلاع کر دی۔ میرے لیے یہ تاریخ ہوتی یا کوئی اور، میں سب کے لیے تیار ہوں۔ اِس تاریخ میں یہ خوبی ہے کہ ۲۱؍جنوری اور ۲۳؍جنوری دونوں کی چھٹی ہے۔

میں نے توبہ کی تھی کہ علی گڑھ آتے ہوئے کبھی ہوائی جہاز سے آنے کی بات نہ سوچوں گا لیکن اب بدلے ہوئے اوقات کو دیکھ کر پھر لالچ آیا ہے۔ پہلے یہاں سے سہ پہر ساڑھے تین بجے جہاز چلتا تھا۔ اب صبح ۱۱ بجے چلتا ہے جو دو بجے تک پہنچ جاتا ہوگا۔ اگر چار پانچ گھنٹے Late بھی ہو تب بھی علی گڑھ کے لیے گاڑی مل جائے گی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر جہاز کے Late ہونے کی خبر ملتی ہے تو میں ٹکٹ واپس کر کے سڑک اور ریل سے چل سکتا ہوں۔ وقت میں کافی گنجایش ہے۔ واپسی کے لیے ہوائی جہاز کا وقت تکلیف دہ ہے اِس لیے میں ایک طرف سے جہاز سے اور دوسری طرف سے ریل سے سفر کروں گا۔ میں نے یونی ورسٹی کو لکھا ہے کہ مجھے ایک طرف سے ہوائی سفر کی اجازت دی جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ مان لی جائے گی۔

میں ۲۱؍جنوری کی شب میں پہنچ کر ۲۳؍جنوری کی صبح گاڑی سے چلوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ جہاز بہت Late ہو جائے، یہ اُس دِن نہ آئے، اس لیے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ کمیٹی کا وقت کا لکا میل کے وقت کے بعد رکھا جائے یعنی تقریباً ساڑھے گیارہ یا ۱۲ بجے۔ ویسے زیادہ تر اُمید یہی ہے کہ میں ۲۱؍ کی شب کو آجاؤں گا۔''

(مکتوب مرقومہ ۳؍جنوری ۱۹۷۲ء، خط نمبر ۵۲، شعبۂ اُردو جمّوں یونی ورسٹی، جمّوں)

علی گڑھ میں جین صاحب نے سرؔور صاحب کے ساتھ اچھا وقت گزارا، اِس کا ذکر وہ خط میں یوں کرتے ہیں:

''آپ کے ساتھ جو وقت گزارنے کا حسنِ اتّفاق ہوا میں اِسے زندگی کے بیش قیمت اوقات میں شمار کروں گا۔

واپس آنے پر آپ کے رجسٹرار کا ایک جوابی تار ملا کہ ۱۵؍جنوری کو اُردو لکچرر کی سلیکشن کمیٹی ہے، اِس میں آؤ۔ پرسوں پھر ایک جوابی تار آیا کہ دوسرا ماہر راضی ہو گیا ہے۔ اِس لیے ۱۰؍ جنوری کی سلیکشن کمیٹی میں ضروری آؤ۔

۱۲، ۱۳؍جنوری کو پٹنہ میں گجرال کمیٹی کی نشست ہے۔ اِن کے دفتر نے لکھا ہے کہ یہ میٹنگ بہت اہم ہے، اس لیے اس میں ضرور شرکت کرو۔

میں ابھی تو طویل سفر کے بعد آیا ہوں۔ علی گڑھ میں آپ کے ساتھ رہا لیکن آپ نے سلیکشن کمیٹی کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے مجھے اُلجھن ہو رہی ہے کہ یہ سلیکشن کمیٹی کیسی ہے۔ بہرحال میں تذبذب میں رہا کہ کیا گجرال کمیٹی اور آپ کی سلیکشن کمیٹی میں شرکت کروں۔ دِقّت یہ تھی کہ اِس سفر میں پھر چھے راتوں کو باہر رہنا پڑتا۔''

جین صاحب نے ۱۰، ۱۲، ۱۳ اور ۱۵؍جنوری تینوں کمیٹیوں میں جانے سے معذرت کر لی۔ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے دِلّی کانفرنس کا حال یوں لکھتے ہیں:

''دِلّی میں گوپی چند نارنگ سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ وہ کہتے تھے کہ کیا Revolt & Readers یہ سب سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ کانفرنس سے پہلے دِلّی میں طے کر لیا گیا تھا۔ ساری اہم نشستیں دِلّی یونی ورسٹی نے لے لیں۔ نیابت دوسری یونی ورسٹیوں کو دے دی گئی۔ محمد حسن بھی ایک طرح سے دِلّی یونی ورسٹی ہی کے ہیں۔ صدر، سکریٹری، خازن، آفس سکریٹری دِلّی یونی ورسٹی کے ہو گئے۔ نائب صدر، نائب سکریٹری باہر کے۔ اِن کے بہ قول یہ سب کام صرف آپ سے

صدارت لینے کے لیے کیا گیا۔ واللہ اعلم۔''

(مکتوب مرقومہ ۱۰؍جنوری ۱۹۷۲ء، خط نمبر ۵۳، جمّوں)

۲۲؍مئی کو وگیان بھون دہلی میں اُردو کمیٹی کا اجلاس ہوا، جس میں جین صاحب نے شرکت کی اور اِس کی روداد سرورؔ صاحب سے یوں بیان کی:

''اُردو کمیٹی کا اجلاس ۲۲؍مئی کو وگیان بھون میں ہوا۔ مجیب صاحب بمبئی گئے تھے نہ آ سکے۔ ڈاکٹر علیم بھی شریک نہ ہوئے۔ سجّاد ظہیر ملک سے باہر ہیں۔ کرشن چندرؔ نے فون کر دیا تھا کہ وہ اِس موسم میں دِلّی نہیں آ سکتے۔ شروع میں ڈاکٹر نورالحسن اور گجرالؔ صاحب نے انگریزی میں اپنے خطبات پڑھے۔ اِس کے بعد چاے کا وقفہ ہوا۔ گجرالؔ صاحب کی تقریر کا اشارہ تھا کہ اُردو والوں کے مسائل کو چار شقوں میں دیکھا جائے۔ ادبی، تعلیمی، صحافتی، انتظامی۔ چاے کے وقفے کے بعد ہر ممبر سے کہنے کے لیے کہا گیا۔ ہوم منسٹری کے جوائنٹ سکریٹری پی پی نیّر نے مسائل کی بہت اچھّی تشریح کی۔ بیگم حامدہ حبیب اللہ، عابد علی خاں اور احتشام صاحب نے بھی اچھّی طرح مسائل کو پیش کیا۔ میں نے اور مالکؔ رام نے مختصراً کچھ کہا۔ میں نے اِس امر پر توجہ دلائی کہ اُردو کا معاملہ معاشی بھی ہے۔ اُردو پڑھنے والوں کو بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر سروپ سنگھ نے کہا کہ 'میں تو اِس مسئلے کو جانتا نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حکومت بتائے کہ اُردو والوں کو کیا شکایات ہیں اور وہ کیوں پیدا ہوئیں'۔

چاے کے وقفے کے بعد کی کاروائی اُردو میں ہوئی۔ نیّرؔ معقول اور سمجھدار آدمی ہیں۔ گجرالؔ میں بھی خلوص نظر آتا تھا لیکن ایک بات سے حکومت کی نیت پر شبہ ہوتا ہے کہ کمیٹی میں اُردو تحریک کے فعّال ممبروں میں سے ایک کو بھی نہیں رَکھا۔ مَیں اور مالکؔ رام جیسے اشخاص تحقیق کر سکتے ہیں اہلِ اُردو کے مسائل کے ترجمان نہیں بن سکتے۔ میں نے میٹنگ کے شروع میں احتشام صاحب سے کہا کہ سرورؔ صاحب کو اِس کمیٹی میں Coopt کرانا چاہیے۔ احتشام صاحب نے کہا کہ یہاں کہنا مناسب نہیں اِس کے لیے گجرالؔ صاحب سے علاحدہ بات کرنی چاہیے۔

میری نہ گجرالؔ تک رسائی ہے نہ نورالحسن تک۔ میں نے جمّوں آ کر ملحقہ چھٹی گجرالؔ صاحب کو لکھ دی ہے۔ معلوم نہیں اِس کا کیا نتیجہ ہوگا۔

گجرالؔ کو میں نے جو چٹھّی لکھ ماری ہے اِس کی نقل بھیج رہا ہوں۔ اصل چٹھّی اپنے نام کے چھپے ہوئے کاغذ پر لکھّی تھی۔

انجمن کے جلسے میں نہ آسکنے کا قلق رہا۔ معذرت خواہ ہوں۔ الٰہ آباد کے Viva نے مجبور کر دیا۔''

اِسی خط میں چار کمیٹیوں، تعلیمی، ادبی، صحافتی اور انتظامی کی تشکیل کا بھی ذکر ہے۔ ساتھ ہی یہ تجویز مان لی گئی ہے کہ بمبئی، بھوپال، لکھنؤ، پٹنہ اور سری نگر میں اُردو کے نمائندوں اور حکومت کے نمائندوں سے بھی ملا جائے۔

(مکتوب مرقومہ ۲۶ رمئی ۱۹۷۲ء، خط نمبر ۵۴، جمّوں)

مئی میں دِلّی کے وگیان بھون میں اُردو کمیٹی کا جنرل اجلاس ہوا تھا جس میں چار کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھی۔ ادبی کمیٹی کے صدر مالک رام، گیان چند جین اور کرشن چندر تھے۔ اِسی کمیٹی کا اجلاس دِلّی میں ہوا۔ اِس میں جین صاحب نے شرکت کی۔ اِس کی تفصیل سرور صاحب کو یوں لکھتے ہیں:

''اُردو کمیٹی کے کام سے میں آسودہ نہیں۔ ۱۲، ۱۳ر جون کو دِلّی میں اِس ادبی ذیلی کمیٹی میں شرکت کے لیے گیا تو مالک رام سے ملا۔ وہ مجھ پر بہت خفا ہوئے کہ میں نے گجرال کو وہ خط کیوں لکّھا تھا۔ کہنے لگے کہ ''آپ غیر ضروری باتوں میں کیوں پڑتے ہیں۔ آپ کو اِس سے کیا مطلب تھا۔'' تفصیل آنے پر بتاؤں گا۔ تب سے میں سوچ رہا ہوں کہ کمیٹی سے استعفا دے دوں۔ کئی بار پکّا ارادہ کیا۔ پھر رُک گیا کہ خواہ مخواہ بدمزگی ہوگی۔ دراصل کمیٹی میں جن لوگوں کو ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہیں، جنھیں نہیں ہونا چاہیے تھا وہ ہیں۔ بہت سے ممبر کام میں بالکل دِل چسپی نہیں لے رہے ہیں۔ اب ۵، ۶ر جولائی کو بمبئی میں اِس کا اجلاس ہے۔ میں نہیں جا رہا ہوں۔ اتنا طویل سفر کیوں کر کروں۔

آپ شکایت کرتے ہیں کہ میں علی گڑھ نہیں آتا، لیکن میں علی گڑھ کے سوا دوسری یونی ورسٹیوں میں کہاں جاتا ہوں۔ گذشتہ سال یعنی ۱۹۷۱ء میں مَیں تین بار علی گڑھ گیا۔ اِس سال ایک بار جا چکا ہوں۔ دوبارہ جلد حاضر ہوں گا۔ گذشتہ بار دِلّی گیا تو چند منٹ کے لیے مجیب صاحب سے مِل سکا۔ مجھے اِن کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ اب تقرر ہونے والا نہیں، کم از کم میرا نہیں ہوگا۔ بڑا اطمینان ہوا۔ میں نے سوچا کہ مسلم یونی ورسٹی کے اقلیتی کردار کی بات چل رہی ہے۔ چپکے چپکے جامعہ کے اقلیتی کردار کی بات کی جاتی ہے اور اس بات پر خاص طور پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جامعہ میں غیر مسلموں کا تقرر ہو رہا ہے۔ میں یہ سوچ کر آرام سے بیٹھ گیا کہ اب

وہاں جانے کا امکان نہیں، لیکن تین دن ہوئے پھر سے اخبار میں اُردو پروفیسر کی جگہ کا اشتہار دیکھا۔ معلوم نہیں اس کے کیا معنی ہیں۔ بہرحال جو بھی کچھ ہوں یہ عرض ہے کہ اگر کبھی آپ کا مجیب صاحب سے ملنا ہو تو اِنھیں راے دیجیے کہ انتخاب جلد از جلد کر ڈالیں۔ ۱۷ر جولائی درخواست بھیجنے کی آخری تاریخ ہے۔ اشتہار میں لکھا ہے جنھوں نے گذشتہ بار درخواست دی تھی وہ دوبارہ درخواست بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

اگر یہ نہ بھی لکھا ہوتا تو بھی میں دوبارہ درخواست نہ دیتا۔ اب انھیں چاہیے کہ ۱۷ر جولائی کے بعد جلد ہی سلیکشن کمیٹی کر لیں اور جسے لینا چاہیں لے لیں۔''

(مکتوب مرقومہ ۳رجولائی ۱۹۷۲ء، خط نمبر ۵۶، شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی)

جین صاحب نے پروفیسر آل احمد سرؔور کے بلاوے پر علی گڑھ جانے سے کبھی انکار نہیں کیا بہ شرطِ کہ کوئی مجبوری نہ ہو۔ اب کی بار جین صاحب اِنھیں یوں مخاطب کرتے ہیں:

''جنرل سکریٹری
انجمن ترقّیِ اُردو ہند
علی گڑھ۔

محترم تسلیم

آج صبح نارنگ سے فون پر باتیں کیں تو معلوم ہوا کہ ۵رمئی کو کسی Organising کمیٹی کا جلسہ رکھّا ہے۔ معلوم نہیں مجھے اُس سے کوئی تعلّق ہے کہ نہیں۔ ۵رکو ادبی کمیٹی کا جلسہ بھی ہے۔ اِس لیے میں نے طے کیا ہے کہ ۵ر اور ۶ر دونوں تاریخوں کو کمیٹیوں میں شرکت کروں۔ ۵رکو میں کالکا میل سے پہنچوں گا۔ میرے قیام کا انتظام کر دیجیے۔''

(مکتوب مرقومہ یکم مئی ۱۹۷۳ء، خط نمبر ۵۹، جمّوں)

''میں پرسوں [۹ر فروری ۱۹۷۴ء] دِلّی گیا تھا۔ وہاں پروفیسر اور ریڈر کی سلیکشن کمیٹی تھی۔ ایک Personal Promotion اسکیم ہوتی ہے جس میں پانچ فی صد لکچروں اور پانچ فی صد ریڈروں کو ترقّی دی جاتی ہے۔ اُردو میں سینئرٹی کی بنا پر ظہیر احمد صدّیقی کا نام بھیجا گیا۔ میں نے ہزار چاہا کہ نارنگ اور محمد حسن یا محض محمد حسن کا نام بھیج دیا جائے لیکن بات نہ مانی گئی۔ دوسرے ماہر اعجاز صاحب تھے جو دِل کے عارضے کے باوجود اجمل اجملؔی کے مکان پر زینے کے اُوپر ٹھہرے ہوئے تھے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۱۱؍فروری ۱۹۷۴ء، خط نمبر ۴۲، ص ۵۳، بہ نام ابومحمد سحؔر صاحب)

جین صاحب ابومحمد سحؔر صاحب کو اپنے بھوپال پہنچنے کی یوں مختصراً اطّلاع دیتے ہیں:

''میں ۲۸؍اپریل اتوار کی صبح کو کسی گاڑی سے بھوپال پہنچوں گا اور ۳۰؍اپریل کی شام روانہ ہو جاؤں گا۔

۲۸؍کی صبح پہنچنا یقینی ہے۔ کشن چندہی کے ساتھ ٹھہروں گا۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۲۳؍جون ۱۹۷۴ء، خط نمبر ۴۳، ص ۵۳)

ابومحمد سحؔر صاحب نے جین صاحب کو بھوپال میں اُردو، فارسی، عربی کے بورڈ آف اسٹیڈیز کا رکن بنانے کا دعوت نامہ بھیجا۔ انھوں نے سفر نہ کرنے کی وجہ سے معذرت کر لی۔ بعض اوقات انھیں مجبوری کی حالت میں سفر کرنا پڑتا تھا۔ اپنی اسی مجبوری کا ذکر وہ یوں کرتے ہیں:

''میں سفر سے بے زاری کے سبب حتی الامکان کمیٹیوں کی رُکنیت سے انکار کر رہا ہوں۔ اِس کے باوجود ہمیشہ کئی کئی سفر اُوپر چڑھے رہتے ہیں۔ میں نے حتی الامکان ممتحنی کا کام چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں بھی آپ سے یہ معذرت کرنی ہے کہ بھوپال یونی ورسٹی سے ایک رجسٹری آئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اِس میں کیا ہے اور میں نے لینے سے انکار کر کے واپس کر دی۔ ایسا ہی دوسری یونی ورسیٹیوں سے کروں گا۔

میرے منجھلے بھائی (پرکاش مونس سے چھوٹے) کو فالج کا حملہ ہو گیا تھا۔ انھیں دِلّی دکھانے لائے تو معلوم ہوا کہ انھیں شدید کینسر ہے۔ یعنی پھیپھڑے، ریڑھ کی ہڈی اور دماغ میں۔ ایک ماہ نکال سکیں گے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ سے اِنھیں واپس گھر لے گئے۔ میں بھی دِلّی اور وطن گیا تھا۔ کل واپس آیا ہوں۔

پرسوں جامعہ ملیہ میں اُردو پروفیسر کا سلیکشن تھا سرؔور صاحب، رفیعہ سلطانہ اور میں بہ طور ماہر گئے تھے۔ نارنگ، تنویر علوی اور محمد قمر رئیس انٹرویو دینے آئے۔ محمد حسن، ظہیر احمد صدّیقی، قیصر زیدی اور ڈاکٹر شکیل الرحمٰن نے لکھ بھیجا کہ اِن کی عدم موجودگی میں عرضی پر غور کیا جائے۔ نارنگ کو منتخب کیا گیا۔ یہ دیکھ کر ہنسی آتی ہے کہ جو مسعود حسین خاں محمد حسن کے اتنے حامی تھے اب کی بار وہی اتنے خلاف تھے۔ محمد حسن کو نہ لینے اور نارنگ کو لینے کی ساری ذمّے داری مسعود حسین خاں کی ہے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۳؍اکتوبر ۱۹۷۴ء، خط نمبر ۴۷، ص ۵۶)

جین صاحب لکھنؤ، دِلّی اور اپنے وطن جانے کی خبر ابومحمد سحؔر صاحب کو دیتے ہوئے

اُنھیں جامعہ ملیہ میں نارنگ کے انتخاب سے متعلّق ایک خوب صورت بات درج کرتے ہیں جسے پڑھ کر دِلّی یونی ورسٹی کے اُردو لکچرر ڈاکٹر عبدالحق کی ذہنی کیفیت کھُل کر سامنے آتی ہے۔''

''میں پرسوں [۱۲ر نومبر] ۱۹۷۴ء وطن، لکھنؤ، الٰہ آباد اور دِلّی کے سفر پر جارہا ہوں۔ ۳۰ر کو واپسی ہوگی۔ اِس کے بعد آپ کو لکھوں گا۔ دِلّی یونی ورسٹی میں اُردو کے ایک لکچرر ڈاکٹر عبدالحق ہیں جو گورکھ پور سے آئے ہیں۔ نارنگ کے جامعہ میں تقرر کی خبر سُن کر انھوں نے مسعود حسین خاں کو ایک تین صفحوں کا خط لکھّا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ''میں نے جوں ہی جامعہ میں نارنگ کے تقرر کی خبر سُنی میرا لقمہ ہاتھ میں رہ گیا، رات کو سو نہ سکا، تین دِن تک تڑپا۔ جِس طرح وزیر ڈاکٹر نورالحسن مسلم یونی ورسٹی کے قاتل ہیں اِسی طرح جامعہ میں اُردو کی پروفیسری پر ایک غیر مسلم کا تقرر کر کے آپ جامعہ ملیہ کے قاتل ہو گئے ہیں۔ اُردو دُنیا میں تین 'چند' (گیان چند، گوپی چند، حُکم چند نیّر) ہیں اِن سے بچیے۔ تاریخ آپ کو جامعہ ملیہ کے قاتل کے طور پر یاد رکھّے گی۔ دراصل آپ نے ایک ہندو کو لینا نہ چاہا ہوگا لیکن سرور صاحب نے آپ کو مجبور کیا ہوگا اور آپ اپنی شرافت کی وجہ سے خاموش رہے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ نارنگ کے انتخاب کی سو فیصدی ذمّے داری مسعود صاحب پر ہے۔ اب اگر میں لکھنؤ میں مقرر ہو گیا تو عبدالحق غالباً پورے مہینے روزہ رکھیں گے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۱۰ر نومبر ۱۹۷۴ء، خط نمبر ۴۹، ص ۵۸)

جین صاحب ابو محمد سحر صاحب سے اُن کی طبیعت کے بارے میں یوں پوچھتے ہیں:

''ایک زمانے سے آپ کو نہیں لکھّا۔ مئی کے آخر میں دِلّی میں اخلاق اثر [بھوپال والے] ملے تھے۔ اِن سے معلوم ہوا تھا کہ آپ کو پیشاب کا عارضہ ہے اور آپ اِس سلسلے میں اسپتال میں داخل ہیں۔ اب اخلاق ہی کے خط سے معلوم ہوا کہ اب آپ گھر پر ہیں اور بہ خیر ہیں۔ لکھیے اب کیا حال ہے۔......

مجھے میسور یونی ورسٹی میں اُردو پروفیسر کے سلیکشن میں جانا ہے۔ سلیکشن ۶ر اگست کو ہے۔ دوسرے ماہر کون ہیں مجھے معلوم نہیں۔ اُمیدواروں میں تین قابلِ ذکر ہیں (۱) بنگلور کی ڈاکٹر آمنہ خاتون (۲) حیدر آباد کے ڈاکٹر حفیظ قتیل اور (۳) علی گڑھ کے شعبۂ لسانیات کے صدر و ریڈر ڈاکٹر غفار شکیل جو میسور کے ہیں۔'

(مکتوبِ مرقومہ ۲۸ر جولائی ۱۹۷۵ء، خط نمبر ۵۲، ص ۶۳-۲۶)

میسور سے واپس لوٹنے کے بعد ابو محمد سحؔر صاحب کو وہاں کے حالات سے یوں آگاہ کرتے ہیں:

''میں میسور گیا تھا۔ ۶/ اگست کو پروفیسر کی پوسٹ کا انٹرویو کیا۔ دوسری ماہر رفیعہ سلطانہ تھیں۔ اُمیدواروں میں ڈاکٹر رضی الدّین (ترو پتی)، ڈاکٹر غفار شکیل ریڈر و صدرِ شعبۂ لسانیات مسلم یونی ورسٹی، شہاب جعفری اور مقامی حضرات آئے تھے۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون اور ڈاکٹر حفیظ قتیل بھی اُمیدوار تھے لیکن انٹرویو میں نہیں آئے۔ میں نے رضی الدّین کے لیے کہا۔ رفیعہ نے ایک مقامی لکچرر ہاشم علی کے لیے اور ڈین نے مقامی صدرِ شعبۂ اُردو محمد حنیف کے لیے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ پوسٹ دوبارہ مشتہر کی جائے۔ بنگلور سے بھی ایک پروفیسر، ایک ریڈر اور دو لکچرر کی پوسٹ مشتہر ہو چکی تھی۔ آمنہ خاتون اِس لیے انٹرویو میں نہیں آئیں کیوں کہ بنگلور میں اِن کا تقرر یقینی ہے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۱۴/ اگست ۱۹۷۵ء، خط نمبر ۵۳، ص ۶۴-۶۳)

جین صاحب سفر سے واپسی کی مختصر اِطّلاع سحؔر صاحب کو یوں دیتے ہیں:

''آج میں دِلّی، الٰہ آباد، لکھنؤ کے سفر سے واپس آیا۔ واپسی پر آپ کا کرم نامہ ملا۔ ''مطالعۂ داغ'' کے بارے میں ''سرپنچ'' کا مضمون ''میں'' نے بھی پڑھ لیا تھا اور نہ ہے کہ دوسرے تمام ساتھیوں کو پڑھوا دیا تھا۔'' (مکتوب مرقومہ ۱۲/ دسمبر ۱۹۷۵ء، خط نمبر ۵۴، ص ۶۵-۶۴)

جین صاحب کسی سلسلے میں الٰہ آباد تشریف لے گئے تھے۔ واپسی کی داستان سرؔور صاحب سے یوں بیان کرتے ہیں:

''آپ کے ساتھ والی شب کے بعد صبح کان پور اور الٰہ آباد کے درمیان میں دوسرے فرسٹ کلاس میں دیکھنے گیا وہ کتابیں نہ ملیں۔ کچھ مسافر کان پور اُتر چکے تھے، اُن میں سے کوئی اہلِ ذوق اِنھیں لے گیا۔

میں ۱۲/ دسمبر کو واپس آیا اور ۱۳/ دسمبر کو جے پور کے لیے چلا گیا۔ میرے بڑے بھائی پرکاش مونس کو گلے کا آپریشن کرانا تھا۔ جے پور میں کچھ سہولتیں تھیں اس لیے وہاں کرایا۔ آپریشن بہ خیر و خوبی ہو گیا۔ میں اسپتال میں ٹھہرا رہا اور یکم جنوری کو جے پور سے نکلا۔ ۲/ جنوری کو دِلّی میں ترقّیِ اُردو بورڈ کی اِملا کمیٹی کے جلسے میں شرکت کی اور پھر مظفر نگر سے اپنی بیوی کو لے کر جمّوں آیا۔ ۳۱/ جنوری کو پھر اِملا کمیٹی کی میٹنگ ہے لیکن میں نہیں جاؤں گا۔ سردی میں

سفر عذاب ہے۔'' (مکتوب مرقومہ ۱۹؍جنوری ۱۹۷۶ء، خط نمبر ۶۱، جموں)

جین صاحب سرور صاحب سے ذکر کرتے ہیں کہ اُن آفیشل اور ذاتی باتوں، جن کا تعلّق دفتری باتوں سے ہو اُن پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ وہ اِنھیں خط میں لکھتے ہیں:

''میرا تجربہ ہے کہ Unofficial and personal طور پر دی ہوئی تاریخوں پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ پچھلے سال غالباً ۲؍اپریل کو میں الہ آباد میں تھا، وہاں ڈاکٹر رفیق حسین نے بتایا کہ ان کے پاس رجسٹرار جامعہ اُردو علی گڑھ کا خط آیا ہے کہ ۲۷؍اپریل کو جامعہ کی مجلس منتظمہ کا جلسہ ہے، میں دِلّی جانے ہی والا تھا۔ سوچا کہ ہو سکے تو علی گڑھ کے اِس جلسے میں شرکت نہیں کرسکوں۔ ۲۶؍اپریل کو دِلّی پہنچا۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں سے بات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے ۲۷؍اپریل کی تاریخ دی ہے اور اس میں جلسہ ہونا چاہیے۔

اِسی زمانے میں ریل میں بہت بھیڑ تھی۔ بہ مشکل صغیر احمد صوفی نے اِس دِن کے لیے جموں کی سیٹ دلوائی تھی، اِس لیے میں نہ رُک سکا اور جموں واپس آ گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مجلسِ عاملہ اِس تاریخ کو بھی نہ ہوسکی۔ رجسٹرار کے خط اور شیخ الجامعہ اُردو کی زبانی توثیق کے باوجود دفتری اِطّلاع کے بغیر بات پکّی نہ ہوئی۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۶؍فروری ۱۹۷۶ء، خط نمبر ۶۲، جموں)

قریب چار ماہ بعد اپنے ایک اور سفر کی اِطّلاع دیتے ہیں:

''کئی ماہ سے آپ سے کوئی مراسلت نہیں ہوئی۔ میں دسمبر [۱۹۷۵ء] میں جے پور گیا تھا۔ میرے بڑے بھائی ڈاکٹر پرکاش مونس کے گلے میں Thyrid Glands بہت بڑھ گئے تھے۔ اِن کا آپریشن کرایا جو کامیاب رہا۔ جے پور میں اِن کے عزیز ہیں اور اِنھیں وہاں سہولیت تھی۔ میں اٹھارہ ۱۸ دن جے پور اسپتال میں رہا۔ وہاں یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے اساتذہ سے بارہا ملنا ہوا۔ ایک دِن اِن لوگوں نے شعبے میں میرا لکچر کرایا۔ ڈاکٹر محمد علی زیدی نے بہت خاطر کی۔ مجھے اِنھوں نے بھی اور فضل امام نے بھی کھانے پر مدعو کیا۔ اوّل میں نے معذرت کی لیکن پھر زیدی کے یہاں کھانا کھایا۔ زیدی نے مجھے جے پور کی سیر کرائی۔ بہت بھلا اور سیّدھا آدمی ہے۔ آپ لوگ خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑے ہیں۔ مجھ سے کہتا تھا ''ابو محمد صاحب مجھ سے ناراض ہیں۔'' (مکتوبِ مرقومہ ۱۰؍اپریل ۱۹۷۶ء، خط نمبر ۵۵، ص ۶۵)

جین صاحب دِلّی سے ڈاکٹر ابو محمد سحر کو ایک خوش خبری کی اِطّلاع یوں دیتے ہیں:

''پرسوں [۲۴ر جولائی کو] میں اِلٰہ آباد میں انٹرویو دے آیا اور آپ کی دعاؤں سے منتخب ہو گیا۔ باہر سے کوئی دوسرا اُمیدوار نہیں آیا تھا۔ دو مقامی اُمیدوار فردوس فاطمہ اور عقیل تھے۔ ماہرین میں رفیعہ سلطانہ اور خورشید الاسلام تھے۔ لکھنؤ میں اِنھوں نے جس طرح میری مخالفت کی تھی، الٰہ آباد میں اِسی طرح پُر زور حمایت کی۔ انٹرویو میں مجھ سے بالکل کوئی سوال نہیں پوچھا۔ کمیٹی کے جملہ ممبران میرے حق میں تھے۔ ریڈر کے لیے فردوس فاطمہ اور عقیل کا انتخاب ہوا۔ تین لکچرر بھی مقرر ہوئے ہیں۔ اِن کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ افواہ ہے کہ تینوں سنّی ہیں۔

۲۹ر جولائی کو ایکز یکٹیو کونسل کی میٹنگ میں فیصلے کی توثیق ہو جانے کی اور پھر تقرر نامہ جاری ہو گا۔ اُمید ہے کہ اگست کے آخر تک میں کام سنبھال لوں گا۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۶ر جولائی ۱۹۷۶ء، خط نمبر ۵۷، ص ۶۹، مقام دہلی)

''میں اکتوبر [۱۹۷۶ء] کے پہلے ہفتے میں جمّوں چھوڑ کر الٰہ آباد جاؤں گا۔''

(خط نمبر ۵۹، ص ۷۲، ۱۵راگست ۱۹۷۶ء)

''میں تین دِن کے لیے لکھنؤ اور دِلّی گیا تھا۔ کل [۷ر مارچ] واپس آیا تو آپ کا کرم نامہ ملا۔... دِلّی میں مَیں سلیکشن کمیٹی میں گیا تھا۔ تنویر علوی دِلّی یونی ورسٹی میں ریڈر منتخب ہو گئے۔

اب مَیں بل کہ میری بیوی بھی ایک بار بھوپال آنا چاہتے ہیں۔ میرے پاس وکرم یونی ورسٹی کی ایک Thesis آئی تھی۔ حمیدہ بانو اُجین کی ''اُردو شاعری رجحانات وتحریکات'' زیرِ نگرانی عبدالودود۔ مَیں نے کئی ماہ بیش تر موافق رپورٹ بھیج دی تھی۔ اِس کے بعد کچھ سُنا نہیں کہ کیا ہوا۔ اگر زبانی امتحان ہوتا تو میں سفر کر لیتا۔ مَیں حتی الامکان سفر سے بچنا چاہتا ہوں لیکن اب بھوپال والوں سے ملنے کو جی چاہتا تھا۔ آفاق سے اِس مقالے کے بارے میں شاید کچھ معلوم ہو سکے۔

سرورؔ صاحب پہلی اپریل تک کشمیر میں اقبالؔ پروفیسر اُردو کا چارج لیں گے۔ میں نے کوشش کر کے جمّوں یونی ورسٹی کی پروفیسر کی پیش کش کرائی تھی بعد میں کشمیر یونی ورسٹی نے امانت میں خیانت کر لی۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۸ر مارچ ۱۹۷۷ء، خط نمبر ۶۱، ص ۷۴-۷۳، بہ مقام الٰہ آباد)

جینؔ صاحب مع اپنی اہلیہ کے دو ہفتے کا جنوبی ہند کا سفر کر آئے، اِس کی اِطّلاع ابومحمد سحرؔ صاحب کو مختصراً یوں دیتے ہیں:

''میں نے کمیٹیوں میں جانا حتی الامکان ترک کر دیا ہے۔ ممتحنی کا کام بھی چھوڑ دیا، لیکن اکتوبر میں ۱۴/دن کے لیے بیوی کو لے کر سیاحت پر چلا گیا تھا۔ ۶/اکتوبر کو گیا، ۲۰/اکتوبر کو واپس آیا۔ اورنگ آباد (اجنتا، ایلورا، حیدرآباد، گوا اور بمبئی گیا تھا)۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۱۸/مارچ ۱۹۷۷ء، خط نمبر ۶۲، ص ۷۵، بہ مقام الہ آباد)

جین صاحب اور اُن کی اہلیہ گذشتہ برس بھوپال جانا اور وہاں کے لوگوں سے ملنا چاہتے تھے، مگر اپنے صرفے پر سفر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ نہ جانے اِس سال کون سا ذریعہ نکل آیا جس کی وجہ سے یہ بھوپال سے ہو آئے۔ الہ آباد پہنچ کر ابومحمد سحر صاحب کو لکھتے ہیں:

''ہم لوگ بھوپال سے آرام سے آ گئے تھے۔ اٹارسی میں ہمیں سلیپر برتھ مل گئی تھی۔ دو تین دِن پہلے میں دِلّی گیا تھا۔ نارنگ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ حیدرآباد میں عثمانیہ یونی ورسٹی کے علاوہ ایک مرکزی بھی بنی ہے۔ ۲۲/مارچ کو وہاں اُردو کے پروفیسر کا سلیکشن تھا۔ ماہرین تھے سرور، نارنگ اور مسعود حسین خاں، نارنگ اور مسعود ۲۱/مارچ کو وہاں پہنچ گئے۔ سرور نہیں پہنچے۔ اِس پر ۲۱/مارچ کی شام کو محمد حسن سے رابطہ قائم کیا گیا اور ۲۲/مارچ کو وہ آ گئے۔ اُمیدواروں میں ڈاکٹر رضی الدّین (ترویتی)، عثمانیہ کے ریڈر ڈاکٹر سیّدہ جعفر، ڈاکٹر مغنی تبسّم اور ڈاکٹر غلام عمر خاں تھے۔ یہ طے کیا گیا کہ کوئی بھی موزوں نہ تھا۔ دوبارہ اشتہار کیا جائے گا۔ وائس چانسلر نے کہا کہ میں Outstanding آدمی لینا چاہتا ہوں خواہ مجھے Maximum تنخواہ دینی پڑے۔

میری عرض داشت ہے کہ آپ وہاں جانا چاہیں تو آپ کا تقرر ہو سکتا ہے۔ مرکزی یونی ورسٹی میں مرکز کے تمام Allowanse ہیں۔ ایک سال کے اندر اساتذہ کے لیے مکان بن جائیں گے۔ آپ اگر دِل چسپی رکھ سکتے ہوں تو میں بات کروں۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۲۷/مارچ ۱۹۷۸ء، خط نمبر ۶۴، ص ۷۷، الہ آباد)

دِلّی کے سفر کے بعد جین صاحب سرور صاحب کو سری نگر کے پتے پر خط لکھتے ہیں، کیوں کہ سرور صاحب بہ طورِ پروفیسر اقبال چیئر سری نگر آ گئے ہیں، یہ خط قریب سوا سال بعد لکھّا جا رہا ہے:

''بڑے عرصے کے بعد حاضرِ خدمت ہو رہا ہوں۔ ۱۵، ۱۶/مئی کو دِلّی میں انجمن ترقّیِ اُردو کے جلسوں میں شرکت کی۔ آپ کی کمی محسوس ہوئی۔ وہاں معلوم ہوا کہ آپ سری نگر میں

علیل ہو گئے تھے۔ مالک رام نے بتایا کہ بیماری میں دِل کے عارضے کا بھی شائبہ تھا۔سُن کر تشویش ہوئی لیکن یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔

ترقّیِ اُردو بورڈ اور انجمن ترقّیِ اُردو دو ایسے مواقع تھے کہ آپ سے ملنا ہوسکتا تھا لیکن نہ ہوا۔‘‘

(مکتوب مرقومہ ۲۲؍مئی ۱۹۷۸ء، خط نمبر ۶۸، کیمپ مظفر نگر)

جین صاحب کسی شادی کے سلسلے میں بجنور گئے۔ الٰہ آباد واپس آ کر سرور صاحب کو اپنے سفر و بیماری سے مُتعلّق یوں لکھتے ہیں:

’’مجھے بجنور میں آپ کا کرم نامہ ملا۔ آپ نے پتا بہت صحیح لکھّا۔ ۱۴دِن کے بعد میں پرسوں شام الٰہ آباد واپس آیا۔ رشی کیش اور بجنور دو شادیوں میں شرکت کی۔ دونوں مقامات پر بہت سردی تھی۔ الٰہ آباد میں رہ کر مجھے اس کی عادت نہیں رہی۔ نتیجتاً زکام کھانسی ہو گیا اور الٰہ آباد آ کر بخار۔ کل ڈاکٹر کو گھر پر بلا کر دکھایا۔ بہت تیز Capsule کھا رہا ہوں۔ اب صحّت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہر سفر کے بعد زُکام کھانسی مسلط ہو جاتے ہیں۔‘‘

(مکتوب مرقومہ ۵؍جنوری ۱۹۷۹ء، خط نمبر ۷۰، الٰہ آباد)

جین صاحب کی خواہش تھی کہ وہ الٰہ آباد یونی ورسٹی سے مرکزی یونی ورسٹی حیدر آباد چلے جائیں۔ شاید سال ۱۹۷۹ء کے شروع میں وہاں انٹرویو ہوا اور اِن کا انتخاب ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر پروفیسری یعنی صدرِ شعبہ کا چارج لینے کے بعد ڈاکٹر ابو محمد سحر کو لکھتے ہیں:

’’میں اپنی اہلیہ کے ساتھ یہاں ۲۶؍مارچ کو آ گیا اور پروفیسری کا چارج لے لیا۔ چند روز بعد DA کی آخری حد ۲۴۰۰ سے بڑھا کر ۲۷۵۰ کر دی گئی جس کے نتیجے میں مجھے ۲۲۵۰ کی بنیادی تنخواہ پر کل ملا کر ۳۰۲۵؍روپے ملیں گے۔ اب حیدر آباد سے الٰہ آباد نہیں جا سکتے۔ یہ مرکزی یونی ورسٹی .J.N.U کے نمونے پر بنی ہے۔ ابھی اس میں کل ۲۵۰ طلبہ ہیں۔ سائنس کے کلاس نئے کیمپس میں ہوتے ہیں۔ آرٹس کے شعبے شہر میں ہیں۔ اُردو میں میرے سوا ایک ریڈر ڈاکٹر ثمینہ شوکت ہیں۔ لکچرر کا تقرر ہونا ہے۔ مزید پوسٹ بعد میں ملیں گی۔ یہاں Semister نظام ہے۔ جولائی سے میں ایم.فل اور پی.ایچ.ڈی شروع کر دوں گا۔ یہاں مارچ میں آ کر ہم اُردو میں سوا ۳۲ ہزار روپیوں کی کتابیں خرید سکے۔

یونی ورسٹی کا وائس چانسلر سردار ڈاکٹر گُربخش سنگھ بہت ایماندار، محنتی اور سادہ واضح ہے۔ میرا بہت لحاظ کرتا ہے۔ یہاں اُردو کے حلقوں میں بھی میری پُر جوش پذیرائی ہوئی۔ دو

ادبی تقریبوں میں شرکت کر چکا ہوں۔ پرسوں ایک سیمینار میں بولوں گا۔

ہم ابھی یونی ورسٹی کے گیسٹ ہاؤس میں رہ رہے ہیں۔ جون میں مکان لے لیں گے اور سامان لے آئیں گے۔ یونی ورسٹی ۱۰رمئی سے دو ماہ کے لیے بند ہوگی۔ اکتوبر میں ایک ہفتہ اور دسمبر میں ایک مہینہ بند رہتی ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ علی گڑھ میں ڈاکٹر ثریا حسین اور عتیق صدّیقی پروفیسر ہو گئے لیکن قاضی عبدالستّار رہ گئے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۶رایریل ۱۹۷۹ء، خط نمبر ۶۷، ص ۸۰-۷۹، University of Hyderabad, Golden Threshold, Hyderabad-500001)

دسمبر ۱۹۷۹ء میں جین صاحب مع اہلیہ کے لکھنؤ ایک Viva کے سلسلے میں جا رہے ہیں۔ اِس کی اِطّلاع ابومحمد سحر صاحب کو یوں دیتے ہیں:

''میں اب سفر سے حتی الامکان بچتا ہوں لیکن لکھنؤ میں پی. ایچ. ڈی. کا ایک Viva کرنا ہے۔ میں ۲۷رجنوری کی تاریخ دے رہا ہوں۔ اہلیہ ساتھ ہوں گی۔ ۳۰رجنوری کی صبح دکن ایکسپریس سے بھوپال براہِ حیدرآباد گزروں گا۔ آپ کو بعد میں پھر لکھوں گا۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۲۰ردسمبر ۱۹۷۹ء، خط نمبر ۶۹، ص ۸۲-۸۱)

جین صاحب جنوری اور فروری ۱۹۸۰ء میں دوبار لکھنؤ گئے، بھوپال سے گزرے، مگر ابومحمد سحر سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا اسٹیشن آنا مشکل تھا۔ گاڑی وہاں صرف ۸رمنٹ کے لیے رُکتی ہے۔ دوسرے سفر کی تفصیل وہ یوں خط میں لکھتے ہیں۔

''آپ کا تقصیروار ہوں۔ فروری میں پھر لکھنؤ جانا ہوا۔ واپسی میں کل آندھرا پردیش ایکسپریس سے بھوپال سے گزرا۔ چوں کہ گاڑی صرف ۸ منٹ رُکی ہے اِس لیے آپ کو نہ لکھا۔ آپ کو لکھنے کے معنی یہ تھے کہ مالویہ نگر سے کشن چند اور منوچہ کو بھی لکھتا۔ میں نے صرف اخلاق اور آفاق کو لکھا تھا۔ اور اِنھیں یہ لکھ دیا تھا کہ اسٹیشن نہ آئیں۔ گاڑی قبل از وقت آ کر ۲۰رمنٹ بھوپال ٹھہری۔ وہ دونوں آئے اور گُرودکشنا کے طور پر مٹھائی کا ایک ڈبّہ دے گئے۔ اِن سے باتیں ہوئیں۔ چوں کہ اِن دونوں کے پاس اسکوٹر ہے، اِس لیے اِنھیں لکھ دیا تھا۔ مَیں نے مہندر کو بھی نہیں لکھا تھا۔ لکھنؤ میں ترقیِ اُردو بورڈ کی لسانیاتی اصطلاح کمیٹی کی میٹنگ تھی نیز میرے داماد کے چھوٹے بھائی کی شادی تھی۔ اِس طرح جنوری اور فروری میں دوبار لکھنؤ جانا پڑا اور لمبا قیام کیا۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۲۳رفروری سنیچروار شام ۱۹۸۰ء، خط نمبر ۲۷، ص ۸۴، یونی ورسٹی آف حیدرآباد،

گولڈن تھریس ہولڈ، حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱۔نوٹ ''مشاہیر کے خطوط بہ نام ابومحمد سحرؔ'' میں مذکورہ خط میں ماہ جنوری بہ جائے فروری کے کمپوز ہو گیا ہے۔۱۹۸۰ء کے کیلنڈر کے مطابق سنیچروار ۲۳؍فروری کو درج ہے۔جنوری میں ۲۳؍تاریخ بدھ وار کو آتی ہے۔)

دسمبر کی چھٹیوں میں جین صاحب اپنے وطن بجنور آئے ہوئے ہیں۔ یہاں سے ابومحمد سحرؔ صاحب کو اپنی واپسی کی خبر دیتے ہیں:

''میں چھٹیوں میں وطن آیا ہوا ہوں۔۲۹؍دسمبر کو دِلّی سے حیدرآباد کے لیے چلوں گا اور ۳۰؍دسمبر کی صبح دکن ایکسپریس سے بھوپال سے گزروں گا۔ یہ گاڑی بھوپال صبح ۸:۴۰ پر پہنچتی ہے اور ۸:۵۵ پر چھوٹتی ہے۔ ممکن ہے قدرے قبل از وقت پہنچ جائے۔اگر آپ کو آنے کی سہولت ہو تو اسٹیشن پر تشریف لے آیئے۔میرے ساتھ میری بیوی ہوگی۔فرسٹ کلاس میں رِزرویشن کرایا ہے۔میں نے اخلاق، آفاق اور اپنے بھانجے مہندر کو لکھا ہے۔مالویہ نگر میں کشن چند اور منوچہ کو نہیں لکھا کہ وہ کہاں پریشان ہوتے۔آپ آفاق کو خبر کر دیں۔وہ آپ کو اسکوٹر پر لے جا سکتا ہے۔یہ سب اسی وقت کیجیے جب آپ کو کوئی دوسری مصروفیات نہ ہو۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۱۸؍دسمبر ۱۹۸۰ء، خط نمبر ۷۳، ص ۸۵، مقام بجنور)

جین صاحب کے بیٹے کی شادی ہے، انھوں نے سرورؔ صاحب کو جو دعوت نامہ بھیجا ہے ملاحظہ کیجیے:

''۲۲؍نومبر کو میرے لڑکے کی شادی دہرہ دون میں ہے اگر آپ شریک ہو سکیں تو میری کلاہِ فخر آسمان تک پہنچ جائے گی۔'' (مکتوب مرقومہ ۵؍نومبر ۱۹۸۱ء، خط نمبر ۷۳، حیدرآباد)

پروفیسر گیان چند جین مع اپنی اہلیہ کے امریکہ کے طویل سفر پر جا رہے ہیں، اِس کی اِطّلاع ڈاکٹر ابومحمد سحرؔ کو مختصراً یوں دیتے ہیں:

''میں اور میری اہلیہ ۱۴؍مئی کو دِلّی سے لندن جا رہے ہیں۔۴؍دِن وہاں رہ کر امریکہ جائیں گے۔ جولائی کے پہلے ہفتے میں دِلّی اور جولائی کے وسط میں حیدرآباد واپس ہوں گے۔ تب تک کے لیے الوداع۔'' (مکتوب مرقومہ ۸؍مئی ۱۹۸۳ء، خط نمبر ۹۷، ص ۹۰، مقام حیدرآباد)

جین صاحب امریکہ سے حیدرآباد واپس آ کر اپنے سفر کی داستان یوں بیان کرتے ہیں:

''میری لڑکی نے ٹکٹ بھیج دیا تھا جس کی وجہ سے مَیں اور میری اہلیہ امریکہ جا سکے۔ ۱۴؍مئی کو لندن پہنچے، چار دِن وہاں قیام کیا۔ دو دِن اُردو مرکز میں زبردست تقریبیں ہوئیں۔

وہاں کی علمی مجلس میں مَیں نے فنِ تحریر اور اُردو رسم الخط کے موضوع پر ایک گھنٹا بیس منٹ بات کی۔ دونوں دِن تقریب کے بعد شعر خوانی ہوئی۔ یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ ہم لندن میں ہیں۔ عمارت کے اندر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے لکھنؤ یا دِلّی میں کوئی نشست ہو۔ ۱۸؍مئی کو امریکہ لڑکی کے پاس پہنچے۔ وہ کیلی فورنیا میں ایک چھوٹے مقام پر ہے۔ میرا داماد ڈاکٹر ہے اور پریکٹس سے ہوش رُبا آمدنی کر رہا ہے، یعنی ۴۰ ہزار ڈالر سے ۶۰ ہزار ڈالر فی ماہ۔ یہ آمدنی امریکیوں کے لحاظ سے بھی بہت زیادہ ہے۔ Week End پر ہمیں کہیں گھمانے لے جاتے تھے۔ سان فرانسسکو، لاس اینجلس، ڈزنی لینڈ اور لاس ویگن اِن کے ساتھ دیکھے۔ آخر میں ہم لوگ مشرقی ساحل پر گئے۔ وہاں نیو یارک میں ایک ادبی نشست میں شرکت کی۔ وہاں سے Minneapolis گئے جہاں میری بھتیجی ہے۔ پھر شکاگو گئے اور اِس کے بعد کناڈا میں ٹورنٹو۔ وہاں کی اُردو مجلس بہت زبردست ہے۔ اُن لوگوں نے بہت تواضع کی۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۳۱؍اگست ۱۹۸۳ء، خط نمبر ۸۰، ص ۹۱، مقام حیدر آباد)

جین صاحب مع اپنی اہلیہ مئی ۱۹۸۳ء میں امریکہ کے سفر پر گئے۔ واپسی پر اِس کی تفصیل وہ ڈاکٹر محمد حسن سے یوں بیان کرتے ہیں:

''میرے داماد اور لڑکی امریکہ میں کیلی فورنیا میں ایک چھوٹے مقام پر ہیں۔ داماد کی آمدنی غیر معمولی طور پر بہت ہے کہ وہ ڈاکٹر ہیں اور پریکٹس کرتے ہیں، اِن کا اصرار تھا، اِن لوگوں نے ٹکٹ بھیج دیا۔ میں اور میری بیوی امریکہ ہو آئے۔ ۴؍مئی کو لندن گئے جہاں چار دِن ٹھہرے۔ اُردو مرکز میں دو شام تقریبوں میں شریک ہوا۔ انڈیا آفس لائبریری، برٹش لائبریری، اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز دیکھا، ڈیوڈ میتھیوز سے ملاقات ہوئی۔ ۱۸؍مئی کو اپنے داماد کے یہاں پہنچے۔ ۲۴؍مئی کو وہاں میں نے ہرنیا کا آپریشن کرایا۔ اِسی سے پہلے جولائی ۸۲ء اور جنوری ۸۳ء میں کرایا تھا۔ آپریشن کے چار ماہ بعد دوبارہ ہرنیا ہو جاتا تھا۔ امریکہ کے ڈاکٹر نے اچھا آپریشن کیا، اُمید ہے دوبارہ یہ مرض نہ ہوگا۔

وہاں مغربی ساحل کے مقامات دیکھے، سان فرانسسکو، برکلے، لاس اینجلس، ہالی وڈ، Disney Land، Los Vegas، اِس کے بعد ہم مغربی ساحل پر گئے اور اُردو والوں کے مہمان رہے۔ تین تین چار چار دِن مختلف مقامات پر رہے۔ مینو پارک، مینا پولیس، شکاگو اور پھر نیاگرا آبشار دیکھتے ہوئے ٹورنٹو کناڈا۔ مینا پولس میں میری حقیقی بھتیجی ہے۔ اِس کے پاس

ٹھہرے، اِن دنوں یونی ورسٹیاں بند تھیں۔صرف عمارتیں دیکھ سکا۔ مینا پولس میں عبدالرحمٰن بارکر سے فون پر بات ہوئی، وہاں کی ایک لکچرر ساجد علوی ٹورنٹو میں ملی۔میڈیسن وسکانسن کے پروفیسر محمد عمر میمن سے فون پر باتیں ہوئیں، وہ بہت بلاتے رہے، لیکن میں نہ گیا۔شکاگو میں ہم چودھری کے ساتھ ٹھہرے، ٹورنٹو میں ہارون صدّیقی کے ساتھ جو انجمن اُردو ٹورنٹو کے سکریٹری ہیں، ہارون حیدرآباد کے رہنے والے ہیں۔ مجھ سے مشورہ کرنے لگے کہ ۳۰ر ستمبر، یکم اکتوبر ۸۳ء کی انجمن اُردو کے جلسے میں ہندستان سے کس کس کو مدعو کیا جائے، وہ اُردو کے آدمی نہیں اِس لیے اہلِ اُردو کو نہیں جانتے۔اُنھوں نے کچھ نام لیے ہیں، اُنھوں نے کہا ہم ہر گروپ کے آدمیوں کو بلانا چاہتے ہیں، تب مَیں نے کچھ ترقّی پسندوں کے نام لکھوائے: آپ، سردار جعفری، عقیل، قمر رئیس، وحید اختر، ویسے وہ صرف شاعروں کو کرایہ دیتے ہیں، نقّادوں کو نہیں، اِس لیے اِن کا دعوت نامہ دینا زیادہ معنی نہیں رکھتا۔ میں نے صاف معذرت کر لی تھی کہ میں نہیں آسکتا۔معلوم نہیں کیوں میرے پاس تو دعوت نامہ بھی نہیں آیا۔ پتا نہیں اِن کی کان فرنس ملتوی تو نہیں ہوگئی؟'' (مکتوب مرقومہ ۲۷ر ستمبر ۱۹۸۳ء، بہ نام ڈاکٹر محمد حسن، بہ مقام حیدرآباد)

جین صاحب شاید چند دنوں کے لیے بھوپال گئے۔۲۰ر نومبر ۱۹۸۶ء کو حیدرآباد واپس آئے۔یہاں پہنچ کر ابومحمد سحؔر صاحب کو خط لکھتے ہیں:

''بھوپال کے بعد مَیں جمّوں، دِلّی اور اپنے اعزا کے مقامات پر گیا۔اس سفر میں مالک رام اور خلیق انجم سے ملاقات ہوئی۔ مالک رام سے معلوم ہوا کہ مختلف عرب ممالک میں عربی حروف کی آوازیں بہت مختلف ہیں۔اب تک یہ خیال تھا کہ مصمتہ کی آواز بدل کر دوسرے مصمتے کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔اِن سے معلوم ہوا کہ مصمتہ مصوّتہ میں بھی بدل جاتا ہے۔'ق' کی آواز شمالی مصر اور شمالی لیبیا میں 'الف' کی ہے اور جنوبی مصر اور جنوبی لیبیا میں 'گ' کی، قال کو شمالی مصر میں آل (آلو) اور جنوبی مصر میں گالو بولتے ہیں گو یا 'ج' اور 'ق' دونوں کو 'گ' بولتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ لیبیا کے قدافی کو گدافی کہتے ہیں۔مصر کی ایک Consulate فرانس کے شہر مارسیلز میں تھی۔مراقش کے کچھ لوگ حج کے لیے براہِ خشکی یعنی براہِ مصر جانا چاہتے تھے وہ Visa کے لیے مصر کے کاؤنسل سے ملے تو Interpretor کی معرفت بات کرنی پڑی۔مصری کونسل نے فوراً یہ بات مالک رام کو بتائی۔گو یا مصر والے مراقش والوں کی عربی نہیں سمجھ سکتے۔ مالک رام کہتے ہیں قرآن نے عربی ممالک کی عربی کو بچا رکھا ہے ورنہ مختلف عرب ممالک کی

زبان بالکل مختلف ہے۔ اہلِ مصر جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو 'ق' کو'ق' اور 'ج' کو 'ج' ہی بولتے ہیں، 'گ' نہیں۔ لیکن قرآن کی تلاوت کرتے تو 'ق' کا لہجہ دوسرا ہوتا ہے۔ انگریزی کا ترکی میں 'ج' اور اٹلی میں 'چ' بولا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ تحریری کتاب تقریری زبان کی نشان دہی نہیں کرتی۔ مختلف علاقوں میں جا کر رہا جائے تبھی وہاں کی آوازوں کے تنوع اور اختلاف کا اندازہ ہوتا ہے۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۲ر نومبر ۱۹۸۶ء، خط نمبر ۸۵، ص ۹۷-۹۶، حیدرآباد)

بمبئی کے شعبۂ اُردو میں پروفیسر عبدالستار دلوی نے ایک انٹرنیشنل اُردو اِملا سیمینار کا انعقاد ۱۰ر تا ۱۳ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو کیا تھا۔ اِس میں اندرون و بیرون ممالک کی نامور شخصیات کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ پروفیسر گیان چند جین بھی اِس میں شریک ہوئے۔ حیدرآباد واپس آکر ابومحمد سحر کو اِس کی روداد یوں تفصیلاً بیان کرتے ہیں:

''میں ایک ہفتہ بمبئی رہ کر ۱۶ر دسمبر کو آ گیا۔ مصروفیات کے سبب پہلے خط نہ لکھ سکا۔ سیمینار کامیاب رہا۔ بہت سے آدمی شریک ہوئے۔ پہلے جلسے کی صدارت مسعود حسین خاں نے کی اور اختتام سیّد حامد سابق وائس چانسلر علی گڑھ نے۔ شرکا میں نارنگ، رشید حسن خاں، عنوان چشتی، تنویر علوی وغیرہ تھے۔ مختلف موضوعات پر مضامین پڑھے گئے لیکن اِصلاحِ اِملا کی کوئی خاص تجاویز زیرِ غور نہیں آئیں۔ حیرت یہ ہے کہ نارنگ اور رشید حسن خاں نے اپنی سابقا تحریروں کے برعکس یہ کہا کہ اُردو ہجّا میں ہائیہ حروف کو نہ رکھا جائے، اِس سے تعداد بہت بڑھ جائے گی۔ ہائے ہوز کے علاوہ دو چشمی 'ھ' کو رکھ لیا جائے۔ آخری جلسے میں میری صدارت میں یہ طے ہوا کہ اِملا میں کوئی انقلابی تبدیلی نہ کی جائے۔ ایک فیصلہ یہ ہوا کہ کچھ دِنوں میں ایک آٹھ دس رُکنی ارکان کی کمیٹی تشکیل کی جائے جس میں جملہ تجاویز پر غور کر کے کچھ فیصلے کیے جائیں۔ دلوی اس کمیٹی میں مجھے بھی رکھنا چاہتے تھے۔ مَیں نے معذرت کی لیکن یہاں آ کر لکھا ہے کہ اگر جنوری کے بعد میٹنگ کی جائے تو میں آ سکتا ہوں بہ شرطے کہ ابومحمد کو بھی بلایا جائے۔ مَیں اصرار کر کے انھیں شرکت کے لیے تیار کر لوں گا۔

اِسکیٹروگرام پُرانی مشین ہے۔ نارنگ نے امریکہ میں اِس پر مختلف مصوّتوں اور معنوں کی تصویریں لی ہیں۔ بمبئی میں بورڈ پر نقشا بنا کر بتایا کہ دس ہائیہ حروف میں ہائیت کے نقوش آواز کی ابتدا ہی سے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے ہیں جب کہ بقیہ جزوی ہائیوں میں آواز کی

ادائیگی کے وسط کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ اِس سے طے ہو جاتا ہے کہ محض دس بندشی مصوّتوں ہی میں ہائیت کا مکمّل انضمام ہے۔ نارنگ نے اُردو میں ۱۵/ ہائیہ آوازیں مانی ہیں لیکن وہ اِن کے لیے کوئی حرف دینے کو تیار نہیں۔

رشید حسن خاں نے بتایا کہ فورٹ ولیم کالج میں ۱۸۰۱ء سے دوچشمی 'ھ' کے موجودہ چلن کا التزام ہے۔ ''گنجِ خوبی'' کے میر امّن کے ہاتھ کے نسخے میں اگر کاتب نے 'ھ' کی جگہ 'ہ' لکھ دی ہے تو میر امّن نے اپنے ہاتھ سے تصحیح کی ہے۔''

(مکتوب مرقومہ ۲۲/ دسمبر ۱۹۸۶ء، خط نمبر ۸۶، ص ۹۸-۹۷)

جین صاحب ایک طویل سفر کے بعد واپس حیدر آباد لوٹنے پر سرورؔ صاحب کو لکھتے ہیں:

''میں سوا مہینے کے لیے شمالی ہند گیا تھا۔ دو دن پہلے واپس آیا ہوں۔ آپ کا کرم نامہ ملا۔ تہِ دِل سے مشکور ہوں۔

یہ خوشی اور اطمینان کی بات ہے کہ آپ کو عارضی عینک مل گئی ہے۔ اگر دوسرا آپریشن 18/ اپریل ہوا تھا تو ابھی مستقل عینک نہیں لینی چاہیے۔ میرا تجربہ ہے کہ بینائی دو تین مہینے تک بڑھتی رہتی ہے۔ اگر آپ نے مستقل عینک لے لی ہوگی تو وہ پھر بدلنی ہوگی۔ میری تو ایک ہی آنکھ کا آپریشن ہوا ہے دوسری کا ہونا ہے۔

اسی مہینے دِلّی میں مالک رام صاحب سے ملنا ہوا۔ میں نے آپ سے مُتعلّق مضمون میں ڈاکٹر ذاکر حسین کے جو دو اقوال لکھے ہیں اِن کے بارے میں یاد نہ تھا کسی نے بتائے تھے۔ مالک رام صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ انھوں نے بتائے تھے اور ڈاکٹر ذاکر حسین نے دونوں باتیں اِن سے کہی تھیں۔ معلوم نہیں کس معاملے سے مُتعلّق مالک رام نے ذاکر صاحب سے کہا کہ سرورؔ صاحب سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ اس پر ذاکر صاحب نے جھلّا کر کہا کہ آپ اُردو والوں کے کام سرورؔ اور احتشام کے بغیر کیوں نہیں چلتے۔

دوسرا قول مہیش پرشاد کے مسوّدہ 'خطوطِ غالبؔ' جلد دوم کے تعلّق سے تھا۔ مالک رام اسے بھی مُرتّب کرنا چاہتے تھے۔ مسوّدہ آپ کے پاس تھا۔ مالک رام باہر چلے گئے۔ تین سال بعد واپس آئے تو آپ سے پھر اس دوسری جلد کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے جواب دیا کہ تلاش کروں گا۔ انھیں دِنوں ذاکر صاحب نے مالک رام سے پوچھا کہ مہیش پرشاد کے 'خطوطِ غالبؔ' کی جلد دوم کی کیا پوزیشن ہے۔ مالک رام نے بتایا کہ مسوّدہ سرورؔ صاحب کے پاس ہے

اور وہ اسے تلاش کریں گے۔ اِس پر ذاکر صاحب نے کہا کہ جب سرؔور صاحب (معاذ اللہ) مریں گے تو اُن کے گھر سے کئی مسوّدے نکلیں گے۔ یہ بڑے آدمیوں کی چٹکیاں یا مزاح 'المومنین ہیں۔'' (مکتوب مرقومہ ۱۴؍جون ۱۹۸۷ء، خط نمبر ۷۸، حیدر آباد)

جینؔ صاحب مع اپنی اہلیہ کے دوسری بار امریکہ کے سفر سے ہو آئے۔ اِس کی اِطّلاع سرؔور صاحب کو یوں دیتے ہیں:

''میں یکم مئی کو حیدر آباد سے چلا گیا تھا اور ۳۰؍جون کی رات واپس آیا، اِس لیے آپ کا ۳۰؍اپریل کا گرامی نامہ مجھے واپسی پر جولائی میں ملا۔

میں ڈیڑھ مہینہ امریکہ رہ کر ۲۷؍جون کو دِلّی واپس آیا۔ جاتے وقت دو دن کے لیے ٹوکیو رُکا اور وہاں کی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے ایک اُستاد اور ایم.اے. اُردو کی ایک جاپانی طالبہ سے ملاقات ہوئی۔ وہاں کے شعبۂ اُردو کے اساتذہ جاپانی ہیں لیکن اُردو بخوبی ہماری طرح بولتے ہیں۔'' (مکتوب مرقومہ ۴؍جولائی ۱۹۸۸ء، خط نمبر ۸۰، حیدر آباد)

دسمبر ۱۹۸۶ء سے اپریل ۱۹۹۰ء کے درمیان تین سال چار ماہ کے طویل وقفے کا کوئی خط جینؔ صاحب کا بہ نام ابو محمد سحرؔ ہمیں نظر نہیں آتا۔ نہ جانے ابو محمد سحرؔ نے انھیں محفوظ کیوں نہیں رکھا یا کسی ایسی فائل میں دبے رہ گئے، جو ڈاکٹر مختار شمیم کو خطوط مُرتّب کرتے وقت دستیاب نہیں ہو سکے۔ حیدر آباد سے ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد جینؔ صاحب مستقل طور پر لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ یہاں اُن کا مکان بن رہا تھا اُسی کے قریب اُنھوں نے ایک کرایے کا مکان لے لیا۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں یہاں ۲؍اپریل کو ساز و سامان کے ساتھ آ گیا۔ فی الحال اپنے خطۂ زمین کے بالکل پاس کرایے کا مکان لے لیا ہے۔ اُمید ہے ایک دو دِن میں مکان کی چھت پڑ جائے گی۔ اگست تک مکان مکمّل ہو جانا چاہیے۔

کشن چند اور منوچہ کو میرا پتا لکھّا دیجیے۔ اِدھر میری تین کتابیں شائع ہو جائیں۔ دسمبر ۸۹ء کے آخر میں رسالہ ''اُردو ادب'' کے خاص نمبر کی شکل میں ''اُردو کا نیا عروض'' آئی۔ اِسے کتابی شکل میں بھی مجلد کر دیا ہے اور اِس پر ۹۰ء کی تاریخ ڈالی ہے۔

مضامین کے دو مجموعے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی نے مارچ ۹۰ء میں چھاپے ہیں: (۱) کھوج (۲) پرکھ اور پہچان۔ دونوں میں ۴۳۲، ۴۳۲ صفحات ہیں۔ مجھے صرف ۲۵ جلدیں دیں

گے اور کوئی پیسا نہیں۔ کتاب آفسیٹ پر بہت اچھّی چھپی ہے۔ کتابت میں نے کرا کے دی تھی۔ اِس کے ساڑھے آٹھ ہزار اِن سے لینے ہیں۔ دیکھیے کب تک دیتے ہیں۔

میں نے کہا ہے کہ ۵-۵ جلدیں مجھے دے کر بقیہ جلدیں بیچ کر مجھے چند پیسے دے دیں۔ یہی نقد رائلٹی ہوگی۔ ہر کتاب کی قیمت ۱۲۵؍روپے ہے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۹؍اپریل ۱۹۹۰ء، خط نمبر ۸۷، ص ۹۹، مقام ۶۹۲/۱۲، اندرا نگر، لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶)

اِسی سال ماہِ اگست میں جین صاحب اپنے مکان میں منتقل ہو گئے۔ قریب دس ماہ بعد ابومحمد سحؔر صاحب کو لکھتے ہیں:

''آج رام لعل بھوپال جا رہے ہیں۔ اِن کے ہاتھ یہ خط بھیج رہا ہوں۔ میں ۲؍اپریل ۱۹۹۰ء کو لکھنؤ پہنچا تھا۔ مکان کی تعمیر کا کام اِس سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ ۲۲؍اگست ۱۹۹۰ء کو ہم مکان میں منتقل ہو گئے۔ قطعۂ زمین ۲۸۸؍مربع میٹر یعنی ۳۴۴؍مربع گز کا ہے۔ With Area تقریباً ۱۹۰۰؍فیٹ ہے۔ کافی بڑا مکان ہے۔ ساتھ کا ایک اور پلاٹ بھی میرا ہے۔ اِس پر احاطے کی فصیل بنوا دی ہے اور پھاٹک لگوا دیا ہے۔ اِس میں اور مکان کی تعمیر میں چار لاکھ ۶۵؍ہزار روپے ٹھیکیدار اور Architect کو دیے۔ اِن کے علاوہ بھی کچھ اور لگا ہے یعنی تقریباً پونے پانچ لاکھ روپے زمین کی قیمت اِس کے علاوہ ہے۔......

......۱۹۹۰ء میں چھوٹی بڑی چھے کتابیں شائع ہوئیں جن میں سے ایک اچھّی ہے ''تحقیق کا فن''یو. پی. اُردو اکیڈمی نے چھاپی ہے۔ ۶۸۳ صفحے اور قیمت محض ۵۰؍روپے ہے۔ میں اِسے اپنی بہترین کتاب مانتا ہوں۔ اب تک ۱۷؍کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔......

......میرے سب بچّے ملک سے باہر چلے گئے ہیں۔ چھوٹا لڑکا آشو دِلّی میں تھا۔ وہ بھی جولائی میں امریکہ چلا گیا اور لاس اینجلس میں نوکری کر لی۔ لڑکی وہیں ہے۔ ایک لڑکا نائجیریا میں ہے۔ اگر زندہ رہے تو کچھ برس بعد ہمیں بھی ملک چھوڑ کر امریکہ جا بسنا ہوگا۔ کم از کم اِس وقت جب ہم زن و شو میں سے ایک ہی رہ جائے گا۔ مکان میں کبھی کوئی اولاد نہیں آئے گی۔ آخر کار اِسے بکنا ہے۔......

میں نے اپنی گئی گزری شاعری کا ایک انتخاب مُرتّب کیا ہے۔ ''کچے بول'' اِس کی طباعت کے لیے یو پی اُردو اکیڈمی سے جزوی مالی مدد ملی ہے۔ اب اِسے چھپوانے کی فکر میں ہوں۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۸؍فروری ۱۹۹۱ء، خط نمبر ۸۸، ص ۱۰۱-۱۰۰، مقام لکھنؤ)

جین صاحب معِ اپنی اہلیہ کے حیدرآباد تشریف لائے ہوئے ہیں، وہاں سے ابو محمد سحؔر صاحب کو اپنی بھوپال آنے کی اِطّلاع دیتے ہیں:

''میں اور اہلیہ یہاں ایک ہفتے کے لیے آئے ہیں۔ واپسی میں چار دِن بھوپال ٹھہریں گے۔ اگر کشن چند وہاں ہے تو اِس کے ساتھ ورنہ منوچہ کے ساتھ۔ ہم لوگ ۳۰؍جولائی کی سہ پہر کو دکشن ایکسپریس سے بھوپال پہنچیں گے اور وہاں سے ۳؍اگست کی رات کو پُشپک ایکسپریس سے لکھنؤ کے لیے چل دیں گے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۲۳؍جولائی ۱۹۹۲ء، خط نمبر ۹۱، ص ۱۰۳، مقام حیدرآباد)

جین صاحب اندرون اور بیرونِ ملک کے سفر کی روداد سرؔور صاحب کو یوں خط میں لکھتے ہیں:

''میں یکم دسمبر کو دِلّی اور ۱۵؍دسمبر کو لکھنؤ واپس آیا۔ پھر ۱۷؍دسمبر کو بجنور سے فون آیا کہ میرے بھائی پرکاش مونؔس بیمار ہیں۔ اِنھیں دِل اور گردے کی تکلیف تھی۔ اب وہ علاج کے لیے جے پور گئے ہیں۔ Prostate کی حالت خراب تھی۔ پیشاب روک نہیں پاتے تھے۔ جے پور میں Biopsy کرانے پر پروسٹیٹ میں Cancer نکلا ہے لیکن پروسٹیٹ کا کینسر بہت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے لیکن آخر کار مہلک تو ہوتا ہی ہے۔ میرے بھائی آپ سے دو دِن بڑے ہیں''۔

اب کی بار امریکہ سے واپسی میں ایک دِن کے لیے ہانگ کانگ ٹھہرا۔ لاس اینجلس میں ۱۹؍نومبر ۱۹۹۳ء کو ایک بین الاقوامی مشاعرے میں بہ حیثیت سامع کے شرکت کی۔ ہندستان سے ملک زادہ منظور احمد اور دِلّی کے ایک مزاحیہ شاعر خیّامؔی شامل ہوئے۔ پاکستان کے کئی شاعر تھے جن میں فہمیدؔہ ریاض بھی تھیں۔ مشاعرے کا ہال بھرا ہوا تھا۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۷؍فروری ۱۹۹۴ء، خط نمبر ۷۸، لکھنؤ)

جین صاحبؔ نے تین چار مقامات کے سفر سے مُتعلّق سرؔور صاحب کو یوں اِطّلاع دی:

''میں ایک مہینے کے لیے دہلی، بجنور، سیوہارہ اور مظفر نگر گیا تھا۔ پرسوں واپس آیا۔ آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۱۳؍جولائی ملا۔ مشکور ہوں۔ آپ پروسٹیٹ کے آپریشن سے پرہیز کیجیے۔ ایک ماہ میں ۹؍ستمبر کو آپ ۸۳؍سال کے ہو جائیں گے۔ یہ عمر آپریشن کی نہیں ہے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۹؍اگست ۱۹۹۴ء، خط نمبر ۹۰، ۲۵/۹، اندرا نگر لکھنؤ - ۲۲۶۰۱۶)

جین صاحب اپنے ایک اور طویل سفر کی اِطّلاع ابومحمد سؔحر صاحب کو دیتے ہیں:

''میں گوشہ نشین ہوں۔ اس کے باوجود مجھے دو طویل خطبات دینے ہیں۔ پچھلے سال مجھے کراچی میں ''بابائے اُردو یادگاری لکچر'' کے لیے بلایا تھا۔ ۲۸؍اکتوبر کی تاریخ طے ہوئی تھی۔ میں نے اپنا ضخیم خطبہ ''اُردو کی ادبی تاریخ'' ۱۹۴۷ء تک لکھ کر بھیج دیا تھا لیکن ویزا نہ ملا۔ اب مل گیا ہے۔ اسلام آباد کی وزیرِ داخلہ نے میرے لیے ویزا کا آرڈر نکال دیا ہے۔ مَیں نے یکم اکتوبر ۹۴ء کی تاریخ رکھی ہے۔ ۱۵ دِن کا ویزا ہوگا۔

غالبؔ اکیڈمی دہلی نے اِس سال سے مالک رام کے نام پر سالانہ خطاب کا سلسلہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پہلے خطبے کے لیے مجھے مدعو کیا ہے۔ اِس سال کا موضوع بھی مالک رام ہوں گے۔

مَیں نے موضوع رکھا ہے ''غالبؔ شناس مالک رام''، اِس میں مالک رام کے غالبؔ سے مُتعلّق جملہ کاموں کا جائزہ لوں گا۔ اس سلسلے میں ''گلِ رعنا'' کو دوبارہ دیکھ رہا تھا۔ لکھنؤ میں کتابوں کی دِقّت ہے، مَیں لائبریریوں سے دُور رہتا ہوں۔ بعض کتابیں بمبئی سے کالی داس گپتا سے منگا رہا ہوں۔ وسط اکتوبر میں پاکستان سے واپس آتے ہوئے دِلّی میں یہ خطبہ پیش کروں گا۔'' (مکتوبِ مرقومہ ۱۷؍اگست ۱۹۹۴ء، خط نمبر ۹۲، ص ۱۰۵-۱۰۴، لکھنؤ)

ایک اور مختصر سفر کی سرؔور صاحب کو یوں اِطّلاع دیتے ہیں:

''میں ۱۱ دِن جے پور رہ کر پرسوں واپس آیا۔ آپ کا ۱۳؍مارچ کا کرم نامہ ملا۔ میں اس کو ۶۰٪ پڑھ سکا۔ بقیہ کوشش کر کے دریافت کروں گا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ بیگ کو کتنے اور کس کے مضمون ملے ہیں۔ میں تو ہر خط میں اسے لکھتا ہوں کہ 'کتاب نما' کا نمبر نکالنے کا ارادہ ترک کر دے، ہم سب کو راحت ہوگی۔ وہ مجھے جواب ہی نہیں دیتا۔ گویا اِس موضوع پر اِس کے اور میرے بیچ کوئی رابطہ ہی نہیں ہے۔''

اصل میں سرور صاحب کو Alzheimer's Disease ہوگئی تھی، جس سے ہاتھوں میں رعشہ آ جاتا ہے اور انسان قلم پکڑنے اور لکھنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی جین صاحب نہیں چاہتے تھے کہ اُن سے مُتعلّق 'کتاب نما' کا نمبر شائع کیا جائے۔

(مکتوبِ مرقومہ ۲۳؍مارچ ۱۹۹۶ء، خط نمبر ۹۳، لکھنؤ)

جین صاحب اپنے سفرِ امریکہ کی اِطّلاع یوں سرؔور صاحب کو دیتے ہیں:

''میں ۳؍مئی کو تین مہینے کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ پہلے ڈھائی مہینے امریکہ میں بچّوں کے پاس رہوں گا۔ اِس کے بعد دو ہفتے تھائی لینڈ میں بنکاک میں رہوں گا جہاں میرا بڑا لڑکا ہے۔ بہ شرطِ حیات ۳۱؍جولائی کو واپس آؤں گا۔ سفر کا پورا خرچہ اپنی جیب سے کرتا ہوں۔''
(مکتوب مرقومہ ۱۳؍اپریل ۱۹۹۶ء، خط نمبر ۹۴، لکھنؤ)

جین صاحب معِ اپنی اہلیہ کے مستقل طورِ پر امریکہ منتقل ہونے کے بارے میں سرور صاحب کو یوں لکھتے ہیں (ایسا ہی ایک خط وہ ابو محمد سحرؔ (بھوپال) کو بھی ماہِ جون ۱۹۹۷ء کو لکھ چکے ہیں):

''میرے تینوں بچّوں میں دو امریکہ میں ہیں اور ایک تھائی لینڈ بنکاک میں۔ اِن کا شدید اصرار تھا کہ میں اور میری اہلیہ امریکہ منتقل ہو جائیں۔ ۱۹۹۶ء کی گرمیوں میں جب ہم امریکہ گئے تو ہم نے اِن کے اصرار کو قبول کر لیا۔ درخواست دے دی گئی جو منظور ہو گئی لیکن ابھی بہت سی کاغذی کارروائی باقی ہے۔ اُمید ہے سال کے آخر تک ہمیں Visa مل جائے گا۔ اِس کے چند ماہ بعد چلے جائیں گے۔ اپنی لائبریری اُردو اکیڈمی کو ہدیہ کروں گا۔ امریکہ جانے پر اُردو کے رسالے تو پڑھ سکوں گا لیکن لکھنا بہت کم ہو جائے گا۔ لیکن یہاں جو ہم بے سہارا ہیں، اِس کے ہوتے اور کوئی چارہ نہیں۔'' (مکتوبِ مرقومہ ۸؍جون ۱۹۹۷ء، خط نمبر ۹۵، لکھنؤ)

جین صاحب ابو محمد سحرؔ کو ایک طویل خط لکھتے ہیں جس میں وہ بچوں کے اصرار پر مستقل طور پر امریکہ منتقل ہونا چاہتے ہیں۔ اِس خط کے متن سے اِن کی مجبوری اور بے بسی صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے، ملاحظہ کیجیے اِس کا متن:

''بڑے عرصے [قریب دو سال] کے بعد آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں گے اور اُنگلیوں میں رعشہ دُور ہو گیا ہوگا۔ مجھے اور میری بیوی کو ضعیفی کے چھوٹے موٹے عوارض لاحق ہوتے رہتے ہیں۔ مجھے کم اہلیہ کو زیادہ۔ ہمارے تینوں بچّے ملک سے باہر ہیں۔ دو امریکہ میں، بڑا لڑکا بنکاک (تھائی لینڈ) میں۔ امریکہ والے بچّوں کے اصرار پر ہم نے رضامندی دے دی کہ مَیں اور اہلیہ مستقلاً امریکہ منتقل ہو جائیں گے۔ پچھلے سال اگست میں درخواست دی گئی جو منظور ہو گئی لیکن بہت سی کاغذی کارروائی باقی ہے، جس میں سے ایک یہ ہے کہ مَیں اور اہلیہ ۱۶؍سال کی عمر کے بعد جس شہر میں ۶؍مہینے سے زیادہ رہے ہیں وہاں کے پولیس سرٹی فکٹ کے کر [لیں کہ] وہاں کے پولیس ریکارڈ میں ہمارے خلاف کچھ نہیں ہے۔

ہمیں سیوہارہ (میرے لیے) جمّوں، حیدر آباد اور لکھنؤ سے سرٹی فکٹ مل گئے ہیں لیکن ہنوز بھوپال سے نہیں ملا۔ مَیں نے پولیس کے نام درخواست لکھ کر آفاق کے ہاتھ بھیجی تھی۔ اِس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بنوا کر بھیج دے گا لیکن وہ کچھ دِن بیمار رہا، اِس لیے اِس نے ہر کام عزیز قریشی کے سپرد کر دیا۔ غالباً ۲۳؍جون کو آفاق چند ماہ کے لیے انگلستان، کناڈا اور امریکہ کے دورے پر چلا گیا۔ مَیں نے عزیز قریشی کو ایک خط لکھا تھا لیکن اِس کے شعار میں چٹھی لکھنے کی روایت نہیں۔ آپ براہِ کرم عزیز قریشی کو فون کر کے کہیے کہ وہ میرا جولائی ۱۹۵۰ء تا اکتوبر ۱۹۶۵ء اور میری بیوی نرملا جین کا جولائی ۱۹۵۳ء تا دسمبر ۱۹۶۵ء کا سرٹی فکٹ بنوا کر بھیج دیں۔ یہ سرٹی فکٹ .S.P یا .S.S.P کے آفس سے بنتا ہے۔ میرے پاس عزیز قریشی کے یہ فون نمبر لکھّے ہیں: 530002, 54080, 593، یہ نمبر پانچ سال پہلے کے ہیں۔ معلوم نہیں اب بدل تو نہیں گئے۔ کاغذی کاروائی پوری ہو جائے تو نومبر ۹۷ء تک ہمیں گرین کارڈ مل جانا چاہیے۔ بشرطِ حیات ۱۹۹۸ء میں امریکہ جائیں گے۔ جانے سے پہلے بھوپال آ کر دوستوں سے ضرور ملیں گے۔ یہاں میں بے سہارا ہوں، اِس لیے جانے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ امریکہ جا کر اُردو پڑھنا تو ہو سکے گا لیکن لکھنا تقریباً ختم ہو جائے گا کیوں کہ وہاں کتابیں نہیں ہوں گی۔ ہندستان اور پاکستان کے منتخب رسالے ہوائی ڈاک سے منگایا کروں گا جن کی وجہ سے پڑھنے کا سامان رہے گا۔ ساتھیوں کو میرے فیصلے کی خبر دے دیجیے۔

بزرگ اہلِ اُردو زرد پتّوں کی طرح گر رہے ہیں۔ میں ستمبر میں ۷۴ سال کا ہو جاؤں گا۔ اب دم بھروسا نہیں۔ آخری لمبے سفر کی تیاری کر لینی چاہیے۔ آسام میں تارا چرن رستوگی ۵؍فروری (۲۵؍فروری نہیں) ۱۹۹۷ء کو دوپہر ڈھائی بجے مرے۔ مجھے مئی کے آخر میں معلوم ہوا۔ مَیں نے اُن کے لڑکے کو جوابی خط لکھا تھا۔ اِس سے صحیح تاریخ معلوم ہوئی۔

خدا سے (جس کے وجود کا میں قائل نہیں) دُعا ہے کہ آپ صحّت کے ساتھ خوش و خرّم رہیں۔

عزیز قریشی سے بات کر کے مجھے لکھیے یا اِس سے کہیے کہ وہ فون پر مجھ سے بات کر لے۔'' (مکتوبِ مرقومہ ۲۸؍جون ۱۹۹۷ء، خط نمبر ۹۷، ص ۱۱۰-۱۰۸، لکھنؤ)

جین صاحب ماہ ستمبر میں ابو محمد سحر صاحب کو لکھتے ہیں:

''مَیں چار دن دہلی رہ کر کل واپس آیا، دو قسم کے ویزا لایا ہوں۔ ایک تو اپنے اور اہلیہ کے لیے پاکستان کا ویزا ہے، ۱۵؍دِن کراچی، لاہور اور اسلام آباد کا۔ اکتوبر میں دس بارہ دِن

کے لیے جاؤں گا۔ موضوع رکھا ہے: ''قاضی عبدالودود بہ حیثیت مُرتّبِ متن''۔ مضمون لکھ لیا اِسے صاف لکھ رہا ہوں۔ دوسرا ویزا امریکہ کا Immigrant Visa ہے۔ ہمیں ۷ر جنوری ۱۹۹۸ء تک امریکہ میں داخل ہونا ہے جس کے بعد ہمیں گرین کارڈ دے دیا جائے گا۔ ہم لوگ دسمبر ۹۷ء کے آخر میں ایک بار ہی مستقلاً چلے جائیں گے۔ اِس سے پہلے مکان اور سامان فروخت کرنا ہے۔ بڑی خواہش تھی کہ جانے سے پہلے بھوپال اور حیدرآباد ہو کر آؤں لیکن ایک طرف غضب کی مصروفیت ہے، دوسرے ہر سفر کے بعد بیمار ہو جاتا ہوں۔ دہلی سے آ کر شدید کھانسی ہو گئی ہے۔ آج ڈاکٹر کے پاس جاؤں گا اور دوا لاؤں گا جو Capsule ہونی چاہیے۔

ایسے میں پاکستان کا سفر دخل در معقولات ہو گیا ہے بس بھوپال کے دوستوں کو فی الحال خط نہیں لکھ سکتا۔ آپ سب کو بتا دیجیے۔ آفاق یا قریشی نے پولیس سرٹی فکٹ نہ بھیجا لیکن اب اِس کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ امریکی سفارت خانے نے پولیس سرٹی فکٹ پر اصرار کرنا بند کر دیا ہے۔ ہم جو سرٹی فکٹ لے گئے تھے وہ بھی اُنھوں نے واپس کر دیے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۱۳ر ستمبر ۱۹۹۷ء، خط نمبر ۹۸، ص ۱۱۱-۱۱۰، مقام لکھنؤ)

جین صاحب نے ۱۴ر دسمبر ۱۹۹۷ء کو ہندستان سے امریکہ مستقل ہجرت کے سلسلے میں خلیق انجم صاحب کو ایک مختصر سا خط مع ایک مراسلے کے لکھا۔ یہ مراسلہ ''ہماری زبان'' نئی دہلی میں بعد میں شائع ہوا۔ اِس کا متن ملاحظہ کیجیے اور جین صاحب کی مجبوری اور دِلی کیفیت کا اندازہ کیجیے:

''الوداع اے اہلِ اُردو الوداع

حالات کے جبر کے تحت میں ہندستان سے مستقلاً ہجرت کر کے امریکہ جا رہا ہوں۔ سوے اتّفاق سے میرے تینوں بچّے ملک سے باہر ہیں، دو امریکہ میں اور تیسرا بنکاک (تھائی لینڈ) میں۔ مَیں اور اہلیہ ۲۱ر برسوں سے بچّوں کے بغیر تنہا زندگی گزار رہے ہیں۔ اب پیرانہ سالی میں دوسروں کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے، اِس لیے ہم ۲۳ر دسمبر ۱۹۹۷ء کو امریکہ سدھار رہے ہیں۔ کوشش کروں گا کہ وہاں حتی الوسع اُردو میں لکھتا پڑھتا رہوں۔

اگر میری کسی تحریر کے کسی جزو سے کسی اہلِ اُردو کی دِل آزاری ہوئی ہو تو میں عفو کا طالب ہوں۔ خود مجھے نہ کسی سے کوئی شکایت ہے نہ کسی کے خلاف دِل میں کوئی کدورت و پُرخاش۔ امریکہ میں میرا پتا اور فون نمبر حسبِ ذیل ہوگا:

22356, West Harrison Street,
Porterville, California 93257 (U.S.A.)
فون نمبر:(001)209-78486 ‘‘۔

(مراسلہ۱۴؍دسمبر۱۹۹۷ء، بہ مقام ۱۲/۲۵، اندرانگر لکھنؤ – ۲۲۶۰۱۶، بہ نام اہلِ اُردو، ’ہماری زبان‘ نئی دہلی)

تمام کاغذی کاروائی مکمّل ہونے کے بعد جین صاحب اور اُن کی اہلیہ کو امریکہ جانے کے پاسپورٹ مِل گئے۔ وہ یکم جنوری ۱۹۹۸ء کو لکھنؤ سے دہلی روانہ ہوئے اور ۶؍جنوری کو امریکہ پہنچ گئے۔ امریکہ میں اپنے بیٹے، بیٹی اور داماد کے پاس پہنچنے کے بعد اپریل میں ابومحمد سحر اور دوسرے ساتھیوں کو ہندستان میں ایک ہی طرح کا خط لکھتے ہیں، بل کہ اس کی کاپیاں کرا کر بھیج دیتے ہیں، ملاحظہ کیجیے طویل خط کا متن:

’’بہت دِن پہلے مَیں نے منوچہ کو خط لکھّا تھا کہ وہ سب رفیقوں کو سُنا دے مجھے اُمید ہے کہ خط پہنچ گیا ہوگا۔ مَیں اَصلاً ۲۱؍دسمبر کی رات لکھنؤ سے دہلی کے لیے چلنے والا تھا لیکن ایک سارق نے ہمارا بیگ چرالیا جس میں پاسپورٹ، ریل اور ہوائی جہاز کے ٹکٹ تھے۔ اِن کے گم ہونے کے سبب ہم ریل سے اُتر آئے۔ میری پریشانی کی تفصیل ۲۲؍فروری ۱۹۹۸ء کے ’’ہماری زبان‘‘ میں چھپی ہے۔ آپ نے دیکھی ہوگی۔ سِتم ظریفی یہ ہوئی کہ چوری کی رات ۲۱؍دسمبر ہی کو کسی شخص نے لکھنؤ کے اسٹیشن ماسٹر کو ہمارے دونوں پاسپورٹ اور دہلی بینک کے لیے چار ڈرافٹ ۹۰–۹۰ ہزار روپے سونپے۔ وہ حرام زادہ اسٹیشن ماسٹر اِن چیزوں کو دو مہینے تک لیے بیٹھا رہا۔ پاسپورٹ میں میرا پتا اور فون نمبر لکھّا تھا۔ اگر مجھے مطلع کر دیتا تو نئے پاسپورٹ بنوانے کی طوالت اور صرفے سے بچ جاتے۔ اگر پلیٹ فارم ہی پر ریلوے پولیس کو بتا دیتا (جہاں میں نے FIR لکھوائی تھی) تو وہ بھی مجھے مُطّلع کر دیتے۔ ہندستان میں سرکاری ملازمین اِسی طرح غیر ہمدرد ہوتے ہیں۔

مَیں نے دسمبر ۹۷ء میں لکھنؤ سے ’’کتاب نما‘‘ ۵۰۰؍روپیوں اور ’’آجکل‘‘ کو ۶۰۰ روپیوں کا منی آرڈر کیا تھا۔ یہ ۱۹۹۸ء میں رسالے امریکہ ہوائی ڈاک سے بھیجنے کا چندہ تھا۔ فروری سے ’’کتاب نما‘‘ آنے لگا۔ ’’آجکل‘‘ کا ابھی تک کوئی پتا نہیں۔ اِن کے علاوہ حیدرآباد سے ’’سب رس‘‘ آ رہا ہے۔ ایک پرچہ ’’شمع انٹرنیشنل‘‘ کا بھی آیا۔ مَیں نے اپنی کتابوں میں سے بیش تر حیدرآباد یونی ورسٹی کو تحفہ دیں۔ بہت سی کتابیں شیمہ رضوی لکچرر اُردو لکھنؤ یونی ورسٹی و

ڈاکٹر انورالدّین ریڈر صدر شعبۂ اُردو حیدرآباد یونی ورسٹی نے لے لیں۔ چند کتب رشید حسن خاں اور شمس الرحمٰن فاروقی نے لیں۔ چار بڑے بنڈل میں نے اپنے لیے بنا لیے۔ یہ دہلی پہنچ کرا ٹکے ہوئے پڑے ہیں۔ انھیں پانی کے جہاز سے یہاں منگانا ہے۔ اِس میں بہت دِقّتیں آرہی ہیں۔ بڑی کاغذی کارروائی کرنی ہے۔ لاگت ۱۱ر ہزار روپے آئے گی۔ کتابیں بھی اِس سے زیادہ قیمت کی نہ ہوں گی۔ سامان کی گُم شدگی میں کل تقریباً سوا لاکھ روپیوں کا خسارہ ہوا۔

یہاں لڑکا، لڑکی، داماد اور اِن کے بچّے ہمارا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ہمارے اُوپر کتنا بھی روپیا خرچ کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ یہاں ہمیں کوئی پریشانی، کوئی ذمّے داری، کوئی کام نہیں۔ کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے میں تصنیف کا کام نہیں کرسکتا۔ میرے پاس اپنی تصنیفات میں سے بھی ایک کتاب نہیں۔

یہاں اُردو والے مل رہے ہیں وہ پاکستان سے آئے ہوئے ہیں۔ محض شاعر ہیں جن میں سے کئی غیر موزوں کہنے والے ہیں۔ نثر، تنقید و تحقیق کا کوئی آدمی نہیں۔ ویسے یہاں کے اُردو والے میرا بہت احترام کرتے ہیں۔ میں نے ہندستان اور پاکستان میں بہتوں کو خط لکھّے۔ بیشتر نے جواب نہیں دیا۔ آپ سے جواب کا تقاضا نہیں کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ رعشے کے سبب آپ کو لکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

میں چاہتا تھا کہ 'ہماری زبان' اور 'نیا دور' (لکھنؤ) بھی میرے پاس آنے لگے، مَیں اِن کے لیے کتنا بھی چندہ بھیجنے کو تیار ہوں لیکن اِن کے یہاں ہوائی ڈاک سے بھیجنے کا کوئی انتظام نہیں۔

اگر آپ جواب دینے کی ہمّت کریں تو اُردو دُنیا کی خبر دیجیے۔ حبیب خاں کے انتقال کا بہت افسوس ہوا۔

یہاں ہندستان، وہاں کے ماحول اور اُردو دُنیا سے کٹ گیا ہوں۔ یہ کیفیت ہے جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں۔ مہاجروں کا جو مقدر ہوتا ہے وہ میرا بھی ہے۔

سب احباب کو سلام کہیے۔ اُمید ہے سب لوگ بہ خیر ہوں گے۔ بالخصوص آپ کا مزاج مع الخیر ہوگا۔ اگر میں زندہ رہا تو ۱۹۹۹ء کے تیسرے ربع میں ہندستان آؤں گا۔ اُس وقت آپ سے ملنے بھوپال ضرور آؤں گا۔ ''سامان سو برس کے ہیں، کل کی خبر نہیں۔''

میں زیادہ تر لڑکے کے پاس رہتا ہوں، اِس لیے اِس کا پتا مرجّح ہے۔ اوک لیف سڑک کا نام ہے۔ چنو ہلز، کیلی فورنیا کے بڑے شہر لاس اینجلس کی ایک نواحی بستی ہے۔ ہمیں

Green Card مل گیا ہے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۳؍ اپریل ۱۹۹۸ء، 3262, Oak Leaf, Chino Hills -CA-979 U.S.A.، خط نمبر ۹۹، ص ۱۱۳-۱۱۱)

پروفیسر گیان چند جین امریکہ سے ہندستان آئے اور یہاں کے مختلف مقامات پر جانے کی تفصیل اپنے خط میں ابو محمد سحرؔ صاحب کو یوں لکھ بھیجتے ہیں:

''میرے اور میری بیوی کے سفرِ ہند کے بارے میں کشن چند اور منو چہ سے تفصیلات معلوم ہوں گی۔ آپ کو نہیں لکھ رہا ہوں۔ ہم لوگ ۱۵؍ ستمبر سے یکم دسمبر تک ہند کے ۱۲؍ شہروں میں گردش کریں گے۔ میں مزید دو جگہ علی گڑھ اور الٰہ آباد جاؤں گا۔ بھوپال ۲۱؍ اکتوبر سے ۲۶؍ اکتوبر تک رہیں گے۔ منو چہ اور کشن چند کو لکھا ہے کہ جو کوئی زحمتِ میزبانی اُٹھا سکے ہمیں ٹھہرا لے یا دونوں جگہ چند چند روز کے لیے ٹھہر جائیں۔ لکھنؤ سے بھوپال پہنچیں گے اور بھوپال سے ۲۶؍ اکتوبر منگل کے تڑکے بنگلور۔ راجدھانی ایکسپریس سے بنگلور کے لیے چلے جائیں گے۔ آفاق غالباً اِن دِنوں کنیڈا میں ہوگا۔ وہ ہوتا تو راجدھانی کے رِزرویشن کا کام اِس کے سپُرد کر دیتے۔ اب کسی ریلوے ایجنٹ کے ذریعے کرایا جا سکتا ہے۔ اِس کے لیے جگہ جگہ سے مواد اکٹھا کرنا ہے۔ مَیں بیوی کے ساتھ مظفر نگر، دہرہ دون، سیوہارہ، رام پور، لکھنؤ، بھوپال، بنگلور، حیدر آباد، بمبئی، احمد آباد، جے پور اور واپسی دہلی جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مظفر نگر سے بیوی کے بغیر ڈیڑھ دِن کے لیے علی گڑھ اور لکھنؤ سے ایک دِن کے لیے الٰہ آباد جاؤں گا۔ معلوم نہیں اتنے سفر کر سکوں گا کہ نہیں۔ ہر جگہ A.C. 2 Tier Sleeper سے سفر کا ارادہ ہے۔ ''سامان سو برس کے ہیں کل کی بھی خبر نہیں۔''

بھوپال میں اخلاق اثرؔ، حامد حسین، قوی دسنوی اور اختر سعید خاں کو مطّلع کر دیجیے۔ میرے لیے کسی قسم کی کوئی تقریب نہ رکھّی جائے۔ اب آواز جلسوں میں بولنے کے لائق نہیں رہی۔ حمیدیہ کالج بھی جا کر دیکھنا ہے۔ یہ سفر اپنے ماضی کی تلاش کا ہے۔ حمیدیہ کالج میں ''دیوانِ مصحفی'' کا ایک مخطوطہ خرید کر منگایا تھا۔ دیکھنا ہے کہ وہ وہاں موجود ہے کہ نہیں۔ معلوم نہیں وہاں کون صاحب اُردو کے پروفیسر ہیں۔ آپ سب سے ملنے کا اشتیاق کے ساتھ منتظر ہوں۔'' (مکتوب مرقومہ ۱۷؍ اگست ۱۹۹۹ء، خط نمبر ۱۰۱، ص ۱۱۵-۱۱۴، مقام 23, Nevada, Irvine-CA-92606 U.S.A.)

جین صاحب کے خطوط مرقومہ ۱۳؍ دسمبر ۱۹۹۷ء، ۲؍ اپریل ۱۹۹۸ء، ۲۱-۲۰؍ جولائی

۱۹۹۸ء بہ نام پروفیسر آل احمد سرورؔ اور ۱۳؍ستمبر ۱۹۹۷ء، ۳؍اپریل ۱۹۹۸ء، ۲۰؍جولائی ۱۹۹۸ء بہ نام ڈاکٹر ابومحمد سحرؔ کے متن قریب قریب ایک سے ہیں۔ اِن میں پہلا خط ۱۳؍ستمبر ۱۹۹۷ء کا ۹/۲۵، اندرا نگر، لکھنؤ – ۲۲۶۰۱۶ سے اور دوسرے دو 3262, Oakleaf, chino Hils-CA-9709 U.S.A. سے لکھّے گئے ہیں۔ جن میں وہاں کے حالات اور ہندستان آنے کا بھی ذکر ہے۔ جین صاحب مع اپنی اہلیہ کے اکتوبر ۱۹۹۹ء میں دو ماہ کے لیے ہندستان تشریف لائے تھے اور مختلف مقامات پر دوستوں اور احباب سے ملے تھے۔

اگست ۱۹۹۹ء میں سرورؔ صاحب کو لکھتے ہیں:

''میں یکم ستمبر کو یہاں سے چلوں گا۔ دو ہفتے بنکاک رہ کر ۱۵؍ستمبر کی شب میں دہلی پہنچوں گا۔ ۱۶؍ستمبر کو دیر تک انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) کے دفتر میں رہوں گا۔ ۱۷؍ستمبر سے ۲۶؍ستمبر تک مظفرنگر رہوں گا۔ وہاں سے ڈیڑھ دِن کے لیے علی گڑھ آؤں گا۔ آپ سے نیاز حاصل کرنا ہے۔ آپ کی اور بیگم صاحبہ کی صحّت ایسی نہیں کہ آپ کو میزبانی کی زحمت دوں۔

کسی سے کہہ کر یونی ورسٹی گیسٹ ہاؤس میں میرے قیام کا انتظام کرا دیجیے۔ ڈاکٹر مختارُالدّین احمد اور ڈاکٹر نذیر احمد سے بھی ملنا ہے۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۲۸؍اگست ۱۹۹۹ء، خط نمبر ۱۰۴، امریکہ)

جین صاحب امریکہ سے ہندستان تشریف لائے چند مقامات کی اُنھوں نے سیر بھی کی۔ جب رام پور پہنچے تو دورانِ قیام اُن کی بیوی کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے اُنھیں بہت سے مقامات پر جانے کے پروگرام کو منسوخ کرنا پڑا۔ حادثے کی وجہ ملاحظہ کیجیے:

''میں اپنے دَورے کے سلسلے میں تین دِن کے لیے رام پور گیا۔ ایک دوست کے یہاں قیام کیا۔ رضا لائبریری میں گیا، عابد رضا بیدار سے مفصّل ملاقاتیں رہیں۔ ۹؍اکتوبر کی صبح میری بیوی غسل خانے میں نہانے گئیں، بہت گرم پانی کا ایک حمّام غلطی سے اپنے اُوپر گرا لیا۔ دائیں ہاتھ کا پنجہ اور ایک کولہا جل گئے۔ فوراً ڈاکٹر کو بلا کر معالجہ کیا۔ ۱۰؍اکتوبر کو ۱۵۰۰ روپیوں میں ایک ٹیکسی کر کے مظفرنگر آئے۔ یہ میری بڑی سالی اور ہم زلف کا شہر ہے۔ یہاں علاج کی بہت سہولت ہے۔ فوراً ایک سرجن کو گھر بُلا کر دکھایا۔ علاج جاری ہو گیا۔ اب قدرے افاقہ ہے۔ ہم نے اپنے سارے رِزرویشن منسوخ کر دیے ہیں۔ اُمید ہے دو تین ہفتوں کے بعد یہاں سے نکل سکیں گے۔ جو چند روز ختم ہوں گے ان میں دو تین جگہ اور ہو آئیں گے۔ شاید

بھوپال نہ آسکیں۔ حالاں کہ میری بڑی خواہش ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ کراچی میں مشفق خواجہ نے میری کتاب ''رموزِ غالب'' کا اضافہ شدہ اِڈیشن چھاپا ہے۔ میں نے اُنھیں لکھا ہے کہ ایک کاپی آپ کو بھیج دیں۔

کشن چند سے آپ کو میرے واقعے کی اِطّلاع مل چکی ہوگی۔ منوچہ کو سلام کہیے۔ آفاق اگر بھوپال میں ہو تو اسے بھی میری کیفیت بتا دیجیے۔ اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔''

(مکتوب مرقومہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء، خط نمبر ۱۰۲، ص ۱۱۶-۱۱۵، مقام مظفر نگر (یوپی))

جین صاحب سفر ہندستان کے بعد جب واپس امریکہ لوٹتے ہیں تو اپنے سفر کی مختصر روداد ابومحمد سحر صاحب کو یوں لکھتے ہیں:

''ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نے میرے دو کتابچے ''اُپندر ناتھ اشک'' اور ''قاضی عبدالودود بہ حیثیت مُرتّب متن'' شائع کرائے ہیں۔ بہت خوب صورت اور بے حد غلط۔ مَیں نے اِنھیں لکھا ہے کہ آپ کو قاضی والی کتاب بھیج دیں۔ ہندستان کی مفصّل سیاحت کی امٹ خوشگوار یادیں لے کر یہاں لوٹ آیا ہوں۔ Airconditioning کی وجہ سے یہاں سرد و گرم اور عناصر میں اعتدال ہے۔ بڑی پُرسکون بل کہ ضرورت سے زیادہ پُرسکون زندگی گزر رہی ہے جس میں اُردو والوں کی تحریر تو دیکھ پاتا ہوں، آواز فون پر شاذ ہی سُننے کو ملتی ہے۔ اب میرا پانوں تقریباً یعنی کوئی ۹۵٪ ٹھیک ہوگیا ہے۔ گھر سے باہر چلنے میں بہت خفیف لنگ کا شائبہ رہتا ہے۔ شکستہ پائی کی وجہ سے لکھنؤ میں معدودے چند حضرات سے مل سکا۔ دِلّی سے کار سے علی گڑھ ہو آیا۔ ایک شبانہ روز اصغر عبّاس صدرِ شعبۂ کے گھر قیام کیا۔ ۳۰/نومبر کو شعبۂ اُردو کے تحت فیکلٹی ہال میں ''تحقیق کے مسائل'' پر سوا گھنٹے تک تقریر کی۔ سامعین میں کئی علما تھے۔ صدارت ڈاکٹر نذیر احمد نے کی۔ سامعین میں رشید احمد صدّیقی کے صاحبزادے (غالباً احسان رشید نام) جو کراچی یونی ورسٹی کے وائس چانسلر رہ چکے ہیں، ڈاکٹر نورالحسن نقوی، لکھنؤ کے نیّر مسعود اور دوسرے لوگ تھے۔ طلبہ سے ہال کھچا کھچ بھرا تھا حالاں کہ اس سے پہلے دِن طلبہ نے امتحان ملتوی کرانے کے لیے شورش کی تھی اور ان پر لاٹھی چارج ہوا تھا۔ ڈاکٹر مختارالدّین احمد اور ڈاکٹر مسعود خاں سے مفصّل ملاقات ہوئی۔ یکم دسمبر کو دہلی میں جامعہ نگر جا کر سرور صاحب اور نثار احمد فاروقی سے دیر تک ملا۔ یہاں آ کر سنّاٹا ہے۔ ساتھ کا خط پڑھ کر کشن چند کو دے دیجیے۔''

(مکتوب مرقومہ ۲/جنوری ۲۰۰۰ء، خط نمبر ۱۰۳، ص ۱۱۷-۱۱۶، مقام امریکہ)

جین صاحب جنوری ۱۹۹۸ء میں مستقل طور پر ہندستان سے امریکہ منتقل ہو چکے تھے اپنے بچّوں کے پاس۔ ۱۵ر ستمبر تا یکم دسمبر ۱۹۹۹ء تک انھوں نے معِ اپنی اہلیہ کے ساتھ پہلی بار ہندستان کا سفر کیا اور مختلف مقامات کی سیر کی، ہر جگہ اِن کے جانے کا مقصد تھا اپنے ماضی کو تلاش کرنا۔ واپس لوٹنے کے بعد اِنھوں نے ایک تفصیلی خط ابومحمد سحر صاحب کے نام ۲ر جنوری ۲۰۰۰ء کو لکھا۔ قریب ایک سال پانچ ماہ بعد وہاں سے ایک اور خط لکھتے ہیں جس میں دوبارہ ہندستان آنے کی اِطّلاع دیتے ہیں:

''مَیں اور میری اہلیہ رہتے امریکہ میں ہیں لیکن دِل ہندستان میں پڑا رہتا ہے۔ اِس لیے آیندہ ستمبر، اکتوبر میں ہندستان آ رہے ہیں۔ اب کی بار براہِ یورپ آئیں گے اور کراچی میں چار دِن کے لیے رہیں گے، جمیل جالبی کے ساتھ پھر ہندستان آئیں گے۔ اب کی بار کم شہروں کا سفر کریں گے۔ بھوپال اکتوبر میں آسکیں گے چار دِن کے لیے۔ بھوپال سے حیدرآباد یا بمبئی جانے کا پروگرام نہیں۔

میں نے ''قاضی عبدالودود: ایک تحقیقی مطالعہ'' نام کی کتاب مکمّل کر لی ہے۔ ہندستان میں عزیز قریشی مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی بھوپال سے اور پاکستان میں انجمن ترقّیِ اُردو شائع کریں گی۔ مَیں نے آج دونوں جگہوں پر مسوّدہ بھیج دیا ہے۔ بھوپال میں تقریباً نصف کی پہلی قسط فروری میں بھیجی تھی، بقیہ آج۔ کراچی میں پورا مسوّدہ آج ہی بھیجا ہے۔ کئی مہینے پہلے جمیل الدّین عالی، معتمد اعزازی انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان یہاں آئے تھے۔ اُنھوں نے ازخود پیش کش کی کہ وہ شائع کریں گے۔ کتاب بہت ضخیم ہو گئی ہے۔ مَیں نے طے کیا تھا کہ قاضی صاحب کی ہر تحریر، ہر مضمون پر کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ میرے ہاتھ کی تحریر سے کتاب میں ۹۴۴ صفحے پڑے ہیں۔ چھپ کر ۱۲۰۰ر صفحوں میں آ جائے تو غنیمت ہے۔ دیکھیے اشاعت میں کتنے سال لگتے ہیں۔ مجھے تو قطعاً کوئی اُمید نہیں کہ یہ میری زندگی میں شائع ہو سکے گی۔ کتاب میں مَیں نے قاضی صاحب کی بہت تحسین اور بہت تنقید کی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنے علم کے باوجود وہ بار بار بالکل سامنے کی بات نہ سمجھ سکتے تھے۔ ''تاریخ جمل'' میں غلطی کرتے تھے، شعروں کے معنی نہ سمجھتے تھے۔ دوسروں پر اعتراض کرتے وقت آدھی حقیقت بیان کرتے تھے اور آدھی کو چھپا لیتے تھے۔ دوسروں کی تحقیق شدہ باتیں لکھتے تھے لیکن کبھی اِن کا اعتراف نہ کرتے تھے۔ ایسی کچھ کوتاہیوں کے باوجود وہ یقیناً اُردو کے سب سے بڑے مُحقّق تھے۔

۱۹۵۱ء میں ڈھاکہ یونی ورسٹی میں اُردو ریڈر کی پوسٹ ہوئی۔ وہاں کے صدرِ شعبہ عندلیب شادانی قاضی صاحب کے جگری دوست تھے۔ درخواست گزاروں میں محترمی مجنوں گورکھ پوری اور شوکت سبزواری بھی تھے۔ ماہرین سلیکشن میں مولوی عبدالحق تھے۔ غالباً قاضی صاحب نے درخواست نہیں دی تھی لیکن عندلیب شادانی نے انھیں منتخب کرنا چاہا۔ مولوی صاحب نے قاضی کی شدید مخالفت کر کے شوکت سبزواری کا انتخاب کرایا۔ اِس کی وجہ سے شوکت اور قاضی دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔ کئی سال بعد اِس کا انتقام لینے کے لیے قاضی صاحب نے عبدالحق بہ حیثیت محقّق کا سلسلہ چلایا۔''

(مکتوب مرقومہ ۲ر مئی ۲۰۰۱ء، خط نمبر۱۰۴، ص ۱۲۱-۱۲۰، 23, Nevada Irvine-CA -92606-1764 U.S.A.)

جین صاحب ہندستان تشریف لا رہے ہیں۔ امریکہ سے خلیق انجم صاحب کے خط کا جواب یوں دیتے ہیں:

''میں جانتا ہوں کہ ہندستان میں مجھے حیدرآباد اور دو ایک دوسرے مقامات پر جلسوں کو خطاب کرنے سے مفر نہیں۔ آپ کی جو تجویز ہے کہ مَیں انجمن کی تقریب میں شرکت کروں، یہ بات اِس لحاظ سے للچاتی ہے کہ اِس بہانے بہت سے لوگوں سے ملاقات ہو جائے گی۔ بغیر اِس کے مَیں صرف معدودے چند ہی کے پاس جا سکتا ہوں لیکن ایک تامّل یہ ہے کہ مَیں نے پچھلے کئی سال سے اُردو کی نئی کتابیں نہیں دیکھیں، بیشتر رسالے نہیں دیکھے۔ حاضرین میں سب اِن سے بہ خوبی واقف ہوں گے یعنی اِس اجلاس میں سب سے کم علم آدمی مَیں ہی ہوں گا۔ دہلی میں ملک گیر شہرت اور اہمیّت کے پروفیسر، رِٹائرڈ پروفیسر، محقّق، نقّاد، شاعر، افسانہ نگار، دوسرے تخلیق کار، رسالوں کے اِڈیٹر، اکادمیوں اور انجمنوں کے عہدے دار اور بہت سے عظما ہیں۔ مَیں کس مُنہ سے اِنھیں اپنے جلسے میں آنے اور مجھ جاہل اجہل کو سُننے کو کہوں۔ مجھے حجاب آتا ہے۔ میرے پاس صرف سال خوردگی ہے، عمر کی بزرگی ہے اور کچھ نہیں۔

پچھلی بار مَیں بہت سے مقامات پر گیا، میری بیوی رام پور میں گرم پانی سے جل گئیں، حیدرآباد میں میرے پانوں میں فریکچر ہو گیا۔ اب صحّت میں کچھ نہ کچھ زوال ہوا ہے، اِس لیے آپ ابھی جلسے کی بات پکی نہ کیجیے، مَیں ختم سفر سے دو تین ہفتے پہلے توثیق کروں گا بہ شرط کہ میرے اعضا صحیح سلامت رہے۔ ۲ر نومبر کو میری دختر و داماد کی شادی کی ۲۵ ویں سالگرہ امریکہ

میں منائی جائے گی، اِس لیے آپ اِسے میرا ہندستان سے وداعی جلسہ کہہ سکتے ہیں۔ بہر حال اگست کے آخر میں آپ سے ملوں گا تو مزید تفصیلات پر بات چیت ہوگی۔ آپ کا ممنون ہوں کہ آپ ایک دکانِ بے رونق کی خریداری پر تلے ہوئے ہیں۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۲۱ر جون ۲۰۰۱، بہ مقام امریکہ، بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم، غیر مطبوعہ، نمبر ۱۰۷)

قریب ایک سال ڈھائی ماہ بعد جین صاحب ابو محمد سحر کو امریکہ سے لکھتے ہیں:

''آپ کا ۱۱ر مئی کا کرم نامہ ملا تھا، شکریہ۔ پہلے اِس خط کے ساتھ دوسرے ملحقات کے بارے میں عرض کروں۔ میری بھتیجی امریکہ سے ہندستان گئی تھی۔ اِس سے کچھ پوسٹ کارڈ منگا لیے ہیں۔ اِن میں کا پہلا پوسٹ کارڈ اِس لفافے میں ہے۔ آپ اِس پڑھ کر سپردِ ڈاک کر دیجیے۔

اُمید ہے کہ ۲۱ر سے ۲۶ر ستمبر کو میں بھوپال میں گزاروں گا۔ قاضی عبدالودود پر کتاب ختم کر کے اب میں نے نئی تصانیف کا سلسلہ منقطع کر دیا ہے۔ اپنی سابقہ تصانیف میں سے 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں'' کو نئے اِڈیشن کے لیے تیار کیا ہے۔ اِس کا دوسرا ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کبھی کا ختم ہو گیا۔ اب خلیق انجم لکھتے ہیں کہ اِس کی دو سو سے زیادہ جلدیں اِن کے پاس رکھی ہیں۔ اگر ۱۴ر سال میں صرف تین سو جلدیں بکیں تو آیندہ کے لیے کیا اُمید۔ مَیں نے نئے اِڈیشن کے لیے مختصر مثنویوں کو نیز تاریخی پس منظر کے باب کو خارج کر دیا ہے۔ اب تک کی معلومات کی بنا پر ترمیم کی ہے۔ اِسے پاکستان میں چھپوانے کی کوشش کروں گا۔ اب مَیں کتاب کو رائلٹی کے بغیر چھپوانے کو تیار رہتا ہوں۔ مثنوی کی کتاب کے آخر میں کتابیات میں کتابوں کے سنہِ طبع اور مقامِ طبع اکثر نہیں دیے ہیں۔ مَیں نے کوشش کی ہے یہ خامی دُور کر دوں گا۔

اِڈیشن کا سنہِ طباعت وہی دینا ہے جو مَیں نے اِس کتاب کے لیے دیکھا تھا۔ وہ حمیدیہ کالج کی لائبریری کا اِڈیشن ہونا چاہیے۔ بھوپال آنے پر ایک دِن حمیدیہ کالج جا کر یہ کام پورا کروں گا لیکن وقت بچانے کے لیے ایک فہرست آپ کو بھیج رہا ہوں۔ کسی اہل آدمی کو دیجیے کہ وہ لائبریری میں دیکھے اور اِن کتابوں میں جو مل سکیں اِن کا سنہ اور مقام طباعت لکھ دے۔ مَیں بیشتر صورتوں میں اِدھر اُدھر سے دیکھ کر یہ معلومات بھر سکتا تھا لیکن مجھے تو اِس اِڈیشن کا حوالہ دینا ہے جو مَیں نے بھوپال میں دیکھا ہے۔ کچھ کتابوں میں دونوں تفصیلات دینی ہیں، کچھ میں محض ایک۔ بہت سی کتابوں میں سنہ اشاعت دیا ہی نہ ہوگا۔ ممکن ہو تو آپ خود لائبریری میں چلے

جایئے اور وہاں کے کسی اُردو کے استاد یعنی اپنے شاگرد کو ساتھ لے لیجیے۔ آپ اِسے بول کر لکھا سکتے ہیں۔ یکم ستمبر کو آفاق امریکہ، کینیڈا، برطانیہ کے سفر کے بعد واپس بھوپال پہنچ جائیں گے۔ ضروری سمجھیں تو یہ کام اُن کے سپرد کر دیجیے۔ مَیں بھوپال سے حیدرآباد جاؤں گا۔

خیال ہے کہ مَیں اور اہلیہ ۲۳؍اگست کو یہاں سے نکلیں گے۔ دہلی دو تین دِن قیام کر کے مظفر نگر، دہرہ دون، لکھنؤ ہو کر بھوپال آئیں گے۔ اب سیوہارہ چھوٹ گیا۔ وہاں سے میری بیوہ بھابھی، بھتیجی اور اس کا خاندان سب امریکہ منتقل ہو گئے ہیں۔ مجھ سے بہت دُور مشرقی ساحل کے قریب، میری ایک اور بھتیجی کے پاس۔ دہرہ دون سے لکھنؤ آتے ہوئے سیوہارے کے اسٹیشن سے گزروں گا لیکن وہاں اُتروں گا نہیں۔

مجھے یہ بالکل نہ معلوم تھا کہ آپ کو ذیابطیس بھی ہے۔ اب تو جس ساتھی کا خط آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم ہے۔

کشن چند اور منوچہ کو میری متوقع آمد سے مُطّلع کر دیجیے۔ یہ سب بہ شرطِ حیات۔ اُمید ہے آپ اور مُتعلّقین بہ خیر ہوں گے۔''

(مکتوب مرقومہ ۱۸؍جولائی ۲۰۰۱، خط نمبر ۱۰۵، ص ۱۲۴-۱۲۲، مقام امریکہ)

ہندستان آنے کے بعد جین صاحب جب دہرہ دون پہنچتے ہیں وہاں سے خلیق انجم صاحب کو لکھتے ہیں:

''مشکور ہوں کہ آپ دہلی میں مجھ جیسے سب سے غیر اہم شخص (Very Un-important Person) سے ملانے کے لیے دہلی کے کچھ اہم اشخاص کو مدعو کر رہے ہیں۔ میں ۲۷؍اکتوبر اور ۲۸؍اکتوبر کی درمیانی شب کو ہندستان سے وداعی پرواز کروں گا۔ آپ اپنا اجتماع ۲۶؍اکتوبر جمعے کے دِن رکھ سکتے ہیں۔ میں ۲۵؍اکتوبر کو کسی وقت دہلی پہنچ جاؤں گا۔ چوں کہ یہ قطعی طے ہے کہ مَیں اب کے بعد پھر کبھی ہندستان نہ آسکوں گا، اِس لیے آپ اپنے اجتماع کا نام ''وداعی ملاقات'' رکھ سکتے ہیں۔

مَیں Kingsway Camp میں راجندر ارون کے یہاں قیام کروں گا۔ اِن کے گھر کا فون نمبر 7240164 ہے۔ نئی سڑک پر ان کی کتابوں کی دکان کا فون نمبر 3263298 ہے۔ اِس سے پہلے مَیں ایک بار اور دہلی سے گزروں گا۔ ۲۵؍ستمبر کو بھوپال سے ہوائی راستے سے جمّوں جانا ہے۔ ۲۵؍ستمبر کو مَیں تقریباً ایک بجے دوپہر دہلی پہنچوں گا اور وہاں سے ۲۶؍ستمبر کو صبح

پونے دس بجے دہلی سے جمّوں کے لیے پرواز کروں گا۔ اِس بار قیام انڈین ایرلائنس کے ڈپٹی جنرل منیجر اشوک گلانی (Ashok Gulani) کے یہاں ہوگا۔ اِن کی بیوی بھی پالم پر منیجر ہیں۔ مَیں سہ پہر تک اِن کے پاس پالم پر رہوں گا۔ شام کو اِن کے ساتھ اِن کے مستقر I.I.T. کے پاس وسندھرا اپارٹ منٹ میں ہوں گا۔ اِن کے Cell Phone کا نمبر 9810508401 ہے اور گھر کے دونوں نمبر 6438590 اور 6415945 ہیں۔ مَیں خود آپ کو فون کروں گا۔ اگر آپ کے گھر کا فون نمبر معلوم ہوتا تو مَیں رات کو فون کر سکتا تھا۔

اجتماع میں آپ دوسرے لوگوں کے علاوہ حمید اللہ بھٹ (اُردو کونسل)، محبوب فاروقی (مدیر 'آجکل')، نارنگ، نثار فاروقی، شمیم حنفی، عنوان چشتی، محمد حسن، کرشن موہن، مجتبیٰ حسین مزاح نگار، کمال احمد صدّیقی، ساقی نارنگ، شاہد ماہلی، شاہد صاحب (کتاب نما) وغیرہ کو بلا سکتے ہیں۔''

(مکتوبِ مرقومہ ۷ر ستمبر ۲۰۰۱ء، بہ مقام دہرہ دون، بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم، خط نمبر ۱۰۸)

جین صاحب امریکہ لوٹ آنے کے بعد نومبر ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر خلیق انجم کو خط لکھتے ہیں جس میں دہلی والوں کی بے رُخی اور بے حسی کا ذکر ہے۔ دہلی والے دولت والے ضرور ہیں مگر دِل والے بہت کم ہیں:

''آپ نے میرے لیے انجمن کی طرف سے ایک تقریب کرنے کا جو پُراصرار تقاضا کر رکھا تھا وہ آپ کی محبّت ہے اور میری دکانِ بے رونق کی خریداری کرنا۔ مَیں نے آپ کو کئی بار لکھا کہ دہلی میں سب اُردو والے بڑے آدمی ہیں، یونی ورسٹیوں کے اساتذہ، رسالوں کے مدیر یا بڑے شاعر، نقّاد وغیرہ۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مَیں اِن سے کہوں کہ میری مزخرفات سُننے کو آئیں۔ آپ نے کہا کہ ایسی بزم بے تکلّف کریں گے جس میں کوئی تقریر نہ ہوگی اور بیٹھ کر بات چیت کریں گے۔ آپ نے میری اور اہلِ دہلی کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ دہلی نے بڑی دانش مندی کا ثبوت دیا اور کوئی بھی جلسے میں نہیں آیا۔ نارنگ میری وجہ سے آئے، اسلم پرویز آپ کے عزیز اور انجمن کے رسالے ''اُردو ادب'' کے مدیر ہیں، ان کے علاوہ کوئی بھی مصروف شخص نہیں آیا۔ نہ معلوم کون کون مجہول لوگ آئے تھے۔ دوسری طرف یہ دیکھیے کہ الٰہ آباد، بھوپال، حیدرآباد، جمّوں، بنگلور، جے پور اور احمد آباد میں میری کیا کیا قدر افزائی ہوئی۔ کتنے سپاس نامے، شال، تحفے دیے گئے، میری بیوی تک کو شال دیے۔ حیدر

آباد، بھوپال، جمّوں، بنگلور اور جے پور کی تقریبات یادگار رہیں گی۔ اہلِ اُردو نے میرے آخری سفرِ ہند پر دل کھول کر وداعی تقریبات کیں۔ لیکن سب سے زیادہ سبق آموز دہلی کی تقریب رہی۔ اُمید ہے آپ صحّت اور ترقّیِ درجات کے ساتھ رہیں گے۔

میں نے ایک شعر کہا ہے:

کس شہر میں رہیں، یہ ہمیں سوجھتا نہیں
کوئی چھدام کو بھی ہمیں پوچھتا نہیں

(مکتوب مرقومہ ۱۹؍نومبر ۲۰۰۱، مقام امریکہ، بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم، خط نمبر ۱۰۹)

پروفیسر گیان چند جین معِ اپنی اہلیہ کے ۷؍جنوری ۱۹۹۸ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اوک لینڈ، چنو ہلز، کیلی فورنیا کے بڑے شہر لاس اینجلس کی لواحی بستی، امریکہ میں منتقل ہو گئے، اپنے بچّوں کے پاس۔ ابومحمد سؔحر صاحب سے اِن کے خطوط کا وقفہ بڑھنے لگا، مثلاً ۳؍اپریل، ۲۰؍جولائی ۱۹۹۸ء، (دو)، ۷؍اگست، ۱۲؍اکتوبر ۱۹۹۹ء (دو)، ۲؍جنوری ۲۰۰۰ (ایک)، ۲؍مئی اور ۱۸؍جولائی ۲۰۰۱ء (دو)۔ ۱۸؍جولائی ۲۰۰۱ء کا جین صاحب کا یہ آخری خط ہے ابومحمد سؔحر صاحب کے نام۔

قریب ایک سال بعد جین صاحب کا ایک خط ابومحمد سؔحر صاحب کی بیگم صاحبہ کے نام کا نظر آتا ہے، جسے ہم تعزیت نامہ کہہ سکتے ہیں۔ دیکھیے جین صاحب کو اِن کے انتقال کی خبر سُن کر کس قدر دُکھ ہوا:

''کل کسی اُردو والے کا فریدآباد ہریانہ سے خط آیا تو اِس میں دِل دہلا دینے والی خبر تھی کہ ''ہماری زبان'' سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ابومحمد سؔحر کا انتقال ہو گیا۔ میرے تو ہوش اُڑ گئے۔ مجھے دُور دُور تک گمان نہ تھا کہ اِن کی طبیعت اتنی خراب ہے۔ اِنھیں دِل کا دورہ پڑا۔ ایک ڈیڑھ مہینہ پہلے آفاق نے مجھے لکھا تھا کہ سؔحر صاحب منوچہ کے جانے کے بعد بہت تنہائی محسوس کرتے ہیں۔ اِن کی طبیعت کی طرف فکر رہتی ہے۔

آپ اتنے بڑے صدمے کو کیوں کر اُٹھا پائیں گی۔ ہمّت کر کے اس سانحے پر صبر کرنے کی کوشش کیجیے۔

ابومحمد بہت اچھے مُحقّق تھے، اِس لیے باوجود گوشہ نشینی کے اُردو دُنیا میں ان کا اتنا نام تھا۔ اِس کے علاوہ وہ ایک نہایت شریف انسان تھے۔

اب ہمارا بھی چل چلاؤ کا عالم ہے۔ مَیں پچھلی بار [۲۱ر تا ۲۶ر ستمبر ۲۰۰۱ء] جب بھوپال گیا تھا تب سے اب تک صحّت بہت گر گئی ہے۔ پارکن سم کی شدّت کی وجہ سے رفتار بہت سُست ہوگئی ہے۔ اِس کے علاوہ دماغ اور ریڑھ کی ہڈی وغیرہ کے تین CatScan ہوئے تو معلوم ہوا کہ میرے دماغ میں ایک Art یعنی گٹھلی ہے۔ دِماغ کا آپریشن کرانا بہت خطرناک ہے۔ Nero Surgeon نے مجھے دیکھنے کے لیے اگست کی تاریخ دی ہے۔ اِس کے بعد فیصلہ ہوگا۔ چوں کہ مَیں اب سفر کے قابل نہیں رہا، اِس لیے ہندستان آنے کا سوال نہیں۔

اُمید کرتا ہوں کہ آپ اِس مصیبت میں نہ صرف خود ہمّت سے کام لیں گی بل کہ بچّوں کو بھی سمجھائیں گی۔

آفاق نے جب ابومحمد سحؔر صاحب کی طبیعت کے بارے میں مجھے لکھا، میں ارادہ کرتا رہا کہ اِنھیں صرف طبیعت کے بارے میں خط لکھوں گا لیکن چٹھی کا لکھنا ٹلتا رہا، افسوس!''

جین صاحب اور ابومحمد سحؔر صاحب کے درمیان خطوط کے طویل وقفے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابومحمد سحؔر صاحب کے ہاتھوں میں رعشہ آ گیا تھا، جس کی وجہ سے اُنھیں قلم پکڑنا اور لکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ (مکتوب مرقومہ ۵ر جون ۲۰۰۲ء، خط نمبر ۱۰۶، ص ۱۲۵-۱۲۴، امریکہ)

~~~~~~~

سفرِ آخرت

پروفیسر گیان چند جین اور اُن کی شریکِ حیات کی زندگی کے آخری ایام نہایت مشکل حالات میں گزرے۔ جین صاحب کا جسم اب اُن کے کنٹرول میں نہیں تھا۔ شریکِ حیات کا ذہنی توازن بگڑ چکا تھا اور یادداشت چلی گئی تھی۔ اِنھیں وہاں کے ایک Valley Care Centre, 660 W Popular Ave, Porter Ville CA 93257, California, USA میں داخل کروا دیا گیا تھا۔ یہاں اُن کا داماد ڈاکٹر تھا۔ دونوں کو الگ الگ کمروں میں رکھّا گیا تھا۔ نومبر ۲۰۰۱ء کے ایک خط میں وہ اپنی بیماری کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

''میری بیماری Parkinson کے گروپ کی ہے، اِس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ اِس بیماری کا نام ہے Multiple System Atrophy، اِس میں بدن میں توازن قائم نہیں رہتا۔ مَیں کمرے میں Walker (واکر) کی مدد سے چلتا ہوں اور گھر کے باہر Wheel
~~~~~~~

Chair سے جسے کوئی اور دھکیلتا ہے۔ اِس کے باوجود بار بار گرتا ہوں۔ پہلے تو روزانہ اوسطاً ٦ بار گرتا تھا۔ اِس بیماری کی وجہ سائنس نہیں جانتی۔ اِس کا علاج بس موت ہے۔ تین سال قبل مَیں نے گرنا شروع کیا۔ داہنے کندھے اور اُوپری بازو میں فریکچر ہو گئے۔ دماغ اور جسم میں اندرونی چوٹیں آئی ہیں۔Blood Clot ہو جاتا ہے۔ کبھی بہ جاتا ہے۔ ہر پانچ گھنٹے میں ایک گولی کھاتا ہوں۔ اِس میں ذرہ دیری ہو جائے تو فالج کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ ایک کمرے کا فاصلہ بھی دوسرے کی مدد سے چلا جاتا ہے۔ پیشاب کے لیے بار بار رات کو اُٹھنا پڑتا ہے، لیکن پانوں، ہاتھ اور جسم بیٹھنے کو تیّار نہیں ہوتا، جس سے بستر ہی میں خارج ہو جاتا ہے۔ دستی تحریر اُلجھ جاتی ہے کہ دوسرے تو دُور خود بھی پڑھ نہیں سکتا، اور کیا تفصیل لکھوں۔ مَیں پڑھ نہیں پاتا ہوں۔''

اِن کے علاوہ باقی بیماریوں کا ذکر تفصیلاً پہلے آ چکا ہے۔ دھیرے دھیرے اِن بیماریوں نے اُنھیں بالکل معذور کر دیا۔ اب اُنھیں دوسروں کے سہارے کی ضرورت تھی۔ اِس کے لیے اُن کے داماد نے نرسوں کا انتظام کر دیا جو اُن کی چوبیسوں گھنٹے دیکھ بھال کرتی تھیں۔

آخر کار علم و ادب کا یہ درخشاں ستارہ وطن سے دُور سات سمندر پار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ۱۹/اگست ۲۰۰۷ء کو غروب ہو گیا۔ اِن کا صحیح آخری وقت سفر کیا تھا اور کِس طرح اِن کی آخری رسومات ادا کی گئیں، اِن سے متعلّق راقم کے پاس کوئی تحریری دستاویز نہیں۔ جین صاحب کے انتقال کے کتنی دیر بعد اُن کی شریکِ حیات کا انتقال ہوا، کوئی جان کاری نہیں۔ سیوہارے، بجنور (یو. پی.) میں اُن کے اہلِ خاندان کا کوئی فرد نہیں، جو تھے وہ بھی امریکہ منتقل ہو گئے تھے۔

●●●

تصویر میں: ڈاکٹر ٹی.آر. رینا، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر ظہور الدین اور جناب ایم.ایل. پروانہ

بہ نام آل احمد سرور

۳۶ مالویہ نگر
بھوپال
۱۸ فروری سنہ ۱۹۶۱

مکرمی

آپ کے پاس اطلاع پہنچ گئی ہوگی کہ ۲۱ فروری کو اجین میں وکرم یونیورسٹی اجین کی ریسرچ کمیٹی کا جلسہ ہے۔ آپ کے علاوہ دوسرے صاحب خواجہ احمد فاروقی آ رہے ہیں براہ کرم تشریف لائیے۔ یہ بھی لکھیے کہ ہمارے کالج میں ۲۰ فروری سوموار کو خطاب کریں گے یا ۲۲ فروری کو۔ اچھا ہو کہ آپ اس کے بارے میں خواجہ سے طے کر لیں۔ اجین جانے کا ایک راستہ اٹلام ہوکر ہے اور دوسرا بھوپال ہوکر۔ جو بھی آپ پسند کریں۔ تاریخ کی منظوری سے مجھے مطلع فرمائیے۔

خادم
گیان چند

خطوط

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

(۱)

پروفیسر کالونی، بھوپال
۱۹؍جولائی ۱۹۵۷ء

محترمی۔ تسلیم

مثنویوں پر کام کے سلسلے میں مَیں نے انڈیا آفس لندن سے 'مثنوی میر اثر' کے ایک اقتباس کا فوٹو حاصل کیا۔ اس اقتباس میں مثنوی 'خواب و خیال' کے جستہ جستہ اشعار ہیں، چند اشعار غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ میری رائے میں ان اوراق کی مناسب جگہ انجمن ترقی اُردو کا کتب خانہ ہے۔ بھوپال سے میرے ایک شاگرد محمد صغیر علی گڑھ میں ایم.اے (اسلامی کلچر) میں داخلہ لینے گئے ہیں، وہ ان اوراق کو انجمن کے کتب خانے میں پیش کریں گے۔ براہِ کرم ان کی رسید سے مطّلع فرمائیے۔ اس اقتباس کے متعلّق میرا ایک مضمون رسالہ 'اُردو' کراچی کے آیندہ شمارے میں شائع ہوگا۔

معلوم ہوا ہے کہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں آپ غالبؔ پر کوئی جامع کتاب لکھ رہے ہیں۔ میں نے گذشتہ سال ایم.اے کے طلبہ کو Special author کے طور پر غالبؔ کو پڑھایا۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ غالبات کے اس انبار میں اب بھی کوئی تشفی بخش تنقیدی کارنامہ نہیں۔ بہترین کتاب 'نقدِ غالب' ہے لیکن یہ متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ مجھے چوں کہ آپ کی نقد نگاری سے عقیدت ہے اس لیے مجھے بڑی مسرت ہے کہ غالبؔ کے بارے میں ایک ایسی تنقیدی کتاب ہوجائے گی جس میں عمقِ نظر کے ساتھ ساتھ توازن برقرار رہے گا۔ کیا آپ سوانحی حصّہ بھی شامل کریں گے؟ آپ ابھی تک محض مقالات لکھتے رہے ہیں۔ آپ کے پایے کے نقّاد سے میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ مستقل موضوعات لے کر ان پر مکمّل تصنیف فرمائیں۔ مضامین نعمت ہیں لیکن مستقل تصنیف نعمتِ عظمیٰ ہوگی۔

ہمارا کالج اس سال سے وکرم یونی ورسٹی اُجین میں شامل ہونے کو ہے۔ شاید ایک ماہ کے اندر ہوجائے گا۔ خاکسار اُردو کے بورڈ آف اسٹڈیز کا صدر متعین ہوا ہے۔ اس کے علاوہ

academic council, senate faculty of artsوغیرہ کا ممبر بھی ہوں۔

میں آپ کو یہ اطّلاع دینا بھول گیا تھا کہ میں نے مارچ کے آخر میں D.Litt کا مقالہ آگرہ یونی ورسٹی میں داخل کر دیا تھا۔ مقالے کا خاکہ تاریخی ترتیب کے مطابق کر دیا ہے جیسا کہ آپ کی ہدایت تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ مقالے کا کیا ہوا۔ تمام ممتحنین نے پاس کیا کہ نہیں اور ان کی رپورٹ موصول ہوئی کہ نہیں۔ یہ خواہش ضرور ہے کہ جو کچھ فیصلہ ہونا ہے جلد ہو جائے تا کہ نومبر میں ہونے والے کنووکیشن میں ڈگری مل جائے (اگر ملنی ہے)۔

میرؔ کی غیر مطبوعہ مثنوی اب کے 'اُردو ادب' میں شائع کر کے ممنوع کیجیے۔

امید ہے مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

نیاز کیش

گیان چند

(۲)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

پروفیسرس کالونی

۶/اپریل ۱۹۵۸ء

محترمی۔ تسلیم

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ کل ہی آگرہ یونی وسٹی سے رپورٹوں کی نقلیں آئیں۔ ڈاکٹر مدنی نے ایک صفحے کی مختصر رپورٹ دی ہے اور بہت معمولی سے اعتراضات کیے ہیں۔ ان اعتراضات کی بنا پر مقالے کو ترمیم کے لیے واپس کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

کلیم الدّین احمد کے بعض اعتراضات سے میں متّفق ہوں اور بعض کو تسلیم نہیں کرتا۔ مقالہ نگار سے وہ تکمیل کے جس نقطۂ منتہا کا مطالبہ کرتے ہیں وہ نا قابلِ حصول ہے۔ ممتحن کی حیثیت سے بھی ان کا وہی شیوہ رہا جو اُردو تنقید پر ایک نظر کے مصنف کا تھا۔ میں اپنا مقالہ آگرہ یونی ورسٹی میں داخل نہیں کروں گا کیوں کہ کلیم الدّین احمد پھر میرے سر پر مسلط رہیں گے اور میں چھے مہینے تک کلیم الدّین اور ظہیر الدّین مدنی کی خوشامد نہیں کرنا چاہتا۔ کلیم الدّین کی رپورٹ دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کی کوئی Thesis ان سے خراجِ قبول پا ہی نہیں سکتی۔ اب تک اُردو کی جو Thesis شائع ہوئی ہیں میں ان میں سے ہر ایک پر کلیم الدین کے انداز میں

اتنے ہی رخنے نکال سکتا ہوں۔ معلوم نہیں نسیم احمد صدیقی کو کیا ہوگیا تھا کہ میرے لیے کلیم الدین کا نام تجویز کیا۔

وکرم یونی ورسٹی میں مَیں اُردو کے بورڈ کا کنوینر ہوں۔ میں وہاں Thesis داخل کروں تو ناواقف حضرات سمجھیں گے کہ میں نے اپنے کرم فرماؤں کو اپنا ممتحن مقرر کرلیا حالاں کہ چوں کہ یہ میرا معاملہ ہوگا وائس چانسلر ممتحنوں کا تعیّن مجھ سے ہرگز نہ کرائے گا۔ ان کے نام مجھ سے اسی قدر پوشیدہ رہیں گے جس قدر آگرہ یونی ورسٹی میں۔ بہرحال اتنا طے ہے کہ اب کلیم الدین میرے ممتحن نہ ہوں گے۔

آگرہ یونی ورسٹی میں ڈی لٹ کے لیے کم از کم چھے ماہ کی ریسرچ کافی ہے۔ اجین نے فی الحال آگرہ کے قواعد کو اپنالیا ہے اس لیے وہاں سے نئی ریسرچ لینے پر چھے ماہ بعد مقالہ داخل کیا جاسکتا ہے۔ میں مقالے میں کافی ترمیمات اور اصلاحات کروں گا مجھے یقین ہے کہ اس بار میرا مقالہ موجودہ صورت سے کہیں بہتر ہوگا۔ اب کی دفعہ میں مقالے کا عنوان یہ رکھوں گا: 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں: ابتدا سے ۱۹۱۴ء تک'۔ اس طرح ایک طرف ارتقا کی بحث ہٹ جائے گی، دوسری طرف اقبالؔ اور ترقّی پسندوں سے نجات مل جائے گی۔ یوں میں ارتقا پیش کرنے کی اور زیادہ کوشش کروں گا۔

ہاں، مثنوی 'تحفۃ المجالس' کے لیے آپ نے لکھا ہے کہ میں نے دو تاریخوں میں سے ایک کو رد نہیں کیا۔ گلزارِ نسیم کے سلسلے میں میں نے اس کی بحث کر کے پہلی تاریخ کو رد کردیا ہے۔ اس کا ایک ہی شعر تو ملتا ہے، اسی کی بنا پر فیصلہ کرنا پڑا۔ گارساں دتاسی نے جو تاریخ لکھی ہے اُس سے ۷۸۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ رپورٹ پر آپ کا نام نہ تھا۔ میں نے قیاساً شناخت کی ہے۔

خادم

گیان چند

(۳)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

پروفیسرس ہاؤسنگ سوسائٹی

ٹی ٹی نگر، بھوپال

۸ر فروری ۱۹۶۰ء

محترمی۔تسلیم نیاز

وکرم یونی ورسٹی اجین میں اُردو ریسرچ ڈگری کمیٹی کا جلسہ ۲۱رفروری کو ہوگا۔اس میں بہ طورِ ماہرِ مضمون آپ،فراقؔ اور مجنوںؔ ہوں گے۔ممکن ہے ضابطے کا خط آپ کے پاس نہیں گیا ہوگا۔ میں بے حد ممنون ہوں گا اگر آپ تشریف لائیں۔ دو روز بھوپال کے لیے رکھیے۔ مجھے کالج والوں کو اور بھوپال والوں کو برسوں سے آپ کو بلانے کی تمنّا اور آپ کا انتظار ہے۔آپ نہ آئیں گے تو مایوسی ہوگی۔مجنوںؔ صاحب کو بھی ساتھ لے لیجیے۔

ریسرچ کمیٹی میں وائس چانسلر dean اور بورڈ آف اسٹڈیز کا صدر اور تین ماہرِ مضمون رہتے ہیں۔آرٹس کے مختلف مضامین کی ریسرچ کمیٹی ایک ہی دن رکھتے ہیں۔اگر جلسہ ۲۱رفروری کی بہ جائے کسی اور دن کیا جائے تو یونی ورسٹی کو تھوڑی سی دقّت ہے۔Dean ہمارے کالج کا پرنسپل ہے۔انھیں دوبارہ اجین جانا پڑے گا اور یونی ورسٹی انھیں دوبارہ T.A دے گی، اس لیے اگر کوئی غیر معمولی امر مانع نہ ہو تو آپ ۲۱رفروری کو تشریف لے آئیں۔اگر بالکل معذوری ہو تو اس کے آس پاس کی کوئی تاریخ لکھ دیجیے اور مجنوںؔ صاحب سے بھی لکھا دیجیے۔ غالبًا تاریخ تبدیل ہو سکے گی۔۲۷ اور ۲۸ فروری کو ہماری Academic Council کا جلسہ ہے۔ ریسرچ کمیٹی کی نشست بہرحال اس سے پہلے ہوجانی چاہیے۔ اس لیے اگر آپ ۲۱رفروری کو تشریف لا سکیں تو کام خاطر خواہ ہو سکیں گے۔

میری بدنصیب Thesis کا کیا ہوا۔آپ نے رپورٹ بھیجی کہ نہیں۔سروری اور احتشام بھی بھیج چکے ہیں اگر آپ نے بھی بھیج دی تو Viva کیوں نہیں ہوتا کیا قباحت ہے سمجھ میں نہیں آتا۔بڑی تشویش ہے۔

اس خط کا جواب جلد عنایت فرمایئے۔اگر تاریخ تبدیل کرنا ناگزیر ہو تو یونی ورسٹی کو فوراً لکھ دیجیے تاکہ فراقؔ صاحب کو بھی اطّلاع دی جا سکے۔

نیازکیش

گیان چند

(۴)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۱۳۲،مالویہ نگر،بھوپال

محترم

کل رات میں نے کاغذات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ Viva کے نمبروں کا جو کاغذ آپ کی تحریر میں تھا اُس پر آپ کے اور میرے دونوں کے دستخط تھے۔ لیکن جو میں نے لکھا تھا اُس پر آپ کے دستخط کرانا بھول گیا۔ بہر حال میں نے آپ کا اور میرا لکھا ہوا پرچہ دونوں جیوں کے تیوں رجسٹرار کو بھیج دیے۔ شاید میرا تحریر کردہ پرچہ اس لیے بے ضابطہ مانا جائے کہ اس پر آپ کے دستخط نہیں۔ tabulator دو ہوتے ہیں میں نمبروں کے دو پرچے بھیج رہا ہوں آپ ان پر دستخط کر کے ودھانی کو ضرور بھیج دیجیے۔

آپ کے قیام کی خوشگوار یادیں عرصے تک دل کو مسرور رکھیں گی۔ آپ کا میزبان ہونا اتّفاقی خوش نصیبی ہے جو اکثر میسر نہیں آتی۔

مئی میں جب آپ تشریف لائیں تو غریب خانہ ہی پر قیام فرمائیں۔ اُس وقت میں اہل وعیال سے فارغ البال ہوں گا، اس لیے عجب قلندری و سرمستی میں وقت گزرے گی۔

خادم

گیان چند

(۵)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۱۳۲، مالویہ نگر، بھوپال

۷رمئی ۱۹۶۰ء

محترم

لکھیے ۲۲رمئی کو آپ بھوپال تشریف لا رہے ہیں کہ نہیں۔ میں اہل وعیال کو یہاں سے روانہ کر کے تنہائی کا لطف لوٹ رہا ہوں۔ کھانا پکانے کے لیے ملازم ہے۔ آپ تشریف لائیں تو دو روز بڑی خوش وقتی سے گزریں۔ اس بار آپ کو ادبی انجمنوں سے محفوظ رکھیں گے۔

میں نے کشمیر کے بارے میں مختلف لوگوں سے تحقیق کی۔ معلوم ہوا کہ یہ جنت نہیں دوزخ ہے۔ سردیوں میں کمروں میں انگیٹھیاں جلانی پڑتی ہیں۔ نلوں میں پانی جم جاتا ہے۔ میرے ایک دور کے عزیز سری نگر میڈیکل کالج میں ریڈر ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ مارچ کے مہینے میں سو روپے سے زیادہ کا ایندھن پھونک دیا۔

یہ سب سن کر میں نے کشمیر کی ریڈری سے توبہ کی۔ ہاں اگر پروفیسر ہونے کو کوئی بھلا اور معقول آدمی تیّار نہ ہو تو میں اس اعزاز سے انکار نہ کروں۔ ملک میں کئی یونی ورسٹیوں میں ریڈر اور لکچرر مجھ سے زیادہ اہل ہیں۔ اگر وہ سب کم حوصلہ یا قانع ہو جائیں تو میں اس منصبِ جلیل کا خواب دیکھوں۔ لکھیے کیا کوئی امید ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا اس جگہ کے لیے گذشتہ سال کون کون امیدوار تھے۔ مجھے تو کوئی امید نہیں اس لیے آپ سے دریافت کر رہا ہوں مبادا درخواست بھیج کر خواہ مخواہ وزیرِ تعلیم کو ناراض بھی کروں اور بے سود بھی رہے۔

احتشام صاحب کو دلّی یونی ورسٹی میں پروفیسر ہو جانا چاہیے۔

آپ کے ایم.اے فائنل اُردو میں رول نمبر ۱۹۱ کون صاحب تھے۔ غیر معمولی ذہین اور Genius طالبِ علم تھا۔ معلوم کیا [جانا] چاہیے۔ لاہور سے سیّد محمود نقوی کا مقالہ 'اُردو کی نثری داستانوں کا تنقیدی مطالعہ' آیا۔ اچھّا خاصا تھا میں نے ڈگری کی سفارش کر دی ہے۔ امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے اور جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

خادم

گیان چند

(۶)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۱۳۲، مالویہ نگر، بھوپال

۶ رجولائی ۱۹۶۰ء

محترم

معلوم نہیں آپ آج کل کشمیر میں ہیں یا علی گڑھ میں۔

آپ کو شاید معلوم ہو چکا ہوگا کہ کشمیر کی پروفیسری کے لیے ڈاکٹر زور امیدوار ہیں، ظاہر ہے کہ ان کو لیا جانا چاہیے۔ یونی ورسٹی کی خوش نصیبی ہے کہ اتنا تجربہ کار پروفیسر مل رہا ہے۔

اپنے تمام بہی خواہوں کی رائے کے ہر ممکن میں سوچتا ہوں کہ یونی ورسٹی کی ریڈرشپ ہی قبول کر لی جائے حالاں کہ مجھے اس میں ہر طرح کا نقصان ہے۔ ابھی مدھیہ پردیش Pay Commission کی رپورٹ آئی ہے جس میں کالج کے پروفیسر کا گریڈ 550-950 ہے لیکن جب میں 750-1000 کی پرنسپلی چھوڑ چکا ہوں تو کالج کی پروفیسری بھی چھوڑی جا سکتی ہے۔

یونی ورسٹی میں ریڈر ہونے سے یہی فائدہ ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ پانچ سال میں جب ڈاکٹر زور ریٹائر ہوں گے مجھے پروفیسری کا موقع مل جائے گا۔اس کے آگے میری اور کوئی تمنا نہیں۔

ریڈرشپ میں مجھے اگر پورے ۸۰۰ روپے دیں تو میں جاسکتا ہوں۔اس سے کم قطعاً قبول نہیں کرسکتا۔ براہِ کرم لکھیے اس سلسلے میں آپ کو کیا معلوم ہے۔کیا ڈاکٹر زور جارہے ہیں۔ ریڈر کا انتخاب کب ہوگا۔ یہاں سے میری درخواست Forword ہوگئی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ میرے مقالے 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کی اشاعت کے بارے میں کیا رہا۔ میں نے نصب پر نظرِ ثانی کر لی ہے بقیہ پر بھی جلد کرلوں گا۔آپ اس کی اشاعت کب تک کرسکیں گے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور لکھیے۔

نیاز کیش

گیان چند

(۷)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۱۳؍جنوری ۱۹۶۱ء

محترم۔تسلیم۔کرم نامہ ملا۔

اُجین میں سوڈریشن کے لیے احتشام صاحب آئے تھے۔ وہاں ان کا ساتھ رہا۔اس کے بعد وہ ایک دن بھوپال قیام فرما رہے اور مجھے میزبانی کا شرف بخشا۔کالج میں تقریر بھی کی۔

آپ کا خط آنے کے ایک دو دن بعد مجھے معلوم ہوا کہ الہٰ آباد کے انتخاب سے آپ بھی متعلق ہیں۔ میں آپ کو embarrass نہیں کرنا چاہتا۔آپ یقیناً احتشام صاحب کو انتخاب کیجیے کیوں کہ تمام امیدواروں میں وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ میں فیصلہ نہیں کرپایا ہوں کہ انٹرویو میں بلایا جاؤں تو جانا چاہیے کہ نہیں۔ غالباً اس لیے چلا جاؤں گا کہ میرے جانے سے احتشام صاحب کے انتخاب پر تو کوئی اثر پڑ نہیں سکتا لیکن مجھے اپنی حیثیت معلوم ہو جائے گی۔ مجھے آیندہ بھی بعض دوسری یونی ورسٹیوں میں قسمت آزمائی کرنا ہے۔ وہاں بھی زیادہ تر یہی امیدوار ہوں گے اور تقریباً یہی ماہرین،اس لیے بقیہ امیدواروں میں مَیں اپنا مقام جاننا چاہتا

ہوں۔ اگر مجھے دوسرا مقام مل جائے تو میں اتنا مطمئن ہوں گا گویا مجھے انتخاب کرلیا گیا۔ آپ اگر مجھے دوسری جگہ دے سکیں تو پھر کوئی گلہ نہیں رہے گا۔ بہر حال یہ بھی کوئی زیادہ اہم نہیں۔ جب منتخب نہ ہونا ہوتو دوسری جگہ ملے یا تیسری یا چوتھی کوئی بڑا فرق نہیں۔ جب انٹرویو کا وقت آئے گا اُس وقت طے کروں گا کہ جاؤں یا نہیں۔

عبدالودود☆ سے میں کہتا تھا کہ سہیل اچھا موضوع نہیں لیکن وہ مصر تھے۔ میرا خیال سہیل کو علی گڑھ والے بہت اچھا کہتے ہیں۔ تابشِ سہیل میں رشید صاحب نے اور غالباً آپ نے بھی ان کی بڑی تعریف کی ہے اس لیے میں رضا مند ہو گیا۔ آپ کے لکھنے پر پھر میرا احساس بیدار ہو گیا کہ امیدوار کو جب دو سال محنت ہی کرنی ہے تو کیوں نہ کسی اچھے موضوع پر کی جائے۔ اس لیے میں اسے موضوع تبدیل کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے سلیم حامد رضوی صاحب کو ڈی.لٹ کا شوق چڑھ آیا ہے۔ انھوں نے موضوع لیا ہے 'ریختی'۔ احتشام صاحب نے اس کا خاکہ بنایا۔ ادھر ایک خاکہ میں نے بنایا۔ دونوں کو سمو کر آخری شکل تیار کی گئی ہے۔ سلیم صاحب نے اپنی درخواست بھیج دی ہے۔ اب ریسرچ ڈگری کمیٹی کی بیٹھک پھر ہوگی۔ ڈی.لٹ کا موضوع بغیر ریسرچ ڈگری کمیٹی کے طے کے منظور نہیں ہوسکتا۔ جنوری کے آخر میں یا فروری کے اوائل میں جلسہ ہونا چاہیے۔ اس دفعہ Academic Council کا مخمصہ بھی نہیں اس لیے تاریخ آپ کے حسبِ منشا رکھی جا سکے گی۔ اس بار آپ کو آنا ہی ہوگا۔ الہ آباد کے انتخاب کے بارے میں آپ سے یہی اصرار کروں گا کہ احتشام صاحب کے بعد مجھے جگہ دیں ان سے پہلے نہیں۔

مثنوی کے مقالے کی نظرِ ثانی کا کام میں نے مکمل کرلیا ہے جب آپ ریسرچ ڈگری کمیٹی کے لیے آئیں گے اُس وقت آپ کے حوالے کر دوں گا۔

امید ہے مزاجِ گرامی مع الخیر ہوگا۔

خادم
گیان چند

☆ عبدالودود:

ڈاکٹر عبدالودود (۱۹۳۹ء-۱۹۸۱ء) ضلع جونپور کے ایک گانو جیگہاں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں وکرم یونی ورسٹی اُجین سے ایم اے اُردو کی ڈگری فرسٹ ڈویژن فرسٹ پوزیشن

سے حاصل کی۔ایم اے کے امتحان کے لیے اقبال سہیل پر مقالہ لکھا۔۱۹۶۴ء میں 'اُردو نثر میں ادبِ لطیف' کے موضوع پر گیان چند جین کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ مکمل کیا۔اس مقالے کا دوسرا اڈیشن ۱۹۸۰ء میں نسیم بک ڈپو، لکھنؤ سے شائع ہوا۔ پہلا اڈیشن اس مکتبے سے ۱۹۶۷ء میں چھپا تھا۔

ملاحظہ ہو: مضامینِ ڈاکٹر عبدالودود، مرتّبہ صفیہ ودود، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء، پیش لفظ از مرتبہ، ص ۹-۱۱۔

(۸)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۸؍فروری ۱۹۶۱ء

محترم

آپ کے پاس اطّلاع پہنچ گئی ہوگی کہ ۲۱؍فروری کو اجین میں وکرم یونی ورسٹی، اجین کی ریسرچ کمیٹی کا جلسہ ہے۔آپ کے علاوہ دوسرے صاحب خواجہ احمد فاروقی آرہے ہیں، براہِ کرم تشریف لائیے۔ یہ بھی لکھیے کہ ہمارے کالج میں ۲۰؍فروری سوموار کو خطاب کریں گے یا ۲۲؍فروری کو۔اچھا ہو کہ آپ اس کے بارے میں خواجہ سے طے کرلیں۔اجین جانے کا ایک راستہ رتلام ہو کر ہے اور دوسرا بھوپال ہو کر۔ جو بھی آپ پسند کریں۔تاریخ کی منظوری سے مجھے مطّلع فرمائیے۔

خادم

گیان چند

(۹)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۲۹؍اگست ۱۹۶۱ء

محترم۔تسلیم

براہِ کرم لکھیے کہ میری کتاب 'اُردو مثنوی' کی اشاعت کب تک ہو سکے گی۔انجمن کے دفتر

سے اشاعت اور معاوضے کے بارے میں باضابطہ اطّلاع پہنچانے کی عنایت کیجیے۔ مقالے کی اشاعت جس قدر جلد کرسکیں اُسی قدر شکر گزار رہوں گا۔

الہٰ آباد کے معاملے میں مجھے بڑی مسرّت ہے کہ انتخاب بالکل مناسب اور موزوں ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احتشام صاحب سے زیادہ اس عہدے کے لیے اور کوئی مستحق نہ تھا۔ ماہرین قابلِ مبارک باد ہیں کہ انھوں نے غیر جانبداری سے فیصلہ کیا۔ اس سارے جائزے میں مجھے آپ کا رویّہ سب سے زیادہ پسند آیا۔ میں Straight Forword شخص کا احترام کرتا ہوں۔ مجھے وہ حضرات پسند نہیں جو خواہ مخواہ سبز باغ دکھائیں، غلط امیدیں بندھائیں، حالاں کہ حقیقت کا انھیں علم ہوتا ہے۔ آپ کے قول و فعل اور ظاہر و باطن میں کوئی تضاد نہ تھا یہ بڑی نعمت ہے۔ یوں مجھے کسی سے قطعاً کوئی گلہ نہیں کیوں کہ ہر بزرگ کو اختیار ہے کہ وہ ایک شخص کو دوسرے پر ترجیح دے۔ ظاہر ہے کہ اپنے بارے میں مَیں صحیح رائے قائم نہیں کرسکتا دوسروں کی رائے زیادہ باصواب ہوگی۔ ہاں تو مقالے کی اشاعت کے ٹائم ٹیبل سے مطّلع کیجیے۔

امید ہے مزاجِ گرامی مع الخیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۱۰)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۱؍دسمبر ۱۹۶۱ء

مخدومی، تسلیم۔

میں نے جب پچھلا خط آپ کی خدمت میں لکھا تھا اُس وقت مجھے معلوم تھا کہ مسلم یونی ورسٹی کی Executive Council کا جلسہ ۱۶؍نومبر کو ہوگا۔ میرا خیال تھا کہ جلسے کے بعد آپ کو فرصت ہوگی بعد میں اخبار سے معلوم ہوا کہ یہ جلسہ ۲۴؍نومبر کو ہوا۔ اس طرح ۲۳؍نومبر کو آپ کے آنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ ریسرچ کمیٹی کا جلسہ ہوا اور کوئی ماہر نہیں آیا۔ پرانی کمیٹی اب ختم ہوگئی ہے نئی بنے گی۔ اب کی دفعہ میں بڑے آدمیوں کو چھوڑ کر چھوٹے آدمیوں کو لوں گا۔ یونی ورسٹیوں کے پروفیسر وکرم یونی ورسٹی کو قابلِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ اسی ہفتے وکرم یونی ورسٹی میں

مختلف انتخابات ہوئے اور میں پھر اُردو بورڈ کا ممبر اور صدر منتخب ہو گیا۔

میں نے آپ کو لکھا تھا کہ میری کتاب کی اشاعت کے بارے میں دفتر سے اطّلاع بھجوانے کی زحمت کیجیے۔ اُدھر ایک خط دفتر کو بھی لکھا تھا۔ دفتر سے جواب آیا ہے: 'کمیٹی کی تجویز پر مسوّدہ مبصّر کے پاس رائے کے لیے بھیجا گیا ہے تاوقتیکہ مسوّدے پر مبصّر کی رائے نہ آجائے، اشاعت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا'۔

مجھے کچھ ریسرچ کرنی پڑی۔ خوش قسمتی سے آپ کے کچھ خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔ ۲رمئی ۱۹۶۱ء کو آپ نے مجھے ایک خط لکھا جس پر دفتر کا نمبر 277/61 of 2-5-61 پڑا ہے۔ اس میں آپ نے لکھا ہے: ''آپ کا مسوّدہ منظور ہو چکا ہے۔ دفتر سے ضابطے کی اطّلاع ملے گی۔

ارستمبر ۱۹۶۱ء کے خط میں آپ رقم طراز ہیں:

''آپ کی کتاب کی کتابت جلد شروع ہو گی۔ معاوضے کے سلسلے میں دفتر سے خط جلد پہنچے گا''۔

دفتر کے بیان میں اور آپ کے بیان میں صریح تضاد ہے۔ براہِ کرم لکھیے کہ ان میں سے صحیح کون سا ہے۔ ظاہراً دفتر کا باضابطہ بیان ہی زیادہ معتبر تسلیم کیا جائے گا۔

میں 'اُردو مثنوی' کے مقالے پر دوبار امتحان دے چکا ہوں اب تیسری بار کوئی مبصّر صاحب اس کا امتحان لے رہے ہیں۔ جس مقالے کو آل احمد سرور، احتشام حسین اور عبدالقادر سروری کے مرتبے کے پروفیسر منظور کر چکے ہوں اُس پر ایک اور مبصر اپنی رائے دے، سمجھ میں نہیں آتا۔ ان اصحاب سے بڑھ کر وہ کون سا مبصر ہے۔

میں اُردو کا بڑا ادیب نہیں لیکن ایسا طفلِ مکتب بھی نہیں کہ میری کتاب کے بارے میں کوئی صاحب یہ غور کریں کہ یہ قابلِ اشاعت ہے یا نہیں۔ انجمن نے اب تک نئے شعرا کے کلام کے مجموعے، کلام کا انتخاب، مضامین کے مجموعے جو شائع کیے ہیں ان کے مقابلے میں ایک تحقیقی مقالہ انجمن سے اشاعت کا یقیناً زیادہ مستحق ہے۔ میرے مقالے کو شائع کرنے کے لیے اُردو کے دو Publishers نے Offer کیا ہے لیکن میں نے انھیں اس بنا پر انکار کر دیا کہ انجمن اشاعت کر رہی ہے۔ مجھے لالچ یہی ہے کہ انجمن سے کچھ اچھا معاوضہ مل جائے گا تاجر ناشرین روپیہ دینے میں بہت بخل کریں گے۔

براہِ کرم صاف صاف لکھیے کہ کیا پوزیشن ہے۔ میں اس کی اشاعت کو اور زیادہ التوا میں

نہیں ڈالنا چاہتا۔ لوگ روز روز مثنویوں پر رسالوں میں مضامین لکھتے رہتے ہیں میری تحریر پرانی ہوتی جارہی ہے۔ کیا آپ ۱۹۶۳ء کے دوران میں اس کی اشاعت کا یقین دلا سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو سب کچھ ہوسکتا ہے۔

اگر آپ کو معلوم ہو تو لکھیے کہ ڈاکٹر مسعود حسن خاں حیدرآباد جانا چاہتے ہیں یا نہیں۔ خیال یہ ہے کہ اب جب کہ کرنل زیدی اور ڈاکٹر یوسف حسین میں مصالحت ہوگئی ہے، مسعود حسن خاں علی گڑھ ہی رہنا پسند کریں۔ یہ میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ انھوں نے حیدرآباد کی پروفیسری کے لیے درخواست دی ہے۔

پٹنہ یونی ورسٹی نے ایم اے کے بعد ڈی لٹ کی ڈگری دینے کی خوب بھرمار کر دی ہے۔ وہاں کوئی پی ایچ ڈی نہیں ہوگا سیدھا ڈی لٹ ہی ہوتا ہے۔ ابھی معلوم ہوا کہ شکیل الرحمٰن اور صدرالدین ڈی لٹ ہو گئے۔ ان سے پہلے فردوس فاطمہ اور اختر اورینوی بھی بغیر پی ایچ ڈی کے ڈی لٹ ہو گئے۔ صدرالدین کا موضوع غالباً شاہ جوہری کی مثنوی 'گوہر جوہری' تھا۔ بہار کے باہر گوہر جوہری پر پی ایچ ڈی بھی نہیں دی جاسکتی۔

اس طویل سمع خراشی کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ جواب سے نوازیے۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خادم
گیان چند

(۱۱)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور
۳۶، مالویہ نگر، بھوپال
۱۵/مارچ ۱۹۶۲ء
محترم۔ تسلیم

آج حیدرآباد سے خبر آئی ہے کہ ۲۷/مارچ کو وہاں میرا انٹرویو ہے۔ آپ نے بھوپال میں ایم. اے کے طلبہ کے انٹرویو کی تاریخ ۲۷/رکھی تھی اب اسے ملتوی کرنا ہوگا۔ آپ ۳۰/مارچ یا اس کے بعد کی کوئی بھی تاریخ معین کر دیجیے۔ اتّفاق سے ہمارے سب طلبہ بھوپال میں ملازمت سے لگے ہوئے ہیں اس لیے قدرے توقف سے ان کا کوئی ہرج نہ ہوگا۔ پہلی اپریل بہت دل چسپ تاریخ رہے گی اگر آپ سنجیدگی سے اس کے لیے راضی ہوں جو بھی

تاریخ آپ متعین کریں اس کے بارے میں ایک خط پرنسپل حمیدیہ کالج کو اور ایک مجھے لکھ دیجیے۔

خادم

گیان چند

براہِ کرم اس خط کا جواب فوراً عنایت کیجیے۔ طلبہ کا آخری پرچہ ۲۳/مارچ کو ہے اس کے بعد انھیں مطّلع کرنا مشکل ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ امتحان کے دوران میں انھیں خبر کردی جائے۔

گیان چند

(۱۲)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۱۴/اگست ۱۹۶۲ء

محترم۔ تسلیم

ایک مدت سے آپ سے نصف ملاقات نہیں ہوئی۔ دو تین باتیں آپ کے گوش گزار کرنا تھیں اسی لیے آپ کا قیمتی وقت لے رہا ہوں۔

۱- میرے مقالے کی اشاعت کا کیا ہوا۔ آپ نے زبانی تو وعدہ کیا تھا لیکن دفتر کا آخری خط تو وہی ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ مقالہ مبصر کے پاس گیا ہے ان کی راے آنے پر اشاعت کے بارے میں فیصلہ لیا جائے گا۔ ادھر میں نے دفتر کو اس سلسلے میں کئی خطوط بھی لکھے لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میرے مقالے کے مسوّدے پر ۱۹۵۹ء کا دیباچہ لکھا ہوا ہے دو سال پہلے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ لوگ مثنویوں پر لکھے جا رہے ہیں اور میرا نام پردۂ خفا میں پڑا ہے۔ ۸/اگست کے 'ہماری زبان' میں نارنگ کی کتاب 'اُردو مثنویاں' پر تبصرہ کرتے ہوئے ضیا احمد صاحب لکھتے ہیں کہ کسی نے اس موضوع پر تحقیقی و تاریخی مواد پیش نہیں کیا۔ انھوں نے پہلی بار اس بحث پر نہایت لیاقت اور دیدہ ریزی ورانہ جامعیت کے ساتھ قلم اٹھایا... اُردو مثنویاں ڈاکٹر صاحب موصوف کا مخصوص موضوع ہے کاش وہ اُردو کی ان مثنویوں پر بھی جو ہندستانی قصّوں سے تعلق نہیں رکھتیں، ایک سیر حاصل بحث سپردِ قلم کر سکیں''۔ نارنگ نے مجھ سے بہت بعد میں کام کیا۔ اس کی کتاب سے میرا مقالہ زیادہ جامع ہے لیکن یہ کتنے آدمیوں

کو معلوم ہے۔ میرا مسوّدہ میرے پاس ہے۔ مسعود حسن رضوی صاحب کی خواہش کے مطابق ترمیم کر لی گئی ہے۔ اب آپ اسے بھی منگائیے اور جلد شائع کیجیے۔ لکھیے کہ یہ کس سال کے پروگرام میں شامل ہے اور اس کی کتابت کب شروع ہوگی۔ انجمن کا دفتر اس سلسلے میں خاموش کیوں ہے۔

۲- آپ نے ابومحمد صاحب کی معرفت کہلایا ہے کہ میں وکرم یونی ورسٹی میں اُردو پروفیسری کے قیام کے لیے کوشش کروں۔ پہلی بات تو میں یہ واضح کر دوں کہ میرا موقف یہ نہیں ہے کہ میں پروفیسر کے لیے ضرور مستحق ہوں۔ اُردو دنیا پر میرا قرض ہے اور مجھے پروفیسر بنائے، وغیرہ۔ نہیں میں جانتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ مستحق آدمی مثلاً ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی ابھی پروفیسر نہیں۔ اس موقعے پر صرف وکرم یونی ورسٹی کی تصریح کرنا چاہتا ہوں۔ وکرم یونی ورسٹی بنیادی طور پر Teaching University نہیں۔ اس نے سائنس کے چند مضامین میں ضرور اپنے شعبے قائم کیے ہیں۔ Arts میں اجین میں صرف Indology یعنی Ancient Indian History + Cultur کا شعبہ قائم کیا ہے کسی اور مضمون کا نہیں، نہ کوئی ارادہ ہے۔ جب انگریزی، ہندی، سنسکرت، پالیٹکس، اکنامکس جیسے مضامین کے شعبے نہیں تو اُردو کا کیا سوال ہے۔ وکرم یونی ورسٹی میں اُردو پروفیسری کی بات ایسی ہی ہے جیسے آپ کہیں کہ آگرہ یونی ورسٹی میں اُردو پروفیسر کے قیام کی کوشش کی جائے۔

۳- سنتے تھے کہ پنجاب یونی ورسٹی چنڈی گڑھ میں جولائی ۱۹۶۲ء سے ایم اے اُردو کھلنے والا ہے۔ پچھلے سال آر ڈی ضیا بھوپال آیا اور مجھ سے ملا۔ کہتا تھا کہ میں نے وائس چانسلر سے کہا ہے کہ ''یہاں ایم اے اُردو نہیں چل سکتا اس لیے ایم اے نہ کھولیے''۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں یہی بات اس نے نارنگ سے کہی۔ رسالہ 'پگڈنڈی' کے آخری شمارے کے اداریے کے مطابق U.G.C نے پنجاب یونی ورسٹی کے لیے اُردو پروفیسری منظور کر رکھی ہے لیکن یونی ورسٹی ایم اے نہیں کھولتی۔ نارنگ کا یہی خیال ہے کہ ضیا ایم اے نہیں کھلنے دیتا۔ چناں چہ اس سال پنجاب سے اُردو کے تین Tutors کی جگہ کا اشتہار ہوا۔ ضیا پنجاب یونی ورسٹی کے اُردو بورڈ کا Convener ہے۔ اگر ایم اے کھلتا ہے تو پروفیسر نہیں تو ریڈر کا تقرر ضرور ہوگا۔ ضیا اُردو بورڈ کے صدر نہیں

رہیں گے اور ان کی تمام دکانداری اور تجارت ٹھپ ہو جائے گی۔ میں ایسے شخص کو نمک حرام قرار دیتا ہوں۔ آپ کسی طرح کوشش کیجیے کہ ایسے شخص کو سبق دیا جائے۔ ایم اے کھلوایئے اور پروفیسر یا کم از کم ریڈری قائم کرایئے۔ وہاں جگہ ہونے کے معنی یہ نہیں کہ وہ جگہ میرے لیے مخصوص ہے۔ جگہ ہونی چاہیے تاکہ اُردو کو تقویت ہو۔ انتخاب کس کا ہوگا یہ بعد کی بات ہے۔

۴- جولائی ۱۹۶۳ء سے اندور، گوالیار، رائے پور میں یونی ورسٹیاں کھل جائیں گی۔ اندور، گولیار میں بی اے میں بھی اُردو نہیں گویا ان یونی ورسٹیوں میں اُردو کا شعبہ ہی نہیں ہوگا۔ یہاں کی انجمن ترقی اُردو سے کہوں گا کہ اس سلسلے میں کچھ کیا جائے۔ ہمارے ڈاکٹر شنکر دیال شرما تو اُردو سے خاصے بیزار معلوم ہوتے ہیں۔ انجمن کا ایک وفد بھیجنے کی کوشش کروں گا۔

۵- جبل پور میں اس سال ایم اے اُردو کھل گیا ہے۔ گورنمنٹ کالج میں ایک شخص امین چند شرما صدرِ شعبہ ہے۔ ہنوز اسسٹنٹ پروفیسر ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اسے اُردو قطعاً آتی ہی نہیں، وہ بی اے کو بھی اُردو نہیں پڑھا سکتا۔ ایسے نااہل سے کس طرح کام چلے گا۔ خبر آئی ہے کہ اس سے بددلی کی وجہ سے طلبہ ایم اے اُردو میں داخلہ نہیں لینا چاہتے۔

۶- میں نے بعض حضرات کو سمجھایا ہے کہ اُردو کے غیر مسلم یا ہندو دوستوں کی ایک آل انڈیا کان فرنس منعقد کی جائے تو اس سے اُردو کو بڑی تقویت ملے۔ اس کان فرنس کے پلیٹ فارم پر ایک مسلمان نہ آئے۔ پسِ پردہ وہ کام کرتے رہیں۔ ہندی والوں کو معلوم تو ہوگا کہ اُردو میں کتنے سارے ہندو ادیب اور معلّم وغیرہ ہیں۔ یہ کان فرنس اُردو کے حق میں جو آواز اٹھائے گی اس میں وزن ہوگا۔ اس کان فرنس کے بارے میں غور کیجیے۔ اُردو کے ہندو دوستوں کی بڑی وقیع تعداد جمع ہو سکتی ہے۔ مقالے کی اشاعت کے بارے میں ضرور مطّلع کیجیے۔ اس سال بھی آپ ہمارے ایم اے کے Viva میں آ رہے ہیں۔

خادم
گیان چند

(۱۳)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۱۳/دسمبر ۱۹۶۲ء

محترم۔ تسلیم

آپ کا ۱۰/دسمبر کا کرم نامہ ملا۔ انجمن کا رکن منتخب ہونے پر میں آپ کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔ آپ نے لکھا ہے کہ میں 'انجمن کا رکن' منتخب ہوا ہوں۔ اس سے بات واضح نہیں ہوئی۔ 'ہماری زبان' سے معلوم ہوا تھا کہ میں مجلسِ عام کا رکن منتخب کیا گیا ہوں۔ براہِ کرم لکھیے کہ اس مجلس کے کل کتنے ممبر ہیں۔ انجمن کا دستور بھی عنایت کیجیے تا کہ مجھے اپنے فرائض کا اندازہ ہو سکے۔

نیاز کیش

گیان چند

(۱۴)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۱۹/فروری ۱۹۶۳ء

محترم آداب عرض

آپ کے ۶/فروری کے کرم نامے کے جواب میں اس لیے دیر ہوئی کہ آپ کے T.A بل کو بھرنے کے لیے علی گڑھ سے بھوپال کا کرایہ اور میلوں میں فاصلہ درکار تھا۔ جولائی ۱۹۶۲ء سے ریل کا کرایہ بڑھ گیا ہے۔ سوچ رہا تھا کہ کسی روز اسٹیشن جا کر پرانا کرایہ معلوم کروں لیکن خوش قسمتی سے میرے پاس Northern Rly کا اپریل ۱۹۶۲ء میں جاری ہونے والے ٹائم ٹیبل مل گیا جس سے تمام جزئیات معلوم ہو گئیں۔ آپ کا T.A بل Rs 132.32 کا بنا ہے اور زبانی امتحان کا بل پچاس روپے کا۔ آج انھیں بھیج رہا ہوں اپنے اور پرنسپل کے سرٹی فکٹ کے ساتھ۔ امتحان کے بل کا قاعدہ ہے کہ ۲۱ دسمبر تک ادائیگی ہوتی ہے۔ اتنے پرانے بلوں کی ادائیگی میں شاید کچھ زحمت

ہواس لیے آپ براہِ کرم پرنسپل پی سی ملہوترہ کو ایک سطر لکھ دیں کہ وہ ان بلوں کی ادائیگی کر دیں۔ ملہوترہ یونی ورسٹی Syndicate کے ممبر ہیں۔ اگر آپ انھیں نہ لکھنا چاہیں تو اس سے بھی بہتر صورت یہ ہے کہ وائس چانسلر G. L. Datta کو ایک D.O لکھ دیجیے۔ فوراً کام ہو جائے گا۔

آپ کے پاس یونی ورسٹی سے اطّلاع آئی ہوگی کہ آپ کو Viva کرنا ہے۔ پرنسپل کو یہاں سے آپ کے پاس استفسار بھیجنا چاہیے اب آپ وقت بچانے کی خاطر خود ہی پرنسپل کو کوئی تاریخ لکھ بھیجیے۔ لڑکوں کے تحریری پرچے ۲۹؍ مارچ تک ہیں۔ ۲۹؍ مارچ کے بعد آپ جو تاریخ پسند کریں متعین کر دیجیے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ پرنسپل کو تاریخ کے بارے میں جو خط لکھیں، چاہیں تو اسی میں بلوں کا ذکر کر دیجیے۔

میری مثنوی کی کتاب کا کام شروع ہو جائے تو ممنون ہوں گا۔

آفاق N.C.C کی ٹریننگ میں گئے ہیں، ۳۱؍ مارچ تک واپس ہوں گے اس لیے اگر آپ پہلی اپریل یا اس کے بعد کی تاریخ لکھیں تو بہتر ہے تا کہ ان سے بھی ملاقات ہو سکے۔

نیاز کیش

گیان چند

علی گڑھ تاریخِ اُردو کی جلد اوّل تحفتاً کیوں نہیں عنایت کرتے۔ بعد کی جلدوں میں تو میں نے کافی لکھا ہے۔ پورا سیٹ ہی ملنا چاہیے۔

گیان چند

(۱۵)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۱۰؍ مئی ۱۹۶۳ء

محترم۔ تسلیم

میں انجمن کے جلسے میں شرکت کے لیے ۲۲؍ مئی کی صبح علی گڑھ حاضر ہوں گا۔ براہِ کرم میرے قیام کا انتظام آپ ہی کیجیے۔

نیاز مند

گیان چند

(۱۶)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور
۳۶، مالویہ نگر، بھوپال
۱۹؍جون ۱۹۶۳ء
محترم۔ تسلیم

میں رام پور اور الٰہ آباد یونی ورسٹی کے کتب خانوں میں کچھ روز گزار کر ۱۵؍جون کو بھوپال واپس آیا۔ تقریباً ۱۵ دن پہلے میں نے رسم الخط میں اصلاح کے متعلق اپنی تجاویز حیات اللہ انصاری صاحب کو بھیج دیں لیکن وہ اپنا Working Paper اس سے پہلے ہی تیار کر کے روانہ کر چکے تھے۔ اس بار میں نے تجاویز میں صوتیات پر کم توجہ کی ہے زیادہ تر کوشش ٹائپ کے نقطۂ نظر سے حرفوں کی شکلیں کم کرنے اور کرسی کم کرنے پر کی ہے۔

میرا مقالہ 'اُردو مثنوی' اگر ابھی مسعود حسن رضوی صاحب نے پاس نہ کیا ہو تو جلد بھجوائیے تاکہ کسی طرح کتابت کی منزل تک رسائی ہو جائے۔

جے پور میں اس سال ایم اے اُردو نہیں کھلا۔ اگر کھلے اور ریڈر کا تقرر ہو تو ریڈر صدرِ شعبہ کی حیثیت سے میں بھی جانا چاہوں گا بشرطیکہ تنخواہ اچھی خاصی دے دی جائے۔ یہ میں نے اس لیے لکھ دیا ہے کہ آپ کے ذہن نشیں رہے۔ اچھی یونی ورسٹیوں میں جو لوگ ریڈر ہیں وہ کیوں چھوڑ کر راجستھان کے ریگزاروں میں جانے لگے۔

مجلسِ عام کے ممبر کی حیثیت سے میں انجمن کی کچھ مطبوعات منتخب کر کے علی گڑھ چھوڑ آیا تھا۔ براہِ کرم انھیں بذریعۂ پارسل بھجوا دیجیے۔ ممنون ہوں گا۔

امید ہے مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

نیازکیش
گیان چند

(۱۷)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور
۳۶، مالویہ نگر، بھوپال
۳؍ستمبر ۱۹۶۳ء

محترم ۔تسلیم

میں لکھنؤ گیا تھا۔ وہاں مسعود حسن رضوی صاحب کے پاس بھی جانا ہوا۔ انھیں شکایت تھی کہ ان کی مجوزہ ترمیمات (میرے مقالے میں) کی نقل انجمن نے نہیں بھیجی نہ چٹھی کا جواب دیا۔ میں ان ترمیمات کا خلاصہ ان کے پاس بھیج چکا تھا۔ اس کے علاوہ بالمشافہ میں نے ان کو مطمئن کیا کہ آپ نے جو کچھ سجھاؤ دیے تھے ان سب پر عمل درآمد کر دیا ہے۔ اس پر انھیں اطمینان ہو گیا۔ مجھے اس مقالے میں مزید کچھ ترمیمیں کرنی تھیں اس لیے میں مقالہ ان سے لے آیا۔ اصلاح کے بعد آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

محترم، اس کتاب پر مارچ ۱۹۶۰ء میں ڈگری ملی۔ غالباً جولائی ۱۹۶۰ء میں پہلی بار انجمن کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ اس کے بعد تین بار اصلاح کے لیے واپس منگا چکا ہوں۔ اب اس سے زِچ آ گیا ہوں۔ اس موضوع سے نفرت ہونے لگی ہے۔ للہٰذا اسے جلد چھاپ دیجیے۔ روز روز رسالوں اور کتابوں میں کسی نہ کسی مثنوی کے بارے میں کچھ نکل جاتا ہے میں کہاں تک ترمیم کرتا رہوں۔ تین سال سے زیادہ ہو گئے ہیں اب تو آپ کی روایت کی تکمیل بھی ہو گئی۔ سنا ہے انجمن کو جو کتاب شائع کرنے کو دی جاتی ہے وہ تین سال کے لیے برف خانے (Cold Storage) میں دب جاتی ہے۔

اس کے معاوضے کے بارے میں نجی طور پر مجھے لکھیے۔ میں نے 'اُردو کی نثری داستانیں' انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان سے شائع کرائی تھی۔ اس پر انھوں نے پیشگی دو روپیہ صفحہ دیا۔ یہ ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ میری پہلی کوشش تھی میں نے قبول کر لیا۔ دو تین سال پہلے اس کتاب کا پہلا اڈیشن ختم ہوا۔ میں نے گذشتہ اکتوبر میں اس پر نظرِ ثانی کا کام شروع کیا۔ نظرِ ثانی کیا ہے از سرِ نو نئی ترتیب سے لکھ رہا ہوں۔ کام تقریباً پورا ہو چکا ہے۔ میں نے ۱۹/جون کو انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان کو لکھا کہ میں نے کتاب کی نظرِ ثانی پر نئی تصنیف کے برابر محنت کی ہے۔ مزید معاوضے کے بغیر میں نئی تشکیل آپ کو نہ دوں گا۔ اس کے علاوہ میں نے انھیں یہ بھی لکھا کہ میں لسانیات کے مضامین کا ایک مجموعہ شائع کرانا چاہتا ہوں۔ ۱۹/جون ۱۹۶۳ء کو میں نے انھیں خط لکھا تھا۔ ۲۶/جون کو انھوں نے جواب تحریر کر دیا کہ 'نثری داستانیں' اور 'لسانیاتی مضامین' دونوں کو شائع کرنے کو تیار ہیں فوراً مسوّدہ بھیج دیا جائے۔ ۱۵ فی صدی رائلٹی دی جائے گی۔

دیکھیے کتنی تیزی سے کام ہوا ہے۔ نہ کسی کمیٹی کے سامنے کتاب رکھی گئی نہ کسی مبصر کا چکّر ہے۔ آپ کے یہاں مبصر کی تجویز کردہ ترمیمیں کرنے کے بعد بھی مقالہ بھیجا گیا تو مقالہ نگار پر اعتماد نہیں۔ پھر مقالہ مبصر کے پاس بھیجا گیا۔ یہ تو سرکاری دفتروں کا red-tape ہے۔ جھنجھلاہٹ ہوتی ہے۔ مسعود صاحب دو ماہ سے مقالہ دبائے بیٹھے ہیں۔ انجمن سے ان کی تجویزوں کی نقل نہیں بھیجی جاتی اس لیے مسعود صاحب بھی خاموش ہیں۔ مئی میں ادبی کمیٹی ہوئی۔ اگست کے آخر تک دو مہینے محض اس ضابطے کی کارروائی میں ضائع ہو گئے کہ مبصر یہ دیکھ لے کہ میں نے ان کی تجویز کی ہوئی ترمیمیں واقعی کر دی ہیں کہ نہیں۔ آخر مصنف پر کچھ تو بھروسا کیجیے۔ اس کا امتحان تو نہیں ہو رہا۔

یہ میں ہی جانتا ہوں کہ میں نے اس مقالے کو پہلی بار ۱۹۵۶ء میں مکمل کیا تھا اور اس کے کچھ عرصے بعد آگرہ یونی ورسٹی میں داخل کیا تھا جہاں سے یہ revision کے لیے واپس ہو گیا۔ اس طرح دراصل اس کام کی تکمیل کو سات سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔

کسی صاحب نے مجھے بتایا کہ تیس روپیہ صفحہ میں بھی دوامی حقوق دینا خسارے کا سودا ہے کیوں کہ ۱۵ فی صدی رائلٹی میں ایک اڈیشن کا تقریباً سوا دو روپیہ صفحہ مل جاتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ انجمن یہ بھی کرتی ہے کہ ۱۵ فی صدی رائلٹی کی نصف رقم مسودہ ملنے پر اور نصف اشاعت کے فوراً بعد دے دیتی ہے۔ لکھنؤ میں نورالحسن ہاشمی سے ملاقات ہوئی۔ وہ کئی بار مجھ سے کہہ چکے تھے کہ اگر مقالہ مجھے دے دو تو میں فوراً شائع کر دوں۔ انجمن کے چکّر میں برسوں چھپنے کی نوبت نہ آئے گی۔ ابھی دو ہفتہ پہلے لکھنؤ میں ملاقات ہوئی تو انھوں نے پوچھا کہ مقالہ چھپا؟ میں نے کہا مبصر کے پاس ہے۔ کہنے لگے میں اسے چھپوا دیتا اور ۱۵ فی صدی رائلٹی پوری کی پوری پیشگی دلوا دیتا۔ میں نے کہا انجمن سے شائع ہونے میں کچھ اور بات ہے۔

اب آپ مجھ پر ہمیشہ جو بے پایاں عنایت کرتے رہتے ہیں اس کے پیشِ نظر آپ سے دو درخواستیں ہیں: ۱- مقالے کی کتابت جلد شروع کرائیے۔ ۲- میں ایک اڈیشن کی ۱۵ فی صدی رائٹی پر قانع ہوں بشرطیکہ آپ وہ رقم مجھے جلد دلا دیں۔

اپریل میں آپ یہاں Viva کے لیے آئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے ایک دفعہ غالباً T.A بل وغیرہ بھیجا تھا۔ پھر آپ کے پاس سے کوئی کرم نامہ نہ آیا۔ میں نے آپ کو لکھا بھی تھا۔ میں ۱۸؍اگست کو گورکھپور یونی ورسٹی میں اُردو لکچر کے سلیکشن کے لیے گیا۔ دوسرے ماہر

اختر اور ینوی تھے لیکن وہ علالت کے بعد نہ آ سکے۔ یو پی میں ایک گورنمنٹ آرڈر نے تہلکہ مچا رکھا ہے۔ سلام سندیلوی اور دوسرے کئی امیدوار اس کے مطابق مسترد ہو جاتے تھے۔ مجبوراً یہ فیصلہ کیا کہ اس جگہ کا دوبارہ اشتہار دیا جائے۔ محمد حسن کو آپ نے اپنی بزم سے جانے دیا۔ اس خط میں مَیں نے جو شکوے کیے ہیں اُن پر بُرا نہ مانیے وہ دفتری یا تجارتی سطح پر نہیں، ذاتی تعلّقات کی بنا پر لڑا ہوں۔ کتاب کو جلد شائع کرا کر اب تک جو تعویق ہوئی ہے اس کی تلافی کر دیجیے۔ امید ہے آپ کا مزاج بہت اچھا ہوگا۔

خادم

گیان چند

جولائی ۱۹۶۲ء میں شہر یار صاحب نے علی گڑھ میگزین کے لیے ایک مضمون 'اُردو نثر کے فروغ میں داستانوں کا حصہ' مجھ سے منگایا تھا۔ آج تک معلوم نہ ہوا کہ وہ شائع ہوا کہ نہیں۔ اگر شائع ہو گیا ہو تو میگزین کا ایک شمارہ حقِ مصنّف کے طور پر بھجوا دیجیے۔

گیان چند

(۱۸)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۱۹/ اکتوبر ۱۹۶۳ء

مخدومی سرور صاحب، تسلیم

آپ کے ۶/ ستمبر کے کرم نامے کا جواب اتنی تاخیر سے دے رہا ہوں۔ اس معاملے میں آپ کی تقلید اچھی نہیں لیکن اس بار تو کر ہی گیا ہوں۔ آیندہ احتیاط کروں گا۔

امید ہے کہ میرے مقالے کی کتابت شروع ہو گئی ہوگی۔ میں نے آپ کے خط کے بعد مسعود حسن رضوی صاحب کو لکھا کہ اپنی رائے جلد بھیج دیں۔ انھوں نے فوراً روانہ کر دی جو انجمن میں پہنچ چکی ہوگی۔ اب تو ضابطے کے سارے مراحل طے ہو گئے۔

پاکستان کی انجمن کے لیے میں نے لسانیاتی مضامین اور نثری داستانیں دونوں پر نظرِ ثانی کا کام کر لیا ہے۔ ان کے مسوّدے صاف کر کے نقل کرنے ہیں۔ لسانیاتی مضامین کا مسوّدہ اگلے مہینے بھیج دوں گا۔ 'نثری داستانیں' کی نقل میں کئی مہینے لگیں گے۔ مسوّدہ وہاں پہنچ جائے

تب دیکھیں گے کہ وہ اشاعت میں کتنا وقت لیتے ہیں۔

یہ آپ نے کیا لکھا کہ انجمن کی سکریٹری شپ سے علاحدہ ہو جاؤں۔ جب تک انجمن علی گڑھ میں ہے آپ ہرگز علاحدہ نہ ہوئیے جب دلّی چلی جائے گی تو آپ چھوڑ سکتے ہیں لیکن ہندستان میں کسی قدر قحط الرجال ہے۔ مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو انجمن کو آپ سے بہتر تو درکنار آپ جیسا ہی چلا سکے۔

میرے یہاں دسہرہ یوالی کی چھٹیاں ۲۴ دن کی ہیں۔ اس بار اس دوران میں بچّوں سمیت جنوبی ہند کی سیاحت پر جاؤں گا۔ میسور اور اُٹا کمنڈ تک جانے کا ارادہ ہے۔ مدراس اور حیدرآباد بھی دیکھے جائیں گے۔ اگر سکت باقی رہی تو پونا بمبئی ہوتا ہوا واپس آؤں گا۔

علی گڑھ تاریخِ ادب پر رشید حسن خاں کا تبصرہ دیکھا۔ اس میں کچھ سچ ہے کچھ زیادتی ہے۔ میں نے انھیں لکھ دیا ہے کہ آپ نے سرورؔ اور مجنوںؔ صاحب کا جس طرح ذکر کیا ہے اس سے زیادہ نرم انداز میں کرنا چاہیے تھا۔ اس کے علاوہ میں نے انھیں یہ بھی لکھا:

> ''تاریخ کے ڈائرکٹر کی جگہ مسلم یونی ورسٹی کے پروفیسر اُردو کو اپنے عہدے کی بدولت (Ex-officio) ملتی ہے۔ پہلے رشید صاحب ڈائرکٹر تھے، اب سرورؔ صاحب ہیں۔ اس لیے ان کے تقرر پر بحث بے موقع ہے۔ ہاں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے انتخاب پر دو رائیں ہو سکتی ہیں۔ بعض بعض جگہ آپ سے کچھ زیادتی ہوئی ہے۔ مثلاً متن میں 'برہاالدین جانم' چھپا تھا، 'برہان الدین جانم' نہیں۔ غلط نامے میں اس کی تصحیح کی گئی۔ تصحیح 'برہاالدین' کی کرنی تھی یہ دوسری بات ہے کہ ایک غلطی کی اصلاح میں ایک صحیح لفظ غلط ہو گیا یعنی جانم کا حانم چھپ گیا لیکن یہ یقینی ہے کہ یہ پریس کی فروگذاشت ہے''۔

میں نے انھیں ایک پوسٹ کارڈ پر یہ چند باتیں ہی لکھ دی ہیں۔ بقیہ جلدوں میں نظرِ ثانی کرتے وقت تاریخوں پر خاص طور سے نظر ڈال لیجیے۔ کچھ دنوں بعد میں بھی اپنے لکھے ہوئے اوراق منگا کر ان کی تاریخوں کو ایک بار پھر Check کرلوں گا تا کہ میری تحریر سے رشید حسن خاں کو نکتہ چینی کا مزید مسالہ نہ مل سکے۔

پروفیسر حبیب نے سماجی پس منظر جس نقطۂ نظر سے لکھا ہے میں اسے پسند کرتا ہوں۔

رشید حسن خاں شاید مسلمان بادشاہوں پر کوئی اعتراض سننا نہیں چاہتے۔

میں نے ڈگری کالج کی پرنسپلی سے انکار کیا تھا اور امن سے بیٹھا کام کرتا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ اگلی ترقی پوسٹ گریجویٹ کالج کی پرنسپلی کے لیے تقرر مستقل عہدے کی Seniority کی بنا پر ہوگا۔ میرے انکار کرنے کے بعد کوئی پندرہ آدمی پرنسپل بنا دیے گئے ہیں وہ موجودہ عارضی اسامی کے اعتبار سے مجھ سے سینئر ہیں لیکن مستقل اسامی پر میں Senior ہوں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کچھ عرصے بعد میرا پوسٹ گریجویٹ پرنسپلی کا نمبر آئے گا اور مجھ سے اس سلسلے میں دریافت کیا جائے گا۔ پوسٹ گریجویٹ پرنسپل کا گریڈ ۱۱۰۰ تا ۱۲۰۰ ہے۔ ۱۹۶۴ء یا ۱۹۶۵ء میں میرا نمبر آجائے گا۔ اس سے مجھے بڑی تشویش ہوگئی ہے۔ میں پرنسپل ہوکر ہرگز نہیں جانا چاہتا۔ وہاں روپیہ کا فائدہ ہے لیکن میری علمی اور تصنیفی زندگی بالکل ختم ہوجائے گی۔ اُردو چھوڑ دینی ہوگی جس کے لیے میں تیار نہیں۔ لیکن ۱۱۰۰ تا ۱۲۰۰ کا گریڈ اتنا زیادہ ہے کہ شاید اسے ٹھکرانے کا ایثار میں بھی نہ کرسکوں۔ میرے لیے یہی راستہ رہ گیا ہے کہ یہ دُبدھا آنے سے پہلے ہی کسی یونی ورسٹی میں نکل جاؤں۔ معلوم ہوتا ہے پروفیسری کا راستہ ریڈرشپ کی بٹیا (جادۂ تنگ) ہی سے ہوکر ہے۔ میں ریڈر ہوکر جانے کو تیار ہوں لیکن کسی دور دراز مقام پر نہیں بل کہ محض ہندستانی بولنے والے علاقوں میں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس صورت میں مجھے میری موجودہ تنخواہ سے زیادہ تنخواہ ملنی چاہیے۔ دلّی میں میرے لیے کوئی مناسب مقام نہیں۔ اگر کوئی موزوں جگہ آپ کے سامنے آئے تو مجھے مطّلع کرنے کی عنایت کیجیے۔ خدا کرے کہ میں پرنسپلی کے 'بداعتدالیں کے گلزار' سے محفوظ رہ جاؤں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خادم

گیان چند

(۱۹)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۲۴؍نومبر ۱۹۶۳ء

میرے محترم سرور صاحب، تسلیم۔

آپ کے پچھلے خط کا جواب بھی دیر سے گیا اور ۲۳ر اکتوبر کے کرم نامے کا جواب بھی تقریباً ایک ماہ میں دے رہا ہوں۔ میں ۲۴ر اکتوبر کو بھوپال سے چل دیا تھا۔ ۱۲ر نومبر کو واپس آیا۔ میسور میں ڈاکٹر حبیب النساء کے اصرار پر انھیں کے یہاں قیام کیا۔ انھوں نے کمالِ خلوص سے بڑی تواضع کی۔ حیدرآباد میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اور نصیرالدین ہاشمی سے ملاقات ہوئی۔ مدراس میں یوسف کوکن صاحب صدر اُردو فارسی نے رہبری کی۔ تمام سفر میں اُردو والوں کی وجہ سے بڑی سہولت رہی۔ شمال و دکن، ہندو مسلمان کا کوئی فرق ہی نہ تھا۔ ایک اُردو کی برادری ہے جس میں واقف ناواقف ہر شخص ہر ایک کی مدد کو کمربستہ ملا۔ اس طویل سفر میں سب لوگ ٹھیک رہے صرف میں ہی بودا ثابت ہوا اور اٹاکمنڈ اور حیدرآباد میں ایک ایک دن کے لیے بخار اور زکام کھانسی میں مبتلا ہوا۔ بھوپال واپس آنے پر پھر بخار اور کھانسی نے گھیر لیا۔ دو بار ڈاکٹر کو گھر پر بلانا پڑا۔ اب افاقہ ہے۔ آج خطوں کے جواب لکھ رہا ہوں۔ امید ہے اس روئداد کو پڑھ کر آپ خط کے جواب میں غیر معمولی دیر پر مجھے معاف کریں گے۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ آپ نے ڈھیل ڈھلا اور ٹال مٹول کی عادت ترک کر دی ہے۔ پرچہ آپ نے اگلے دن ہی بنا کر بھیج دیا یہ واقعی ایک انقلابی تبدیلی ہے۔ میرے پاس آپ کے یہاں کا خالص لسانیات کا پرچہ آیا۔ ۲۵ تاریخ کو پہنچنا چاہیے۔ میری میز پر مہر بند تیار رکھا ہے۔ کل غالباً تمام دفتروں کے ساتھ ڈاک خانے کی بھی چھٹی ہو جائے گی۔ اب ۲۶ر نومبر کو بھیجوں گا۔

میں پرنسپلی ہرگز نہ قبول کروں گا۔ میں اس سے جتنا بھاگ رہا ہوں یہ اتنا ہی مجھے چمٹی جا رہی ہے لیکن میں اس سے دامن چھڑاتا ہی رہوں گا۔

رشید حسن خاں کے تبصرے پر مزید کیا لکھوں۔ انھوں نے مضمون نگاروں کا نام نہ لکھا لیکن صفحے کا نمبر لکھ کر ان سب کی طرف اشارہ تو کر دیا۔ میں نے تو تبصرے کے تراشے میں سب مضمون نگاروں کے نام مناسب جگہ پر لکھے ہیں۔ شاید ہی کوئی بچا ہو۔ اس طرح ان کی ذمہ داری آپ پر نہیں آتی۔ ان کے تبصرے کے پیچھے کسی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ نثار احمد فاروقی تو بہرحال ان کے ساتھ ہیں ہی۔ اگر آپ کا خیال ہو کہ خواجہ احمد نے لکھایا ہے تو آپ غلط سمجھے، خواجہ سے ان لوگوں کے تعلقات اچھے نہیں۔ میں ستمبر میں دلّی گیا تھا تو رشید حسن اور نثار احمد

سے بھی ملاقات ہوئی۔ رشید حسن خاں نے کہا کہ انھوں نے علی گڑھ تاریخ پر تبصرہ لکھا ہے جس کا تراشہ وہ مجھے بھیجیں گے۔ کسی دوسرے کا ہاتھ نہیں معلوم ہوتا۔ ہاں یہ محمد حسن تو اس کارِ خیر میں شامل نہیں؟ ویسے یہ لوگ یعنی رشید حسن اور نثار احمد فاروقی محمد حسن کے بھی مداح نہیں۔ رشید حسن خاں چھوٹے پیمانے پر قاضی عبدالودود ہوتے جارہے ہیں۔ تخریبی تحقیق اور تنقید اچھی بات نہیں۔ ویسے کبھی کبھی بڑے آدمیوں کی فاحش غلطیاں واضح کردی جائیں تو کوئی ہرج نہیں۔

مشکور ہوں کہ میرے مقالے کی کتابت ہو رہی ہے۔ انجمن کی ادبی کمیٹی کی جو رپورٹ آئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ نورالحسن صاحب کو حیاتِ سرسیّد کے معاوضے کے طور پر چار روپیہ فی صفحہ دیا گیا۔ آپ مجھے تین روپے میں ٹال رہے تھے۔ بہرحال اب تو ۱۵ فی صدی رائلٹی ہی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ آپ مجھے اس کا نصف تو بھیج دیجیے۔ اس سال صرفہ غیر معمولی ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی طرح میرے پاس تو روپے کا ٹھہرنا مشکل ہوگیا ہے۔ اُردو پڑھ کر یہ پھل ملا۔

آپ کو انجمن کی سربراہی میں محض پنجۂ خار ہی نہیں دستۂ گل بھی ملے ہیں۔ یوں ہمارے ملک میں رواج ہے کہ جو کوئی کچھ کرتا ہے اس پر اعتراض ہمیشہ ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجموعی طور پر آپ کے نکتہ چینوں سے آپ کے مدّاحوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ ابھی میں میسور گیا، وہاں حبیب النساء بیگم کے داماد رشید علی لکچرر اُردو کہنے لگے کہ کچھ عرصہ پہلے سرور صاحب یہاں آئے تھے سب لوگ ان سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کی اہلیت کے سب قائل ہوگئے۔

بھوپال کے بارے میں مَیں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ کالج میں اور کالج کے باہر شہر میں ایک شخص بھی آپ کا مخالف یا نکتہ چیں نہیں۔ یہاں بھی سب لوگ آپ کو دل سے مانتے ہیں۔ آپ کے بدبیں تو آپ کے قرب و جوار میں آپ کے سایے ہی میں ہیں دور نہیں۔

بھوپال کا T.A بل براہِ راست وکرم یونی ورسٹی کو بھیج دیجیے، اس میں میری ضرورت نہیں۔ آپ کی یہ بے نیازی صرفہ مالی کی افراط کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے۔

میں یقیناً آپ کو گاہ گاہ لکھتا رہوں گا۔ اس میں میرے لیے اعزاز ہے، فائدہ ہے۔

امید ہے مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

خادم
گیان چند

(۲۰)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
۳۶، مالویہ نگر، بھوپال
۶ر فروری ۱۹۶۴ء
محترم۔ تسلیم

ایک زمانے سے آپ کا عنایت نامہ نہیں آیا۔ اس سے پیشتر بھی میرے ایک یا دو خط جواب طلب ہیں۔

لکھیے کہ 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کی کتابت اور طباعت کا کام چل رہا ہے کہ نہیں۔ کب تک چھپ جانے کی امید ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آخر میں ایک اشاریہ تیار کر کے شامل کر دوں۔ یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب پوری کتاب ایک جلد میں شائع ہو، دو جلدوں میں نہیں۔ میرے خیال میں ایک جلد میں بآسانی سما سکتی ہے۔

میں نے آپ سے کتاب کی ۱۵ فی صدی رائلٹی مانگی تھی جو آپ نے منظور کر لی تھی۔ آپ نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ نصف معاوضہ مسوّدہ ملنے پر عنایت کر دیں گے۔ براہِ کرم بھجوا دیجیے۔ گذشتہ سال میں یعنی ۱۹۶۳ء میں آمد سے بہت زیادہ صرفہ آیا ہے۔ اس سال چادر کے مطابق پاؤں پھیلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ معلوم نہیں کامیابی کہاں تک ہوگی۔

علی گڑھ تاریخ کی تین جلدوں کے لیے میں نے جو اوراق لکھے تھے براہِ کرم انھیں بھی بھیج دیجیے۔ ان میں ایک جگہ خفیف سی اصلاح کرنی ہے لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ میں تمام سنین بالخصوص ہجری و عیسوی سنین کے تطابق پر ایک بار پھر نظر ڈال لینا چاہتا ہوں تا کہ رشید حسن خاں کو میرے مضمون پر گرفت کرنے کا موقع نہ ملے۔ چاہتا ہوں کہ میرے مضمون میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے جس کی وجہ سے تاریخ پر انگشت نمائی ہو۔ مزید احتیاط کی خاطر ان اوراق کے بیانات کو ایک بار پھر Check کرلوں گا۔

آپ کے یہاں سے ایم اے اُردو لسانیات کا Morphology and System کا پرچہ بنانے کو آیا تھا۔ میں نے بڑی محنت سے بنا کر بھیجا ہے۔ معلوم نہیں Modulators کو پسند آیا کہ نہیں۔ کیا آپ کے یہاں ابھی تک لسانیات کے چار پرچے ہیں۔ میں نے ایک بار عرض کیا تھا کہ اُردو کے طلبہ کو اتنی ساری لسانیات پڑھانا بے کار ہے یا محض اُردو کے ایم اے

ہوں یا محض لسانیات کے ایم اے۔ مخلوط کورس میں نہ وہ اُردو کے ماہر ہو پاتے ہیں نہ لسانیات کے۔ بہتر یہ ہوگا کہ لسانیات کے دو پرچے ایم اے میں کر دیے جائیں جن میں سے ایک ہر ایک کے لیے لازمی ہوگا اور دوسرا کسی اور پرچے کے عوض اختیاری۔ دو سے زیادہ پرچے لسانیات کو دینے سے ادب کے مطالعے میں کمی آتی ہے۔ لسانیات کے چاروں پرچے غفار شکیل ہی پڑھاتے ہیں یا کوئی اور صاحب بھی ان کے مددگار ہیں۔

براہِ کرم جواب سے نوازیے

خادم
گیان چند

(۲۱)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۱۰/اپریل ۱۹۶۴ء

محترم۔ تسلیم

میں انجمن کی مجلسِ عام میں شرکت کے لیے ۱۹/اپریل کی صبح حاضر ہوں گا اور ۲۰/اپریل کو علی الصباح آگرے کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ میرے قیام کا انتظام آپ ہی کے ذمّے رہے گا۔ شکریہ

نیاز کیش
گیان چند

(۲۲)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۴/جولائی ۱۹۶۴ء

محترم۔ تسلیم

ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے مجھے آپ کے شعبے کی لسانیات کی ریڈرشپ کے بارے میں کچھ لکھا تھا اور آپ سے بھی کچھ کہا تھا۔ اب اس جگہ کا اشتہار ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اس

جگہ کے لیے درخواست نہیں دینا چاہیے۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کہتے تھے کہ علی گڑھ میں لسانیات کا شعبہ الگ کرنا چاہتے ہیں جس میں انگریزی زبان میں تعلیم دی جائے گی اور جلد ہی ریڈرشپ کو پروفیسر شپ میں تبدیل کر دیا جائے گا، یعنی شعبۂ اُردو کی ریڈرشپ لسانیات جلد ہی شعبۂ اُردو سے ترکِ موالات کرنے والی ہے۔ میرا پسندیدہ محبوب اُردو ہے لسانیات سے صرف تاک جھانک کی حد تک تعلق ہے۔ میں محض لسانیات کا ہو کر نہیں رہ جانا چاہتا۔ اُردو کا معلّم ہو کر میں اپنی درسی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہو جاتا ہوں لیکن لسانیات میں محض ایک خام مدرّس ہوں گا۔ ایم اے اُردو کو ایک یا زیادہ سے زیادہ دو پرچے لسانیات کے پڑھا سکتا ہوں لیکن خالص لسانیات کا معلّم ہونے کا نہ میں اہل ہوں نہ اس جانب میرا میلان ہے۔ اشتہار میں لکھا ہے کہ امیدوار لسانیات میں ایم اے ہو اور اُردو ایم اے کو پڑھا سکتا ہو۔ ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو لسانیات کا ایم اے ہو اور اُردو کے ذریعے سے پڑھا سکے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس ملک میں لسانیات کے جو اساتذہ ہیں اُن میں مشکل سے ایک دو لسانیات کے ایم اے ہوں گے، بقیہ سب ادب میں ایم اے اور کسی لسانیاتی موضوع میں پی ایچ ڈی ہوتے ہیں۔

چوتھے منصوبے میں بھوپال میں یونی ورسٹی بنے گی۔ کوشش یہ ہے کہ یہ مرکزی یونی ورسٹی ہو۔ اگر میں بھوپال کی سرکاری نوکری پر قائم رہتا ہوں تو بھوپال یونی ورسٹی میں مجھے Deputation پر کر دیا جائے گا اور میری طویل سرکاری ملازمت کام آ جائے گی ضائع نہیں جائے گی۔

میں نے ڈگری کالج کی پرنسپلی چھوڑی لیکن میری Seniority برقرار رہی۔ میری طرف پرنسپلی چھوڑنے والے دو حضرات کو اس سال گوالیار اور اندور کے پوسٹ گریجویٹ کالجوں کا پرنسپل مقرر کیا گیا ہے۔ اگلے سال تک میرا بھی نمبر آ جائے گا۔ پھر میرے سامنے وہی دوراہا آئے گا کہ 1100-1200 کے گریڈ میں پوسٹ گریجویٹ کالج کا پرنسپل بنوں یا کوئی سوا نو سو روپے پر بھوپال میں اُردو کے نام پر قربانی کرتا رہوں۔ فی الحال میرا ارادہ پوسٹ گریجویٹ کالج کی پرنسپلی کو بھی ٹھکرا دینے کا ہے۔

۱۶؍جولائی سے میری تنخواہ ۹ سو روپے ہوگی کسی جگہ کی ریڈرشپ میں اس سے بڑھا کر کوئی کیا تنخواہ دے گا۔ دوسری طرف یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ بھوپال یونی ورسٹی بننے میں ابھی

معلوم نہیں کتنے سال لگیں۔ کون جانے اس میں شعبۂ اُردو شروع ہی سے ہوگا یا چند سال بعد۔

علی گڑھ میں مجھے دو فائدے تھے۔ آپ جیسے صدرِ شعبۂ اُردو کے ساتھ کام کرنا میرے لیے بڑی طمانیت کی بات تھی۔ دوسرے یہ کہ علی گڑھ میرے وطن سیوہارے سے نہایت نزدیک ہے لیکن میں اُردو چھوڑ کر لسانیات میں کیسے چلا جاؤں۔

مندرجہ بالا سطور پر کچھ لکھ کر رہنمائی کیجیے۔

پورے دو سال ہوئے علی گڑھ میگزین کے لیے مجھ سے ایک مضمون لیا گیا تھا، وہ کمبخت کبھی شائع ہوگا کہ نہیں (کمبخت کی صفت مضمون کے لیے استعمال کی گئی ہے)۔ شائع ہو چکا ہو تو ایک نقل مجھے بھی دیجیے۔

میں چھٹیوں میں اپنے صرفے سے اہل وعیال کے ساتھ کشمیر اور ڈلہوزی گیا۔ کشمیر میں تقریباً ۱۸ دن رہا۔ سروری صاحب نے وہاں مجھے اُردو کی سلیکشن کمیٹی میں رکھ دیا۔ دوسرے ماہر ڈاکٹر عابد حسین تھے۔ میرا تقرر آپ کی جگہ پر ہوا تھا۔ آپ نے مئی میں آنے سے انکار کر دیا تھا۔ ریڈرشپ کے لیے ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کو انتخاب کر لیا اور لکچرر کی جگہ پر انھیں حضرات کو جو وہاں کام کر رہے ہیں۔

میری کتاب غالباً برسات میں شائع ہو جائے گی۔ انجمن ترقیِ اُردو پاکستان میں میرے دو مسوّدے پڑے ہیں۔ لسانی مطالعے، نثری داستانیں کا دوسرا اڈیشن۔ وہاں کی ایک رسم مجھے بڑی پسند ہے۔ خواہ کتنے بھی خط لکھیے کوئی جواب ہی نہیں دیتا۔ معلوم نہیں کب تک شائع کریں گے۔ مسوّدوں کی رسید تک نہیں۔ خط کا جواب ضرور دیجیے۔

خادم
گیان چند

(۲۳)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور
۳۶، مالویہ نگر، بھوپال
۱۰/اگست ۱۹۶۴ء

محترم۔ تسلیم

میں نے ۲/اگست کو دلّی میں انجمن ترقیِ اُردو کے جلسے میں شرکت کی۔ T.A لینا بھول

گیا۔ براہِ کرم منی آرڈر یا چیک سے رقم روانہ کر دیجیے۔

میری کتاب 'اُردو مثنویاں' کے آخر میں ایک اشاریہ شامل کیا جا سکے تو بہتر ہوگا۔ آپ چھپی ہوئی کاپیاں میرے پاس بھیج دیں تو میں اشاریہ تیار کر سکتا ہوں۔

نیازمند

گیان چند

(۲۴)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۷؍اپریل ۱۹۶۵ء

محترم۔ تسلیم

میں کل رات لکھنؤ اور گورکھپور کے سفر سے واپس آیا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ آپ کے پاس سے کوئی اطلاع نہ ابھی کالج میں آئی ہے نہ میرے پاس۔ گورکھپور اور لکھنؤ والے بھی میری طرح آپ کے انتظار میں چشم براہ ہیں۔

گزارش ہے کہ جلد تاریخ سے مطّلع کرنے کی زحمت کیجیے۔ یہاں سے بعض پرائیویٹ طلبہ کو بھی اطّلاع دینی ہے۔ یہ لوگ دور دراز کے مقامات کے رہنے والے ہیں، اس لیے آپ کافی آگے کی تاریخ مقرر کیجیے یعنی ایسی کہ ہمارے پاس خبر آنے کے بعد کم از کم تین دن کی گنجایش رہے کہ ہم تار سے انھیں اطّلاع کر سکیں۔ اندور یونی ورسٹی سے بھی ایک لڑکا آئے گا وہاں بھی خبر کرنی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ۱۴؍اپریل کے بعد کوئی تاریخ رکھی جائے۔ ۱۰؍اپریل سے ۱۴؍تک مختلف چھٹیوں کا سلسلہ ہے۔ ویسے ہم چھٹیوں میں بھی امتحان کر سکتے ہیں، کوئی تقیّہ نہیں۔ اب آپ کالج کی بہ جائے مجھی کو گھر کے پتے پر اطّلاع دے دیں۔ تار سے خبر دیں تو دُبدھا جلدی دور ہو جائے۔

ممکن ہے اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی آپ کی جانب سے کوئی اطّلاع مل جائے۔ واپسی میں رزرویشن کے لیے بھی لکھیے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم گیان چند

(۲۵)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
۳۶، مالویہ نگر، بھوپال
۲۹/اپریل ۱۹۶۵ء
محترم۔ تسلیم

یہ جان کر بہت زیادہ افسوس ہوا کہ نالائق طلبہ نے اپنے اساتذہ کو ضرب پہنچائیں۔ معلوم ہوا ہے کہ آپ کو بھی سخت چوٹ آئی ہے۔ ایسے طلبہ کو یونی ورسٹی سے نکال کر جیل میں ڈال دینا چاہیے۔ طلبہ درس گاہ کے اربابِ حل وعقد کے خلاف مظاہرے تو ماضی میں بھی کرتے رہے ہیں لیکن اساتذہ کو زدوکوب کرنے کا یہ پہلا واقعہ ہے۔ اس خبر سے ہمارے کالج کے اساتذہ میں سخت غم وغصّے کی کیفیت ہے۔

میں توقع اور خواہش کرتا ہوں کہ آپ جلد شفایاب ہو جائیں۔

وکرم یونی ورسٹی سے ٹی اے بل فارم آ گیا۔ آپ اس پر تین جگہ دستخط کر کے رجسٹرار وکرم یونی ورسٹی کو بھیج دیجیے، میں نے تمام اندراجات مکمل کر دیے ہیں۔

آپ اپنی طبیعت کے بارے میں فرداً فرداً تو بہی خواہوں کو لکھ نہیں سکتے۔ کیا اچھا ہو کہ آپ کے مزاج کے بارے میں 'ہماری زبان' میں خبر شائع کر دی جائے۔ مجھے اور میرے شعبے کے دوسرے ساتھیوں کو آپ کے بارے میں تشویش ہے۔

میں نے دلّی آنے کے لیے ٹکٹ خرید لیا تھا لیکن ابھی تک رزرویشن نہ ملا تھا۔ کل صبح ٹکٹ واپس کر دیا۔

خادم
گیان چند

(۲۶)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
۳۶، مالویہ نگر، بھوپال
۳۰/مئی ۱۹۶۵ء
محترم۔ تسلیم

شکریہ کہ آپ نے ان کچھ پر اداریہ لکھا اور یوں کھل کر۔ یہ نہ سمجھیے کہ میں نے اس کی درخواست اپنی جذباتی آسودگی کے لیے کی تھی، نہیں۔ آج کل فضا یہ ہے کہ ایسے معاملوں میں ہندو اور ہندی والا کچھ نہ کہے تو کوئی توجہ نہیں دیتا لیکن مسلمان اور اُردو والے سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ضرور موافقت میں بولے گا۔ 'ہماری زبان' علمی و ادبی پرچہ ہے، ضروری نہ تھا کہ وہ ہر سیاسی واقعے پر رائے دے لیکن آپ نے دیکھا کہ امرت لال ناگر نے پاکستان کے پیدا کیے ہوئے سنکٹ میں اُردو والوں کو پانچویں کالم والا کہنے کی کوشش کی ہے۔ راجیہ سبھا کے آخری دنوں میں اٹل بہاری باجپئی نے الزام لگایا تھا کہ 'حال میں دلّی میں منعقدہ اُردو کنونشن میں (۱) پاکستانی جارحیت کے خلاف ریزولوشن کی مخالفت کی گئی (۲) پاکستان کا ڈپٹی ہائی کمشنر کنونشن میں شریک تھا'۔ جواب میں کرنل بشیر حسین زیدی نے تو صراحت کردی کہ پاکستان کے خلاف قرارداد بالکل اتفاقِ رائے سے منظور ہوئی تھی۔ پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر کے اُردو کنونشن میں پاکستان کے نائب سفیر کو بلایا تھا تو یہ بڑی tactical غلطی تھی۔ آپ نے 'ہماری زبان' میں اداریہ لکھا تو کیوں نہ اسے انگریزی اخباروں میں شائع کرکے ان کی ہمدردی حاصل کی جائے۔ میں اس اداریے کا انگریزی ترجمہ روانہ کررہا ہوں، آپ دفتر میں اس کی پانچ نقلیں نکلوا کر P.T.I و ہندستان ٹائمس، ٹائمس آف انڈیا، اسٹیٹسمین اور انڈین ایکسپریس کو بھیج دیں تو بڑا اچھا ہوگا۔

میں انجمن کے جلسے میں شریک نہ ہوسکا، معذرت چاہتا ہوں۔ خود حاضر ہوکر آپ کی عیادت کرنا چاہیے تھی لیکن کچھ ایسی نجی مجبوری ہوئی کہ نہ آسکا۔ ہوا یہ کہ جب ۲رمئی کو انجمن کا جلسہ دلّی میں ہونے والا تھا تو آپ کے بھوپال سے جانے کے بعد میں نے طے کیا کہ جلسے میں شریک ہوکر اہل وعیال کے ساتھ وطن چلا جاؤں گا۔ مئی جون میں گاڑیوں میں بڑی بھیڑ ہوتی ہے۔ میں نے سوچا کہ انجمن مجھے ڈھائی فرسٹ کلاس تو دے گی ہی کچھ رقم اپنے پاس سے ڈال کر ساڑھے تین فرسٹ کلاس کے ٹکٹ دلّی کے لیے لے لیے اور رزرویشن کے لیے Message کروادیا۔ جلسہ ملتوی ہونے پر میں نے یہ ٹکٹ واپس کردیے کیوں کہ اپنی جیب سے ۱۹۲ر روپے دے کر سفر کرنا میرے لیے مشکل تھا۔ اب ۲۱رمئی کے لیے اپنی بیوی بچّوں کو ان کے میکے بھیجنے کا انتظام کردیا تھا۔ وہ پروگرام بدل نہ سکتا تھا اس لیے میں اُدھر نہ جاسکا۔ اب ۱۰رجون سے ۳۰رجون تک یوپی میں گزاروں گا۔ آپ کے آگرے کے ٹکٹ کی رقم ۴۲ر روپے میں نے

اپریل کے آخر میں آفاق کو دے دی تھی۔ آپ یہ رقم انھیں نہ بھیجیں۔

وکرم یونی ورسٹی کے ہر مضمون کے نتیجے دھڑا دھڑ آ رہے ہیں لیکن باقی ہے تو ایم اے فائنل اُردو جو آپ کی شہیدِ ناز ہے۔ خدارا جلدی کیجیے۔

میری ایک brain wave تھی انجمن ترقی اُردو مدھیہ پردیش کی جانب سے وزیرِ اعلا وغیرہ کو ایک یادداشت دینا۔ میں نے اسے انگریزی، اُردو اور ہندی میں لکھ کر دیا۔ آفاق نے ٹائپ وغیرہ کرایا اور لوگوں سے ملے۔ یہ یادداشت ڈاک سے پچ مڑھی بھیج دی گئی ہے نیز اخباروں کو دے دی گئی۔ بھوپال کے دونوں انگریزی روزناموں نے اسے بڑی تفصیل سے دیا۔ آج ہت واد میں اس کی حمایت میں چھوٹا اداریہ بھی آیا۔ ہندستان ٹائمس میں بھی اس کا خلاصہ چھپا ہے لیکن انجمن مدھیہ پردیش کے بھائی لوگ ہیں کہ وفد لے جانے میں ڈھیل کر رہے ہیں۔ وفد پچ مڑھی جا کر وزیرِ اعلا، وزیرِ تعلیم اور گورنر سے ملے گا تب معلوم ہوگا کہ کچھ حاصل ہوا کہ نہیں۔

ابو محمد نے برسات میں اپنا مقالہ نسیم بک ڈپو کو چھپنے دیا، وہ چھپ کر آ گیا ہے۔ میری میز پر اس کی ایک کاپی ہے۔ ایک میں ہوں کہ ۱۹۶۰ء سے انتظار میں ہوں، ذرا دفتر میں تقاضا کر دیجیے۔

علی گڑھ کے فساد میں سب سے زیادہ افسوس اس بات پر ہوا کہ طلبہ نے اساتذہ کو پیٹا۔ خاص طور سے جو لوگ جدید اور ترقی پسند خیالات کے حامی تھے وہی نشانہ بنائے گئے۔ اتنی دور بیٹھ کر جو کچھ مجھے اندازہ ہوتا ہے وہ یہ کہ رجسٹرار اور پرو وائس چانسلر جھگڑے کی جڑ تھے۔ رجسٹرار تو نکل گئے لیکن پرو وائس چانسلر جو بِس کی گانٹھ ہیں، یہ جاتے جاتے رہ گئے۔

اُردو کے معاملے میں مَیں نے قلمی جہاد شروع کر دیا ہے۔ حال میں تین طویل مضمون لکھ کر بھیجے ہیں۔ ایک ۱۱ صفحوں کا مضمون 'اُردو اور ہندی' کے عنوان سے لکھ کر 'نیا دور' کو بھیجا، کل ان کے پاس سے بڑی معذرت کے ساتھ واپس آ گیا کہ وہ متنازعہ امور پر کچھ شائع نہیں کرنا چاہتے۔ اب اسے میں نے 'صبا' حیدرآباد کو بھیج دیا ہے۔ چھپ جائے تو آپ اسے ضرور دیکھیے۔ دوسرا ۱۴ صفحوں کا مضمون 'زبان کا مسئلہ' 'شاعر' بمبئی کو بھیجا ہے۔ تیسرا مضمون 'مشترک رسم الخط' امتیاز علی عرشی یادگار کتاب کے لیے مالک رام کو بھیجا ہے۔ اس مضمون میں ثابت کیا ہے کہ دیوناگری رسم الخط سائنٹفک نہیں۔ اگر کبھی محدود اغراض کے لیے ہندستانی زبانوں کو مشترک رسم الخط لینا پڑے تو وہ اصلاح شدہ رومن ہونا چاہیے، ناگری نہیں۔

خط بڑا طویل ہو گیا۔ آپ کی مصروف زندگی میں اگر اس قسم کے دفتر کے دفتر خطوط آنے

لگیں تو ابھی تو جواب دینا ہی مشکل تھا پھر تو سب کا پڑھنا بھی ایک مسئلہ بن جائے گا۔ امید ہے اب آپ کی چوٹیں ٹھیک ہوگئی ہوں گی۔ کوئی ایک مہینہ ہونے کو آیا۔ 'ہماری زبان' کے اداریے کو انگریزی اخباروں میں دینے کے بارے میں غور کیجیے۔ اس سے اُردو کی ناموری ہو جائے گی۔ آپ نے امرت لال ناگر کے خلاف اداریہ بہت زوردار لکھا۔ یہاں سب لوگوں کا کہنا تھا کہ پہلی بار سرور صاحب نے سختی سے کام لیا ہے۔ ناگر جی اسے پڑھ کر سر دُھن رہے ہوں گے۔ آپ کے اُردو کے گرما اسکول کا کیا ہوا۔ اگر جولائی میں ہو رہا ہو تو براہِ کرم مطّلع کیجیے تا کہ میں پروگرام بنا سکوں۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم
گیان چند

(۲۷)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
۳۶، مالویہ نگر، بھوپال
۱۰ر جولائی ۱۹۶۵ء

محترم۔ تسلیم

ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی نے مجھے لکھا تھا کہ میں جمّوں میں اُردو پروفیسر کی جگہ کے لیے درخواست بھیج دوں۔ اب کی بار انھوں نے لکھا ہے کہ علی گڑھ میں آپ نے بھی اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ مجھے وہاں درخواست بھیجنی چاہیے۔ اس جگہ کا اشتہار مئی کے آخر میں ہوا تھا۔ میرا کوئی ارادہ نہ تھا کہ ایک بار خود کو پھر آزمائش میں مبتلا کروں چناں چہ میں نے ڈاکٹر خورشید الاسلام کو خط لکھا کہ میں جمّوں درخواست نہیں دے رہا ہوں آپ درخواست بھیج دیجیے۔ ان کا آج تک کوئی جواب نہیں آیا۔ ۹ر جون کو سروری صاحب نے مجھے اصرار سے لکھا کہ میں عرضی گزران دوں چناں چہ میں نے عرضی بھیج دی۔

میں جاننا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر خورشید الاسلام نے درخواست دی ہے کہ نہیں۔ ممکن ہے کہ ڈاکٹر عابد حسین اور آپ وہاں ماہر ہوں۔ میں آپ دونوں حضرات کو اس الجھن میں نہیں ڈالنا چاہتا کہ خورشید الاسلام اور مجھ میں انتخاب کریں اس لیے میرا قطعی فیصلہ ہے کہ اگر خورشید الاسلام صاحب نے درخواست دی ہے اور آپ یا عابد صاحب ماہر کے طور پر جا رہے ہیں تو

میں انٹرویو میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے ماہرین سے کسی قسم کی کوئی درخواست نہیں کرنا ہے نہ انتخاب کے بعد کسی قسم کا شکوہ شکایت کروں گا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ خواہ مخواہ انٹرویو میں جانے کی زحمت اور پریشانی سے محفوظ رہوں۔ معلوم نہیں کیوں خورشید الاسلام صاحب نے تو مجھے جواب دیا نہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ درخواست گزار ہیں یا نہیں۔ آپ اگر مجھے اس کی اطلاع دے سکیں تو بہت کرم ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ اپنی مصروفیات کے باوجود آپ اس استفسار کا جواب عنایت کر سکیں گے۔ خورشید صاحب کو بھی بتا دیجیے کہ میں نے جموں درخواست بھیج دی ہے۔

نہ معلوم 'اُردو مثنوی' کی طباعت کس منزل میں ہے۔ 'ہماری زبان' کے ایک تبصرے سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر عقیل کی کتاب 'شمالی ہند میں اُردو مثنوی کا ارتقا' شائع ہو گئی۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں مَیں نے آپ کو ایک عریضہ لکھا تھا۔ امید ہے مل گیا ہوگا۔

نیاز کیش

گیان چند

(۲۸)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۲۹ راگست ۱۹۶۵ء

محترم۔ تسلیم

جموں کے معاملے میں مَیں عجب شش و پنج میں ہوں۔ براہِ کرم مجھے مشورہ دیجیے۔ وہاں کے تقرر کی تاریخ یہ ہے:

۱۰ راگست کو مجھے تقرر کے احکام ملے جن میں یہ نہیں لکھا تھا کہ مجھے کب تک چارج لینا ہے۔ ۲۲ راگست کو رجسٹرار کشمیر یونی ورسٹی سری نگر کا تار موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ غیر متوقع حالات کی وجہ سے جموں میں شعبۂ اُردو کھولنا ملتوی کر دیا گیا ہے۔ چند روز بعد رجسٹرار کا خط ملا جس میں لکھا تھا کہ غیر معمولی حالات کی وجہ سے کسی لڑکے نے ایم اے پریویس اُردو میں داخلہ نہیں لیا جس کی وجہ سے شعبے کا کھولنا ایک سال کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے۔ اس سال کے دوران میں زمین ہموار کر کے آیندہ سال شعبہ خوش اسلوبی سے شروع کریں گے۔

جوائنٹ رجسٹرار جموں کی چٹھی آئی کہ ابھی تک کوئی داخلہ نہیں ہوا۔ پوچھنے تو کئی طلبہ

آئے۔ جوائنٹ رجسٹرار نے ٹائپ شدہ خط کے آخر میں اپنے ہاتھ سے یہ اضافہ کیا کہ اب ایک لڑکے کا داخلہ ہو گیا ہے۔

مجھے بہت پریشانی ہوئی طیش آیا لیکن میں صبر کر کے بیٹھ گیا کہ ان حالات میں جموّں نہ جانے میں بھی کوئی بہتری ہو سکتی ہے۔ حالاں کہ میں نے جانے کے سب انتظامات مکمّل کر لیے تھے۔

آج رات رجسٹرار کے پاس سے سری نگر سے تار آیا ہے کہ ہم نے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کی ہے۔ آپ کا تقرر بحال ہے، آپ فوراً آ کر Join کر لیجیے۔

اب میں بڑی پریشانی میں ہوں۔ پہلے تو میں ہر چہ باداباد کے مصداق ۳۱راگست کو یہاں سے جانے والا تھا۔ اب قدرے تامّل ہو رہا ہے۔ میری بیوی اور سارے پڑوسیوں کی رائے ہے کہ ان حالات میں جموّں نہ جانا چاہیے۔ حالات میں اصلاح کی یا امن اور مصالحت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اگر بات بڑھتی ہے اور جنگِ مغلوبہ ہوتی ہے تو جموّں غیر محفوظ ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ہے کہ آپ نے مجھ پر اعتماد کر کے مجھے منتخب کیا اب آپ کو کیوں کر دغا دوں۔

لکھیے اور دوٹوک مشورہ دیجیے کہ کیا مجھے جموّں جانا چاہیے یا امن کے اپنے موجودہ عہدے ہی پر قناعت کرنی چاہیے۔ اگر میں جموّں نہیں جاتا تو آیندہ مجھے کب تک کوئی اور موقع مل سکتا ہے؟

آپ کی ہدایت کا منتظر ہوں۔ آپ کی مصروفیت کا مجھے اندازہ ہے۔ مسلم یونی ورسٹی بھی کھل گئی ہے، اس کے باوجود براہِ کرم وقت نکال کر جلد از جلد جواب دیجیے۔

لکھیے میرے سوا پروفیسری کی اسامی پر اور کون کون امیدوار تھے۔

کیا ڈاکٹر منظر عباس رضوی نے لکچررشپ کا چارج لے لیا۔

نیاز کیش

گیان چند

(۲۹)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

۳۶، مالویہ نگر، بھوپال

۱۲/ستمبر ۱۹۶۵ء

محترم۔تسلیم

مجھے آپ کی شدتِ مصروفیت کا اندازہ ہے اس لیے اور بھی زیادہ مشکور ہوں کہ آپ نے وقت نکال کر بہ طورِ خاص مجھے مشورہ دیا۔

میں بزدل نہیں ہوں۔ آپ کا کرم نامہ آنے سے پیشتر ہی میں نے طے کیا کہ مجھے جمّوں جانا چاہیے چناں چہ پہلی ستمبر کو مدھیہ پردیش گورنمنٹ کو از سرِ نو درخواست دی کہ ۱۴/ستمبر سے مجھے ایک سال کی چھٹّی دی جائے۔

لیکن پہلی ستمبر کی رات ہی کو معلوم ہوا کہ لڑائی میں ہوائی دستے بھی استعمال ہونے لگے ہیں اور لڑائی جمّوں کے علاقے ہی میں ہو رہی ہے۔ حالات روز بروز بگڑتے جا رہے ہیں۔ میں روزانہ انتظار میں رہا کہ کسی طرح جنگ بندی ہو جائے تو چلا جاؤں۔ آخرِ کار مایوس ہو کر پرسوں گورنمنٹ کو لکھ دیا ہے کہ ''میرا جانا موقوف۔ میری عرضی پر فی الحال غور نہیں کیا جائے''۔

پرسوں ہی جمّوں لکھ بھیجا ہے کہ ''غیر متوقع حالات کی وجہ سے میں فی الحال نہیں آ سکتا جب حالات کسی قدر معمول پر آ جائیں تو مجھے اپنے عہدے کا چارج لینے کی اجازت دی جائے''۔

آج کل جمّوں جانا تہوّر نہیں حماقت ہے۔ رات بھر بلیک آؤٹ میں اندھیرا کیے گزار دیجیے۔ رات میں دو تین دفعہ ہوائی حملے کا اعلان سن کر جاگتے رہیے۔ آخر کیوں جان بوجھ کر اس میں کود پڑا جائے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے جمّوں میں صرف ایک لڑکے نے اُردو میں داخلہ لیا ہے، ممکن دو تک ہوں۔ یونی ورسٹی نے مجھے دوبارہ بلانے میں عنایت ضرور کی لیکن یہ تلافیِ حاجات تھی۔ میں نے جانے کا پورا اہتمام کر لیا تھا۔ ٹکٹ بھی خرید لیا تھا کہ انھوں نے انکار کر دیا۔ وہ مجھے ایک بار Let Down کر چکے ہیں۔ انھوں نے مجھے نامۂ تقرر دیا، میں نے قبول کیا۔ انھوں نے تقرر واپس لے لیا۔ میں نے اپنا حق ادا کر دیا۔ وہ دوبارہ نامۂ تقرر دیتے ہیں تو میری مرضی کہ میں قبول کروں یا نہ کروں۔

بہر حال ایک بار انھوں نے مجھے Let Down کیا تو دوسری بار مجھے بھی یہ حق ہے۔ ان حالات میں یونی ورسٹی کو امید بھی نہ کرنی چاہیے کہ کوئی آئے گا۔ راستہ پٹھان کوٹ ہو کر ہے

جہاں یا تو رات گزارنی پڑتی تھی یا رات میں اس علاقے میں ریل کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ اور پٹھان کوٹ پر ہر رات کئی بار ہوائی حملے ہوتے ہیں۔

اب بھی اگر جنگ بندی ہو جائے تو میں اپنی خدمات پیش کر دوں گا۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں آپ بھی مجھے یہ مشورہ نہ دیں گے کہ میں وہاں جاؤں۔

وکرم والوں نے ٹی.اے بل نہیں بھیجا اس پر حیرت ہے۔ میں نے کاغذات بھیج دیے تھے۔ میں اس ماہ کے آخر میں اجین جاؤں گا تو معلوم کروں گا۔ آپ بھی رجسٹرار کو چٹھی لکھ دیں تو بہتر ہو۔ رہا امتحان کا معاوضہ وہ ابھی کسی کو نہیں ملا۔ وکرم میں یہ جنوری کے قریب ملتا ہے۔

امید ہے آپ کا مزاج مع الخیر ہوگا۔ میری دو کتابیں پاکستان میں زیرِ اشاعت تھیں۔ ایک کی طباعت ہو چکی تھی اور اشاریہ بنانے کے لیے پروف میرے پاس آنا تھا۔ دوسری کے ۵۰۷ صفحوں کی کتابت ہو چکی تھی صرف ۵۰ صفحوں کی کتابت باقی تھی۔ خدا معلوم اب ان کا کیا حشر ہو۔

نیاز کیش

گیان چند

(۳۰)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، کشمیر یونی ورسٹی

جموّں

۲۰ر اکتوبر ۱۹۶۵ء

محترم۔ تسلیم

آپ یہ جان کر مطمئن ہوں گے کہ آخر کار میں نے یہاں ۱۵ر اکتوبر کو چارج لے ہی لیا۔ ابھی اہل وعیال کے بغیر تنہا آیا ہوں اس لیے عجب بے سروسامانی کا حال ہے۔ شعبے میں بھی ابھی کچھ نہیں۔ سب کچھ مجھے خریدنا اور بنانا ہے۔ اُردو کی ایک کتاب نہیں۔ کتابوں کے لیے مجھے پندرہ ہزار روپیہ دیا گیا ہے جس کی کتابیں دو تین مہینے میں منگانی ہیں۔

ایم اے پریویس اُردو میں محض ایک لڑکے نے داخلہ لیا ہے۔ یہ لڑکا مقامی ہندو ہے اور کہیں ملازم ہے۔ محض ایک طالبِ علم ہونے کی وجہ سے شعبے میں میرے علاوہ بقیہ حضرات کا

تقرر منسوخ کر دیا گیا ہے۔

یہاں یونی ورسٹی میں کوئی ۱۳۰ اساتذہ دو سو طلبہ ہیں۔ علمی فضا مفقود ہے۔ بعض اساتذہ کا کہنا ہے کہ یہاں کے ایم اے کے لڑکے دوسری جگہوں کے انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے معیار کے ہیں۔ اُردو ادب کا شہر میں بھی کوئی ماحول نہیں۔

ایک عجیب نامعقول بات یہ ہے کہ یہاں ہر استاد کو دس بجے سے چار بجے تک یونی ورسٹی میں رہنا ضروری ہے۔ یہ تو بالکل اسکول ہو گیا۔ میں نے کہیں ڈگری کالج میں بھی ایسا نہیں دیکھا۔ چھے گھنٹے یہاں رہنے کے بعد آدمی اپنے گھر پر کچھ پڑھنے لکھنے کے قابل ہی نہ رہے گا۔ یہ غیر علمی فضا دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی ہے۔

یوں پرو وائس چانسلر بھان نہایت شریف، معقول اور ہمدرد آدمی ہیں۔ یہ چھے گھنٹے قیام کا قاعدہ بڈھے وائس چانسلر کا بنایا ہوا ہے۔

زیادہ پھر لکھوں گا۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم
گیان چند

(۳۱)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
جمّوں وکشمیر یونی ورسٹی
جمّوں ڈویژن، جمّوں
۱۶/مئی ۱۹۶۶ء

تسلیم

جب تک آپ 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' شائع نہ کریں گے میں اسی طرح وقتاً فوقتاً آپ کو زحمت دیتا رہوں گا۔ ابھی دلّی میں ڈاکٹر محمد عقیل کا مقالہ 'شمالی ہند میں اُردو مثنوی کا ارتقا' نظر آیا۔ اس کے ضمیمے میں انھوں نے میرے غیر مطبوعہ مقالے پر کچھ اعتراض کیا ہے۔ میں اسے جواب کے بغیر نہیں جانے دوں گا، اس لیے میں نے پیش لفظ کا ابتدائی حصّہ دوبارہ لکھا ہے۔ آپ کے پاس جو پیش لفظ ہے اس کی کتابت ہو چکی ہوگی لیکن اس میں ترمیم کرنا ضروری ہے۔ اس کے ابتدائی تین پیراگراف نکال کر ان کی جگہ ملحقہ ورق کا مضمون شامل کر دیجیے۔ اس

مضمون کے بعد آپ کے پاس والے پیش لفظ کا چوتھا پیرا آئے گا جس کا پہلا جملہ ہے: ''حسبِ دستوار مقالے کے پہلے باب میں...'' پیش لفظ کے آخر میں مقامِ تحریر جموں اور تاریخ ۱۶رمئی ۱۹۶۶ءلکھ دیجیے۔ کتاب کی باہری جلد کے اندر کے سرورق پر مصنف کی جگہ میرے نام کے بعد ''صدرِ شعبۂ اُردو، جموں وکشمیر یونی ورسٹی، جموں'' کا اضافہ کرا سکیں تو ممنون ہوں گا۔

کیا آپ ایک جگہ ایک جملہ اور بڑھوا سکتے ہیں۔ آٹھویں باب میں ایک جگہ مختصراً ذوقؔ کا ذکر ہے۔ ان کی دو مثنویوں کا تعارف ہے۔ دوسری مثنوی 'نامۂ جاں سوز' ہے۔ اس کے بارے میں 'آبِ حیات' کا ایک اقتباس نقل کیا گیا ہے۔ اس اقتباس کے بعد ذیل کا جملہ بڑھایا جا سکے تو میں ایک اعتراض سے محفوظ ہو جاؤں گا۔:

''دیوانِ ذوقؔ مرتّبۂ آزادؔ میں اس مثنوی کے ۳۸ شعر درج ہیں''۔ یہ کُل اضافے ہیں۔ اس سے پہلے 'مثنویاتِ میرؔ کے متعلّق کچھ اضافے' بھیج چکا ہوں۔ غالبًا کتاب کی کتابت شدہ کاپیاں دلّی کے دو مطبعوں میں ہیں۔ آپ کو ان ترمیمات سے بڑی تکلیف ہوگی۔ معذرت چاہتا ہوں۔ اسی لیے تو کہتا ہوں کہ جلد چھاپ دیجیے تاکہ مزید اضافوں کا دَر ہی بند ہو جائے۔ کاپیاں چھپنے کے بعد میرے پاس اشاریہ بنانے کے لیے ضرور بھیج دیجیے۔ میں ۱۵رجون سے ۱۷رجولائی تک باہر یعنی وطن میں رہوں گا۔ اس دوران میں بھی یونی ورسٹی کے پتے پر لکھی ہوئی چٹھیاں مجھے مل سکیں گی۔

اب آپ لکھیے کہ کیا آپ پیش لفظ کی ابتدا میں یہ ترمیم کر سکیں گے۔ کیا ذوقؔ کی مثنوی 'نامۂ جاں سوز' کے حال میں ایک جملے کا اضافہ کر سکیں گے۔ یہ کام شاید محمد حبیب صاحب یا شہر یار صاحب کر سکیں۔

کتاب کی طباعت کب شروع ہو رہی ہے۔ خط کا جواب ضرور دیجیے۔

نیاز مند

گیان چند

(۳۲)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

جموں وکشمیر یونی ورسٹی

جموں ڈویژن، جموں

۱۳؍اگست ۱۹۶۶ء

محترم۔تسلیم

اس یونی ورسٹی کے جمّوں ڈویژن کے ریسرچ بورڈ کا جلسہ ۵؍ستمبر کو ۱۱ بجے ہے۔آپ بھی اس بورڈ کے ممبر ہیں۔ یہاں پر آرٹس کے تمام مضامین کا ایک مشترکہ بورڈ ہے۔لکھیے آپ تشریف لا رہے ہیں کہ نہیں۔ میں تو چاہتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ آیئے اور یہاں کی نام نہاد یونی ورسٹی کو بھی دیکھ لیجیے۔ یونی ورسٹی سے اطّلاع پہنچے تو لکھیے کہ ہوائی جہاز کا کرایہ دیں۔

سری نگر کے لیے ایک اُردو لکچرر کا بھی انتخاب ہونا ہے۔کیا عجب ہے کہ ۵؍ستمبر کے لگ بھگ ہی اس کا جلسہ رکھ کر آپ کو بہ طورِ ماہر بلایا جائے۔آپ آئیں تو غریب خانے پر زحمت کشی کیجیے۔

یہاں اُردو کا حال زار ہے۔طلبہ کی کمی کے پیشِ نظر یہ طے کیا گیا کہ بہ طورِ خاص اُردو ایم. اے کی جماعتیں شام کو ہوا کریں تا کہ ملازمین بھی داخلہ لے سکیں۔لیکن پھر بھی ابھی محض ایک داخلہ ہوا ہے۔امید ہے چار پانچ اور آ جائیں گے لیکن معلوم نہیں یہ کم بخت دیر کیوں کر رہے ہیں۔ Wohle-times کوئی بھی نہ ہوگا۔سب دن میں اسکول یا دفتر میں چکّی چلا کر آیا کریں گے۔ دراصل جمّوں اُردو کی جگہ نہیں۔مصنوعی ذرائع سے اس نہال کو بار آور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

بقیہ باتیں آپ کے آنے پر عرض کروں گا۔امکان ہے کہ آپ کی تشریف آوری پر کوئی جلسہ کر کے آپ کو تقریر کی زحمت دی جائے۔ابھی تک شعبے میں کسی دوسرے استاد کا تقرر نہیں ہوا۔ہوگا لیکن دفتری لیت ولعل کی وجہ سے ابھی تک نہ ہوگا۔اگر آپ ریل سے پٹھان کوٹ تک آئیں تو پٹھان کوٹ سے جمّوں تک بس سے سفر کرنا پڑتا ہے اور اس میں تین یا سوا تین گھنٹے لگتے ہیں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۳۳)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو کشمیر یونی ورسٹی
جمّوں
۲۶/اگست ۱۹۶۶ء

محترم۔ تسلیم

لکھیے کہ آپ ۵/ستمبر کو ہونے والے ریسرچ بورڈ جمّوں کے جلسے میں شرکت کے لیے تشریف لا رہے ہیں کہ نہیں۔ امید ہے آپ کے پاس دعوت نامہ پہنچ گیا ہوگا۔ ان دنوں ایم. اے پریویس کے یونی ورسٹی امتحان ہو رہے ہوں گے۔

پرو وائس چانسلر نے خواہش ظاہر کی ہے کہ شام کو آپ کی تقریر کرائی جائے۔

اگر آپ آئیں تو میرے لیے انجمن ترقّیِ اُردو کی نئی کتاب 'مرزا محمد رفیع سودا' از ڈاکٹر خلیق انجم ضرور لیتے آئیں۔ میں آپ کو اس کی رسید دے دوں گا۔ ۱۹/ستمبر کو مجھے ریڈیو پر نئی مطبوعات پر تبصرہ کرنا ہے اس کے لیے اس کتاب کی ضرورت ہے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ وقت نکال کر یہاں آنے کی زحمت برداشت کریں گے۔

نیاز کیش
گیان چند

(۳۴)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی
جمّوں
۱۴/اکتوبر ۱۹۶۶ء

محترم۔ تسلیم

یہاں کے شعبۂ اُردو کی نشو ونما کے وجود کے لیے آپ کی امداد کی ضرورت ہے۔ پہلے میں اپنی مشکل بیان کر دوں پھر عرض کروں گا کہ مرکزی انجمن کو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔

جمّوں کے شعبۂ اُردو میں طلبہ کی تعداد بہت کم ہونے کے پیشِ نظر یہ تحریک کی گئی کہ اُردو کی جماعتیں شام کو ہوا کریں تا کہ اسکولوں اور دفتروں کے ملازمین بھی داخلہ لے سکیں۔ یونی ورسٹی کی شاخ جمّوں کی مجلسِ عام نے جون میں منظور کر لیا کہ اُردو ایم. اے کی تدریس شام کو ہوا

کرے۔ یہاں کے پرووائس چانسلر نے مجھے لکھ دیا کہ میں عارضی داخلے کر کے پڑھانا شروع کردوں۔ چار طلبہ نے داخلہ لیا۔ پڑھائی چلتی رہی۔ ۲۸ ستمبر کو یونی ورسٹی کی مرکزی مجلسِ عاملہ (جسے یہاں سنٹرل کونسل کہتے ہیں) کا جلسہ ہوا۔ اس کی صدارت چانسلر یعنی گورنر کرتے ہیں اوراس میں پرو چانسلر یعنی وزیرِ اعلا بھی شرکت کرتے ہیں۔ دلّی کالج کے سابق پرنسپل اور حالیہ مشیرِ تعلیمات ریاستِ کشمیر مرزا محمود بیگ بھی اس کے رکن ہیں۔ نہ معلوم کیوں سنٹرل کونسل نے طے کیا کہ شام کی جماعتوں کی اجازت نہ دی جائے خواہ ایم.اے اُردو سالِ اوّل میں کوئی بھی طالبِ علم نہ رہے۔ اب مزید تین طالبِ علم شام کو داخلہ لینا چاہتے ہیں یعنی آج میرے پاس ۷ طلبہ ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو ملازم نہ ہو یعنی دن میں آسکے۔ اس طرح ایم اے سالِ اوّل میں کوئی بھی طالبِ علم نہ رہے گا۔ ان کے علاوہ یونی ورسٹی کے دفتروں کے چار ملازمین ایم اے اُردو کی شام کی جماعت میں داخلہ لینا چاہتے ہیں۔ جب شام کی جماعتیں ہورہی تھیں تب بھی ان ملازمین کو اجازت نہ دی گئی تھی کہ داخلہ لے سکیں۔ ان سمیت کل ۱۱ طلبہ ایم اے اُردو میں داخلہ کے لیے تیار ہیں۔ کہاں ۱۱، کہاں صفر۔ یونی ورسٹی نے کسی اور استاد کا تقرر بھی ملتوی کر دیا۔ اس طرح اگر دن کی جماعتیں ہی رہیں تو صورت یہ ہے کہ اس سال کے بعد شعبے میں کوئی طالبِ علم نہ رہے گا اور مجھ سے کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ ہمیں تمھاری ضرورت نہیں ہے۔ اگر شام کی جماعتیں رہیں تو ہمیشہ کافی طلبہ ملتے رہیں گے۔

افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ سنٹرل کونسل میں دو مسلمانوں نے شام کی جماعت کی مخالفت کی۔ دن میں پیش پیش سری نگر زنانہ کالج کی پرنسپل محمودہ اور ان سے کچھ کم مرزا محمود بیگ تھے۔ آپ (سرور صاحب) اپنی طرف سے ایک نجی خط مرزا محمود بیگ کو لکھ دیں۔ مرزا صاحب یونی ورسٹی کی شاخ جموں کے پرووائس چانسلر مقرر ہوگئے اور مارچ ۱۹۶۷ء سے ان کا وائس چانسلر مقرر ہونا یقینی ہے۔

میں یہاں اپنے طور پر کوشش کر رہا ہوں۔ اسی سلسلے میں انجمن کی شاخ یہاں قائم کرانا چاہتا ہوں تاکہ اس کا ایک وفد وزیرِ اعلا سے ملوا دیا جائے۔ آپ کو لکھ چکا ہوں کہ انجمن کی نئی شاخ قائم کرنے کے قواعد بھیج دیجیے۔ اس کے علاوہ ایک چٹھی جس کا مضمون میں درج کرتا ہوں، آپ ذیل کے حضرات کو بھیج دیجیے۔

۱- چانسلر جموں و کشمیر یونیورسٹی ڈاکٹر کرن سنگھ: گورنر کا محل سری نگر۔ ۲- پرو چانسلر جموں

وکشمیر یونی ورسٹی جی ایم صادق وزیر اعلا کشمیر سری نگر۔۳- وائس چانسلر جمّوں وکشمیر یونی ورسٹی سری نگر۔اس کی نقل سے مجھے مطّلع کیجیے۔سری نگر میں ایک سرکاری کالج ہے اورینٹل کالج جس میں ادیب، منشی، مولوی وغیرہ کی جماعتیں ہوتی ہیں، وہاں طلبہ کی کمی کے پیشِ نظر شام کی جماعتیں کردی گئی ہیں۔ یہ خود مرزا محمود بیگ نے کیں۔ یونی ورسٹی کی شاخ جمّوں میں Diploma in Business Administration کی جماعتیں شام کو ہوتی ہیں اور ان میں ملازمین پڑھتے ہیں۔آپ یہ ظاہر نہ کریں کہ آپ کی چٹھی کا مواد میں نے دیا ہے، یہ لکھ سکتے ہیں کہ چند طلبہ نے لکھا ہے۔ میں کچھ طلبہ سے آپ کو چٹھی بھجوادوں گا۔آپ کے میمورنڈم کا مضمون یہ ہوگا:

مجھے جمّوں سے کسی نامہ نگار نے لکھا ہے کہ کشمیر یونی ورسٹی کے جمّوں ڈویژن کے شعبۂ اُردو میں ایم اے اُردو کے طلبہ کے ساتھ سخت ناانصافی ہوئی ہے۔طلبہ کی کمی کے پیشِ نظر جمّوں ڈویژن کے اربابِ حل وعقد نے طے کیا تھا کہ ایم اے کی جماعتیں شام کو ہوا کریں۔ یہ جماعتیں کچھ عرصے سے چل رہی ہیں لیکن اب مرکزی authorities نے انھیں بند کرنے کا حکم دیا ہے۔انجمن اس نامنصفانہ اور غیر ہمدردانہ فیصلے پر سخت احتجاج کرتی ہے۔اُردو جمّوں وکشمیر یونی ورسٹی کی سرکاری زبان ہے۔امید ہے کہ یونی ورسٹی ایسا کوئی قدم نہ اٹھائے گی جس سے اُردو کے فروغ کے سلسلے میں کچھ مزاحمتیں ہوں۔اس سلسلے میں ذیل کے نکات قابلِ غور ہیں:

۱- نہ صرف مغربی ممالک میں بل کہ ہندستان کی اکثر یونی ورسٹیوں میں ملازمین کے لیے شام کی جماعتوں کا رواج ہے۔ دلّی، آگرہ، وکرم یونی ورسٹی اجین، پنجاب یونی ورسٹی، عثمانیہ مسلم یونی ورسٹی اور دوسری بہت سی یونی ورسٹیوں میں شام کی جماعتیں ہوتی ہیں اور ان کے طلبہ دن کے طلبہ سے کسی طرح پیچھے نہیں۔خود اورینٹل کالج سری نگر اور کشمیر یونی ورسٹی کی شاخ جمّوں میں بعض جماعتیں شام کو ہوتی ہیں۔

۲- معلوم ہوا ہے کہ یونی ورسٹی کے کئی ملازمین ایم اے اُردو شام کی جماعتوں میں داخلہ لینا چاہتے ہیں۔ان کو لے کر ایم اے اُردو میں تقریباً ایک درجن طلبہ کے داخلہ لینے کی توقع ہے۔انجمن کبھی اس بات پر رضامند نہیں ہوسکتی کہ کوئی شخص اُردو پڑھنا چاہے اور اس پر علم کا دَر بند کردیا جائے۔ پروفیسر سروری اور ڈاکٹر گیان چند جیسے ذمہ دار پروفیسر جب تک اُردو کے معاملات کے انچارج ہیں اس وقت تک اُردو کے معاملے میں کسی طرح کی بے ضابطگی کی گنجایش نہیں۔اس لیے بہ طورِ خاص درخواست ہے کہ یونی ورسٹی کے

ملازمین کو بھی داخلے کی اجازت دی جائے۔ دوسری یونی ورسٹیاں بھی اس کی اجازت دیتی ہیں۔

۳- ابھی تک جمّوں کے شعبۂ اُردو میں صرف ایک استاد ہے۔ یہ اُردو کے ساتھ بڑی ناانصافی ہے۔ شام کی جماعتوں کی اجازت کے بعد وہاں طلبہ کی قابلِ قدر تعداد ہو جائے گی اس لیے وہاں شعبے کی تمام منظور شدہ Posts پر یعنی ایک ریڈر اور دو لکچرر کا تقرر کیا جائے۔ ریڈر کا تقرر اس لیے ضروری ہے کہ اس طرح شعبے کو ایک اور تجربہ کار استاد مل جائے گا۔

مجھے امید ہے کہ میری تجاویز پر ہمدردی سے غور کیا گیا تو جمّوں کا شعبۂ اُردو بڑی استقامت اور قوت سے چل سکے گا۔ یونی ورسٹی کو طے کرنا ہے کہ وہ شعبے کو قوت دینا چاہتی ہے کہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ میری یہ عرض داشت سنٹرل کونسل کے سامنے رکھ دی جائے۔

آپ اس کے مضمون میں ترمیم بھی کر سکتے ہیں۔ عرض داشت انگریزی میں بھیجیے۔ انجمن سے چٹھیاں لکھنے میں بعض اوقات دیر ہوتی ہے لیکن یہ کام اُردو کا ہے اس میں لیت ولعل نہ کیجیے اور فوراً میری درخواست پر عمل کیجیے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے لکھنے کا بڑا خوشگوار عمل ہوگا اور کامیابی ضرور ہو کر رہے گی۔

یہ بھی لکھیے کہ میری کتاب کی طباعت کب تک مکمل ہو جائے گی۔ مجھے امید ہے کہ میری چٹھی پہنچنے کے دو دن کے اندر آپ چانسلر، پرو چانسلر اور وائس چانسلر کشمیر یونی ورسٹی کو عرض داشت بھیج دیں گے۔ اس عنایت کے لیے ممنون ہوں گا۔

نیازمند

گیان چند

(۳۵)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، جمّوں وکشمیر یونی ورسٹی

جمّوں

۱۵/نومبر ۱۹۶۶ء

مکرّمی۔تسلیم

خطوط ملے۔انجمن اور سرور صاحب کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہمارے معاملے میں متعلقہ حضرات کو لکھا۔جمّوں میں مقامی شاخ بنانے کے بارے میں آپ کا جواب ملا۔یہ جان کر حیرت ہوئی کہ جمّوں وکشمیر ریاست میں انجمن کی ریاستی شاخ نہیں۔میں بنوا کر رہوں گا۔فی الحال صرف جمّوں کی شاخ بنا کر مرکز سے ملحق کراتا ہوں۔اس کے بعد سری نگر اور دوسرے چند مقامات پر بنواؤں گا تا کہ کم از کم پانچ شاخیں ہو جانے سے ریاستی شاخ بن سکے۔لکھیے جمّوں کی شاخ بنانے کے لیے کیا کیا جائے۔ایک بہت فعّال شخص ہے ظہور الحسن [اصل ظہور الدین]، ایم اے فائنل اُردو کا طالبِ علم۔یہ سری نگر میں پولیس سب انسپکٹر تھا اس سے استعفا دے کر جمّوں میں ایم اے اُردو کے کلاس میں داخلہ لیا۔فرسٹ ڈویژن آئے گی۔میری تجویز ہے انھیں مقامی شاخ کا سکریٹری بنایا جائے۔یہ چندہ لے لے کر انجمن کے بہت سے ممبر بنائیں اس کے بعد باضابطہ طور پر سکریٹری اور صدر کا انتخاب ہو جائے۔صدر کے لیے کسی بااثر شہری کی تلاش کریں گے۔ظہور الحسن کو انجمن کے ممبر بنانے کا اختیار مرکز سے مل سکتا ہے۔اس لیے آپ انھیں (یا مجھے بہ حیثیت رکن مرکزی انجمن) اختیار دے دیجیے کہ وہ انجمن کی شاخ قائم کرنے کے لیے ممبر بھرتی کرنے لگیں۔اس کے بعد آیندہ کارروائی ہوگی۔کیا وہ کوئی رسید بک چھپوائیں۔

براہِ کرم جواب سے نوازیے

نیازمند گیان چند

(۳۶)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

بہ خدمت جنرل سکریٹری صاحب

انجمن ترقیِ اُردو (ہند)، علی گڑھ

۲۵/دسمبر ۱۹۶۶ء

محترم۔تسلیم

مجھے مرکزی انجمن کے رکنِ مجلسِ عام کی حیثیت سے جو کتابیں ملتی ہیں انجمن کے رجسٹر میں ان کے اندراج میں کچھ سہو ہوا ہے۔ابھی میں نے مرزا رفیع سوداؔ از ڈاکٹر خلیق انجم طلب کی تو مجھے بتایا گیا کہ میں اسے پہلے ہی لے چکا ہوں۔علی گڑھ میں انجمن کا آخری جلسہ جس وقت

ہوا ہے اُس وقت اس کتاب کی غالبًا ایک کاپی چھپ کر آئی تھی اور وہ مجلسِ عام کے جلسے کے وقت میز پر رکھی ہوئی تھی لیکن اراکین کو اس کی جلدیں نہ دی جاسکیں۔ اس کے بعد اس کتاب کی جلد حاصل کرنے کا کوئی موقع نہ تھا اور اب دسمبر ۱۹۶۶ء میں میں اس کی جلد پہلی بار لا یا ہوں۔

اب تک میں نے انجمن سے ذیل کی مطبوعات لی ہیں:

۱- اُردو کی نشو ونما میں صوفیاے کرام کا کام
۲- بچّوں کے ادب کی خصوصیات
۳- تذکرۂ شعراے جے پور
۴- حالی ایک جھلک
۵- خطوطِ غالب
۶- دیوانِ غالب، نسخۂ عرشی
۷- سخنِ مختصر
۸- شاد کی کہانی شاد کی زبانی
۹- شکنتلا اُردو
۱۰- ظاہر و باطن
۱۱- غالب ایک مطالعہ از خورشید الاسلام
۱۲- غزل اور درسِ غزل
۱۳- فرانسیسی ادب
۱۴- فنِ تحریر کی تاریخ
۱۵- قومی تہذیب کا مسئلہ
۱۶- گل کرسٹ اور اس کا عہد
۱۷- نئے ڈرامے از ڈاکٹر محمد حسن
۱۸- ہندی ادب کی تاریخ
۱۹- ہندوستانی اخبار نویسی
۲۰- یادگارِ حالی
۲۱- نسیمِ مغرب

۲۲- تنقیدیں
۲۳- کلامِ سودا
۲۴- شرحِ سودا اور زر
۲۵- تذکرۂ گلشنِ سخن
۲۶- محاسنِ کلامِ غالب
۲۷- نقدِ غالب
۲۸- بازدید
۲۹- مرزا رفیع سودا از ڈاکٹر خلیق انجم
۳۰- انتخابِ کلامِ عمیق حنفی
۳۱- انتخابِ کلامِ سلام مچھلی شہری
۳۲- انتخابِ کلامِ کمال احمد صدیقی
۳۳- ترقی پسند ادب از سردار جعفری

میرے پاس انجمن کی صرف یہی کتابیں ہیں۔ اگر ان کے علاوہ کچھ اور کتابیں رجسٹر میں میرے نام درج ہیں تو وہ کسی محررانہ سہو کا نتیجہ ہیں۔ براہِ کرم تصحیح فرمالی جائے۔ مجھے ان کے علاوہ ذیل کی کتب درکار ہیں:

۱- ادبی اور قومی تذکرے از کشن پرشاد کول، حصۂ اوّل
۲- ادبی اور قومی تذکرے از کول، حصۂ دوم
۳- اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اُردو کا حصّہ
۴- انتخابِ کلام میر
۵- چند ہم عصر
۶- زنداں نامہ از فیض
۷- کلیاتِ شاہی
۸- مشترکہ زبان
۹- مقالاتِ حالی، حصۂ اوّل
۱۰- مضامینِ رشید

۱۱- دیوانِ فائز
۱۲- ذکرِ حافظ
۱۳- انتخابِ شرحِ دیوانِ مومن

میں جب کبھی انجمن کے جلسے میں آؤں گا تو ان کتب کو لینا چاہوں گا۔ براہِ کرم آپ بذاتِ خود اس معاملے پر نظر کریں اور میری عرض داشت منظور کر کے مجھے ممنون فرمائیں۔

نیاز مند
گیان چند

(۴۷)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، جموں و کشمیر یونی ورسٹی
جموں

۱۵/جنوری ۱۹۶۷ء

مکرّمی۔ تسلیم

میں مصر ہوں کہ میں نے متنازعہ کتب نہیں لیں۔ آپ کے رجسٹر کا اندراج کہتا ہے کہ لی ہیں۔ دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ جب کبھی میں علی گڑھ آؤں گا رجسٹر کو ساتھ مل کر دیکھیں گے اور سرؔور صاحب کو اس کا حکم مقرر کریں گے۔ جو کچھ ان کا فیصلہ ہوگا وہ مجھے قطعی طور پر قبول ہوگا۔

میں اپنے ساتھ صرف مرزا سوؔدا لایا ہوں۔ 'اُردو ادب' نہیں لایا۔ سرؔور صاحب کے گھر پر چھوڑ دیا ہے۔ آپ وہاں سے منگا لیجیے۔

میں کوشاں ہوں کہ پونچھ اور کٹھوعہ میں انجمن کی شاخیں قائم کروں۔ پونچھ سے متعلقہ حضرت نے لکھا ہے کہ انجمن کی شاخیں بنانے کے قواعد ابھی نہیں ملے۔ کٹھوعہ کے لیے میں ایک اور صاحب کو ذمہ دار کرنا چاہتا ہوں، اس لیے آپ براہِ کرم ذیل کے دو پتوں پر انجمن کی شاخیں بنانے کے قواعد بھیج دیجیے اور انھیں یہ بھی لکھ دیجیے کہ اس سال انتخابات میں جنوری کے دوسرے ہفتے کی کوئی قید نہیں۔ نام یہ ہیں:

۱- پروفیسر کنول کرشن بالی، گورنمنٹ ڈاگری کالج، پونچھ (Poonch (J&K)

۲- پروفیسر بخشی اجیت کمار سوز، گورنمنٹ ڈگری کالج، کٹھوعہ Kathua (J&K)
آپ نے لکھا تھا کہ انجمن کے انتخابات میں مرکز کا کوئی نمائندہ آئے گا۔ ہمیں بسر وچشم قبول ہے لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کا منشا یہ ہے کہ ریاستی شاخ کے انتخاب میں مرکز کا نمائندہ آئے گا۔ مقامی اور ضلع کی شاخ کے لیے شاید یہ ضروری نہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو ہم مقامی اور ضلع کی شاخ کا انتخاب کرالیں۔ میں نے ظہورالدین سکریٹری انجمن ترقی اُردو، جموں سے کہہ دیا ہے کہ انجمن کے امور میں آپ کو براہِ راست لکھ دیا کریں۔ سری نگر کی شاخ کے لیے سروری صاحب کو لکھا تھا اس سلسلے میں انھوں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ اب حیدرآباد چلے گئے ہیں۔ مارچ میں واپس آئیں گے تو انھیں پھر لکھوں گا۔

نیازمند
گیان چند

(۳۸)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، جموں وکشمیر یونی ورسٹی
جموں
۲۵ رنومبر ۱۹۶۷ء

محترم۔ تسلیم
میری کتاب کی طباعت کے بارے میں کرم نامہ ملا۔ یہ جان کر اطمینان ہوا کہ کتاب جلد چھپ جائے گی۔ کتاب کی جلد اشاعت نہ ہونے کی خبر میرے یا آپ کے کسی بدخواہ نے نہیں دی تھی۔ میرے ساتھ ریسرچ اسکالر ہیں ضیاء الرحمٰن خاں آفریدی، وہ اگست کے آخر میں علی گڑھ گئے تھے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ معلوم کر کے آنا طباعت کس منزل میں ہے۔ انھوں نے انجمن کے دفتر میں کسی سے معلوم کیا۔ نجی طور پر اس کارکن نے بتایا کہ 'کتاب ۱۹۶۸ء کے آخر یا ۱۹۶۹ء کے شروع میں چھپ کر آجائے تو غنیمت سمجھنا'۔ میں نے آپ کی خفگی کا ذکر آفریدی صاحب سے کیا۔ وہ کہنے لگے 'میرا کیا قصور ہے مجھ سے تو جیسا کہا گیا میں نے وہی آپ کو بتادیا'۔ واقعی وہ بے خطا ہیں۔ دفتر میں کن صاحب نے آفریدی صاحب کو یہ اطلاع دی تھی ان کا نام بتانے میں آفریدی صاحب کو بھی تامّل تھا اور میں نے بھی پوچھنے پر اصرار نہیں

کیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ نجی تعلقات کی بنا پر کسی نے جو اطلاع دی اس کی وجہ سے وہ آپ کے معتوب ہوں۔ بہر حال، ادھر دو مہینے پہلے مسیح الزماں نے مجھے لکھا تھا کہ آپ کی کتاب کی طباعت کا کیا ہوا۔ اگر اُدھر کوئی دقت ہو تو مجھے لکھیے، یہاں طباعت کا کام آسانی سے ہوسکتا ہے'۔ میں نے انھیں لکھ دیا کہ انجمن سے درمیان میں کام واپس لینا ممکن نہیں۔

کل احتشام صاحب کا خط کسی سلسلے میں آیا۔ انھوں نے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں علی گڑھ گیا تھا سرور صاحب سے آپ کی کتاب کی طباعت کے بارے میں دریافت کیا۔ کچھ افسردہ اور شرمندہ تھے۔ دلّی کے پریس والے بہت دن لے لیتے ہیں۔

میں نے احتشام صاحب کو کتاب کے سلسلے میں کچھ نہ کہا تھا۔ انھوں نے ازخود ہی آپ سے پوچھا۔ میں ان کا یہ جملہ پڑھ کر لرز گیا کہ آپ میری وجہ سے شرمندہ اور افسردہ ہیں۔ زندگی میں یونہی گوناگوں الجھنیں بددلی پیدا کرتی رہتی ہیں۔ میری ایک معمولی سی غرض آپ کی مصروف اور زیرِ بار زندگی میں مزید افسردگی گھول دے تو میرے لیے افسوس کا مقام ہے۔ آپ کو اس سلسلے میں کسی ذاتی ندامت کی ضرورت نہیں۔ یہ دفتری نظام اور اس کے لامتناہی پیچاک کا قصور ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ نجی طور پر آپ اس کتاب کی اشاعت میں ممد اور کوشاں رہے۔ جب میں نے ڈی لٹ کا انٹرویو دیا اس کے فوراً بعد آپ سے گزارش کی کہ کتاب انجمن سے شائع کر دیجیے اور آپ نے کمالِ لطف سے منظور کر لیا۔ اس وقت تو میں انجمن کا رکن بھی نہ تھا۔ اس لیے میں اب آپ پر بے التفاتی کا الزام نہیں رکھ سکتا۔ یوں بھی تو مجھ پر آپ کے گوناگوں الطاف رہے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میرے انٹرویو میں گئے بغیر آپ نے مجھے یونی ورسٹی پروفیسری کے لیے منتخب کیا۔ میرے آپ کے ساتھ جو معاملے رہے ہیں ان میں کبھی آپ نے میرے ساتھ دو عملی نہیں برتی۔ میں آپ کی عزت کرتا ہوں کیوں کہ بہ حیثیت انسان کے آپ کے ظاہر و باطن کو میں نے ہمیشہ یکساں پایا اور بہ طور ایک اسکالر کے میں آپ کو اور احتشام صاحب کو اُردو کا مثالی پروفیسر مانتا ہوں۔ میں اور دوسرے کچھ پڑھ لیں کچھ لکھ لیں تو کیا ہوا جو ذہن کی وسعت، عالمی ادب سے جو واقفیت، علم کی جو تابندگی (glow) آپ کے پاس ہے وہ کم از کم میرا مقسوم نہیں۔ مجھے اپنے مطالعے کے تنگ دائرے کا احساس ہے۔ میرے ان جذبات کے اظہار کے بعد آپ کو دل میں اس کا ذرا بھی شبہ یا کھٹک نہیں رکھنی چاہیے کہ میں خدانخواستہ آپ سے شاکی ہوں، آپ کے خلوص و اکرام میں شبہ کرتا ہوں۔

میں خدا کے وجود میں عقیدہ نہیں رکھتا۔ صحیح معنی میں کافر ہوں۔ میرا خاندانی مذہب جین دھرم ایک خدا کا منکر ہے۔ لیکن میں تو جملہ مذاہب کے لیے تشکیک کا رویّہ رکھتا ہوں۔ ہاں میرے نزدیک جو بہترین مذہب اور مسلک ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہو تو دوسروں کی خوشیوں میں اضافہ کرو اور اگر اس کی توفیق نہ ہو تو کم از کم دوسروں کی تکلیف اور رنج میں اضافہ نہ کرو۔

کاش میں اس زرّیں اُصول پر عمل کرسکتا۔ کم از کم آپ جیسے مخلص کرم فرماؤں کی زندگی میں کسی قسم کا تلخاب شامل کرنا پسند نہ کروں گا۔

اگر کتاب کی اشاعت اس مالی سال میں ہوجائے تو پوری طرح تلافیِ مافات ہوجائے گی۔ چاہتا ہوں کہ اس کے آخر میں اشاریہ ضرور شامل کروں۔ اس سلسلے میں انصار اللہ نظر کو لکھتا ہوں کہ کسی کو کچھ معاوضہ دے کر اپنی نگرانی میں یہ کام کراسکتے ہیں کہ نہیں؟

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۳۹)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی

جمّوں

۱ر جنوری ۱۹۶۸ء

محترم۔ تسلیم

۱۹۶۸ء آپ کو مبارک ہو۔

میں نے ضیا آفریدی صاحب کے ہاتھ آپ کو ایک عریضہ بھجوایا تھا۔ امید ہے انھوں نے دے دیا ہوگا۔ اگر نہ دیا وہ تو اس کے مضمون کو پھر سے دہرا دیتا ہوں۔

جمّوں یونی ورسٹی آپ سے Extension Lecture دلوانا چاہتی ہے۔ اپنی پسند کا ایک موضوع لے کر اس کے دو حصّے کر لیجیے اور ہر حصّے پر ایک ایک تقریر پڑھ دیجیے۔ تقریر زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کی ہو۔ چوں کہ سامعین میں بیشتر تعداد غیر اُردو دانوں کی ہوگی اس لیے کوئی عام دل چسپی کا موضوع لیجیے مثلاً اُردو کی نئی شاعری۔ دونوں دنوں کے موضوعات بالکل مختلف بھی

ہو سکتے ہیں۔ دو تقریریں مسلسل دو دن کرنی ہوں گی۔ معاوضہ محض دو سو روپے پیش کیا جا سکے گا۔ دلّی اور جمّوں کے درمیان ہوائی سفر کا زادِ راہ پیش کیا جائے گا۔ ڈاکٹر بھان سے چند روز پہلے ملاقات ہوئی تھی، وہ پوچھ رہے تھے کہ سرور صاحب کا کوئی جواب آیا۔ میں نے کہا ابھی نہیں آیا۔ آپ جنوری میں یا زیادہ سے زیادہ فروری کے پہلے یا دوسرے ہفتے میں تشریف لے آیئے، اگر کسی وجہ سے آنے کا وقت نہ نکال سکیں تو بھی مجھے مطّلع کر دیجیے۔

میں ان تعطیلات میں آسام نہ جا سکا۔ گوہاٹی یونی ورسٹی میری دی ہوئی تاریخ ۲ر جنوری کے لیے رضامند نہ ہوئی اور ۶ر جنوری کی رٹ لگاتی رہی۔ جھنجلا کر میں نے لکھ دیا ہے کہ میں بالکل نہیں آؤں گا۔ لیکن مجھے جانا پڑے گا۔ بچنا چاہتا ہوں لیکن امیدوار نے الحاح و زاری شروع کر دی ہے۔

یہ تو یقینی سا معلوم ہوتا ہے کہ میری کتاب 'مثنوی' اس مالی سال کے آخر تک چھپ جائے گی۔ اب یہ بتایئے کہ کیا آپ اس کا معاوضہ مجھے اس سال میں دے سکیں گے۔ ابھی مجھے اس ضمن میں کچھ نہیں ملا۔ حسبِ وعدہ اشاعت پر آپ مجھے پوری رائلٹی عنایت کر دیں تو کرم ہوگا۔ میں ایک پرانی موٹر خریدنا چاہتا ہوں۔ یہاں گاندھی نگر سے یونی ورسٹی آنے جانے میں بڑی دقّت ہوتی ہے۔ بڑا وقت خراب ہوتا ہے۔ اخبار میں جنوری ۱۹۶۵ء کی ایک Ambassador گاڑی کا اشتہار پندرہ ہزار روپے میں تھا۔ میرے پاس اس سے کچھ کم اندوختہ ہے۔ اگر مجھے کتاب کی رائلٹی مل جائے گی تو اتنا روپیہ نکال سکوں گا اور ۱۹۶۵ء کی کوئی گاڑی لے سکوں گا۔ دو تین سال پرانی گاڑی خریدنا مخدوش نہیں۔

ضیا صاحب کی معرفت بھیجی ہوئی دستی چٹھّی سے پہلے بھی میں نے ایک خط آپ کو لکھا تھا امید ہے مل گیا ہوگا۔

قرۃ العین حیدر کی کتاب 'پت جھڑ کی آواز' پر ساہتیہ اکیڈمی کا انعام ملنے پر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے صرف ایک کتاب کو انعام کے لیے تجویز کیا تھا اور وہ یہی کتاب تھی۔ مالک رام کی 'کربل کتھا' اور محمد حسن کی 'شاعری کا پس منظر' بھی میری نظر میں تھیں لیکن میں تخلیق کو تحقیق اور تنقید سے زیادہ اہم مانتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اکیڈمی کا انعام حتی الامکان تخلیق پر ملنا چاہیے۔ قرۃ العین کو انعام ملنے کی خوشی دو اور وجوہ سے ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ بہت حسین ہیں، دوسرے یہ کہ ان کا تعلق ضلع بجنور سے ہے، یلدرم نہٹور کے رہنے تھے۔ قرۃ العین تو

شاید وہاں کبھی نہیں رہیں۔

میں نے تین چار دن قبل مکان تبدیل کیا ہے۔ یہ مکان بھی اچھا ہے گو پہلا قدرے زیادہ اچھا تھا۔ کرایہ زیادہ ہے یعنی ۱۸۰/روپے۔ جمّوں میں خانہ بدوشوں کی طرح رہنا پڑتا ہے۔ مالک مکان زیادہ دن ٹھہرنے نہیں دیتے کیوں کہ کرایے روز بڑھتے رہتے ہیں۔ سوا دو سال کی مدت میں مَیں چوتھے مکان میں آیا ہوں۔

چنڈی گڑھ کی پروفیسری کا کیا معاملہ ہے۔ آپ بڑے یقین کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ چنڈی گڑھ میں تاریخ کے ایک ریڈر ہیں ست پرکاش سنگر، اُردو میں افسانے وغیرہ لکھتے ہیں۔ میں نے انھیں لکھا تھا، وہ کہتے ہیں کہ یہاں اُردو پروفیسر کی کوئی جگہ نہیں نہ ایم اے کھلنے کا امکان ہے۔ کسی نے ہوائی اُڑائی ہے یا سرور صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ لکھیے کہ حقیقت کیا ہے؟

میں الہٰ آباد کے ریڈر کی سلیکشن کمیٹی کا ممبر تھا۔ یونی ورسٹی نے پہلے ا/دسمبر تاریخ رکھی پھر تار دے کر ملتوی کی اور ۹/دسمبر رکھی۔ سات تاریخ کو میں چلنے والا تھا کہ دو گھنٹے قبل تار آ گیا کہ ملتوی۔ اب تک ۶ بار ملتوی ہو چکی ہے۔ میں نے رزرویشن کرا لیا تھا اس کے منسوخ کرانے کے پیسے جیب سے دینے پڑے۔ میں نے یونی ورسٹی اور چانسلر کو لکھ دیا کہ میٹنگ ۶ بار ملتوی ہو چکی ہے اب میں نہ آ سکوں گا۔ معلوم ہوا ہے یہ آخری التوا کسی با اثر امیدوار کے اشارے پر ہوا ہے۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۴۰)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو

جمّوں

۱۱/جنوری ۱۹۶۸ء

محترم۔ تسلیم

آپ کے تین کرم نامے ملے: ۲۸ر دسمبر، یکم جنوری اور ۵ر جنوری۔ ۲۸ر دسمبر کے خط کا جواب میں نے ۴ر جنوری کو ایک چٹّھی میں لکھا لیکن اسے Post نہیں کیا۔ وہ اب بھی میرے سامنے ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں سفر سے گھبرانے لگا ہوں۔ اس میں مَیں نے معذرت کی تھی کہ آپ مجھے علی گڑھ کے شعبے کی رکنیت سے معذور رکھیے۔ بعد میں خیال ہوا کہ یہ کفرانِ نعمت اور گستاخی ہے۔ اسی لیے خط کو رد کیے رہا۔ اب ضائع کر دوں گا۔ شعبے کی رکنیت کے لیے میرا تقرر دو سال کے لیے ہوا تھا جو ختم ہو گئے تھے۔ اگر آپ نے از سرِ نو میرا تقرر کیا ہے تو شکریے کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ اگر ابھی تقرر کی کاغذی کارروائی عمل میں نہیں آئی تو پھر معذرت چاہوں گا۔ سفر خواہ فرسٹ کلاس میں ہو یا ہوائی جہاز میں موجبِ زحمت ہے۔ پھر میری یہ کیفیت ہے کہ سفر سے کئی دن پہلے لکھنا پڑھنا ختم ہو جاتا ہے اور واپسی کے بعد بھی دو تین دن ذہن حاضر نہیں ہو پاتا۔

بھان صاحب آپ کی رضامندی سے بڑے خوش ہیں۔ آپ کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ آپ کو سلام لکھنے کو کہا ہے۔ آپ فروری میں اپنی سہولت کے مطابق آیئے اور موضوع اپنی پسند سے رکھیے۔ میرا خیال ہے کہ نئی شاعری ہی مناسب موضوع ہوگا۔ ویسے آپ بھڑوں کا چھتّہ چھیڑنا چاہیں تو زبان کے مسئلے پر بول سکتے ہیں لیکن اس سے ہندی والے برا مانیں گے۔ لکچروں کا معاوضہ واقعی کم ہے۔ صحیح معنی میں توسیعی لکچروں کے ایک سیٹ کا معاوضہ ایک ہزار روپیہ ہوتا ہے۔ آپ تقریباً پون پون گھنٹے کا لکچر دیجیے۔ میں ممنون ہوں کہ آپ نے جمّوں آنا قبول کیا۔ ایک دو دن میں رجسٹرار آپ کو باضابطہ طور پر لکھ دے گا۔

آپ علی گڑھ میں انجمن اساتذہ کا اجلاس کر رہے ہیں یہ خوشی کی بات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا منعقد کیا ہوا اجلاس پچھلے دونوں اجلاسوں سے کہیں زیادہ کامیاب ہوگا۔ میں اس میں شرکت کروں گا۔

پرسوں مع عیال کے ایک ہفتے کے لیے وطن سیوہارہ جا رہا ہوں۔ بھتیجی کی شادی ہے۔ سفر سے مفر نہیں۔ پھر کبھی گوہاٹی جانا ہے۔ وہاں سے تقاضے آ رہے ہیں۔ آپ علی گڑھ کی تاریخ مقرر کریں تو اسی سلسلے میں آسام بھی ہو آؤں۔ جنوری گزر جانے پر تاریخ آئے تو اچھا ہے تاکہ موسم میں اعتدال آ سکے۔

آپ اس ماہ بہت سفر کر رہے ہیں۔ آپ بھی کیا کریں مجھ جیسے عقیدت منداس بُری

طرح پیچھے پڑتے ہوں گے کہ انکار کرتے نہ بنتی ہوگی۔
امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خادم
گیان چند

(۴۱)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی
جمّوں

۲۶/مارچ ۱۹۶۸ء

محترم۔ تسلیم

مجھے یقین ہے کہ آپ ۴-۵/اپریل کو تشریف لا رہے ہیں۔ غالبًا آپ نے قیامِ دلّی کے دوران دلّی تا جمّوں اور جمّوں تا دلّی کے لیے ہوائی جہاز میں جگہ محفوظ کرا لی ہوگی۔

میں ۶/اپریل کو بھوپال جاؤں گا اور وہاں تین دن ٹھہر کر واپس ہوں گا۔ اہل و عیال کے ساتھ نہ جا کر تنہا ہی جاؤں گا۔

آپ تقریر کو لکھ لائیں (یا نہ لکھ لائیں) لیکن زیادہ تر لکچر کی شکل میں بولیے تاکہ زیادہ دل چسپی پیدا ہو سکے۔ پڑھی ہوئی تقریر میں دل نشینی کم ہو جاتی ہے۔

میں دسمبر ۱۹۶۶ء میں علی گڑھ میں بورڈ آف اسٹڈیز کے اجلاس میں شرکت کے لیے آیا تھا، ۱۸/دسمبر ۱۹۶۶ء کی تاریخ تھی۔ میں T.A بل مکمّل نہ بھر سکا کیوں کہ سڑک کے سفر کی حد معلوم نہ تھی۔ بل پر دستخط کر کے دے آیا تھا۔ ایک عرصے کے بعد چیک آیا جو محض Rs. 126.92 پیسے کا تھا۔ یہ رقم پٹھان کوٹ تا دلّی کے تین فرسٹ کلاس کرایوں سے بھی کم ہے۔ میں نے چند خطوط لکھے تب ۲۶/مئی ۱۹۶۶ء کو آر.اے.کے.غوری ڈپٹی رجسٹرار نے لکھا کہ دوسرا بل بھر کر بھیجیے جس میں سے ادا شدہ رقم منہا کر دیجیے۔ میں نے دوبارہ بل بھر کر بھیجا جو Rs. 213.92 کا تھا۔ پہلے ملے ہوئے 126.92 منہا کر دینے کے بعد اب 87 روپے یونی ورسٹی پر واجب الادا ہیں روپے ہیں۔ یونی ورسٹی کو کئی خطوط لکھے لیکن جواب ندارد۔ براہِ کرم کسی سے کہہ کر یہ 87 روپے نکلوا دیجیے۔ یہ خط یونی ورسٹی کے پتے پر لکھ رہا ہوں تاکہ آپ وہیں کسی سے کہہ سکیں۔

جمّوں میں لکچروں کے بعد آپ کو شعر خوانی کی زحمت بھی دی جائے گی۔ بیاض ساتھ لانے کا کرم کیجیے۔

انجمن کی عمارت کا نام اُردو گھر رکھنے پر مجھے بڑی مایوسی ہوئی ڈاک گھر، تار گھر کی طرح کی کوئی کاروباری عمارت معلوم ہوتی ہے۔ اُردو بھون میں ایک عظمت تھی اور اُردو کے حریفوں کو یہ بھی دکھانا تھا کہ اُردو ہندستانی رنگ پر بھی محیط ہے۔ علی گڑھ میں یہ عمارت بنتی تو اُردو بھون مناسب نہ ہوتا۔ دلّی کے ماحول میں یہ نام بالکل رچ رہا تھا۔ اگر اُردو بھون کی ہندی ترکیب بعض طبائع کو ناگوار تھی تو اُردو منزل اچھا نام ہوسکتا تھا۔ زبان وادب کا تہذیب وثقافت سے جو تعلق ہے وہ اُردو گھر جیسے نام میں نہیں جھلکتا۔ یہ بالکل بے رنگ، بے جان اور پھیکا نام ہے۔ میرے شعبے کے تمام حضرات نہ صرف شام لال کالڑا بل کہ منظر اعظمی صاحب اور ضیا آفریدی ریسرچ اسکالر کی بھی متفقہ رائے ہے کہ اُردو گھر سے اُردو بھون بہتر نام تھا۔ اگر اب بھی نظرِ ثانی کی جاسکے تو دوبارہ غور کرلیجیے۔

خادم

گیان چند

(۴۲)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، جمّوں وکشمیر یونی ورسٹی

جمّوں

۵رمئی ۱۹۶۸ء

محترم۔ تسلیم

۱۸راپریل کا مفصّل کرم نامہ ملا۔ اتنا طویل خط لکھنے میں آپ کا کتنا وقت لگا ہوگا۔

توسیعی لکچر کے نہ ہونے سے شعبے پر کوئی خاص حرف نہیں آتا چوں کہ براہِ راست یہ کام میرے ذمّے نہیں۔ سیاسیات میں بنارس کے صدرِ شعبۂ سیاسیت کے دو لکچر ہوئے۔ ان میں گورنر صاحب بھی آئے۔ ان کے سامنے اعلان کیا گیا کہ ۴-۵راپریل ۱۹۶۸ء کو اُردو میں پروفیسر سرؔور کے لکچر ہوں گے۔ نہ ہوسکنے سے کچھ نہ کچھ نا اُمیدی ہوئی۔ بہرحال اگلے سال سہی۔ یار زندہ صحبت باقی۔

میں ۱۱؍اپریل کو دلّی میں تھا۔ نثار احمد فاروقی کے ساتھ کوہِ نور پریس گیا تو معلوم ہوا کہ کتاب کی کاپیاں ظلِ عباس لے گئے ہیں اب کہیں اور چھپوائیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کتابت پرانی ہوجانے کی وجہ سے Acid لگا کر حرف ابھارے جائیں گے نیز چند کاپیاں دوبارہ لکھانی ہوں گی۔ اس سب سے مجھے ناامیدی ہوئی کہ ہنوز روزِ اوّل والا معاملہ ہے۔ دلّی سے واپسی پر آپ کا کرم نامہ ملا۔ اس میں آپ نے تفصیل سے صورتِ حال لکھی ہے۔ بڑا اطمینان ہوا۔ جب پوری تفصیل سے آپ واقف ہیں اور معاملہ اپنے ہاتھ میں لیے ہیں تو مجھے نہ کوئی تشویش کا مقام ہے نہ تقاضے کا۔ جو کچھ ضروری ہوگا وہ آپ خود ہی کرلیں گے۔

۲۱؍اپریل کو جمّوں میں کنووکیشن تھا، اس لیے میں علی گڑھ کے جلسے میں حاضر نہ ہوسکا۔ نارنگ کے خط سے تفصیلات معلوم ہوئیں۔ یہ جان کر حیرت ہوئی کہ جلسے میں اس بات پر ووٹ لیے گئے کہ میری کتاب کی پانسو جلدیں چھپیں یا ایک ہزار۔ یہ معمولی بات تھی جسے انتظامیہ کو طے کردینا تھا لیکن یہ مسئلہ پیدا ہی کیوں آیا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے پانسو اور ہزار جلدوں کی طباعت اور کتابت میں یکساں صرفہ آتا ہے۔ صرف کاغذ اور جلد بندی کی لاگت میں فرق آتا ہے۔ اگر کتاب کی کچھ جلدیں پاکستان جاسکتیں تو تین چار سال میں ایک اڈیشن ختم ہوسکتا تھا۔ پہلی پانسو کے بعد بقیہ پانسو جلدیں بہت کم قیمت میں تیار ہوجاتیں۔ میرا خیال ہے کہ مزید پانسو روپے کا کاغذ اور ڈھائی سو روپے جلد بندی میں صرف ہوں گے۔ جب انجمن مجھے ایک ہزار جلدوں کی رائلٹی دے رہی ہے تو پانسو بھی چھاپے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ صرف اس بات کا افسوس ہوتا ہے کہ ساڑھے سات سو آٹھ سو یا حد سے حد ایک ہزار روپے میں مزید پانسو جلدیں تیار ہوسکتی تھیں۔

میری ایک تجویز ہے کہ آپ پانسو کی بہ جاے ایک ہزار جلدیں تیار کرادیں۔ انجمن پہلی پانسو جلدوں کا صرف اٹھائے، بقیہ پانسو کے لیے جو مزید لاگت آئے گی وہ میں دوں گا اور وہ جلدیں میری ہوں گی۔ انجمن کو اعتراض ہوسکتا ہے کہ میں اپنے پاس سے کتابیں فروخت کرنے لگوں گا تو انجمن کی اپنی جلدوں کی فروخت پر اثر پڑے گا۔ ان کا تدارک یہ ہے کہ انجمن میری لاگت سے چھپوائی ہوئی پانسو جلدیں ابھی میرے حوالے نہ کرے اپنے پاس ہی رہنے دے، جب انجمن کا پانسو جلدوں کا اڈیشن ختم ہوجائے تب میرے نام کی جلدیں میرے حوالے کی جائیں۔ تو یا انجمن کے کاغذات میں یہی دکھایا جائے کہ ۵۰۰ کاپیاں چھپی ہیں۔ نجی

طور پر ایک ہزار کاپیاں نکلوالی جائیں۔ مجھے صرف یہی خیال ہے کہ پانسو جلدیں نکل جانے کے بعد دوسرے اڈیشن میں پھر برسوں لگیں گے۔ اگر مزید پانسو جلدیں موجود ہوئیں تو کتاب بازار میں فراہم ہوتی رہے گی۔ اگر انجمن اس وقت آٹھ سو یا ہزار روپے (یا جو بھی کچھ ہو) لگانے کی پوزیشن میں نہیں تو میں یہ رقم لگا سکتا ہوں۔ یہ رقم میری رائلٹی سے منہا کر لی جائے۔ آپ اس تجویز پر غور کیجیے۔ یاد رہے کہ میری Caste ویلش بنیا ہے۔

(۴۳)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
جموّں وکشمیر یونی ورسٹی
جموّں

۱۳/جنوری ۱۹۶۹ء

محترم۔ تسلیم

کرم نامہ ملا۔ آپ اتنے مصروف آدمی ہیں اور اس مصروفیت میں آپ نے اتنا طویل اور مفصّل جواب لکھا، اس عنایت کے لیے بہ طورِ خاص ممنون ہوں۔

ساتھ میں ملفوف خبر اور ایک مراسلہ جب کبھی گنجایش ہو 'ہماری زبان' میں چھپوا دیں۔ مشکور ہوں کہ 'معراج العاشقین' کا تبصرہ آپ شائع کر رہے ہیں۔ مانتا ہوں میں نے اسے لکھتے وقت عثمانیہ کے تقرر کو ذہن میں نہیں رکھا۔ کوئی وجہ نہیں کہ میں ڈاکٹر حفیظ قتیل کی دوسرے امیدواروں کے مقابلے میں وکالت کروں۔ میں نے تو کتاب دیکھی اس کی تحقیق دل کو لگی بے اختیار داد دینے کو جی چاہا اسی لیے لکھ کر بھیج دیا۔

شرح کا نام 'وقائعِ غالب' آپ کو پسند نہیں تو چھوڑیے۔ 'بیضۂ طاؤس' دل چسپ ہے لیکن اس حد تک stunt کا انداز لیے ہے کہ غیر سنجیدہ سا ہو گیا ہے۔ 'گنجینۂ معنی' مناسب تو ہے لیکن نسخۂ عرشی کے پہلے حصّے کا نام ہے۔ یہ گنجینۂ معنی کی شرح ہے تھوڑا سا خلطِ مبحث ہوگا۔ مثلاً فہرست میں مَیں نے لکھا ہے گنجینۂ معنی کے قصائد کی شرح۔ گنجینۂ معنی کی غزلیات کی شرح، یادگارِ نالہ کے منتخب اشعار، ضمیمہ نسخۂ عرشی کا انتخاب وغیرہ۔

اب اگر شرح کا نام ہی گنجینۂ معنی ہے تو پھر فہرست میں وہ عنوان سے التباس کا باعث ہو جاتے ہیں۔ دو نام اور تجویز کرتا ہوں: گنجینۂ غالب، رموزِ غالب، تفسیرِ غالب۔ اگر اب گنجینۂ

غالب پسند کریں تو وہی رکھ دیں ورنہ رموزِ غالب، تفسیرِ غالب، گنجینۂ معنی، بیضۂ طاؤس جو چاہیں رکھ دیں۔ اب مجھ سے نہ پوچھیے آخری فیصلہ کر کے وہی نام بھجوا دیجیے مجھے صرف اطّلاع دے دیجیے۔

اگر مارچ کے آخر یا اپریل کے شروع تک شرح چھپ جائے تو بہت بڑی بات ہوگی۔

آپ ضیا صاحب کو شرح ضرور دکھا لیجیے۔ ضابطے کی پابندی ہو جائے گی یہ اچھا ہے لیکن اس سے زیادہ کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میں نے اس سلسلے میں سارے بزرگوں کو پرکھ لیا ہے۔ پندرہ سولہ اشعار مالک رام صاحب کو لکھ کر بھیجے کہ ان کا مطلب لکھ بھیجیے، جواب نہ آیا۔ اپریل ۱۹۶۸ء میں مَیں دلّی میں ان سے ملا۔ بذاتِ خود ہر شعر کو ان کے سامنے پڑھا۔ ایک شعر یا ایک مصرعے کے معنی نہ بتا سکے۔ کہنے لگے آپ عرشی صاحب سے کیوں نہیں پوچھتے۔ میں نے کہا یہی کروں گا۔ دو تین مشکل ترکیبوں کے معنی دریافت کیے، نہ بتا سکے۔

عرشی صاحب کو پانسات شعر لکھ کر بھیجے۔ جواب نہ آیا۔ تقاضا کیا تو صرف تین شعروں کے معنی لکھے۔ ایک دو ترکیبوں کے معنی لکھے اور میں ان سے مطمئن نہ ہوا۔ اکتوبر میں پانچ چھے شعر لے کر دلّی میں قاضی عبدالودود سے ملا۔ ایک مصرعے کے معنی نہ بتا سکے۔ دو تین ترکیبوں کے معنی پوچھے، مطلقاً لاعلمی کا اظہار کیا۔

اکبر علی خاں نے ضمیمۂ نسخۂ عرشی نام کے مضمون میں غالبؔ سے ایک شعر منسوب کیا ہے جو بڑا مشکل ہے۔ یہ یقینی ہے کہ یہ غالبؔ کا نہیں۔ شعر ہے:

نتیجہ اپنی آہوں کا ہے شکلِ مستوی پورا
ہوئی صورت کا بوس پھر خوابِ گراں کیوں ہو

چوں کہ یہ شعر ۱۸۵۳ء کے قریب کی غزل 'کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو' کا بتایا گیا ہے اس لیے مجھے یہ ماننے میں تامّل ہے کہ ایسی سلیس غزل میں غالبؔ نے اس بیدردانہ انداز کا شعر کہا ہوگا۔ دلّی میں قاضی جی کو یہ شعر سنایا تو انھوں نے بھی کہا کہ 'شکلِ مستوی' منطق کی اصطلاح معلوم ہوتی ہے۔ غالبؔ نے پندرہ سولہ سال کی عمر سے پڑھنا لکھنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ منطق کو کیا جانے۔ اِس لیے یہ شعر اس کا نہیں ہوسکتا۔

مجھے اگر شکلِ مستوی کے معنی معلوم ہو جائیں تو میں شعر کو حل کر لوں۔ میں نے اس اصطلاح کے معنی سروری صاحب، ڈاکٹر نذیر احمد، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، قاضی عبدالودود

اور کئی دوسروں سے پوچھے، کوئی نہ بتاسکا نہ ہی لغت میں ملی۔ یہ یقینی ہے کہ یہ منطق کے syllogism کی کوئی صورت ہے۔ عکسِ مستوی لغت میں مل گیا ہے۔ چوں کہ یہ شعر غالبؔ کا نہیں اس لیے مزید کوئی ضرورت نہیں۔

فارسی محاوروں کا یہ حال ہے کہ بارہا آسی انھیں نہیں پہچان پاتے۔

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا
دل جگر تشنۂ فریاد آیا

جگر تشنہ فارسی محاورہ ہے جس کے معنی ہیں 'بسیار مشتاق'۔ یہ محاورہ قلم زد کلام میں بھی آیا ہے۔ شرحِ غالبؔ میں علی حیدر طباطبائیؔ اسے نہ سمجھ سکے اور حد ہے کہ مطالعۂ غالبؔ میں جعفر علی خاں آثرؔ بھی اس سے واقف نہیں۔ وہی 'دل اور جگر' جان کر خدا معلوم کیا کیا معنی لکھتے ہیں۔

آپ کو جو میری بعض تشریحوں پر خلش ہے وہ بجا ہے لیکن وہ مجھ سے زیادہ شعر کا قصور ہے۔ کئی اشعار کے کئی کئی معنی نکلتے ہیں۔ میں نے اکثر انھیں لکھ دیا ہے۔ مجھے خود اپنی تشریح کی قطعیت پر اصرار نہیں بل کہ اعتماد نہیں۔ میں نے ایک بار شرح لکھ دی۔ نظرِ ثانی کی تو شاید دس فی صدی اشعار کے معنی غلط معلوم ہوئے اور انھیں بدلنا پڑا۔ اگر اب کی بار پھر نظرِ ثانی کروں تو شاید چار پانچ فی صدی اشعار کے معنی پھر بدل دوں گا۔ ہوسکتا ہے ضیا صاحب بعض اشعار کی کچھ اور تشریح کریں لیکن میں اسے تبھی قبول کرسکتا ہوں جب اسے سن کر اس پر غور کرلوں۔ اس لیے ضیا صاحب یا کسی اور بزرگ سے یہ رائے لینا مناسب ہوگا کہ کیا ''اس شرح میں اشعار کے معنی اس طرح اور اس پایے کے درج ہیں کہ اسے شائع کرنا مناسب ہوگا؟'' اشعار کی Altimate تشریح ان سے چاہنا مناسب نہ ہوگا۔

سروری صاحب کو ۶۵ سال کی عمر تک کے لیے توسیع دی گئی ہے۔ اب وہ غالباً ۶۲ سال کے ہیں اس لیے دو تین سال کی توسیع ہوئی۔ ہندی کے پروفیسر تواری جی ۶۵ کے ہوگئے ہیں انھیں سوا سال کی توسیع دی گئی ہے۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر مسعود حسین علی گڑھ میں لسانیات کے پروفیسر بن کر آرہے ہیں۔ مسلم یونی ورسٹی میں لسانیات کا شعبہ کسی اُردو والے کے ہاتھ میں ہونا چاہیے تھا۔ اب عثمانیہ میں پروفیسری خالی ہوگی۔ اب میں وہاں جانے کا متمنی نہیں۔ اب تو میرا مقصد وطن سے نزدیک تر آنا ہے دور جانا نہیں۔ میری رائے میں عثمانیہ میں ڈاکٹر خورشید الاسلام کو پروفیسر ہونا

چاہیے، وہ موزوں ترین ہیں۔

نسخۂ عرشی کے گنجینۂ معنی یعنی غالبؔ کے ابتدائی کلام کی شرح کا کام جاری ہے۔ آدھے سے زیادہ ہوگیا۔ جون کے شروع میں پورا کردوں گا۔ صحرائے لق و دق ہے۔ جذبے کا نام نہیں۔ صرف عقلی گرّے کھائے ہیں۔ یہ شاعری نہیں کھجور کے پیڑ پر چڑھنا ہے۔ حیرت ہے کہ ایسا پاگل شاعر بعد میں کیوں کر اتنا سنبھل گیا۔ ارتقا کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ میں نے کتاب کی اشاعت کے لیے یہاں کی سرکاری کلچرل اکیڈمی سے تحریک کی ہے۔ ابھی ان کا ردِّعمل موصول نہیں ہوا۔

امید ہے مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

دسمبر ۱۹۶۶ء میں مَیں نے آپ کے یہاں کے بورڈ آف اسٹڈیز کے جس جلسے میں شرکت کی کوشش کی تھی اس کے T.A میں سے ۸۷ روپے باقی رہتے ہیں۔ میں پہلے بھی آپ کو لکھ چکا ہوں کسی سے کہہ سکیں تو ممنون ہوں گا۔

میری یونی ورسٹی بھی مئی سے گرمیوں کے لیے بند ہوگئی۔

خادم
گیان چند

(۴۴)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

بیضۂ طاؤس
یعنی
غیر متداول کلامِ غالبؔ کی شرح
ڈاکٹر گیان چند
انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) علی گڑھ
۱۹۶۹ء

طبع کی واشد نے رنگِ یک گلستاں گل کیا　　یہ دل وابستہ گویا بیضۂ طاؤس تھا
بزمِ نظر ہیں بیضۂ طاؤس خلوتاں　　فرشِ طرب بہ گلشنِ ناآفریدہ کھینچ
ہے تصوّر میں نہاں سرمایۂ صد گلستاں　　کاسۂ زانو ہے مجھ کو بیضۂ طاؤس و بس

گر چہ ہے یک بیضۂ طاؤس آسا تنگ دل ہے چمن سرمایۂ بالیدنِ صد رنگ دل

غالبؔ

بیضۂ طاؤس

یعنی

غیر متداول کلامِ غالبؔ کی شرح

ڈاکٹر گیان چند

صدرِ شعبۂ اُردو جموں و کشمیر یونی ورسٹی، شاخ جموّں

انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) علی گڑھ

طبعِ اوّل: ۱۹۶۹ء قیمت.......

(۴۵)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

جموّں یونی ورسٹی

جموّں ڈویژن، جموّں

۲۹/جنوری ۱۹۶۹ء

محترم۔ تسلیم

آپ کے کئی خطوط ملے۔ میری مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ چھٹیاں لکھنے یا ان کا جواب دینے کا وقت بھی بہ مشکل نکال پاتا ہوں۔ آپ مجھ سے بدر جہا زیادہ مصروف آدمی ہیں۔ اس مصروفیت کے باوجود آپ نے مجھے کئی طویل خط لکھے، اس زحمت وعنایت کے لیے تہِ دل سے مشکور ہوں۔

مجھے خوشی ہے کہ آپ نے شرح کے لیے 'بیضۂ طاؤس' نام پسند کیا۔ یہ علامت اس بات کی ہے کہ ابھی آپ کا دل شگفتہ اور جذبات تر و تازہ ہیں۔ شرح کے سرورق کا مسوّدہ بھیج رہا ہوں۔ اس میں مناسب ترمیم کر سکتے ہیں۔ 'شرحِ غیر متداول کلامِ غالبؔ' غلط ترکیب تھی اس لیے اسے بدل کر 'غیر متداول کلامِ غالبؔ کی شرح' کر دیا ہے۔ بیضۂ طاؤس کے چار شعر درج کر رہا ہوں۔ انھیں ایک ہی جگہ یا مختلف صفحات پر درج کر دیجیے۔

آپ مارچ میں توسیعی لکچروں کے لیے ضرور تشریف لے آئیں۔ یہاں کے توسیعی لکچر

اتنی عظیم چیز نہیں جیسا کہ آپ سوچتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہیں جیسے حمیدہ کالج میں آپ کا خطبہ۔ آپ زبانی تقریر کیجیے۔ تحریری تقریر پسند بھی نہ کی جائے۔ ایک تقریر کا موضوع 'اُردو کی نئی شاعری' ہوگا اور دوسری کا 'غالب'۔ آپ نمونے کے شعر درج کرالائیں باقی زبانی بولیں۔ یوں جن کتابوں کی ضرورت ہو (نئی شاعری کے مجموعے) وہ سب یہاں بھی مل سکتی ہیں۔ تقریر پون گھنٹے سے ایک گھنٹے تک کی ہونی چاہیے۔ اگر پہلے سے کوئی پکّی تاریخیں دے دیں تو گورنر یا چیف منسٹر کو صدارت کے لیے تیّار کرلیں۔ مارچ میں آپ جب بھی چاہیں تشریف لائیے۔ فروری میں آنا چاہیں تو ۱۵؍فروری کے بعد کسی بھی وقت آیئے۔

یہ چٹھی خلیل الرحمٰن صاحب کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔

امید ہے مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

احتشام صاحب نے نئی شاعری کے خلاف تقریر کی تھی آپ متوازن تقریر کر کے دونوں پہلو یا صرف روشن پہلو پیش کریں۔

(۴۶)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی

جمّوں

۲۸؍جولائی ۱۹۶۹ء

محترم۔ تسلیم

میں چھٹیوں میں وطن گیا تھا۔ آپ کا عنایت نامہ جمّوں سے Redirect ہو کر ملا۔ کل واپس آیا ہوں۔

شرح کے بارے میں جان کر یکسوئی ہوئی۔ مسوّدہ واپس کر دیجیے۔ صدرِ انجمن بڑے آدمی ہیں۔ ویسے کوئی اور اگر یہ کہتا کہ جو کلامِ غالبؔ نے قلم زد کر دیا ہے وہ درخورِ اعتنا نہیں تو میں کہتا کہ وہ اس عہدۂ جلیلہ کا مستحق نہیں۔ مفتی صاحب کو کیا کہوں۔ وہ ادب سے زیادہ سیاست کے آدمی ہیں۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے فراؔق صاحب سے کیا کہا تھا۔ میں نے کہا ہوگا تو یہ نہ کہا ہوگا کہ سرور صاحب مسوّدے چار پانچ سال ڈالے رکھتے ہیں۔ میں نے کہا ہوگا کہ آٹھ نو سال لگا دیتے ہیں۔ میں آپ کے بارے میں اس قسم کا عمومی بیان نہیں دیتا۔ بہت سے لوگ مجھ سے میری کتابوں کی اشاعت کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں میں اپنا رونا رو دیتا ہوں۔ صحیح صورتِ حال بیان کر دیتا ہوں کہ ہندستان کی انجمن نے کتاب چھاپنے میں نو سال لگا دیے، پاکستان کی انجمن نے چھے سال۔ اس بیانِ واقعہ میں شکوے کا رنگ آ جانا فطری ہے۔ آپ سے ذاتی گلہ نہیں لیکن چوں کہ ہر ادارے کی خوبیوں اور خامیوں کا ذمہ دار ادارے کا صدر ہوتا ہے اس لیے آخر کار انجمن کی تصدیق کی ذمہ داری آپ کے کندھوں ہی پر آ پڑتی ہے۔ جو مسوّدے میرے بعد دیے گئے وہ چھپ گئے مثلاً خلیق انجم کا مسوّدہ۔

میری اور فراؔق کو جو بات ہوئی اس کی روداد خود فراؔق ہی نے کسی سے بیان کی ہوگی۔ اب فراؔق نے جو کچھ کہا وہ سن کر آپ خوش نہ ہوں گے لیکن میں سناؤں گا۔ فراؔق صاحب نے کہا کہ مثنوی کی اشاعت میں یہ دیر آپ کے ہندو ہونے کی وجہ سے ہے۔ میں نے کہا کہ سرور صاحب میں اور کوئی کمی ہو تو ہو لیکن میں نے انھیں متعصب نہیں پایا۔ اس پر فراؔق نے کہا ''انجمن سے کبھی کسی ہندو کی کتاب چھپی ہے؟'' میں نے جگن ناتھ آزاد اور خود فراؔق وغیرہ کے انتخابِ کلام کا نام لیا۔ مجھے کسی ضخیم کتاب کا نام یاد نہ آیا۔ اس پر فراؔق نے کہا کہ ''میں نے سرور صاحب سے براہِ راست اور بالواسطہ ہزار دفعہ کہا کہ میرا انتخابِ کلام چھاپ دیں لیکن وہ ہمیشہ ہاں ہوں کر کے ٹالتے رہے''۔ میں نے کہا ''انجمن سے آپ کا انتخاب چھپا تو ہے''۔ فراؔق نے کہا ''ایسا انتخاب نہیں ضخیم انتخاب''۔ میں فراؔق کے اعتراض کو جائز نہیں سمجھتا، ان کے کلام کے متعدد مجموعے بازار میں ملتے ہیں۔ انجمن ان کا ضخیم خلاصہ شائع کرتی تو نامناسب ہوتا۔ فراؔق غیر متعصب آدمی ہیں۔ ہندو کی مخالفت میں جو مضامین لکھتے ہیں ان میں کہیں کہیں یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ ہندو کلچر ناقص ہے۔ ہندوؤں نے سب کچھ مسلمانوں سے سیکھا ہے۔ پھر معلوم نہیں کیوں ان کے ذہن میں یہ نفسیاتی پیچ آیا ہے۔ میں اس بارے میں سو فی صدی مطمئن ہوں کہ آپ کے خون کے کسی قطرے میں مذہبی تعصب نہیں۔ آپ کا نقطۂ نظر جدید، وسیع المشرب، عالمانہ اور سیکولر ہے۔ اگر مثنوی کی اشاعت میں دیر ہوئی یا شرح کی اشاعت منسوخ ٹھہری تو اس میں میرے ہندو ہونے کو کوئی دخل نہیں۔

آپ نے شرح کا مسوّدہ طلب کرتے وقت کہا تھا کہ ''مجھے شرح کے شائع کرنے کا اختیار ہے ادبی کمیٹی وغیرہ میں پیش کرنے کی ضرورت نہیں''۔ میں نے اسی لیے مسوّدہ انجمن کے حوالے کیا تھا۔ بعد میں آپ نے اسے کمیٹی وغیرہ کے چکّر میں ڈالنا ضروری سمجھا۔

اتفاق کی بات ہے کہ جس ڈاک سے آپ کا خط ملا اسی ڈاک سے عتیق صدیقی کا خط ملا کہ آپ غالبؔ پر کوئی کتاب لکھ رہے تھے۔ مسوّدہ بھیج دیجیے تا کہ اکیڈمی سے شائع کرا دیں۔ میں نے انھیں تفصیل لکھی ہے۔

انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان میں 'نثری داستانیں' کی ترتیبِ نو زیرِ اشاعت ہے۔ پچھلے سال مارچ اپریل میں مشفق خواجہ نے لکھا تھا کہ پورا متن چھپ گیا صرف ضمیمہ اور اشاریہ چھپنا باقی ہے۔ اس کے بعد سے ان کا خط نہیں آیا۔ کتنے خطوط لکھے۔ شاید censure ہو جاتے ہیں۔ رجسٹری سے بھی لکھا۔ جواب ندارد۔ یہ جمّوں کشمیر کا فیشن ہے۔ مشفق کی معرفت ایک اور کتاب 'لسانی مطالعے' زیرِ طبع ہے۔ دونوں ۱۹۶۳ء میں دی تھیں۔ دونوں کے بارے میں تاریکی میں ہوں۔ اب دوسروں کے سامنے اپنا رونا نہ روؤں تو اور کیا کروں۔

'اُردو مثنوی' کے ساتھ اشاریے کے علاوہ غلط نامہ ضرور چھپوا دیجیے۔ میں اس سے محجوب نہیں۔ اس کی اشاعت سے میں بہت سے اعتراضات سے بچ جاؤں گا۔ میں ۲۳؍ جولائی کو بنارس میں ایک ریڈر اور ایک لکچرر کے انتخاب کے لیے گیا۔ دوسرے ماہر اعجاز صاحب تھے۔ ریڈر کے سلسلے میں امیدوار مسیح الزماں، حکم چند نیّر اور امرت لال عشرت تھے۔ مسیح الزماں لیے گئے۔ کیا لطف ہے کہ اعجاز صاحب نے حکم چند کے لیے کہا اور میں نے مسیح کے لیے۔ لکچرر کی جگہ پر حنیف نقوی کا انتخاب ہوا۔ ۲۴؍ جولائی کو مجھے جامعہ کی سلیکشن کمیٹی کے لیے بلایا گیا تھا، میں نے تاریخ کے ملتوی کرنے کی درخواست کی۔ مان لی گئی۔ اب ۴؍ اگست کو کمیٹی ہے۔

معلوم ہوا ہے ستمبر میں آپ چھے ماہ کے لیے شکاگو بہ حیثیت مہمان پروفیسر کے تشریف لے جا رہے ہیں۔ مبارک ہو۔ یہ بات لکھنؤ میں شمس الرحمٰن فاروقی سے معلوم ہوئی۔

آپ نے شرح کی اشاعت کی جو کوشش کی اس کے لیے ممنون ہوں۔

امید کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۴۷)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، جموّں یونی ورسٹی
جموّں

۱۲/ دسمبر ۱۹۷۰ء

محترم۔ تسلیم

۸/ دسمبر کا کرم نامہ کل ملا۔ میں خود ہی آپ کو لکھنے کی سوچ رہا تھا۔ رجسٹرار کا تار۹/ تاریخ کو جموّں پہنچا اور غالباً دس تاریخ کو مجھے ملا۔ میں نے غور کرنے کے بعد معذرت کر لی جس کی وجوہ یہ ہیں:

۱- اس شام مجھے شدید زکام تھا۔ مجھے زکام کے بعد کھانسی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات تھوڑا سا بخار بھی۔ جب کبھی زکام ہوتا ہے تقریباً دس دن بعد پیچھا چھوڑتا ہے۔ اگر میں سفر کرتا تو اس کے نتیجے میں انفلوئنزا ملنا یقینی تھا۔ اب بہت بہتر ہوں لیکن اب بھی رومال پاس میں رکھ کر چٹھی لکھ رہا ہوں۔

۲- جموّں کے پاس ایک تیرتھ استھان ویشنو دیوی ہے۔ وہاں شدید گرمی، برف باری اور برسات کے علاوہ روزانہ سیکڑوں یاتری جاتے ہیں۔ اس nuisance کی وجہ سے جموّں اور پٹھان کوٹ کے بیچ بس میں جگہ ملنے میں پانچ چھے گھنٹے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ میں کار کو پٹھان کوٹ آنے جانے کے لیے اس واسطے استعمال نہیں کر سکتا کہ میرے پاس ڈرائیور نہیں جو کار کو ایک طرف سے لے جائے۔ گرمیوں کی چھٹیوں کے آخر میں جب پورے خاندان کو آنا ہوتا ہے تو اجرت دے کر کسی ڈرائیور کو تلاش کرتا ہوں۔ محض پٹرول اور ٹول ٹیکس کا کار کا صرفہ جموّں سے پٹھان کوٹ آنے جانے میں تیس روپے آتا ہے۔ غرض یہ کہ کار سے جانا دقّت طلب بھی ہے صرف طلب بھی۔ میرے علم میں پٹھان کوٹ سے جموّں کے لیے ٹیکسی نہیں چلتی۔

۳- جموّں میں ریل کا دفتر بھی نہیں۔ یہاں واپسی ٹکٹ نہیں ملتا۔ میں کس کو دلّی لکھتا تب واپسی ٹکٹ اور رزرویشن کا انتظام ہوتا۔ اتنے تھوڑے نوٹس پر یہ بھی یقینی نہ تھا۔

۱۹۷۲ء کے شروع میں جموّں تک ضرور ریل ملنے لگے گی۔ تب سہولت ہو جائے گی۔

آپ کی فرمایش پر آنے سے انکار کرنا میرے لیے معمولی بات نہیں۔ بڑے قلق کے ساتھ ایسا کرنا پڑا۔

مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ کے پہلے سمسٹر کے تمام امتحانات داخلی ہوتے ہیں لیکن میرے پاس آپ کے کرم سے عروض و بیان کا پرچہ بنانے کو آیا۔ میں نے بنا دیا ہے لیکن میں اس پرچے کے موضوعات سے ناآسودہ ہوں۔ پرچے میں زحافات نہیں ہونے چاہئیں۔ یہ یاد نہیں رہ سکتے یا پھر امتحان میں عروض کی کتاب ساتھ لے جانے کی اجازت ہونی چاہیے۔ آپ کے پچھلے سال کے پرچے کو میں فی البدیہہ کم ہی حل کر سکتا تھا کیوں کہ مجھے کم بخت نامراد زحافات زبانی رٹے ہوئے نہیں۔ نہ ان کی کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

قواعد کے حصّے میں بھی بہت سی ایسی تفصیلات پوچھی جاتی ہیں جن سے فی الوقت ادب کی تفہیم یا تنقید میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ مجھے ان کی افادیت میں شبہ ہے۔ طلبہ کے لیے یہ پرچہ ہوّا بن جاتا ہے۔ میں نے نسبتاً قابلِ فہم پرچہ بنایا ہے۔ خصوصاً عروض میں موشگافیاں روا نہیں رکھیں۔

آپ سے ملنے کی شدید خواہش ہے۔ ابھی سے مجھ پر بڑھاپے کے آثار آ گئے ہیں۔ سفر سے بچنے لگا ہوں۔ اس سے پہلے انجمن کی دلّی کی میٹنگ اور وکرم یونی ورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈیز میں نہ گیا۔ مجھے کشمیر یونی ورسٹی کی سنڈیکیٹ میں بھی رکھ دیا تھا۔ تقریباً ہر ماہ اس کی بیٹھک ہوتی ہے۔ میں کبھی نہیں گیا۔ ایک سال غیر حاضر رہنے کے بعد چند روز قبل میں نے استعفا بھیج دیا۔ تب میں وہاں کا سفر ہی نہیں کرنا چاہتا تو کیوں ممبر رہوں۔

آپ سے ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں۔

خادم

گیان چند

(۴۸)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں

۲۲ر نومبر ۱۹۷۱ء

محترم۔ تسلیم

آج آپ کے ڈپٹی رجسٹرار کی دو چٹھیاں ملیں کہ مجھے لکچرر اُردو کی سلیکشن کمیٹی میں مدعو کیا گیا ہے۔ میٹنگ کی تاریخ ۲۲ر دسمبر تجویز کی ہے۔ میں نے مشروط منظوری دی ہے۔

میں ہرنیا کا دوبارہ آپریشن کرانا چاہتا ہوں کیوں کہ یہ پھر شدید ہو گیا ہے۔ ہماری یونی ورسٹی میں پوری تنخواہ پر کوئی چھٹی نہیں ملتی حتیٰ کہ بیماری کی بھی۔ اس لیے میں ۱۳ر، ۱۴ر دسمبر کو آپریشن کراؤں گا۔ پانچ دن کی Casual Leave لوں گا اور اس کے بعد پندرہ دن کی سرمائی تعطیلات ہیں۔ تین ہفتے کا آرام کافی ہوگا۔ اسی مجبوری کی وجہ سے میں لکھنؤ کانفرنس میں بھی شرکت نہ کر سوں گا۔ ترقیِ اُردو بورڈ والوں نے ۱۷ر دسمبر تا ۲۴ر دسمبر حیدرآباد میں لسانیات کا کوئی سمینار رکھا ہے۔ میں نے اس سے بھی معذوری ظاہر کر دی ہے۔

اگر آپ ۱۱ر دسمبر تک سلیکشن کمیٹی کر دیں تو میں آنے کو تیار ہوں۔ اگر اس وقت تک ممکن نہ ہو تو میں افسوس کے ساتھ معذرت چاہتا ہوں۔ کسی دوسرے کو مقرر کر دیا جائے گا۔ آپریشن کے بعد جنوری ۱۹۷۲ء کے اختتام سے پہلے کوئی سفر نہ کروں گا۔ اگر آپ ملتوی کرنا چاہیں تو فروری میں آ سکتا ہوں لیکن بہتر یہ ہے کہ ۱۰، ۱۱ر دسمبر تک ہی کام ختم کر دیجیے۔

اس بار ہوائی جہاز سے نہ آؤں گا کیوں کہ علی گڑھ کے سفر کے لیے ہوائی جہاز راس نہیں آتا۔

کمیٹی کا وقت کالکا میل کے بعد رکھیے اور سارے امیدواروں کو انٹرویو کے لیے نہ بلائیے بل کہ پہلی منزل پر آپ ہی screening کر کے پانچ چھے امیدواروں کو بلا لیجیے۔

لکھنؤ کانفرنس میں شرکت نہ کرنے کا مجھے افسوس ہے۔ میں نے شعبۂ تحقیق کا خطبۂ صدارت ستمبر اکتوبر میں لکھ لیا تھا۔ اب وہ یوں ہی پڑا رہے گا کیوں کہ وہ اس قابل نہیں کہ معمولی مضمون کے طور پر پڑھا جا سکے۔

سری نگر میں کسی کی شہ پر طلبہ نے بڑا ہنگامہ کیا تھا جس کی وجہ سے شعبۂ اُردو بند کر دینا پڑا۔ محمد حسن لکھتے ہیں کہ اب ۲۵ر نومبر کو شعبہ کھل رہا ہے۔

جامعہ والوں نے مجھے خوب لٹکایا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ اس سال تقرر ہی نہ کریں گے۔ میں مفت [میں] اپنی یونی ورسٹی میں بدنام ہو گیا۔ سارے جمّوں اور ساری اُردو دنیا میں مشتہر ہو گیا ہے کہ میں جامعہ میں جا رہا ہوں اور وہاں وہ سنّاٹا ہے کہ اُدھر سے آواز ہی نہیں آتی۔ شاید

میری درخواست گزاری نے بعض لوگوں کو اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔

خادم گیان چند

(۴۹)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

جنرل سکریٹری

انجمن ترقی اُردو (ہند)، علی گڑھ

جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں

۲۷ر ستمبر ۱۹۷۱ء

محترم۔ تسلیم

جمّوں کی انجمن ترقّیِ اُردو کی جانب سے اُردو گھر کے لیے چھے سو روپے کا چیک بھجوا رہا ہوں۔ یہ رقم جمّوں کشمیر کلچرل اکیڈمی کی طرف سے انجمن ترقّیِ اُردو جمّوں کو دی گئی۔ اکیڈمی کی جس کمیٹی نے یہ رقم دی اسی کمیٹی کا میں بھی ممبر تھا اور میں نے اصرار کر کے یہ رقم دلائی۔ اس طرح میری حقیر کوشش سے اب پہلے سو روپیوں کے بعد یہ دوسری سو روپے کی قسط روانہ کی جاتی ہے۔ فکر میں رہوں گا کہ کسی طرح مزید تین سو روپیوں کا بھی انتظام کر سکوں۔ اس رقم کی رسید سکریٹری انجمن ترقّیِ اُردو جمّوں کے لیے میری معرفت بھیج دیجیے۔ ممنون ہوں گا۔

خادم گیان چند

(۵۰)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی

جمّوں

۲۹ر نومبر ۱۹۷۱ء

محترم۔ تسلیم

۲۳ر نومبر کا کرم نامہ پرسوں سنیچر کے دن ملا۔ کل میں اپنے سرجن کے پاس گیا۔ انھوں نے آپریشن کی تاریخ ۱۰ر دسمبر تجویز کی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ ۱۳ر دسمبر کو کراؤں گا۔ کمرہ خالی ہونے پر منحصر ہے۔ آپ کے لکھنے کے بعد میں نے غور کیا کہ کوئی صورت ممکن ہے کہ میں لکھنؤ

جاسکوں؟ لیکن کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ آپریشن کے آٹھ دس دن بعد شعبے میں جانا ممکن نہیں۔ جمّوں میں Casual Leave کے علاوہ کوئی دوسری چھٹی پوری تنخواہ پر نہیں ملتی۔ بیماری کی چھٹی آدھی تنخواہ پر مل سکتی ہے۔ ۱۹ر دسمبر سے ۵ر جنوری تک جاڑوں کی تعطیلات ہیں۔ ان سے ہفتہ بھر قبل آپریشن کراؤں گا۔ Casual Leave لے لوں گا۔ اس کے بعد تین ہفتے مکمل آرام مل جائے گا اور ۶ر جنوری سے روزانہ شعبے میں جانا شروع کردوں گا۔ انھیں چھٹیوں کی وجہ سے پانچ چھے ماہ سے آپریشن ٹل رہا ہے۔ پچھلی بار آپریشن کرا کے میں نے احتیاط میں کمی کی دوبارہ وہی عارضہ لاحق ہو گیا۔ اب کی بار مکمل احتیاط کروں گا۔

اس لیے آپ کے حکم کے باوجود مجھے اپنی معذوری اور ندامت کا اظہار کرنا ہے کہ میں کان فرنس میں شریک نہ ہوسکوں گا۔ میری تجویز ہے کہ شعبۂ تحقیق مسیح الزماں کو دے دیا جائے۔ مسیح اب الٰہ آباد میں لکچرر ہو کر آئے ہیں لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ وہ کئی پروفیسروں مثلاً مجھ سے سینئر ہیں۔ کان فرنس عہدے کا خیال نہ کرے اور وسیع النظری سے کام لے کر ان کو یہ شعبہ دے دے۔ جہاں تک اُردو میں کام اور مقام کا سوال ہے مسیح الزماں اس کے ہر طرح اہل ہیں۔

اب آپ کے یہاں بھی جنوری کے بعد ہی آسکوں گا۔ جنوری کے آخر تک کوئی سفر نہیں کرنا چاہتا۔ اگر آپ تب تک ملتوی کرسکیں تو فروری میں آنے کے لیے میں تیار ہوں ورنہ بحالتِ مجبوری کسی اور کو مدعو کرسکتے ہیں۔

میرے آپریشن کی تاریخیں اس پر ملتوی ہیں کہ لڑائی نہ ہو۔ اگر جنگ ہوگئی تو اس دوران میں نہ اسپتال میں جگہ ملے گی نہ میں آپریشن کرا کے معذور ہونا چاہوں گا۔ لیکن بحالتِ جنگ اگر آپریشن نہ ہوسکا تو بھی میں کان فرنس میں نہ جاسکوں گا کیوں کہ جنگ کی صورت میں جمّوں اور پٹھان کوٹ کے بیچ کا راستہ مخدوش ہو جائے گا اور اس پر سفر ممکن نہ رہے گا۔

محمد حسن کو طلبہ نے کشمیر میں پریشان کیا۔ ۲۵ر ستمبر کو شعبہ دوبارہ کھلا ہوگا اور میرا خیال ہے کہ اب سب ٹھیک ہو گیا ہوگا۔

میں ڈاکٹر ہاشمی کو بھی لکھ رہا ہوں۔

خادم گیان چند

پروفیسر آلِ احمد سرور
صدر شعبۂ اُردو، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

(۵۱)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی
جمّوں

۳/دسمبر ۱۹۷۱ء

محترم۔ تسلیم

۲۵/نومبر کا کرم نامہ ملا۔ میری سابق چھٹی پر آپ کو جو تاوان دینا پڑا اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ جمّوں کشمیر میں اس ٹکٹ کی کیا پوزیشن ہے کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ کئی بار میں نے، میرے ساتھیوں نے اور چپراسیوں نے مختلف ڈاک خانوں میں معلوم کیا وہ یہی کہتے ہیں کہ اس ریاست کی ڈاک پر پانچ پیسے کا ٹکٹ لگانے کی ضرورت نہیں۔ ایک بار امرتسر سے میری ایک چٹھی واپس آئی کہ مکتوب الیہ نے بیرنگ کے پیسے نہیں دیے۔ میں نے پھر پوسٹ آفس سے معلوم کرایا وہ یہی اصرار کرتے ہیں کہ ۵/ پیسے کے ٹکٹ کا قانون اس ریاست پر لاگو نہیں ہوتا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس ریاست میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جو چٹھی بھیجی جائے اس پر ٹکٹ لگانا ضروری نہیں۔ میرے پاس باہر سے پندرہ پیسے کے ان لینڈ لیٹر آئے ہیں۔ یہاں ان پر تاوان نہیں لیا گیا۔ یہاں کے ڈاک خانوں میں Refugee Relief والے پانچ پیسے کے ٹکٹ بالکل نہیں ملتے۔ اس لیے سادہ ۵/ پیسے کا ٹکٹ لگا کر بھیج رہا ہوں۔

اگر جنگ نہ ہوئی تو ۱۰/دسمبر یا ۱۳/دسمبر کو آپریشن کرالوں گا۔ آپ کے یہاں عارضی لکچرر کا تقرر کرنا ہے تو ایک ماہر ہی سے کیوں نہ منظور کرالیا جائے۔ میرے بغیر ہی کر لیجیے یا میں ڈاک سے اپنی رائے بھیج دوں۔ اگر باقاعدہ کمیٹی ہی کرنی ہے تو آخر جنوری یا شروع فروری میں کر لیجیے۔

میں نے جامعہ کے معاملے میں مجیب صاحب اور اپنے درمیان کی بات چیت کی کوئی تشہیر نہیں کی۔ خود آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ 'کیا آپ کی مجیب صاحب سے بات ہوئی ہے؟'۔ میں نے کہا تھا کہ 'ہوئی ہے'۔ اس کے آگے نہ آپ نے کوئی تفصیل پوچھی نہ میں نے بتائی۔ اس بات چیت کا ذکر صرف دو تین مخلصین اور بہی خواہاں کے سامنے آیا ہے اور بس۔ میں نے تشہیر اس بات کی ضرور کی کہ میں نے جامعہ کی پروفیسری کے لیے درخواست دی ہے۔

اب آپ سے کہتا ہوں کہ میری کامیابی کے امکانات کی تشہیر خود مجیب صاحب نے کی ہے۔ میرے یہاں کے ریسرچ اسکالر ضیاء الرحمٰن آفریدی جولائی میں علی گڑھ تھے۔ وہ عرفان حبیب صاحب کے یہاں حبیب صاحب کی تعزیت کو گئے۔ وہاں مجیب صاحب بھی موجود تھے۔ تعارف ہوا۔ مجیب صاحب نے چھوٹتے ہی ضیا سے کہا 'آپ کے پروفیسر گیان چند کو ہم جامعہ میں لے آئے ہیں'۔ یہ بات اُس وقت ہوئی جب میں نے درخواست بھی نہ دی تھی۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں سنّاٹے میں آ گیا کہ مجیب صاحب جیسے پختہ کار آدمی نے ایک اجنبی لڑکے سے پہلے تعارف میں یہ بات کہہ دی۔ ضیا نے مسلم یونی ورسٹی میں بھی مشہور کر دیا ہوگا اور یہاں میرے ساتھیوں کو بھی چٹھی میں لکھا۔ مجیب صاحب کا ایک بھتیجا قومی آرکائیوز میں ملازم ہے۔ میں انھیں نہیں جانتا۔ جمّوں کے ایک تاریخ کے لکچرر جولائی میں دلّی گئے تو ان کے بھتیجے صاحب نے (جو پی ایچ ڈی ہیں اور مجیب صاحب کے ساتھ رہتے ہیں) ہمارے لکچرر سے کہا کہ مجیب صاحب گیان چند سے بہت متاثر ہیں اور وہ اسے جامعہ میں لا رہے ہیں۔ اس طرح بات جمّوں میں بھی مشہور ہوگئی۔ یہ دو باتیں میں صرف آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اِن سے ظاہر ہے کہ میں نے تشہیر نہیں کی مجیب صاحب کی طرف سے تشہیر ہوئی ہے۔ ویسے جس کسی کو بھی معلوم ہوا کہ میں نے جامعہ میں درخواست دی ہے اُس نے فرض کر لیا کہ دوسرے امیدواروں (جو بیشتر ریڈر اور لکچرر ہیں) کے مقابلے میں میرا لیا جانا یقینی ہے۔ بہرحال میں اب اس معاملے میں خاموش بیٹھا ہوں۔ دوسرے امیدواروں کے دلّی میں رہنے والے ہی میرے بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور کر سکتے ہیں۔ اگر اہلِ جامعہ نے مجھے بلا لیا تو ٹھیک ہے۔ نہیں بلایا تو میرا کوئی نقصان نہیں۔ اُن کی مرضی ہے۔ مجھے جامعہ میں جانے کا غیر معمولی اشتیاق نہیں۔ صرف یہی تھا کہ گھر کے پاس ہو جاتا اور جامعہ میں اُردو کے لیے ماحول زیادہ سازگار ہوگا۔ نہ جا سکا تو جمّوں میں بھی امور بڑے سکون کے ساتھ چل رہے ہیں۔

حیدرآباد کے سمینار کے لیے مجھے بھی لکھا تھا۔ آپریشن کے پیشِ نظر میں نے وہاں سے بھی معذرت کر لی۔ معلوم نہیں آپریشن ہوگا بھی کہ نہیں۔ اگر جنگ ہوئی تو اسپتال فوجیوں کی ضرورت کے لیے محفوظ کر لیا جائے گا اور میرے جیسے Cases کو داخل نہ کیا جائے گا۔ میں بھی جنگ کے دوران صاحبِ فراش ہونا نہ چاہوں گا۔ لیکن جنگ ہوئی تو میں چھٹیوں کے باوجود جمّوں سے باہر نہ جا سکوں گا کیوں کہ جمّوں اور پٹھان کوٹ کے بیچ کا راستہ بند ہو جائے گا۔

Shelling کی وجہ سے اس پر سے جانا مخدوش ہو جائے گا۔ ہوائی حملے کے علاوہ جمّوں میں کوئی اندیشہ نہیں کیوں کہ اِدھر کے محاذ پر ہماری تیاریاں اتنی زبردست ہیں کہ اس بار پاکستان ایک گز آگے نہیں بڑھ سکتا۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ جمّوں میں حالات اور زندگی ئی معمول پر اور پُر امن ہے۔ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ سرحدی شہر ہے۔

سری نگر کا شعبہ بند ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ۲۵ر نومبر کو کھلا ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ اب حالات معمول پر آ چکے ہوں گے۔

ضیاء الرحمٰن کو سینک اسکول نگروٹہ میں اُردو ٹیچر کی حیثیت سے ملازم کرا دیا ہے۔ تنخواہ کل ملا کر ۴۱۵ کے قریب ملتی ہے۔ اس کے علاوہ طعام و قیام مفت ہے۔ نگروٹہ جمّوں سے پندرہ کلومیٹر اُدھر ہے۔

کان فرنس میں میرے شعبے سے دو لکچرر جائیں گے۔

نیاز کیش

گیان چند

(۵۲)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی

جمّوں توی

۳ر جنوری ۱۹۷۲ء

محترم۔ تسلیم

۲۲ر جنوری کے لیے سلیکشن کمیٹی سے متعلق تار ملا۔ میں نے فوراً منظوری کی اطّلاع کر دی۔ میرے لیے یہ تاریخ ہوتی یا کوئی اور، میں سب کے لیے تیار ہوں۔ اس تاریخ میں یہ خوبی ہے کہ ۲۱ر جنوری اور ۲۳ر جنوری دونوں کی چھٹی ہے۔

میں نے توبہ کی تھی کہ علی گڑھ آتے ہوئے کبھی ہوائی جہاز سے آنے کی بات نہ سوچوں گا لیکن اب بدلے ہوئے اوقات کو دیکھ کر پھر لالچ آیا ہے۔ پہلے یہاں سے سہ پہر ساڑھے تین بجے جہاز چلتا تھا۔ اب صبح ۱۱ بجے چلتا ہے جو دو بجے تک پہنچ جاتا ہوگا۔ اگر چار پانچ گھنٹے Late بھی ہو تب بھی علی گڑھ کے لیے گاڑی مل جائے گی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر جہاز کے Late

ہونے کی خبر ملتی ہے تو میں ٹکٹ واپس کر کے سڑک اور ریل سے چل سکتا ہوں۔ وقت میں کافی گنجایش ہے۔ واپسی کے لیے ہوائی جہاز کا وقت تکلیف دہ ہے اس لیے میں ایک طرف سے جہاز سے اور دوسری طرف سے ریل سے سفر کروں گا۔ میں نے یونی ورسٹی کو لکھا ہے کہ مجھے ایک طرف سے ہوائی سفر کی اجازت دی جائے۔ مجھے امید ہے کہ یہ مان لی جائے گی۔

دسمبر میں مَیں جنگ کی وجہ سے آپریشن نہ کرا سکا۔ سب کچھ تیاری کر لی تھی۔ ۱۰ر دسمبر کو آپریشن کرانا تھا کہ لڑائی چھڑ گئی۔ جنگ کے بیچ صاحبِ فراش ہونا نامناسب تھا اور شاید اسپتال والے بھی داخلہ نہ دیتے۔ ۱۷ر دسمبر کو جنگ بند ہوئی تو میری چھٹیوں کے صرف دس دن بچے تھے۔ اس کے علاوہ نومبر سے اب تک مجھے کھانسی چل رہی ہے۔ اب قریب قریب ٹھیک ہو آئی ہے۔ دسمبر میں شدید تھی۔ کھانسی کے ہوتے آپریشن نہیں ہو سکتا تھا۔ اب مئی کے لیے بات ٹل گئی ہے۔

میں ۲۱ر جنوری کی شب میں پہنچ کر ۲۳ر جنوری کی صبح کی گاڑی سے چلوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ جہاز بہت Late ہو جائے، یہ اس دن نہ آئے اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کمیٹی کا وقت کالکا میل کے وقت کے بعد رکھا جائے یعنی تقریباً ساڑھے گیارہ یا ۱۲ بجے۔ ویسے زیادہ تر امید یہی ہے کہ میں ۲۱ر کی شب کو آ جاؤں گا۔

خادم

گیان چند

اب یہ قطعی طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ جمّوں کشمیر سے جانے والی ڈاک پر ۵ر پیسے کا مزید ٹکٹ نہیں لگتا۔

(۵۳)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں-۱

۱۰ر جنوری ۱۹۷۲ء

محترم۔ تسلیم

آپ کے ساتھ جو وقت گزارنے کا حسنِ اتفاق ہوا میں اسے زندگی کے بیش قیمت

اوقات میں شمار کروں گا۔

واپس آنے پر آپ کے رجسٹرار کا ایک جوابی تار ملا کہ ۱۵؍جنوری کو اُردو لکچرر کی سلیکشن کمیٹی ہے، اس میں آؤ۔ پرسوں پھر ایک جوابی تار آیا کہ دوسرا ماہر راضی ہو گیا ہے۔ اس لیے ۱۰؍جنوری کی سلیکشن کمیٹی میں ضرور آؤ۔

۱۲-۱۳؍جنوری کو پٹنہ میں گجرال کمیٹی کی نشست ہے۔ ان کے دفتر نے لکھا ہے کہ یہ میٹنگ بہت اہم ہے اس لیے اس میں ضرور شرکت کرو۔

میں ابھی تو طویل سفر کے بعد آیا ہوں۔ علی گڑھ میں آپ کے ساتھ رہا لیکن آپ نے سلیکشن کمیٹی کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے مجھے الجھن ہو رہی ہے کہ یہ سلیکشن کمیٹی کیسی ہے۔ بہر حال میں تذبذب میں رہا کہ کیا گجرال کمیٹی اور آپ کی سلیکشن کمیٹی میں شرکت کروں۔ دقّت یہ تھی کہ اس سفر میں پھر چھے راتوں کو باہر رہنا پڑتا۔

۹؍جنوری میرے مقدمے کی تاریخ تھی۔ آپ کے ساتھ میں اس میں مشغول ہو گیا اور وکیلوں کے پاس بھاگ دوڑ کرتا رہا۔ اب ۱۰؍فروری کی تاریخ پڑ گئی ہے۔ امید ہے اپریل میں جا کر فیصلہ ہو جائے گا۔ مجھے اس سلسلے میں کسی قسم کی تشویش نہیں۔ صرف یہ ہے کہ وکیل اور عدالت وغیرہ کے پاس جانا پڑتا ہے۔

خبر ملی کہ بشیر بدر کا مقالہ میرے پاس آنے والا ہے۔ میں اپنے معمول کے مطابق پندرہ دن یا زیادہ سے زیادہ ایک مہینے میں رپورٹ بھیج دوں گا۔ اگر مجھے کسی سلیکشن کمیٹی میں بلانا ہو تو بہتر ہے کہ اسی کے ساتھ ان کا زبانی امتحان رکھ لیا جائے۔ یا نصاب کمیٹی کا اجلاس رکھ لیا جائے تا کہ ایک سفر میں کم از کم دو کام تو ہو جائیں۔ ویسے میں سفر سے بچنا چاہتا ہوں۔ گزارش یہ ہے کہ جب تک زیادہ ضروری نہ ہو، مجھے آنے سے معذرت عطا کیجیے۔

دلّی میں گوپی چند نارنگ سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ وہ کہتے تھے کہ کیا Revolt & Readers یہ سب سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ کانفرنس سے پہلے دلّی میں طے کر لیا گیا تھا۔ ساری اہم نشستیں دلّی یونی ورسٹی نے لے لیں۔ نیابت دوسری یونی ورسٹیوں کو دے دی گئی۔ محمد حسن بھی ایک طرح سے دلّی یونی ورسٹی ہی کے ہیں۔ صدر، سکریٹری، خازن، آفس سکریٹری دلّی یونی ورسٹی کے ہو گئے۔ نائب صدور، نائب سکریٹری باہر کے۔ ان کے بقول یہ سب کام صرف آپ سے صدارت لینے کے لیے کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

غالباً لکچرر کی سلیکشن کمیٹی کے لیے ایک ماہر کا آنا کافی ہوتا ہے۔ امید ہے میرے نہ آنے سے بھی کمیٹی ہوگئی ہوگی۔ میں نے کل شام فیصلہ کر کے گجرال کمیٹی میں شرکت سے معذرت کا خط لکھا اور آپ کے رجسٹرار کو سلیکشن کمیٹی سے انکار لکھ بھیجا۔

میری اُردو مثنوی کی کتاب جو انجمن سے شائع ہوئی ہے اُس کے بارے میں طے ہوا تھا کہ ایک ہزار جلدوں کی رائلٹی دی جائے گی۔ آپ نے چھاپی ہیں محض پانسو۔ ان میں سے کچھ کی رائلٹی مجھے ملی۔ پانسو غیر شائع شدہ جلدوں کی رائلٹی تو عنایت کرنے کا انتظام کیجیے۔

خادم

گیان چند

نارنگ نے بتایا کہ احتشام صاحب کی جگہ گجرال کمیٹی میں خلیق احمد نظامی کو مقرر کر دیا گیا ہے۔ مجھے اس کی کوئی اطّلاع نہیں ملی لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ خلیق احمد نظامی کو اُردو سے کیا واسطہ۔ کیا ہر مسلمان کو ماہرِ اُردو سمجھ لیا جائے۔ افسوس ہوتا ہے کہ یونی ورسٹی کے اُردو کے پروفیسر کو چھوڑ کر تاریخ کے پروفیسر کو اُردو کی کمیٹی میں مقرر کیا جائے۔ نورالحسن صاحب بڑی دیدہ دلیری سے ہر کمیٹی اور ہر ادارے میں اپنے آدمیوں کو بھر رہے ہیں۔

گیان چند

(۵۴)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں

۲۶ر مئی ۱۹۷۲ء

محترم۔ تسلیم

اُردو کمیٹی کا اجلاس ۲۲ر مئی کو گیان بھون میں ہوا۔ مجیب صاحب بمبئی گئے تھے نہ آ سکے۔ ڈاکٹر علیم بھی شریک نہ ہوئے۔ سجّاد ظہیر ملک سے باہر ہیں۔ کرشن چندر نے فون کر دیا تھا کہ وہ اس موسم میں دلّی نہیں آ سکتے۔ شروع میں ڈاکٹر نورالحسن اور گجرال صاحب نے انگریزی میں اپنے خطبات پڑھے۔ اس کے بعد چائے کا وقفہ ہوا۔ گجرال صاحب کی تقریر میں اشارہ تھا کہ اُردو والوں کے مسائل کو چار شقوں میں دیکھا جائے۔ ادبی، تعلیمی، صحافتی،

انتظامی۔ چاے کے وقف کے بعد ہرممبر سے کچھ کہنے کے لیے کہا گیا۔ ہوم منسٹری کے جوائنٹ سکریٹری پی پی نیّر نے مسائل کی بہت اچھی تشریح کی۔ بیگم حامدہ حبیب اللہ، عابد علی خاں اور احتشام صاحب نے بھی اچھی طرح مسائل کو پیش کیا۔ میں نے اور مالک رام نے مختصراً کچھ کہا۔ میں نے اس امر پر توجہ دلائی کہ اُردو کا معاملہ معاشی بھی ہے۔ اُردو پڑھنے والوں کو بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر سروپ سنگھ نے کہا کہ 'میں تو اس مسئلے کو جانتا نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حکومت بتائے کہ اُردو والوں کو کیا شکایات ہیں اور وہ کیوں پیدا ہوئیں'۔

چاے کے وقفے کے بعد کی کاروائی اُردو میں ہوئی۔ نیّر معقول اور سمجھدار آدمی ہے۔ گجرال میں بھی خلوص نظر آتا تھا لیکن ایک بات سے حکومت کی نیت پر شبہ ہوتا ہے کہ کمیٹی میں اُردو تحریک کے فعّال ممبروں میں سے ایک کو بھی نہیں رکھا۔ میں اور مالک رام جیسے اشخاص تحقیق کر سکتے ہیں اہلِ اُردو کے مسائل کے ترجمان نہیں بن سکتے۔ میں نے میٹنگ کے شروع میں احتشام صاحب سے کہا کہ سرور صاحب کو اس کمیٹی میں coopt کرانا چاہیے۔ احتشام صاحب نے کہا کہ یہاں کہنا مناسب نہیں اس کے لیے گجرال صاحب سے علاحدہ بات کرنی چاہیے۔

میری نہ گجرال تک رسائی ہے نہ نورالحسن تک۔ میں نے جمّوں آ کر ملحقہ چٹھی گجرال صاحب کو لکھ دی ہے۔ معلوم نہیں اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔

میں نے اپنی بات چیت میں (میرا نمبر ہی سب سے پہلے بولنے کا تھا) یہ بھی کہا تھا کہ یہاں اُردو والوں کے بہت سے نمائندے اور ترجمان موجود ہیں اس لیے ایک طرف تو کمیٹی کو اشتہار کر کے اُردو والوں سے یادداشتیں منگانی چاہئیں اور دوسری طرف کمیٹی کے چند افراد اہم مرکزوں پر جا کر متعلقہ لوگوں سے ملیں۔

یہ دونوں باتیں مان لی گئیں۔ طے ہوا کہ بمبئی، بھوپال، لکھنؤ، پٹنہ، سری نگر میں اُردو کے نمائندوں اور حکومت کے نمائندوں سے ملا جائے گا۔ اس کے علاوہ چار سب کمیٹی بنا دی گئیں جو تقریباً اس طرح ہیں:

تعلیمی: ڈاکٹر سروپ سنگھ صدر، مجیب صاحب، علیم صاحب، احتشام صاحب

ادبی: مالک رام صدر، گیان چند، کرشن چندر

صحافتی: عابد علی خاں، سجاد ظہیر

انتظامی: بیگم حامدہ حبیب اللہ صدر، پی پی نیر

ان کمیٹیوں میں باہر سے بھی کچھ ممبر coopt کیے جاسکتے ہیں۔ گجرال صاحب نے کہا کہ ہم دو تین دن میں کمیٹیوں کے مزید ممبر مقرر کردیں گے۔ طے ہوا کہ جون میں ان 'سب کمیٹیوں' کا جلسہ کرلیا جائے اور دو تین جولائی میں سری نگر میں دو دن کے لیے پوری کمیٹی کا جلسہ ہو جہاں حکومت سے بھی بات چیت کرلی جائے۔

مالک رام اور میں پریشان ہیں کہ ادبی کمیٹی کے کرنے کا کام کیا ہے۔ یونی ورسٹیوں میں اور باہر تنقید و تحقیق کا کام کافی ہو رہا ہے۔ تخلیق میں حکومت کی مدد کی ضرورت نہیں۔ بہر حال کچھ سوچیں گے کہ ریسرچ اسکالروں کی thesis وغیرہ چھپنے میں گویا حکومت کی جانب سے کچھ اچھے رسالوں کے اجرا وغیرہ کی مانگ کی جائے یا رسالوں کو اور ناشرین کو مالی مدد دلائی جائے۔

آپ کمیٹی میں آجائیں تو بوجھ ہلکا ہو جائے۔ بہ صورتِ دیگر میں آپ سے ہدایات چاہوں گا۔ جمّوں کشمیر کے اُردو کے مسائل کے بارے میں بعد میں لکھوں گا۔ جمّوں میں کوئی مسئلہ نہیں۔ کشمیر کے لیے ڈاکٹر حامدی کشمیری کو لکھیے وہ صحیح صورتِ حال بتا سکیں گے۔

گجرال کو میں نے جو چٹھی لکھ ماری ہے اس کی نقل بھیج رہا ہوں۔ اصل چٹھی اپنے نام کے چھپے ہوئے کاغذ پر لکھی تھی۔

انجمن کے جلسے میں نہ آسکنے کا قلق رہا۔ معذرت خواہ ہوں۔ الہ آباد کے Viva نے مجبور کردیا۔

خادم
گیان چند

(۵۵)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، ڈین فیکلٹی آف آرٹ
جمّوں وکشمیر یونی ورسٹی
جمّوں

Dated: May 25, 1972
Subject: Cooption to the Committee for promotion of Urdu
My dear Gujral Sahib,

I note that the Committee for promotion of Urdu does

not have many members who been actively assolated with the demands of Urdu speakers. I suggest for your kind consideration the cooption of Prof. Ale Ahmad Suroor, General Secretary, Anjuman Taraqqi-e- Urdu Hind, Aligarh.

I am sure he will be of immense help in the delibrations of the Committee.

With Compliments.

Yours sincerely,
Dr. Gian Chand Jain

Shri I. K. Gujral,
Chairman,
Committee for promotion of Urdu
Minister of State,
Ministry of Works and Housing,
New Delhi.

(۵۶)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی
جمّوں
۳؍جولائی ۱۹۷۲ء
محترم۔ تسلیم

۱۷؍جون کا گرامی نامہ ملا۔ اس کے بعد ۲۸؍جون کو کبیر احمد جائسی کا خط ملا جس میں میرے مضمون کو شائع کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ میری حماقت سمجھیے کہ اتنا طویل مضمون لکھ دیا لیکن اس میں کہیں مناظرے والی کیفیت نہیں۔ کوئی جملہ ایسا نہیں جو کسی کو ناگوار ہو۔ شمیم صاحب نے جب مجھے کمال کی کتاب دی تو یہ کہا کہ ''اس پر مضمون لکھیے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کتاب کے بارے میں کچھ غلغلہ ہو، کچھ بحثیں ہوں تا کہ کتاب روشنی میں آئے''۔ میرا مضمون یہ مقصد پورا کرے گا۔ ہو سکے تو ایک ہی شمارے میں نکال دیجیے ورنہ دو شماروں میں۔ کمال کو غالبؔ کے اشعار سمجھنے میں بڑی غلط فہمیاں ہوئی ہیں، حیرت ہوتی ہے۔ اس مضمون میں ان کا ذکر آ گیا ہے۔ مضمون میں کاٹ چھانٹ کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

میں نے کلچرل اکیڈمی سری نگر کولکھ کر یہ انتظام کیا ہے کہ 'تفسیرِ غالبؔ' کی ایک کاپی آپ کو بھیج دی جائے۔ میرا خیال ہے کہ بھیج دی گئی ہوگی اور اگر نہیں پہنچی تو کچھ عرصے کے بعد پہنچ جائے گی۔

اُردو کمیٹی کے کام سے میں آسودہ نہیں۔۱۲،۱۳ر جون کو دلّی میں اس کی ادبی ذیلی کمیٹی میں شرکت کے لیے گیا تو مالک رام سے ملا۔ وہ مجھ پر بہت خفا ہوئے کہ میں نے گجرال کو وہ خط کیوں لکھا تھا۔ کہنے لگے کہ "آپ غیرضروری باتوں میں کیوں پڑتے ہیں۔ آپ کو اس سے کیا مطلب تھا"۔ تفصیل آنے پر بتاؤں گا۔ تب سے میں سوچ رہا ہوں کہ کمیٹی سے استعفا دے دوں۔ کئی بار پکّا ارادہ کیا۔ پھر رک گیا کہ خواہ مخواہ بدمزگی ہوگی۔ دراصل کمیٹی میں جن لوگوں کو ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہیں، جنھیں نہیں ہونا چاہیے تھا وہ ہیں۔ بہت سے ممبر کام میں بالکل دل چسپی نہیں لے رہے ہیں۔ اب ۵-۶ر جولائی کو بمبئی میں اس کا اجلاس ہے۔ میں نہیں جارہا ہوں۔ اتنا طویل سفر کیوں کر کروں۔

آپ شکایت کرتے ہیں کہ میں علی گڑھ نہیں آتا، لیکن میں علی گڑھ کے سوا دوسری یونی ورسٹیوں میں کہاں جاتا ہوں۔ گذشتہ سال یعنی ۱۹۷۱ء میں مَیں تین بار علی گڑھ گیا۔ اس سال ایک بار جاچکا ہوں۔ دوبارہ جلد حاضر ہوں گا۔ گذشتہ بار میں دلّی گیا تو چند منٹ کے لیے مجیب صاحب سے مل سکا۔ مجھے ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ اب تقرر ہونے والا نہیں، کم از کم میرا نہیں ہوگا۔ بڑا اطمینان ہوا۔ میں نے سوچا کہ مسلم یونی ورسٹی کے اقلیتی کردار کی بات چل رہی ہے۔ چپکے چپکے جامعہ کے اقلیتی کردار کی بات بھی کی جاتی ہے اور اس بات پر خاص طور پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جامعہ میں غیر مسلموں کا تقرر ہورہا ہے۔ میں یہ سوچ کر آرام سے بیٹھ گیا کہ اب وہاں جانے کا امکان نہیں، لیکن تین دن ہوئے پھر سے اخبار میں اُردو پروفیسر کی جگہ کا اشتہار دیکھا۔ معلوم نہیں اس کے کیا معنی ہیں۔ بہرحال جو بھی کچھ ہوں یہ عرض ہے کہ اگر کبھی آپ کا مجیب صاحب سے ملنا ہو تو انھیں یہ رائے دیجیے کہ انتخاب جلد از جلد کر ڈالیں۔ ۱۷ر جولائی درخواست بھیجنے کی آخری تاریخ ہے۔ اشتہار میں لکھا ہے کہ جنھوں نے گذشتہ بار درخواست دی تھی وہ دوبارہ درخواست بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

اگر یہ نہ بھی لکھا ہوتا تو بھی میں دوبارہ درخواست نہ دیتا۔ اب انھیں چاہیے کہ ۱۷ر جولائی کے بعد جلدی ہی سلیکشن کمیٹی کرلیں اور جسے لینا چاہیں لے لیں۔ دیر کرنے سے

پھر اخبار بازی شروع ہو جائے گی۔ جولائی کے آخر تک یہ کام کر دینا چاہیے۔ مجھے بھی کسی طرح یکسوئی ہو۔ بچّوں کی تعلیم اور داخلے کا معاملہ بہت پریشانی میں ڈال دیتا ہے کہ انھیں کہاں داخل کرادوں۔

دیوان چند کے سرٹی فکٹ کے لیے ممنون ہوں۔ بالی کے وائیوا کے لیے جتنی جلد بلا لیں میں آجاؤں گا۔ ملاقات کے وقت تفصیل سے باتیں کروں گا۔

اِس مضمون کی اشاعت کا کچھ معاوضہ دیتے ہوں تو اسے میری طرف سے اُردو گھر میں دے دیجیے۔

خادم
گیان چند

(۵۷)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی
جمّوں
۱۲/فروری ۱۹۷۳ء

محترم۔ تسلیم

تین دن پہلے آپ کے رجسٹرار کا تار آیا کہ 'لکچرر کی سلیکشن کمیٹی ۲۷/فروری کو رکھ دی ہے'۔ میں نے جواباً ۲۱/مارچ کا تار دیا لیکن ساتھ میں ایک خط لکھا جس میں وضاحت کر دی کہ مجھے بشیر بدر کے پی ایچ ڈی کے امتحان کے لیے آنا ہے۔ اگر سلیکشن کمیٹی کی تاریخ زبانی امتحان کے مطابق ہو سکے تو میں آؤں گا ورنہ معذرت چاہتا ہوں۔

میری طرف سے آپ کو کھلی چھوٹ ہے کہ بشیر بدر کے زبانی امتحان کی کوئی بھی تاریخ رکھ لیں اس کے ساتھ سلیکشن کمیٹی ممکن ہو تو میں شریک ہولوں گا ورنہ ہاشمی صاحب سے پکّا کر لیجیے کہ وہ سلیکشن میں آجائیں۔ میں رجسٹرار کو اپنی منظوری دے دوں گا اور عین وقت پر غائب ہو جاؤں گا۔ کیا ارشاد ہے! مارچ کی کوئی تاریخ طے کرا دیجیے اور اگر اس تاریخ کو یا اس سے ایک دن آگے پیچھے کوئی چھٹّی ہو تو بہت خوب ہوگا۔

آپ کے یہاں سے واپسی میں گاڑی جمّوں کافی late پہنچی۔ میں اسٹیشن پر دو پہر کو سوا

بجے پہنچا۔ سری نگر ایکسپریس کبھی late نہیں ہوتی۔

محمود الٰہی کہتے تھے کہ یوپی کی اُردو اکیڈمی ان کتابوں پر بھی انعام دیتی ہے جنھیں مصنف داخل نہیں کرتا۔ میری کتاب 'تفسیرِ غالبؔ' ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی ہے گو اس پر ۱۹۷۱ء چھپا ہے۔ ۸؍جون ۱۹۷۲ء کے 'ہماری زبان' میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ 'تفسیرِ غالبؔ' مارچ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوگئی۔ اگر یہ معاملہ آپ کے سامنے آئے تو اس کتاب پر بھی غور کر لیجیے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۵۸)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں

۲۷؍اپریل ۱۹۷۳ء

جنرل سکریٹری

انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)

علی گڑھ

محترم۔ تسلیم

میرا ارادہ انجمن کی مجلسِ عام میں شرکت کا ہے۔ ادبی کمیٹی میں نہ آسکوں گا جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

نیاز کیش

گیان چند

(۵۹)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں

ا؍مئی۱۹۷۳ء
جنرل سکریٹری
انجمن ترقّیِ اُردو ہند
علی گڑھ

محترم۔تسلیم

آج صبح نارنگ سے فون پر باتیں کیں تو معلوم ہوا کہ ۵؍مئی کو کسی Organising کمیٹی کا جلسہ رکھا ہے۔معلوم نہیں مجھے اس سے کوئی تعلق ہے کہ نہیں۔۵؍کو ادبی کمیٹی کا جلسہ بھی ہے۔ اس لیے میں نے طے کیا ہے کہ ۵؍اور ۶؍ دونوں تاریخوں کو کمیٹیوں میں شرکت کروں۔۵؍کو میں کالکا میل سے پہنچوں گا۔میرے قیام کا انتظام کر دیجیے۔

مجھے پچھلے سال کی کتابوں میں ڈاکٹر وحید اختر کی 'میر درد: تصوف اور شاعری' نہیں ملی۔ براہِ کرم اُس کی ایک جلد مجھے دے دیجیے۔ممنون ہوں گا۔

نیازمند
گیان چند

(۲۰)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
544A،گاندھی نگر
جموّں-۴
۱۸؍جولائی۱۹۷۳ء

محترم۔تسلیم

جامعہ کے انتخاب کی تفصیلات معلوم ہوئیں۔آپ کی اس عنایتِ بے غایت کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری عدمِ موجودگی کے باوجود میری حمایت کی۔ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے میری مخالفت اور ڈاکٹر محمد حسن کی وکالت کی تو اس پر مجھے شمّہ برابر شکایت نہیں کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ وہ صدقِ دل سے جامعہ کے لیے محمد حسن کو مجھ سے زیادہ موزوں سمجھتے ہوں گے۔

براہِ کرم مجھے لکھیے کہ مسعود حسین خاں اور ضیاء الحسن فاروقی صاحبان نے کن بنیادوں پر

مجھے مسترد کیا۔ آپ کے لکھنے سے مجھے اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا اندازہ ہو جائے گا اور میں انھیں دور یا کم کرنے کی کوشش کروں گا۔

ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حسن بھی انٹرویو میں نہیں آئے تھے۔ اب اس جگہ کا دوبارہ اشتہار ہوگا تو میں اس کے لیے درخواست نہ دوں گا۔

۶ / جولائی کو دلّی میں گیان پیٹھ کی اُردو سلیکشن کمیٹی کی میٹنگ ہوئی۔ میں اس میں بھی شریک نہ ہوا۔ ڈاکٹر مسعود حسین نے ابھی تک مجھے اس کمیٹی کے فیصلوں سے مطّلع نہیں کیا۔ میں نے بھی انھیں نہیں لکھا ہے۔

انجمن ترقّیِ اُردو کی جمّوں کشمیر شاخ کی بیل منڈھے ہی نہیں چڑھ رہی۔ محمد حسن نے تو لکھ دیا تھا کہ میں جارہا ہوں اس لیے آپ شمیم صاحب ہی سے مراسلت کیجیے۔ شمیم کو میں نے لکھا تھا۔ انھوں نے جواب ہی نہیں دیا۔ اصل میں جمّوں اور کشمیر دو الگ الگ صوبے ہیں جن میں کوئی میل نہیں۔ اگر آپ کشمیر بل کہ پورے جمّوں کشمیر کے لیے ڈاکٹر حامدی کو صدر بنانے کو تیار ہوں تو انھیں لکھوں۔ وہ کچھ کر دیں گے۔ پہلے بھی انھوں نے انجمن کی شاخ وہاں قائم کی تھی۔ چوں کہ اُردو کے آدمی ہیں اس لیے اُردو کے مخالف بھی نہیں ہو سکتے، یا صدر کی پوسٹ کے لیے دوسرے شخص قیصر قلندر ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں یہ کیجیے کہ قیصر کو صدر اور ڈاکٹر حامدی کو سکریٹری بنا دیا جائے۔ جمّوں میں نائب صدر اور جوائنٹ سکریٹری مقرر کر دیں گے۔ شمیم صاحب شاید انجمن کے قیام کے لیے وقت اور توجہ نہ دے سکیں۔

گجرال کمیٹی کی آخری میٹنگ کی ابھی تک کوئی اطّلاع نہیں۔ گجرال صاحب ماسکو میں ہیں۔

خادم
گیان چند

(۶۱)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

270، کرشنا نگر
جمّوں-۱۸۰۰۰۱
۷/ دسمبر ۱۹۷۴ء

محترم۔تسلیم

نارنگ کی معرفت آپ کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ پرسوں رات آپ نے فیصلہ دیا کہ انٹرویو برقرار رہنا چاہیے اور مجھے اس میں جانا چاہیے۔ میں نے کل صبح اسٹیشن جا کر لکھنؤ کے لیے رزرویشن کرایا۔ اس کے بعد بازار چلا گیا واپس آیا تو یہ یونی ورسٹی سے ضروری تار ملا کہ انٹرویو ملتوی۔ کل ہی ٹکٹ واپس کرایا اور اس پر تاوان دیا۔ سوچتا ہوں یہ التوا شاید میری بہبود کے لیے ہوا ہو۔ اب شاید تینوں ماہرین انٹرویو میں جا سکیں گے۔

ساہتیہ اکیڈمی کے اعزاز کی مبارک باد میں نے شملہ کے پتے پر بھیجی۔ کل صبح نارنگ کے فون سے معلوم ہوا کہ آپ علی گڑھ آ گئے ہیں۔ امید ہے تہنیت کا خط شملہ ہو کر آپ کو مل گیا ہوگا۔ اگر نہیں ملا تو ایک بار پھر مبارک باد بھیجتا ہوں اور اظہارِ مسرت کرتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے لکھا، آپ کو میں اُردو کا سب سے اچھا نقاد مانتا آیا ہوں۔ یہ پہلی بار ہوا ہے کہ ساہتیہ اکیڈمی نے خالص تنقیدی کارنامے پر اُردو کا اعزاز دیا ہے۔ حریفوں کو اس سے جو صدمہ ہوا ہوگا مجھے اس کی خوشی ہے۔ جو آپ کو زک پہنچانا چاہتے تھے اب انھیں زک پہنچی۔

معلوم ہوتا ہے لکھنؤ میں قمر رئیس سے اتنا ڈر نہیں جتنا شبیہ الحسن سے۔ وہ بہت زوروں میں ہیں۔ ممکن ہے مقامی ممبران کی حمایت کریں۔ خواجہ احمد فاروقی غالباً قمر رئیس کے لیے کہیں گے۔ بہر حال اگر آپ اور عابد صاحب دونوں پہنچ جائیں تو مجھے کوئی اندیشہ نہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خادم
گیان چند

(۶۲)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی
جمّوں-۱۸۰۰۰۱

۱۹/جنوری ۱۹۷۶ء شب

محترم۔تسلیم

گرامی نامہ آج ملا۔ مشکور ہوں۔

گیان پیٹھ کی میٹنگ کے لیے فروری کا دوسرا تیسرا ہفتہ مناسب ہے۔ میرے یہاں ۱۵رفروری کو کنووکیشن ہےاس کے بعد کوئی سی تاریخ رکھ لیجیے۔ایسے میں سفر سے بچنے کے لیے فی الحال شرکت سے معذرت چاہتا ہوں۔اس وقت دیکھ لوں گا۔سکت ہوئی تو آجاؤں گا۔ کتابوں کے نام سالِ گذشتہ والے ہی چل سکتے ہیں۔پہلا نام بیدی کے'اپنے دکھ مجھے دے دو' کو دے دیجیے، گذشتہ سال یہ شامل نہ تھی۔دوسرا نام قرۃ العین کی'پت جھڑ کی آواز'، تیسرا نام پھر بیدی کی کتاب کو جو سالِ گذشتہ رکھی تھی اور جس کا نام مجھے یاد نہیں آرہا۔یا تیسرا نام سردار جعفری کے مجموعے'ایک خواب اور یا'پیراہنِ شرر' کا رکھ سکتے ہیں۔انھیں کتابوں سے کام چل جائے گا۔سنا ہے علیم صاحب کی صحیح عمر کم ازکم ستّر سال ہوگی۔

خوشی کی بات ہے کہ آپ کا مکان فروری کے اواخر تک مکمّل ہوجائے گا۔

الٰہ آباد یونی ورسٹی سے جملہ اسامیوں کا دوبارہ اشتہار ہوگیا۔۵رجنوری کو اشتہار ہوا اور ۳۱رجنوری آخری تاریخ ہے۔اس میں اُردو کے ایک پروفیسر، دو ریڈر اور ایک لکچرر کی جگہ بھی شامل ہے۔دوسرے مضامین کی بہت ساری پوسٹ ہیں۔اب کی دفعہ نئے statutes کے مطابق لکھا ہے کہ امیدوار نے ہر امتحان میں کم ازکم اچھی سیکنڈ کلاس لی ہو۔پچھلی بار قاضی عبدالستار اور قمر رئیس نے جو درخواستیں دی تھیں اُن میں اپنے ایم اے کی فرسٹ ڈویژن تو دی تھی لیکن اس سے پہلے کے امتحانوں کی ڈویژن گول کرگئے تھے۔مجھے یقین ہے کہ ان میں سے کچھ ضرور تھرڈ رہی ہوں گی۔کیا آپ کو قاضی کی سابق ڈویژنوں کا علم ہے۔اگر وہ تھرڈ ڈویژن لے چکے ہیں تو Qualify نہیں کرتے۔

میں ماہرین کے انتخاب کو کسی طرح متاثر نہ کرسکا نہ کرسکتا ہوں۔دیکھنا ہے کہ اب کی بار کون ماہرین ہوتے ہیں۔میں چاہتا ہوں کہ کوئی بھی ماہر ہو اب سلیکشن کمیٹی جلد ہوجانی چاہیے۔ کیا بھروسا کہ یہ ہمدرد وائس چانسلر تبدیل ہوجائے۔بہرحال حالات اپنی راہ چلیں گے۔

آپ کے ساتھ والی شب کے بعد صبح کو کان پور اور الٰہ آباد کے درمیان میں دوسرے فرسٹ کلاس میں دیکھنے گیا وہ کتابیں نہ ملیں۔کچھ مسافر کان پور میں اُتر چکے تھے، اُن میں سے کوئی اہلِ ذوق انھیں لے گیا۔

میں ۱۲ردسمبر کو واپس آیا اور ۱۳ردسمبر کو جے پور کے لیے چلا گیا۔میرے بڑے بھائی پرکاش مونس کو گلے کا آپریشن کرانا تھا۔جے پور میں کچھ سہولتیں تھیں اس لیے وہاں کرایا۔

آپریشن بہ خیر وخوبی ہوگیا۔ میں اسپتال میں ٹھہرا رہا اور یکم جنوری کو جے پور سے نکلا۔ ۲رجنوری کو دلّی میں ترقّیِ اُردو بورڈ کی املا کمیٹی کے جلسے میں شرکت کی اور پھر مظفرنگر سے اپنی بیوی کو لے کر جمّوں آیا۔ ۳۱رجنوری کو پھر املا کمیٹی کی میٹنگ ہے لیکن میں نہیں جاؤں گا۔ سردی میں سفر عذاب ہے۔

نئے سال کی مبارک باد کے لیے تہِ دل سے مشکور ہوں۔ آپ کو بھی مبارک ہو۔

میں اکتوبر ۱۹۷۶ء میں جمّوں میں انجمن اساتذۂ اُردو کا سالانہ اجلاس کرانا چاہتا ہوں۔ یہاں انتظام کرلیا ہے۔ اگر میں جمّوں سے چلا بھی جاؤں تو میرا متعاقب یہ کام کرا سکے گا۔

خادم

گیان چند

(۶۳)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

270، کرشنا نگر،

جمّوں-۱۸۰۰۰۱

۲۳رفروری۱۹۷۶ء

محترم۔ تسلیم

۱۱رفروری کا گرامی نامہ مل گیا تھا۔ میں نے جواب اس لیے نہیں دیا کہ ۲۰رفروری کو میٹنگ میں ملاقات ہی ہوتی۔ میں گیان پیٹھ کے دفتر سے اطّلاع کا انتظار کرتا رہا لیکن وہاں سے کوئی خبر نہ آئی۔ ۱۹رفروری کو میں نے ڈاکٹر محمد حسن کو فون کیا تو انھوں نے بتایا کہ گیان پیٹھ کے دفتر سے ان کے پاس بھی کوئی اطّلاع نہیں آئی نہ تحریری نہ فون سے۔

چوں کہ دفتر سے بلاوا نہیں آیا تھا اس لیے میں نے جانا مناسب نہ سمجھا۔ ان کے یہاں Award کی تقریب ہونے والی ہے۔ شاید اس میں مشغول ہوں اور اس کی وجہ سے کمیٹی کا جلسہ نہ کیا ہو۔ اگر آپ گئے ہوں گے تو آپ دونوں نے کچھ سفارشات کی ہوں گی اور انھیں جانے بغیر میں اپنی رضا مندی کا یقین دلاتا ہوں۔

اب کی بار الٰہ آباد سے کوئی اطّلاع نہیں ملی نہ کسی اُردو والے سے کچھ معلوم ہوا۔ میں خود اس سلسلے میں کسی کو کچھ نہیں لکھتا۔ بہت احتیاط کر رہا ہوں۔ اب کی بار قمر رئیس نے درخواست

نہیں دی۔ وجہ یہ ہوگی کہ پیچھے ان کی تھرڈ ڈویژن ہے۔ احسان مجھ پر رکھا ہے کہ میرے مقابل وہ طفلِ مکتب ہیں اس لیے میرے مقابلے میں درخواست نہ دیں گے۔ سنا ہے قاضی عبدالستار بھی کم از کم ایک امتحان میں سیکنڈ کلاس سے کم رہے ہیں۔ معلوم نہیں وہ درخواست دیں گے کہ نہیں۔ علی گڑھ میں ایک اور پروفیسر کی پوسٹ آ گئی ہے۔ توقع ہے کہ وہ خلیل الرحمٰن اعظمی کو نہ مل کر قاضی کو ملے گی۔ کتنا بڑا ظلم ہوگا۔ خلیل اور قاضی میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

میرے غالبؔ کے مضامین پر مشتمل ایک کتاب 'رموزِ غالب' مکتبۂ جامعہ سے شائع ہونے والی ہے۔ انھوں نے اس کا گرد پوش بھیجا تھا۔ شاید اس ماہ میں یا مارچ میں شائع ہو جائے۔

اور کوئی بات قابلِ تحریر نہیں۔ اگر گیان پیٹھ کی میٹنگ ملتوی ہوگئی ہو یا دوبارہ ہو تو میں ضرور حاضر ہوں گا، درخواست یہ ہے کہ اہلِ دفتر مجھے ایک ہفتے کا نوٹس دے دیں تا کہ واپسی کا رزرویشن کرا سکوں۔

آپ کا مکان مارچ میں مکمّل ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔

خادم

گیان چند

ایک ہفتہ قبل حکم چند نیّر کا خط آیا تھا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ خورشید الاسلام فیض آباد کے اُردو بورڈ آف اسٹڈیز میں شرکت کے لیے لکھنؤ سے جا رہے تھے تو حکم چند کے ساتھ انھوں نے ایک ہی ڈبّے میں سفر کیا۔ خورشید صاحب نے حکم چند سے کہا ''الٰہ آباد کے لیے گیان چند سے موزوں آدمی نہیں ہو سکتا۔ وہاں کا شعبہ تباہ ہو رہا ہے۔ لکھنؤ کے حالات ناگفتہ بہ تھے لیکن الٰہ آباد میں گیان چند کو جانا چاہیے''۔

خدا معلوم یہ خیال ظاہر داری پر مبنی تھا یا وہ واقعی ایسا سوچتے ہیں۔ بہر حال میری طرف سے ان تک یا ان کے کسی آدمی تک کوئی تاثر نہیں بھیجا جائے گا۔

گیان چند

(۶۴)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

270، کرشنا نگر،

جمّوں-۱۸۰۰۰۱

۲۶/فروری۱۹۷۶ء

محترم۔تسلیم

کرم نامہ بل کہ عتاب نامہ ملا۔ میں اس سے پہلے جو عریضہ لکھ چکا ہوں اس سے پوزیشن صاف ہوگئی ہوگی۔ مجھے کسی نے نہیں ورغلایا۔ محمد حسن سے میری با قاعدہ خط و کتابت نہیں۔ ادھر بہت عرصے سے ان کا خط نہیں آیا۔ گیان پیٹھ کے سلسلے میں انھوں نے اب یا ماضی میں کبھی کچھ نہیں لکھا۔

دفتر سے کسی قسم کی اطّلاع نہیں آئی۔ میں نے ۱۹/فروری کی صبح بار بار کبھی محمد حسن کو کبھی نارنگ کو فون کرنے کی کوشش کی۔ کامیاب نہ ہوا۔ شام کو پھر محمد حسن کو فون کیا اور ان سے بات ہوگئی۔ full-rate کے وقت میں فون پر بات کی ہے جس میں تقریباً دس روپے لگے ہوں گے۔ انھوں نے بتایا کہ ان کے پاس بھی کوئی چٹھی نہیں آئی، نہ گیان پیٹھ کے دفتر سے فون آیا ہے صرف آپ کی چٹھی نہیں پہنچی تھی۔ اس پر میں نے کہا کہ دفتری چٹھی کے نہ ہونے میں نہیں آؤں گا۔ اس پر بھی میں نے کہا کہ آپ لوگ فیصلہ کر لیجیے اور گذشتہ سال کی کتابوں کو دہرا دیجیے۔

آپ کا نجی طور پر لکھنا میٹنگ میں آنے کے لیے کافی نہیں، نہایت ناکافی ہے۔ میں نے سوچا کہ (۱) ہوسکتا ہے گیان پیٹھ کی انعامی تقریب جو ہونے والی ہے اُس کی مصروفیت کی وجہ سے سکریٹری نے اِس تاریخ کو میٹنگ نہ رکھی ہو۔ یا (۲) ہوسکتا ہے یکا یک محمد حسن کو باہر جانے کی ضرورت آئی ہو اور انھوں نے ۲۰ تاریخ کے لیے انکار کر دیا ہو۔

میرا تجربہ ہے کہ un official and personal طور پر دی ہوئی تاریخوں پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ پچھلے سال غالباً ۲/اپریل کو میں الہٰ آباد میں تھا، وہاں ڈاکٹر رفیق حسین نے بتایا کہ ان کے پاس رجسٹرار جامعہ اُردو علی گڑھ کا خط آیا ہے کہ ۲۷/اپریل کو جامعہ کی مجلسِ منتظمہ کا جلسہ ہے، میں دلّی جانے والا ہی تھا۔ سوچا کہ ہو سکے تو علی گڑھ کے اس جلسے میں شرکت نہیں کرسکوں۔ ۲۶/اپریل کو دلّی پہنچا۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں سے بات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے ۲۷/اپریل کی تاریخ دی ہے اور اس میں جلسہ ہونا چاہیے۔

اس زمانے میں ریل میں بہت بھیڑ تھی۔ بہ مشکل صغیر احمد صوفی نے اس دن کے لیے جمّوں کی سیٹ دلوائی تھی اس لیے میں نہ رُک سکا اور جمّوں واپس ہوگیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مجلسِ عاملہ اس تاریخ کو بھی نہ ہوسکی۔ رجسٹرار کے خط اور شیخ الجامعہ اُردو کی زبانی توثیق کے

باوجود دفتری اطلاع کے بغیر بات پکّی نہ ہوئی۔

اس طرح اس آپ کو letdown کرنے کا سوال ہی نہیں۔ ویسے یہ بھی ہے کہ اس ایک میٹنگ میں شریک ہونے پر ایوارڈ کی سفارش کے نام پر ڈیڑھ سو روپے معاوضہ بھی دیا جاتا ہے اس لیے میں بہت بے نیاز نہ ہوسکتا تھا۔

اب میں تین سال ممبر رہ چکا ہوں۔ ان میں تین Awards میں سے دو کے لیے میں شرکت نہ کرسکا۔ ایک میں شریک ہوسکا۔ جمّوں دلّی سے دور ہے اس لیے میں سکریٹری کو لکھوں گا کہ اب مجھے معذرت دی جائے اور میری بہ جائے وہ مناسب سمجھیں تو نارنگ کو رکھ لیا جائے جو دلّی میں ہیں اور فوراً میٹنگ میں آسکتے ہیں۔ میں سفر قطع کرنا چاہتا ہوں۔

مجھے آپ کی سفارشات سے اتفاق ہے لیکن 'آگ کا دریا' سے میں اتفاق نہیں کرسکتا۔ مجھے قرۃ العین کی عظمت کا اعتراف ہے۔ 'آگ کا دریا' کو اُردو کا بہت بڑا ناول سمجھتا ہوں لیکن یہ ناول پاکستان میں ۱۹۵۶ء میں اور ہندستان میں پہلی بار ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ موجودہ Award کی مدت ۱۹۶۳ء سے شروع ہوتی ہے اس لیے اب اس کا نام لینے کی کیا تُک ہے۔ میں note لکھ دوں گا کہ کتاب سے تو مجھے اتفاق ہے لیکن یہ ہندستان میں پہلی بار ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی، اگر Award Period میں آتی ہو تو اس پر غور کرلیا جائے ورنہ نہیں۔

سنا ہے کہ الہ آباد کے اشتہار میں کوئی خامی رہ گئی اور پھر سے اشتہار ہوگا۔ واللہ اعلم!

خادم

گیان چند

(۶۵)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں-۱۸۰۰۰۱

۱۷/اپریل ۱۹۷۶ء

محترم۔ تسلیم

کئی دن پہلے یہ اُڑتی سی خبر سنی کہ آپ کو یوپی اکیڈمی نے مجموعی خدمات کے لیے پانچ ہزار روپے کا اعزاز دیا ہے۔ خبر کی توثیق نہ ہوتی تھی۔ اخبار میں یہ بات آئی نہیں۔ کل نارنگ

کے خط سے صحیح صحیح معلوم ہو گیا۔اس لیے اس قدر دیر سے مبارک باد دیتا ہوں۔میرا خیال ہے آپ تنہا آدمی ہیں جنھیں دو جگہوں سے پانچ پانچ ہزار کا اعلا اعزاز ملا ہے یعنی ساہتیہ اکیڈمی اور یو پی اکیڈمی دونوں سے۔اور یہ دونوں تابڑ توڑ دو سال کے اندر ملے ہیں۔گذشتہ سال کا یو پی اکیڈمی کا انعام اس پر مزید ہے۔مبارک ہو۔زمانہ آپ کی خدمات اور مقام کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔معلوم نہیں آپ علی گڑھ میں ہیں یا شملہ میں۔یہ مان کر کہ آپ علی گڑھ میں ہوں گے آپ کو وہیں کے پتے پر لکھ رہا ہوں۔

آپ کے ساتھ دلّی تا علی گڑھ جو ہم سفری ہوئی تھی اُس میں آپ نشانی کے طور پر ایک رومال چھوڑ گئے تھے۔وہ میرے پاس محفوظ ہے۔موقع پڑنے پر پیش کر دوں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۲۶)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

846، یونی ورسٹی روڈ

الٰہ آباد-۲۱۱۰۰۲

۲۴؍دسمبر ۱۹۷۶ء

محترم۔تسلیم

چُھٹّیاں ہیں اس لیے اپنے گھر کا پتا لکھ رہا ہوں تاکہ آپ کا جواب گھر بیٹھے مل جائے۔

نارنگ نے مجھے لکھا تھا کہ شیخ عبداللہ نے آپ کو کشمیر میں اُردو کا اقبال پروفیسر مقرر کیا ہے۔

ایک ہفتہ قبل جمّوں کے دو اساتذہ شام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری اور منظر اعظمی کے خطوط آئے۔ان میں آپ کے تقرر کا کوئی ذکر نہ تھا جس کے یہ معنی ہیں کہ انھیں اس کا علم نہیں۔

آج جمّوں کشمیر کی کلچرل اکیڈمی کا خبر نامہ 'اکادمی' آیا۔یہ نومبر ۱۹۷۶ء کا شمارہ ہے۔اس میں خبر شائع ہوئی ہے کہ آپ جمّوں یونی ورسٹی میں اُردو کے صدرِ شعبہ مقرر ہوئے ہیں۔ ۲۲؍دسمبر کے 'ہماری زبان' میں آپ کے شملہ چھوڑنے کی خبر ہے۔خدارا لکھیے کہ آپ نے کہاں

کی پروفیسر قبول کی ہے؟ کشمیر کی یا جمّوں کی۔ آپ اِس وقت تو یقیناً علی گڑھ ہی ہوں گے۔
میری یونی ورسٹی ۳؍جنوری کو کھلے گی۔ شعبے کا کام خوش اسلوبی سے چل رہا ہے۔
آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

اگر آپ جمّوں جا رہے ہوں تو آپ کے لیے میرا کوارٹر خالی ہے، اس کو ضرور لیجیے۔

(۶۷)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

846، یونی ورسٹی روڈ،

الٰہ آباد-۲۱۱۰۰۲

۱۲؍جنوری ۱۹۷۷ء

محترم۔ تسلیم

نجی کرم نامہ ملا۔ مطمئن رہیے کہ میں نے یہ کسی کو نہیں دکھایا اور اس کے مطالب کا ذکر نہیں کیا۔ یہاں کسی سے ایسی بے تکلفی بھی نہیں۔ کرم نامے کو چاک کر کے ضائع کر دیا ہے۔ اس کے بعد جواب لکھنے بیٹھا ہوں۔

میں نارنگ کے اقبالؔ سمینار میں نہیں جاؤں گا کیوں کہ اقبالؔ پر کوئی قابلِ قدر مضمون نہیں لکھ سکا۔ یو پی اُردو اکیڈمی کے اقبالؔ سمینار میں بھی نہیں گیا تھا کیوں کہ مضمون لکھنے کی اہلیت نہ تھی۔

علی گڑھ سے لسانیات اور غزل کے دو سمیناروں کا بلاوا آیا ہے۔ دونوں سے معذرت کر رہا ہوں لیکن لسانیات والے سمینار کے لیے مضمون بھیج دوں گا۔ سفر حتی الامکان نہیں کر رہا۔ شعبے اور یونی ورسٹی کے حالات اچھے ہیں۔ آپ کہیں مستقل قائم ہو جائیں تو مجھے مطّلع کیجیے۔

خادم

گیان چند

(۶۸)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

846، یونی ورسٹی روڈ،
الٰہ آباد-۲۱۱۰۰۲
۱۹؍فروری ۱۹۷۷ء
محترم۔تسلیم

آپ کو ایم اے فائنل کے زبانی امتحان کے لیے تکلیف دے رہا ہوں۔امتحان پہلی یا دوسری اپریل سے شروع ہوگا اور ظاہراً اس بار ۵؍اپریل تک ختم ہو جائے گا۔اس کے فوراً بعد زبانی امتحان ہوگا۔آپ شروع مارچ میں سری نگر میں چارج لے لیں گے۔اس طرح آپ کو کشمیر سے آنا ہوگا۔رجسٹرار کی چٹھّی آپ کے پاس پہنچی ہوگی۔امید ہے آپ نے منظوری کا جواب بھیج دیا ہوگا۔اگر کسی وجہ سے آپ کو اتنی دور سے آنے میں تکلّف ہوتو ابھی سے انکار کر دیجیے تاکہ دوسرا انتظام کیا جاسکے۔میرا خیال ہے کہ آپ آسکیں گے۔سری نگر سے دلّی ہوائی جہاز میں آیا جاسکتا ہے۔معلوم نہیں یہاں کی مفلس یونی ورسٹی امتحان کے لیے ہوائی جہاز کا کرایہ دیتی ہے کہ نہیں۔غالباً دے دے گی۔

شعبے کا کام خوش اسلوبی سے چل رہا ہے۔

امید ہے مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم
گیان چند

جمّوں سے پروفیسر کی جگہ کا ابھی تک اشتہار نہیں کیا گیا۔کیا آپ کو ریڈر کی پوسٹ کے سلیکشن میں مدعو کیا گیا ہے؟

(۶۹)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
کیمپ، مظفر نگر
۲۲؍مئی ۱۹۷۸ء شام
محترم۔تسلیم

بڑے عرصے کے بعد حاضرِ خدمت ہو رہا ہوں۔۱۵،۱۶؍مئی کو دلّی میں انجمن ترقّیِ اُردو کے جلسوں میں شرکت کی۔آپ کی کمی محسوس ہوئی۔وہاں معلوم ہوا کہ آپ سری نگر میں علیل

ہو گئے تھے۔ مالک رام نے بتایا کہ بیماری میں دل کے عارضے کا بھی شائبہ تھا۔ سن کر تشویش ہوئی لیکن یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔

ترقّی اُردو بورڈ اور انجمن ترقّیِ اُردو دو ایسے موقعے تھے کہ آپ سے ملنا ہو سکتا تھا لیکن نہ ہوا۔

ایک معاملے میں آپ کی رہبری چاہتا ہوں۔ حیدرآباد میں مرکزی یونی ورسٹی کے لیے اُردو پروفیسر کی تلاش ہے۔ آپ کو سلیکشن کمیٹی میں بلایا گیا۔ آپ نہیں گئے۔ آپ کی جگہ محمد حسن کو بلالیا گیا۔ نارنگ، مسعود حسین خاں اور محمد حسن نے امیدواروں کا انٹرویو لیا۔ وائس چانسلر نے سب کو مسترد کر دیا اور یہ کہا کہ مجھے Outstanding آدمی چاہیے خواہ اسے کچھ بھی دینا پڑے۔ وائس چانسلر کے دوست ڈاکٹر سردار من موہن سنگھ (پروفیسر معاشیات پنجابی یونی ورسٹی، پٹیالہ) نے ہوائی جہاز میں نارنگ سے کہا کہ حیدرآباد میں اُردو کا بہترین آدمی چاہیے خواہ اسے Maximum دینا پڑے۔ نارنگ نے مجھے یہ بتایا۔ میں نے نارنگ سے کہا کہ ''تم چلے جاؤ۔ جامعہ میں مسعود صاحب کے بعد ماحول سازگار نہ رہے گا''۔ نارنگ نے کہا ''دلّی چھوڑ کر نہیں جا سکتا''۔ میں نے بھی اپنے بارے میں یہی کہا کہ یونی ورسٹی چھوڑ کر نہیں جا سکتا''۔

مجھے الٰہ آباد میں پانچ اضافے دے کر 1800 روپے پر مقرر کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ جمّوں میں میری جو تنخواہ مقرر ہو گی اس کو Protect کیا جائے گا اور اس کے لیے یوپی سرکار کو لکھا جائے گا۔ جمّوں میں میری تنخواہ 1820 روپے ہوئی۔ الٰہ آباد کی ایکزیکٹیو کونسل نے قرارداد کی کہ میری تنخواہ 1900 روپے کر دی جائے۔ اس کے لیے یوپی گورنمنٹ کو لکھا گیا کیوں کہ جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے یوپی کی یونی ورسٹیاں پانچ اضافوں سے زیادہ نہیں دے سکتیں۔ گورنمنٹ کی اجازت لینی پڑتی ہے۔ میں ۴؍جون کو لکھنؤ سکریٹریٹ میں گیا۔ وہاں کے حکّام کہتے ہیں کہ 1820، Protect کرنا ہے تو ہم ایک سال کے لیے 20 روپے Pesonal Pay کر دیں گے۔ اگلے سال 1900 ہو جائے گی۔

مجھے اس سے دھکا لگا ہے۔ تب پہلی بار میرے دل میں آیا کہ مجھے اچھی تنخواہ دیں تو حیدرآباد چلے جانا چاہیے۔ جمّوں میں تنخواہ کے معاملے میں تین بار میرے خلاف discrimination ہوا ہے (مثلاً ہر جگہ پروفیسر کا 1/3 Senior Scale پروفیسروں کو ملتا ہے۔ جمّوں میں ایک کو دے کر روک دیا۔ دوسرا نمبر میرا تھا لیکن چوں کہ میں باہر کا تھا اس لیے

نہیں دیا)۔ الہ آباد میں بھی میرے خلاف وہی رویّہ رہا، اس سے میرا دل اچاٹ ہوگیا ہے۔ روپے کی کوئی بات نہیں، اصل چیز حکومت کا مخاصمانہ رویّہ ہے۔ آپ کو یہ معلوم ہی ہوگا کہ یو پی کی یونی ورسٹیوں میں DA کے علاوہ اور کوئی بھتّہ نہیں۔ مکان کا بھتّہ نہیں ملتا۔ میں مکان کے سلسلے میں بہت پریشان اور بددل ہوں۔ الہ آباد میں کرایے کے اچھے مکان نہیں ملتے۔ میں 425 روپیہ کرایہ دے رہا ہوں۔ 600 تک دینے کو تیار ہوں لیکن مناسب مکان نہیں۔ جمّوں میں مَیں یونی ورسٹی کے کوارٹر میں تھا۔ مکان کی وجہ سے میں الہ آباد میں کافی خسارے میں ہوں۔ الہ آباد یونی ورسٹی میں مکانات بننے کی امید ہے لیکن دو سال لگ سکتے ہیں۔ حیدرآباد کی یونی ورسٹی میں بھی غالبًا ابھی مکان نہیں لیکن وہاں مکان کا بھتّہ ہوگا۔

حیدرآباد میں طے کیا گیا ہے کہ ادب کے شعبوں میں ادب کا Social interpretation کیا جائے گا۔ غالبًا وہ کمیونسٹ کو لینا چاہتے ہیں۔ میں سوشالوجی میں ایم اے ہوں اس لیے کم از کم کاغذی طور پر ان کے ڈھب کا ہوں۔

میری بیوی انتقالِ ملازمت کو مائل نہیں۔ میں بھی ۵۰ فی صدی تیار ہوں۔ اس عمر میں اکھڑنا آسان نہیں۔ اگر حیدرآباد والے مجھے پورے 2500 نہیں تو کم از کم 2375 بنیادی تنخواہ دیں تو جا سکتا ہوں۔ اس سے کم پر نہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ تنخواہ اور DA ملا کر 2500 سے زیادہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس طرح تنخواہ خواہ 2200 ہو خواہ 2500، کل رقم یکساں رہتی ہے۔ آپ مشورہ دیجیے۔ مسعود حسین خاں میرے جانے کے حق میں نہیں۔ نارنگ حق میں ہیں۔ آپ حیدرآباد کے وائس چانسلر سے مراسلت کر سکیں تو صورتِ حال واضح ہو۔ مجھے ذیل کے پتے پر لکھیے:

C/o Dr/ Prakash Moonis Advocate
Civil Lanes, Bijnor-246701 (UP)

امید ہے آپ کا مزاج اب بالکل بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

الہ آباد سے میری بددلی کی ایک وجہ وہاں کے اساتذہ (اُردو والے) کا گھٹیا معیار ہے۔

(۷۰)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

846، یونی ورسٹی روڈ،
الٰہ آباد-۲۱۱۰۰۲
۲۹؍ستمبر ۱۹۷۸ء

محترم۔ تسلیم

آپ کا کرم نامہ ۲۶؍ستمبر کو ملا۔ مشکور ہوں۔ گیان پیٹھ کی میٹنگ کی مطبوعہ رپورٹ کل مل گئی۔ مجھے اس سے اتفاق ہے۔

کوئی صاحب غالباً اوم پرکاش بجاج نام کے مالک رام کی آیندہ سالگرہ پر انھیں کوئی مختصر مجموعۂ مضامین پیش کرنے والے ہیں۔ اپریل مئی میں انھوں نے مجھے لکھا تھا۔ میں نے ایک بہت طویل مضمون 'مالک رام بہ حیثیت ماہرِ غالبیات' لکھا ہے جس میں ان کے کاموں کا جائزہ لیا ہے۔ مضمون گنجان لکھے ہوئے ۳۱ فل سکیپ صفحات پر ہے۔ اس میں ان کے دیوانِ غالبؔ اور خطوطِ غالبؔ کا بہت تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اسی کے سلسلے میں آپ سے استفسار کیا تھا۔

حیدرآباد منتقل ہونے کا ارادہ میں نے قطعاً چھوڑ دیا ہے۔ بھوپال میں کسی قدر اور جمّوں میں پوری طرح غیر ملکی جانا گیا۔ الٰہ آباد میں کوئی یہ الزام عائد نہیں کرسکتا۔ حیدرآباد میں پھر دوسرے درجے کا شہری ہونا پڑے گا۔ ہاں اگر وہاں کی سلیکشن کمیٹی میں میرے بہی خواہ ہوئے تو ان سے کہوں گا کہ ناموں کی Panel میں پہلا نام میرا رکھ دیں لیکن ساتھ ہی وائس چانسلر سے کہہ دیں کہ اس کے آنے کے امکانات بہت نحیف ہیں۔ اور اس کے بعد دوسرا نام بہت سوچ سمجھ کر رکھیں کہ اصل نام وہی ہوگا۔

اور اگر میرا نام Panel میں پہلا نہ رکھا جائے تو بالکل ہی نہ رکھا جائے اور مجھے اس میں بھی کوئی اعتراض نہیں۔ بہر حال میں حیدرآباد کی طرف سے فکر مند نہیں۔

آپ نے خوب الٰہ آباد نہ بلانے کا شکوہ کیا۔ میرا خیال ہے بل کہ یقین ہے کہ پہلے سال (۷۷ء) میں آپ کو ایم اے فائنل کے Viva کے لیے رکھا تھا۔ آپ نے لمبے سفر سے معذرت کی تھی اس لیے آپ کے بہ جاے نارنگ کو بلایا۔

اب ایک صورت ہو رہی ہے۔ یو جی سی سے ہمیں ایک سمینار کی منظوری مل گئی۔ روپیہ کم ملا ہے شاید ساڑھے تین ہزار کے قریب۔ بقیہ کے لیے یونی ورسٹی سے کوشش کریں گے۔ عنوان ہے: 'اُردو شعریات کی فنّی وفکری بنیادیں'۔ فروری کے آخر یا مارچ کے شروع میں کرنے

کا ارادہ ہے کیوں کہ ہمارے یہاں نئی جماعتیں اسی وقت تک داخلہ لیں گی۔ابھی تو ایم اے فائنل کے سوا کسی کا امتحان ہی مکمّل نہیں ہوا۔اس میں جن لوگوں کو بلا رہے ہیں ان میں آپ کا نام سرِ فہرست ہے۔میں نے بہت سے موضوعات سوچے ہیں۔آپ کو لکھوں گا۔

الٰہ آباد میں مکان کی بہت دقّت ہے۔ابھی تو یونی ورسٹی نے مکانوں کی تعمیر شروع نہیں کی۔

اُردو زبان کی ابتدا پر کتابچہ لکھ سکتا ہوں۔امرت رائے کو نہرو فیلوشپ ملی ہے جس کا موضوع ہندستانی کا آغاز یا اُردو ہندی کا جھگڑا کچھ اُسی قسم کا ہے۔ان کا کام پورا ہولے تو دیکھوں گا۔وہ مجھ سے اکثر ملتے رہتے ہیں اور میں نے سارا مواد انھیں دے دیا ہے۔دیکھنا ہے کہ ان کے لکھنے کے بعد میرے لیے کیا بچے گا۔ویسے وہ لسانیات کے آدمی ہیں اس لیے شاید اسی پہلو سے میں لکھ سکوں۔بہر حال دونوں کا زاویۂ نظر مختلف ہے ہی۔ان کی ہمدردی ہندی سے ہے، میری اُردو سے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

’حقائق‘ میں بہت غلطیاں رہ گئی تھیں۔میں نے دیکھا تو سر پیٹ لیا۔غلط نامہ چھپوالیا ہے۔۱۶ صفحات کا ہے۔ایک آدھ دن میں آپ کو بک پوسٹ سے بھیجوں گا۔

(۷۱)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

846، یونی ورسٹی روڈ،

الٰہ آباد–۲۱۱۰۰۲

۵؍جنوری ۱۹۷۹ء

محترم۔تسلیم

مجھے بجنور میں آپ کا کرم نامہ ملا۔آپ نے پتا بہت صحیح لکھا۔۱۴ دن کے بعد میں پرسوں شام الٰہ آباد واپس آیا۔رشی کیش اور بجنور دو شادیوں میں شرکت کی۔دونوں مقامات پر بہت سردی تھی۔الٰہ آباد میں رہ کر مجھے اس کی عادت نہیں رہی۔نتیجتاً زکام کھانسی ہوگیا اور الٰہ آباد آکر

بخار۔ کل ڈاکٹر کو گھر پر بلا کر دکھایا۔ بہت تیز Capsule کھا رہا ہوں۔ اب صحت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہر سفر کے بعد زکام کھانسی مسلط ہو جاتے ہیں۔

جمّوں یونی ورسٹی سے خبر آئی ہے کہ آپ اور میں تہمینہ اختر کا زبانی امتحان کریں۔ اس لڑکی نے میری نگرانی ہی میں کام کیا ہے۔ اس نے مقالہ غالباً ۱۹۷۷ء میں داخل کیا تھا۔ چاہیے کہ امتحان جلدی کر لیا جائے لیکن سردی میں جمّوں جانے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ اس بیماری کو مزید انتظار کرا کے مارچ کے اوائل میں Viva کرانا چاہتا ہوں۔ یہاں کا سمینار پہلے ہفتے میں رکھیں گے۔ اس کے بعد وائیوا اس طرح رکھیں گے کہ آپ جمّوں میں امتحان کر کے سری نگر چلے جائیں۔ اور اگر آپ اس ذمّے داری سے جلدی بری ہونا چاہیں تو ۲۴ رجنوری کی تاریخ رکھی جا سکتی ہے۔ ۲۳ رجنوری کو دلّی میں ترقّی اُردو بورڈ کی لٹریچر پینل کی میٹنگ ہے۔ میں اس میں شرکت کر کے جمّوں جا سکتا ہوں، اگر دلّی کی میٹنگ میں نہیں جاؤں گا۔

حیدر آباد یونی ورسٹی سے تا حال میرے پاس کوئی اطّلاع نہیں آئی لیکن وہاں جانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ مرکزی DA تو یہاں بھی ملتا ہے لیکن آپ کو معلوم ہو گا کہ 2400 روپیوں کے آگے DA باقی نہیں رہتا۔ مجھے دو ہزار تنخواہ پر 363 ڈی اے ملتا ہے۔ حیدر آباد میں 2250 تنخواہ پر 150 ڈی اے ہو گا۔ اگر 2375 پر تقرر ہوتا تو صرف 25 روپے DA کے ہوتے۔ اس طرح تنخواہ اور DA میں الٰہ آباد اور حیدر آباد میں کوئی فرق نہیں۔ ہاں وہاں 75 روپے City Compunsetiv بھتّہ اور کرایہ مکان کا بھتّہ ہے جو الٰہ آباد میں نہیں۔ اس کے علاوہ رٹائرمنٹ کے بعد دس ہزار روپے Gratuity کے ملیں گے، لیکن یہاں سے حیدر آباد منتقل ہونے تک ساڑھے چار ہزار روپے لگیں گے۔

الٰہ آباد یونی ورسٹی بھی مکان بنانے والی ہے اور حیدر آباد یونی ورسٹی بھی۔ جب الٰہ آباد میں مکان بن جائیں گے پھر کوئی فرق نہیں رہے گا۔

اب میری صحت بھی اچھی نہیں رہتی۔ بڑے بھائی بھی ضعیف و نحیف ہیں۔ ایسے میں عزیزوں سے اتنی دور کیسے جاؤں۔ اگر حیدر آباد یونی ورسٹی مجھے میری طلب کے مطابق 2375 روپے دے دیں تو خاصا امکان تھا کہ میں چلا جاتا۔ اب جانے کا ارادہ نہیں۔ میرے تمام عزیز بڑے بھائی، بیوی اور لڑکے حیدر آباد جانے کے خلاف ہیں۔

بہر حال وہاں سے چٹھی آئے تو انھیں لکھ کر پوچھوں گا کہ وہاں کون کون سے Allaowance

ملتے ہیں۔ بعد میں انکار کروں گا۔ وہاں کی پروفیسری پر رضی الدین کا تقرر پکا سمجھیے۔
Viva کی تاریخ کے بارے میں منتظرِ جواب ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۷۲)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۲۱ر ستمبر ۱۹۷۹ء

محترم۔ تسلیم

اگست میں ترقّیِ اُردو بورڈ کی میٹنگ ہوئی، میں نہ جا سکا۔ عموماً بورڈ کی میٹنگ میں سال میں ایک بار یا زیادہ سے زیادہ دو بار ہوتی ہے۔ اس بار جون کی میٹنگ کے بعد اتنی جلدی دوسری میٹنگ ہوگئی۔ ضروری نہیں کہ ہر میٹنگ میں حاضر ہوا جائے۔ میں نہ گیا۔ آپ کو نہ لکھ سکا۔ چند روز پہلے تک تذبذب میں تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں۔ جب نہ جانے کا فیصلہ کیا تو اتنا وقت نہ تھا کہ آپ کو سری نگر کے پتے پر لکھتا اور آپ کے چلنے سے پہلے چٹھی مل جاتی۔ مجبوراً دلّی میں ڈپٹی سکریٹری سیٹھی کو معذرت کا خط لکھ دیا جو میٹنگ سے پہلے ضرور مل گیا ہوگا۔

تین چار دن پہلے میر عابد علی خاں سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ Standing Committee سے مجھے ہٹا کر نارنگ کو رکھ لیا گیا ہے۔ حیرت ہوئی۔ کل نارنگ کا خط آیا جس سے اس کی تصدیق ہوئی۔

شاید آپ کو معلوم ہو کہ میرا رکارڈ ہے کہ میں نے کبھی کسی کمیٹی کی رکنیت یا عہدے کے لیے کوشش نہیں کی۔ زندگی میں ایک بار بھی الیکشن نہیں لڑا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ Standing Committee میں لیا جاؤں۔ آپ نے لیا۔ میں نے حیدرآباد میں آپ سے کہا تھا کہ میں ایک میٹنگ میں شرکت کر کے مستعفی ہو جاؤں گا۔ آپ نے کمیٹی کی رکنیت کے لیے اصلاً میرا نام تجویز نہیں کیا تھا، نارنگ کا نام تھا اور Stand-by کے طور پر میرا اور عابد علی خاں کا نام تجویز کیا تھا۔ مجھے اپنے نکمّے پن کا بخوبی عرفان ہے لیکن خود سے استعفا دینا ایک بات ہے اور برطرف

کیے جانا دوسری بات۔ اس برخاستگی کے بعد میں بورڈ میں بنا رہوں تو بڑی بے غیرتی کی بات ہوگی اس لیے میں نے اپنا استعفا بھیج دیا ہے۔

ہمارے یہاں مَثَل مشہور ہے کہ ''تیری ماں نے خصم کیا، بُرا کیا۔ خصم کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا اور بُرا کیا''۔ آپ نے مجھ جیسے ناکارہ آدمی کو مستقل کمیٹی میں لیا، غلطی کی۔ کمیٹی سے برخاست کیا، مزید غلطی کی۔

میں نے اپنی کتاب 'اُردو کی نثری داستانیں' طبعِ دوم کی مفصّل اضافے اور ترمیم کی ہیں۔ اب کی اس میں سے حکایتوں کا حصّہ نکال رہا ہوں اور اسے مزید تحقیق کے بعد ایک علاحدہ کتاب کا روپ دوں گا۔ اس کتاب کو محض داستانوں تک محدود رکھوں گا۔ سوچا تھا کہ ہندستانی اڈیشن کے لیے بورڈ کے سامنے درخواست کروں گا لیکن اب یہ دفتر ہی گاؤخورد ہو گیا۔ اب دستِ سوال دراز کرنے کا سوال ہی نہیں رہا۔

کمیٹی کی مزید ترقّی کے لیے آپ کے۔ایم۔خاں کو ہٹا کر عابد علی خاں کو لیتے تو اور بہتر ہوتا۔ کے۔ایم۔خاں کو یہاں اُردو حلقوں میں کوئی نہیں جانتا۔ ان کا ادارۂ ترقّیِ ادب کوئی فرضی اور موہوم ادارہ ہے۔ وہ محض ٹریڈ یونین کے آدمی ہیں، اُردو کے نہیں۔ لاہوٹی کا کہنا یہ ہے کہ وہ ہائی اسکول پاس نہیں۔ حیرت ہے کہ اُردو کے اس اہم بورڈ اور اس کی اس اہم ترین کمیٹی میں ایک خالص سیاسی اور غیر علمی شخص کو رکنیت دی جائے۔ بہر حال:

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند

ستم یہ ہے کہ کے۔ایم۔خاں صاحب کو سرکاری اعلان میں پروفیسر لکھا گیا ہے حالاں کہ انھوں نے کبھی تدریس نہیں کی۔

میری جگہ میرے کسی دوست کو لیا گیا یہ پہلو غیر اہم ہے۔ میرے لیے تو اس بات کی اہمیت ہے کہ کمیٹی کی مدت پورا ہونے سے قبل بل کہ شروع ہونے سے بھی پیشتر مجھے برطرف کیا گیا۔

میں اپنا استعفا واپس نہیں لوں گا۔ امید ہے آپ بہ طیبِ خاطر اسے قبول کر لیں گے۔

خادم گیان چند

(۷۳)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

اُردو ریسرچ سنٹر

حیدرآباد

۵رنومبر ۱۹۸۱ء

محترم۔ تسلیم

۲۱راکتوبر کا کرم نامہ ملا۔ شکریہ۔

۲۲رنومبر کو میرے لڑکے کی شادی دہرہ دون میں ہے، اگر آپ شریک ہوسکیں تو میری کلاہِ فخر آسمان تک پہنچ جائے گی۔

پریم چند سمینار کی یہ کیفیت ہے کہ ہندی کے پروفیسر راوت نے اس کا انتظام کیا۔ میں بددل تھا، میں ایسا نکمّا سمینار کرنے کو آمادہ نہ تھا۔ پریم چند ۳۱رجولائی ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے تھے۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء میں سمینار کرنا بعداز وقت تھا۔ UGC نے کہا کہ صرف آندھرا پردیش والوں کو بلایئے اس لیے تین سو روپے فی کس کے حساب سے T.A دیا جاسکتا ہے۔ ہندی کے پروفیسر نے مجھ سے کہا کہ باہر سے بلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ پروفیسروں کو لکھ دو کہ اپنی یونی ورسٹی سے Deputation کراکے آجائیں۔ غرض یہ ہے کہ مجھے کوئی امید نہ تھی کہ اس طرح کوئی آئے گا۔ جمّوں سے صرف عابد پیشاوری اس طرح آسکا۔

میں نے مارچ ۱۹۷۹ء میں الٰہ آباد میں شعریات کے سمینار کا انتظام کیا تھا جو ملتوی ہوکر اگست ۱۹۷۹ء میں ہوا۔ میں نے آپ کے لیے یو.جی.سی کو لکھا تھا کہ انھیں کشمیر سے ہوائی جہاز سے آنے کی اجازت دی جائے اور الٰہ آباد میں میرے رہتے ہوئے ہی یو.جی.سی سے منظوری آگئی تھی کہ ان کو ہوائی جہاز کا کرایہ دیا جاسکتا ہے۔

یہاں پریم چند سمینار بہت محدود پیمانے پر رہا۔ ایک سیشن اُردو کا ہوا جس کی صدارت راج بہادر گوڑ نے کی۔ ترو پتی کے سلیمان اطہر جاوید الٰہ آباد کے عقیل۔ مقامی لوگوں میں ثمینہ شوکت، سری نواس لاہوٹی، یوسف سرمست نے مقالے پڑھے۔ بحث گرما گرم ہوئی۔ ہندی کے ماہرِ پریم چند کمل کشور گوئنکا نے بھی تقریر کی۔ میر اکبر علی خاں، فلسفے کے پروفیسر رام چند گاندھی اور عابد پیشاوری اور راقم الحروف بھی کچھ بولا۔

آپ کو یا کسی دوسرے کو میری یونی ورسٹی نے یہ کبھی نہیں کہا کہ صرف تین سو روپیوں میں آیئے۔ ہم نے ترو پتی کے سلیمان اطہر جاوید کے T.A میں سے کچھ رقم بچائی اور عقیل کو الٰہ آباد

سے فرسٹ کلاس کا کرایہ دیا۔ دوسرے پروفیسروں سے یہ درخواست کی تھی کہ بے نوائی کے سبب ہم زادِ سفر نہیں دے سکتے، اگر آپ اپنی دانش گاہ کے فیض سے مستفید ہوسکیں تو آیئے۔ ہندی میں گوئنکا پریم چند کا ماہر ہے۔ کلکتے کا ایک نوجوان استاد شمبھو ناتھ بھی تیز تھا بقیہ سب گدھے بلائے گئے تھے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص
گیان چند

(۷۴)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

۱۲؍جنوری ۱۹۸۳ء

محترم۔ تسلیم

آپ کا ۲۴؍دسمبر کا کرم نامہ کل ۱۱؍جنوری کو ملا۔ کیا مذاق ہے کہ یہ پہلے عثمانیہ یونی ورسٹی گیا، وہاں سے واپس آیا۔ میری پن کوڈ 500001 ہے اور عثمانیہ کی 500007۔ آپ نے پتے پر جو نمبر لکھا ہے اس پر آخری عدد 1 بھی پڑھا جاسکتا ہے، 7 بھی۔ آپ نے لکھا ہے 'پرسوں خط لکھ چکا ہوں' وہ خط مجھے نہیں ملا۔ وہ بھی عثمانیہ پہنچ گیا ہوگا۔

اکادمی ایوارڈ کی مبارک باد کے لیے ممنون ہوں۔ یہ کتاب کسی طرح اس انعام کی مستحق تو تھی نہیں، اس لیے مجھے خوشی کے بہ جاے ایک embarrassment ہو رہا ہے۔

مجھے چھوٹے موٹے کئی انعام ملے ہیں لیکن بڑے انعام دو ہی ملے ہیں: غالب انسٹی ٹیوٹ کا اور ساہتیہ اکادمی کا۔ اس طرح میں آپ کی برابری کی گستاخی نہیں کر رہا ہوں۔

یکم جولائی ۱۹۸۲ء کو ہرنیا کا آپریشن کرایا تھا۔ پھر اس طرف ہرنیا ہو گیا۔ ۱۷-۱۸؍جنوری کو دوبارہ آپریشن کراؤں گا۔ اکادمی انعامات کی تقسیم ۲۲؍فروری کو ہوگی۔ معلوم نہیں اس وقت تک سفر کے قابل ہوسکوں گا کہ نہیں۔

نیازکیش گیان چند

(۷۵)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۲۷/اگست ۱۹۸۴ء

محترم۔ تسلیم

۱۷/اگست کا گرامی نامہ چندروز پہلے ملا۔شکریہ۔ میں سوادِ خط دیکھ کر بھانپ گیا تھا کہ یہ آپ کی تحریر نہیں ہے۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ مئی ۱۹۸۶ء تک کشمیر رہیں گے۔ گورنر نے آپ کو اصرار کر کے روکا اپنی دیدہ وری کا ثبوت دیا۔ اگر میں مئی ۱۹۸۶ء تک زندہ رہا اور میری یونی ورسٹی تیار ہوئی تو اس وقت پھر آپ کو دعوت دوں گا۔ اس وقت تک وائس چانسلر بدل چکا ہوگا۔ نئے وائس چانسلر کی کیا پالیسی ہوگی اس پر منحصر ہے۔

لکچروں کے بارے میں مَیں دیکھوں گا کہ کب اور کیوں کر بلا سکتے ہیں۔ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔سیمنار میں خود شامل نہ ہوسکوں گا اس کا قلق ہے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم گیان چند

Prof. Ale Ahmad Suroor
Director Iqbal Institute
Kshmir University, Hazratbal
Srinagar-190006

(۷۶)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
A15، سینٹرل یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۳/جنوری ۱۹۸۵ء

محترم۔ تسلیم

گرامی نامہ کل ملا۔ شکریہ۔ جب کبھی میرا مضمون ترمیم و اصلاح کے بعد کسی مجموعے میں شامل کیا جائے گا، آپ کی فرمائی ہوئی اصلاحیں کرلوں گا۔ یہ آپ کا لطفِ خاص ہے جو آپ نے اس مضمون کو اس حد تک درخورِ اعتنا سمجھا کہ سب سے پہلے پڑھا۔

فراقؔ کے تحت الشعور میں جو اسلام دشمنی تھی اسے پہلی بار میں نے افشا کیا ہے۔ وہ ہمیشہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ اس میں ہندو شاعروں کا اضافہ کرو۔ اقبالؔ کے سلسلے میں انھوں نے کہا تھا ''اسلام، نابدرن کا کیڑا۔ مسلمان بینگن کا ٹھیلہ ڈھکیلنے والے''۔

بعض شعرا کو اپنے زمانے میں بہت بڑھایا گیا۔ ان کے بعد آہستہ آہستہ ان کا مقام کم ہوتا گیا۔ ان میں ذوقؔ، داغؔ، حسرتؔ موہانی اور جگرؔ ہیں۔ میں فراقؔ کو بھی انھیں میں شامل کرتا ہوں۔ وہ اتنے بڑے شاعر نہیں جتنا انھیں پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ محض رومانی جمالیاتی غزل گو ہیں۔ اُردو ادب کے اس نمبر میں جگن ناتھ آزادؔ نے فراقؔ پر جو تنقید کی ہے میں اس سے سو فیصدی متّفق ہوں۔

میری ایک آنکھ کا cataract کا آپریشن دو منزلوں میں ہونا ہے۔ اندیشہ تھا کہ زیادہ high myopia کی وجہ سے آپریشن سے retina کہیں علاحدہ نہ ہو جائے۔ اس لیے اس کے سدِّ باب کے لیے ایک آپریشن ۱۱؍دسمبر کو کیا گیا، میں ایک دن اسپتال میں رہا۔ نو دس دن لکھ پڑھ نہ سکا۔ دوسرا خاص آپریشن کل ۴؍جنوری کو ہوگا۔ آج صبح اسپتال میں داخل ہونے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد تقریباً تین ہفتے تک لکھنا پڑھنا موقوف رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عجلت میں لکھ رہا ہوں۔

آپ کو نیا سال مبارک ہو۔

خادم

گیان چند

اُردو نظم اور اس کی اصناف والے مضمون میں مَیں نے کچھ ترمیم و اضافہ کیا ہے۔ آپ کے دفتر کو لکھا ہے کہ میرا مسوّدہ واپس کر دیں تو ترمیمات شامل کر کے لوٹا دوں۔ اگر شمس الرحمٰن فاروقی علی گڑھ آ جائیں تو وہاں کے شعبے کو بہت فائدہ ہوگا لیکن انھیں پروفیسری میں مالی خسارہ ہوگا۔ میں نے علی گڑھ کی سلیکشن کمیٹی میں جانے سے معذرت کر لی تھی۔

(۷۷)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۴/جون ۱۹۸۷ء

محترم۔تسلیم

میں سوا مہینے کے لیے شمالی ہند گیا تھا۔دو دن پہلے واپس آیا ہوں۔آپ کا کرم نامہ ملا۔تہِ دل سے مشکور ہوں۔

یہ خوشی اور اطمینان کی بات ہے کہ آپ کو عارضی عینک مل گئی ہے۔اگر دوسرا آپریشن ۱۸/اپریل ہوا تھا تو ابھی مستقل عینک نہیں لینی چاہیے۔میرا تجربہ ہے کہ بینائی دو تین مہینے تک بڑھتی رہتی ہے۔اگر آپ نے مستقل عینک لے لی ہوگی تو وہ پھر بدلنی ہوگی۔میری تو ایک ہی آنکھ کا آپریشن ہوا ہے دوسری کا ہونا ہے۔

جب میں الٰہ آباد میں تھا میں نے امرت رائے کو اُردو میں کچھ مواد ملتا تھا وہ سب دیا۔کتابیں دیں، رسالے دیے لیکن کسی خاص حصّے یا پیراگراف کی نشان دہی نہیں کی۔وہ اُردو پڑھ سکتے ہیں۔تلاش کا کام انھیں پر چھوڑا۔مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ان کی کتاب کی Synopsis کیا ہے وہ کس نہج سے کیا لکھنا چاہتے ہیں۔میرے قیامِ الٰہ آباد تک انھوں نے کتاب کی تسوید نہیں کی تھی۔صرف مواد جمع کر رہے تھے۔بعد میں لکھا ہے۔

میں نے ان کی کتاب کا صرف اختتامیہ پڑھا ہے۔ایک ہندی والے کے قلم سے مجھے وہ متوازن معلوم ہوا۔صرف ایک بات نامناسب لکھ گئے کہ اُردو کو علاقائی زبانوں میں جگہ دینا جلد بازی تھی۔

انھیں اپنی رائے کا حق ہے۔اُردو والوں کو برداشت کرنا چاہیے۔میں دیکھ رہا ہوں کہ نہ صرف زبان کے معاملے میں بل کہ دوسرے کئی موضوعات میں اُردو والوں میں intolerance بڑھ رہی ہے۔

امرت رائے کی کتاب جس قدر عالمانہ ہے اور جس محنت سے لکھی گئی ہے اس کی داد دینی چاہیے۔اُردو والے اس محنت سے کام نہیں کرتے۔انھوں نے اُردو کے جو مآخذ دیے ہیں

اُنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ مجھے بھی اس سے کئی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اُردو فارسی کے مآخذ اور مواد میں میرا دیا ہوا صرف نصف یا اس سے کم ہے۔ بقیہ انھوں نے کسی دوسرے شخص سے حاصل کیا ہے۔

اس مہینے دلّی میں مالک رام صاحب سے ملنا ہوا۔ میں نے آپ سے متعلق مضمون میں ڈاکٹر ذاکر حسین کے جو دو اقوال لکھے ہیں ان کے بارے میں یاد نہ تھا کہ کس نے بتائے تھے۔ مالک رام صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ انھوں نے بتائے تھے اور ڈاکٹر ذاکر حسین نے دونوں باتیں ان سے کہی تھیں۔ معلوم نہیں کس معاملے کے متعلق مالک رام نے ذاکر صاحب سے کہا کہ سرور صاحب سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ اس پر ذاکر صاحب نے جھلّا کر کہا کہ آپ اُردو والوں کے کام سرور اور احتشام کے بغیر کیوں نہیں چلتے۔

دوسرا قول مہیش پرشاد کے مسوّدہ 'خطوطِ غالب' جلد دوم کے تعلق سے تھا۔ مالک رام اسے بھی مرتّب کرنا چاہتے تھے۔ مسوّدہ آپ کے پاس تھا۔ مالک رام باہر چلے گئے۔ تین سال بعد واپس آئے تو آپ سے پھر اس دوسری جلد کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے جواب دیا کہ تلاش کروں گا۔ انھیں دنوں ذاکر صاحب نے مالک رام سے پوچھا کہ مہیش پرشاد کے 'خطوطِ غالب' کی جلد دوم کی کیا پوزیشن ہے۔ مالک رام نے بتایا کہ مسوّدہ سرور صاحب کے پاس ہے اور وہ اسے تلاش کریں گے۔ اس پر ذاکر صاحب نے کہا کہ جب سرور صاحب (معاذ اللہ) مریں گے تو اُن کے گھر سے کئی مسوّدے نکلیں گے۔ یہ بڑے آدمیوں کی چٹکیاں یا مزاح المومنین ہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خادم
گیان چند

(۷۸)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو سنٹرل یونی ورسٹی
حیدر آباد-۵۰۰۱۳۴
۲۲/اپریل ۱۹۸۸ء

محترم۔ تسلیم

آپ کو اِدھر اتنے انعام وایوارڈ ملے ہیں کہ کس کس کی مبارک باد دوں۔ مغربی بنگال اکیڈمی کا انعام، عالمی اُردو کانفرنس کا انعام، اس سے پہلے مہاراشٹر اُردو اکادمی کا اعزاز وغیرہ۔ ان سب انعامات سے آپ کے مقام میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، انعام دینے والے اداروں کے وقار میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے۔

اِدھر میری اقبالؔ کی کتاب شائع ہوگئی ہے۔ نام ہے 'ابتدائی کلامِ اقبالؔ بہ ترتیبِ مہ و سال'۔ اس میں جولائی ۱۹۰۸ء (یورپ سے واپسی) تک کے اُردو کلام کو تاریخی ترتیب سے اختلافِ نسخ مرتّب کیا ہے۔ کتاب اچھّی چھپی ہے آفیسٹ میں۔ صفحات پونے پانسو، قیمت ۱۲۵/روپے۔ ناشر حیدرآباد اُردو ریسرچ سنٹر کے عبدالصمد خاں ہیں۔ تقسیم کار ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دلّی۔ میں نے ایجوکیشنل کو لکھا تھا کہ ایک کاپی آپ کو ڈاک سے بھیج دیں اور ڈاک کے اخراجات مجھے لکھ دیں، میں انھیں اس رقم کا منی آرڈر کردوں گا۔ ان کا جواب نہیں آیا۔ معلوم نہیں کتاب آپ کو ملی کہ نہیں۔ اگر نہ ملی ہو تو کوشش کر کے کسی آنے جانے [والے] کے ہاتھ دلّی سے منگا لیجیے۔

میری بہت سی کتابیں زیرِ طبع ہیں جن میں سے ایک 'تحقیق کا فن' ہے تقریباً ۶۰۰ صفحوں کی سیر حاصل کتاب ہے۔ اسے یوپی اُردو اکادمی لکھنؤ اور انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان چھاپ رہی ہیں۔

بقیہ کتابوں کی تفصیلات سے آپ کو کہاں تک مکدر کروں۔ انجمن ترقّی اُردو (ہند) نے 'اُردو مثنوی' کا دوسرا اڈیشن چھاپ دیا۔ ۱۹۷۵ء میں دیا تھا۔ ۱۹۸۷ء میں آ گیا۔ پہلے اڈیشن سے بھی زیادہ وقت لگا۔ 'اُردو کی نثری داستانیں' کا میرا اضافہ وترمیم شدہ اڈیشن یوپی اُردو اکادمی نے چھاپا ہے۔ مزید ترمیم کے بعد اس کا چوتھا اڈیشن انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان شائع کر رہی ہے۔

میں یہاں سے بشرطِ حیات اپریل ۱۹۸۹ء میں چلا جاؤں گا۔ لکھنؤ میں بسنے کا ارادہ تھا۔ اس عمر میں مکان بنانے کی فکر کروں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم گیان چند

میری لڑکی اور داماد امریکہ میں ہیں۔۱۹۸۳ء میں انھوں نے ٹکٹ دے دیا تھا۔ میں اور میری اہلیہ امریکہ ہو آئے تھے۔ اب کی بار پھر وہی ہو رہا ہے۔ ہم دونوں مئی جون میں پھر امریکہ جائیں گے براہِ جاپان۔ گیان چند

(۷۹)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۴؍جولائی ۱۹۸۸ء

میرے محترم۔ تسلیم

میں یکم مئی کو حیدرآباد سے چلا گیا تھا اور ۳۰؍جون کی رات کو واپس آیا، اس لیے آپ کا ۳۰؍اپریل کا گرامی نامہ مجھے واپسی پر جولائی میں ملا۔

میں ڈیڑھ مہینہ امریکہ رہ کر ۲۷؍جون کو دلّی واپس آیا۔ جاتے وقت دو دن کے لیے ٹوکیو رُکا اور وہاں کی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے ایک استاد اور ایم اے اُردو کی ایک جاپانی طالبہ سے ملاقات ہوئی۔ وہاں کے شعبۂ اُردو کے اساتذہ جاپانی ہیں لیکن اُردو بخوبی ہماری طرح بولتے ہیں۔

آپ نے ابتدائی کلامِ اقبالؔ کو سراہا، یہ میرے لیے سب سے بڑی سند ہے۔ مجھے آپ کی ذات سے جو عقیدت ہے وہ لفظوں میں محصور نہیں ہو سکتی۔

چراغِ سحری کی بات سن کر آنکھیں نم ہونے کو ہوئیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میں آپ کا خرد ہوں لیکن میں خود اس منزل میں داخل ہو چکا ہوں۔ امریکہ میں بہت سی غزلیں کہیں۔ دو غزلوں کے مطلع یہ ہیں:

ڈگمگاتا، لڑکھڑاتا، جھومتا جاتا ہوں میں
تجھ تک اے بابِ فنا! سینے کے بل آتا ہوں میں

ابر پارہ ہوں، کوئی دم میں چلا جاؤں گا
نقش بر آب ہوں لہروں میں سما جاؤں گا

آپ سرگذشت لکھ رہے ہیں اس سے میرا جی خوش ہوگیا۔ آپ کی سوانح اس دور کے اُردو ادب کی سوانح ہوگی۔ آپ نے جتنی دنیا دیکھی ہے اور جتنے بڑے ادیبوں کو برتا ہے اتنا دوسروں نے کم کیا ہوگا۔ آپ باقاعدہ سنہ وار سوانح لکھنے کے بہ جاے اسے سوانح + یادداشتیں (Memories) کا رنگ دیجیے۔ جس طرح ڈاکٹر اعجاز حسین نے 'میری دنیا' میں اور جوش نے 'یادروں کی برات' میں مختلف افراد کے بارے میں لکھا ہے اسی طرح لکھیے۔ یہ ضروری ہے کہ آپ بغیر کسی رورعایت کے مختلف حضرات کی صحیح تصویر پیش کیجیے۔ آپ کے وسیع تجربے اور شگفتہ اور جاندار اسلوب کے باعث آپ کی سوانح اُردو کی اہم سرگذشتوں میں شمار کی جائے گی۔ سارے کام چھوڑ کر سوانح لکھیے اور تفصیل سے لکھیے، پانسو سات سو صفحات سے کم نہ ہوں۔

میں نے امریکہ میں دوسری آنکھ کا موتیا کا آپریشن کرالیا۔ ہندستان میں تو پکنے کے بعد ہی کرتے ہیں، امریکہ میں کسی بھی منزل پر کردیتے ہیں۔ وہاں یہ آپریشن محض out-door ہے۔ آپریشن کرکے مجھے گھر بھیج دیا۔ تین چار دن کے بعد پٹّی کھول دی۔ اتنی نفاست اور مہارت سے کام کیا کہ ہندستان کا آپریشن محض اناڑی پن معلوم ہوا۔ اب آپریشن شدہ آنکھ سے پہلے کی آپریشن شدہ آنکھ کے مقابلے میں کہیں زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ دو ہفتے میں چشمے کا نمبر لے لوں گا۔ یکم جون ۱۹۸۸ء کو آپریشن ہوا تھا۔

آپ کو آپریشن کے باوجود کم دکھائی دیتا ہے یہ غالباً عمر کا نتیجہ ہے۔ مالک رام آپریشنوں کے بعد بھی آتشی شیشے کی مدد سے تھوڑا بہت پڑھتے ہیں۔

میری کتاب 'تحقیق کا فن' یوپی اُردو اکادمی اور انجمن ترقیِ اُردو پاکستان شائع کررہی ہے۔ اب 'اُردو تحقیق کی تاریخ' دو جلدوں میں لکھنے کا ارادہ ہے جو میرا آخری کام ہوگا بہ شرطِ حیات۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۸۰)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۳۱ر مارچ ۱۹۸۹ء

میرے محترم۔ تسلیم

آپ کا ۱۰ر مارچ کا کرم نامہ بروقت ملا۔ میں لکھنے کے کاموں میں اس طرح مصروف تھا کہ تین ہفتے سے ڈاک کا جواب بھی نہ لکھ سکا۔ کل سے یہ کام شروع کیا ہے۔

'کوہسار' جرنل والے بھی عجیب ہیں۔ ذاتی خطوں کو چھاپتے ہیں۔ مناظر نے اپنے بارے میں ایک مضمون لکھنے کو کہا۔ میں نے جواب دیا کہ میری retina detach ہوگئی ہے۔ انھوں نے خط کا وہ جملہ جرنل میں چھپا دیا۔ لاش یا نعش پر 'سیاست' اخبار میں کئی مہینے تک بحث چلی۔ ادارے نے جملہ بحث میرے پاس بھیج کر مجھ سے قولِ فیصل لکھوایا۔ 'کوہسار' جرنل کو نہیں بھیجا تھا۔ ہاں تہمینہ اختر کے بارے میں جو طویل مراسلہ چھپا ہے، وہ میں نے اشاعت کے لیے بھیجا۔ مناظر پر ایک مختصر مضمون بھی لکھ کر بھیج دیا ہے۔ وہ کسی رسالے کے مناظر نمبر میں چھپے گا۔

حسنِ مطلع کے بارے میں آپ نے جو لکھا اس سے تقویت ہوئی لیکن مقطعے سے پہلا شعر آخری شعر کیوں؟ کیا مقطع شعر نہیں ہے۔ آخری شعر مقطع ہی کہلانا چاہیے۔

اب سنیے retina کی تفصیل۔ میری یونی ورسٹی میں ۲۶ر نومبر ۱۹۸۸ء سے ۲۶ر دسمبر تک چھٹی تھی۔ میں نے سوچا کہ آخری L.T.C. لے لوں جو اس بار anywhere in India کا تھا۔ میں اہلیہ کے ساتھ دورِ دکن کی سیاحت پر گیا۔ ۱۲ دن میں سات آٹھ مقامات پر جانا تھا۔ تامل ناڈو اور کیرالا کی سرحد پر ایک مقام Thegaddi Tiger Reserve ہے۔ پہاڑی، گھنے جنگل کی پُرفضا جگہ ہے۔ وہاں یکم دسمبر کی شام کو جب ڈاک بنگلے میں پہنچے تو میں اپنی بھاری attache کو خود اٹھا کر اندر تک لے گیا۔ شاید اسی سے فساد ہوا ہوگا۔ مجھے اس وقت کچھ معلوم نہ ہوا۔ رات کو کمرے میں بیٹھ کر اخبار پڑھتا رہا۔ اگلے دن صبح میں نے پایا کہ میں دائیں آنکھ کے اوپری تین چوتھائی حصے سے نہیں دیکھ سکتا۔ محض نچلے حصے سے نیچے کی طرف دیکھ پاتا ہوں۔ اگلے دن ۳ر دسمبر کو تریویندرم گئے۔ وہاں آنکھوں کے اسپتال میں گئے تو ڈاکٹروں نے بتایا کہ میری آنکھ کی retina الگ ہوگئی ہے اور مجھے فوراً حیدرآباد جا کر آپریشن کرانا چاہیے۔

میں نے سوچا کہ کوئی جسمانی تکلیف تو ہے نہیں، اگر سیاحت بیچ میں چھوڑ کر گیا تو آیندہ کبھی کنیا کماری دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ میں کنیا کماری اور کوچین گیا۔ سیاحت ۳ دن کم کی اور ۹ رد سمبر کو حیدرآباد واپس آ گیا۔ ۱۰ ردسمبر کو اسپتال میں دکھایا۔ ۱۲ ردسمبر کو آپریشن ہوا جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک چلا۔ ۱۵ ردسمبر کو میں گھر واپس آ گیا۔ ایک مہینے کے بعد پڑھنے لکھنے لگا۔ اب یہ کیفیت ہے کہ دائیں آنکھ سے لکھ پڑھ نہیں سکتا، کبھی بھی یہ اس قابل نہ ہوگی۔ ہاں، دیکھنے اور روزانہ کے کام کاج کے لیے ٹھیک ہے۔

ادھر فروری مارچ میں مَیں نے ڈٹ کر مسلسل بہت دیر تک لکھا پڑھا ہے۔ چراغ کی بتّی کو آخر تک نچوڑ لیا۔ کام مکمّل کرنے جو ٹھہرے۔

۳۰ راپریل کو ملازمت ختم ہوگی۔ یونی ورسٹی کا کوارٹر چند ماہ تک رکھ سکتا ہوں۔ مئی جون میں شمالی ہند جاؤں گا۔ لکھنؤ میں اندرانگر میں میرا قطعۂ زمین ہے۔ اس عمر میں مکان بنانا مشکل ہے۔ کوشش کروں گا کہ کوئی بنا بنایا مکان مل جائے تو خریدلوں اور زمین بیچ دوں۔ نہیں ملا تو کئی ٹھیکیدار سے مکان بنواؤں گا۔ اس اثنا میں لکھنؤ میں کرایے کا مکان لے کر رہوں گا۔ جولائی اگست میں حیدرآباد سے اپنا سامان اٹھا کر لے جاؤں گا۔

یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے مضامین کو تلاش کر کے کتابی شکل میں چھپوادیں۔ مالک رام بھی یہی کر رہے ہیں۔ آپ کے بقیہ مضامین چند مجموعوں میں آ کر محفوظ ہو جائیں تو بہت خوب ہوگا۔

میں نے یو جی سی کو ایک منصوبہ بھیجا ہے تین جلدوں میں اُردو تحقیق کی تاریخ لکھنے کا۔ یہ میرا آخری کام ہوگا اور magnum opus ہوگا۔ اس کی تکمیل میں چار پانچ سال لگیں گے۔ یو جی سی کو فی الحال دو سال کی مالی مدد کے لیے لکھا ہے۔ کوئی امید نہیں کہ اس تاریخ کو مکمّل کر سکوں گا۔ چار پانچ سال کی صحت مند زندگی کا کیا یقین؟

اِدھر میرے مضامین کے کئی مجموعے زیرِ طبع ہیں۔ کتابوں میں 'تحقیق کا فن' (پونے سات سو صفحے) یوپی اُردو اکادمی اور مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد سے چھپ رہی ہے۔ 'ادبی اصناف' گجرات اسٹیٹ اُردو اکادمی چھاپ رہی ہے۔ 'اُردو کا اپنا عروض' (سوا سو صفحے کی کتاب) مکمّل کی ہے، ناشر کی تلاش میں ہوں۔ اس کتاب میں عروض کی تشکیلِ جدید کی ہے۔

آپ سے ملنے کی خواہش، جتنی آپ کو ہوگی، اس سے کئی گنا زیادہ مجھے ہے۔ شاید لکھنؤ پہنچنے کے بعد گنجایش زیادہ ہو جائے۔

امید کرتا ہوں آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۸۱)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

A 15، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۰رنومبر ۱۹۸۹ء

محترم۔تسلیم

کل 'کتاب نما' آیا۔ معلوم ہوا کہ آپ کو کشمیر یونی ورسٹی نے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری دی ہے۔ مبارک ہو۔ کشمیر یونی ورسٹی نے بڑی ہوش مندی کا ثبوت دیا ہے۔ میری نظر میں دو علما ایسے تھے جنھیں اعزازی ڈگری ملنی چاہیے تھی آپ اور مالک رام۔ آپ چوں کہ پروفیسر رہ چکے ہیں اور وہ بھی سب سے سینئر اور ممتاز، اس لیے آپ پر یہ ڈگری پھبتی ہے۔ دراصل دسیوں سال پہلے ہی کسی یونی ورسٹی کو یہ توفیق ہونی چاہیے تھی کہ آپ کو ڈگری دے دیتی۔ بہر حال دیر آید درست آید۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۸۲)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۲۷راگست ۱۹۹۲ء

محترمی۔تسلیم

۱۴راگست کا گرامی نامہ کل ۲۶راگست کو ملا۔ اس نوازش کے لیے مشکور ہوں۔ آپ عمر کی اس منزل میں جس قدر کام کر رہے ہیں اسے دیکھ کر رشک ہوتا ہے۔

میں نے ادارۂ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد میں وہی مضمون پڑھا تھا جو 'کتاب نما' کے لیے لکھا ہے۔ یہ پورا مضمون عقیدت مندانہ اور توصیفی ہے، کہیں کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میں آج آٹھ دس دن کے لیے وطن سیوہارہ، بجنور جارہا ہوں۔ آج مضمون کا زیراکس کرانے کا موقع نہیں۔ واپسی پر اس کا عکس نکلوا کر الفاظ کو روشن کر کے آپ کو پیش کردوں گا۔

آپ سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ مجھے انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان نے اوائلِ نومبر میں بابائے اُردو یادگار لکچر دینے کے لیے مدعو کیا ہے۔ موضوع ہوگا 'اُردو کی ادبی تاریخیں ۱۹۴۷ء تک'۔ اگر ویزا کے لیے دہلی جانا پڑا تو راستے میں علی گڑھ رُک کر آپ سے نیاز حاصل کروں گا۔ سفر مجھے بھی دوبھر دکھائی دیتا ہے۔ ساختیات اور پس ساختیات وغیرہ میری فہم سے باہر ہیں۔ میں ان کے بارے میں کیا عرض کروں۔

امید ہے آپ کا مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۸۳)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۲۷ رمئی ۱۹۹۳ء

محترم۔ تسلیم

آپ کا ۱۴رمئی کا مفصّل والا نامہ کئی دن پہلے ملا تھا۔ آپ نے اتنا طولانی خط لکھنے کی زحمت کر کے میرا اعزاز بڑھایا۔ آپ کے قلم کی روشنائی پھیکی ہے۔ مجھے پڑھنے میں دقّت ہوئی۔ پوری چٹھّی کو magnifying glass کی مدد سے مخطوطات شناسی کے طور پر جدوجہد کر کے پڑھا۔ اب بھی بعض الفاظ واضح نہیں۔

اُردو کی مراسلاتی یونی ورسٹی تو اور بھی فضول کی چیز ہے۔ آپ مُصر ہیں تو بنایئے۔ یہ یونی ورسٹی وہاں کے اہل کاروں کے مفاد میں ہوگی، طلبہ کے مفاد میں نہیں کہ اس سے تیسرے درجے کے مایوس طلبہ ہی نکلیں گے۔

احتشام صاحب اُردو یونی ورسٹی کے بہت خلاف تھے۔ کہتے تھے کہ معلوم نہیں کیوں چار پروفیسر یعنی آپ، خواجہ احمد فاروقی، مسعود حسین خاں اور محمد حسین اس کے پیچھے پڑے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ گجرال کمیٹی نے اُردو یونی ورسٹی کی سفارش نہیں کی، سردار جعفری کمیٹی نے بھی نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ حکومت ایک انٹرنیشنل نرالا ہندی یونی ورسٹی ناگپور میں بنانے والی ہے۔ مرکزی حیدرآباد یونی ورسٹی کے ہندی کے پروفیسر نے مجھ سے کہا کہ یہ انٹرنیشنل یونی ورسٹی ہندی کے حق میں نہیں، ہاں کچھ لوگوں کے کھانے کمانے کا ذریعہ بن جائے گی۔

رام لعل، شمس الرحمٰن فاروقی، محمود حسن رضوی (پروفیسر اُردو لکھنؤ یونی ورسٹی)، نیّر مسعود رضوی، کاظم علی خاں، سب لوگ اُردو یونی ورسٹی کو غیر مفید جانتے ہیں، ہاں ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی اور بنارس کے ڈاکٹر حنیف نقوی اس کے حامی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ میں کیا مشورہ دوں گا۔ بہرحال کوئی استفسار کیا گیا تو ضرور اپنی ناقص رائے پیش کروں گا۔ لکھنؤ میں امبیڈکر یونی ورسٹی بن رہی ہے۔ وہ تین سال کا ایم اے آنرس کھولنا چاہتے ہیں جو عجیب بات ہے۔ اس کا ۶ سمسٹر کا ایم اے اُردو کا نصاب تنِ تنہا میں نے بنایا ہے۔ علاحدہ سے آپ کو بھیجتا ہوں۔ اب تو یہ یونی ورسٹی مرکزی ہوگی۔ نئے سرے سے سب کچھ طے کیا جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اب اس میں دو سال کا ایم اے کر دیا جائے گا۔

میں نے سیّدہ جعفر کی شرکت میں ترقیِ اُردو بیورو کے لیے ایک تاریخ ادبِ اُردو جلد اول لکھی۔ اس کا پہلا باب لسانیاتی تھا۔ اسی کو 'نقوش' میں چھپوا دیا۔ اس پر 'نقوش ایوارڈ' ۱۹۹۲ء کا مل گیا ہے۔ یہ ۲۵ ہزار روپے کا ہوتا ہے لیکن اس کی رقم ملتی کہاں ہے۔ رام لعل کو پچھلے سال یہ ایوارڈ ملا تھا۔ آج تک پیسہ نہ ملا۔ انھیں کینسر بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ آج کل روپیہ مل جاتا تو کام آ جاتا۔

آپ اپنے مضامین کے مجموعے تیار کر دیجیے۔ یہ مفید کام ہوگا۔

'فسانۂ آزاد' کا فارسی مصرع حوصلہ انگیز ہے۔ کاش آپ کی کوششیں بارآور ہو سکیں۔

مئی کے 'نیا دور' لکھنؤ میں میرا ایک مضمون 'نیا آدمی نامہ' آیا ہے۔ آپ کو رسالہ مل جائے تو ملاحظہ کیجیے۔ رسالے کی فرمایش پر قومی یک جہتی کے مسئلے پر لکھا۔ میں نے اسے ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کے بعد کے واقعات کے تناظر میں لکھا ہے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج اور صحت بہ خیر ہوگی۔

خادم گیان چند

یہ عرض کروں کہ اب مجھے کسی قسم کی میٹنگ میں شرکت کرنا موت معلوم ہوتا ہے خواہ وہ لکھنؤ ہی میں کیوں نہ ہو۔

مخلص گیان چند

(۸۴)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرانگر

لکھنؤ - ۲۲۶۰۱۶

۱۱/اگست ۱۹۹۳ء

محترم۔ تسلیم

آپ کا 16/28 جولائی کا لکھا کرم نامہ پرسوں ۹/اگست کو ملا۔ آپ کا کرم نامہ ملنے پر ایک احساسِ افتخار ہوتا ہے۔ میں پہلی بار میں اس کے تمام الفاظ نہیں پڑھ پاتا ہوں لیکن مفہوم سمجھ لیتا ہوں۔ شام کو فرصت ملنے پر دوبارہ غور کر کے پڑھتا ہوں تو ایک ایک لفظ پڑھ لیتا ہوں۔

یکم اگست ۱۹۹۳ء کے 'ہماری زبان' میں سیّد حامد کا مضمون 'لالہ مہیشور دیال' چھپا ہے۔ ص ۷ پر لکھتے ہیں:

> ''جن لوگوں کی عمر ۷۰ کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے ان پر اپنے احباب کرم فرماؤں اور رفیقوں کی رحلت کا کچھ زیادہ ہی اثر ہوتا ہے۔ ایک تو ان کی جدائی، دوسرے یہ خیال کہ اب ہماری باری ہے۔ اور اگر احباب اور آشناؤں میں سے کوئی بغیر اطلاع یعنی بغیر طویل علالت کے چلا گیا تو اور دھکّا لگتا ہے کہ یہ تام جھام سب دھرا رہ جائے گا... بلاوا آئے گا تو ایک پل کی مہلت نہ ملے گی''۔

میں ۱۹/ستمبر کو ۷۰ سال کا ہوں گا لیکن میں بھی اندیشۂ مرگ سے مبرّا نہیں رہتا۔ ہم لوگ موت کے سایے میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کتاب لکھنے کا کام کرتے ہیں لیکن کھٹکا رہتا ہے کہ پوری کر بھی پائیں گے کہ نہیں۔

آپ نے 'نقوش' کے مضمون کو پسند کیا یہ آپ کی خُرد نوازی ہے۔ پچھلے سال میرے

مجموعے 'لسانی مطالعے' کا تیسری اڈیشن آیا جو مجھے جنوری ۱۹۹۳ء میں ملا۔ اس میں میں نے بہت سے مضامین خارج کر کے بہت سے اضافے کیے ہیں۔ ان میں یہ مضمون بھی ہے معمولی فرق کے ساتھ۔ مسعود حسین خاں نے مجھے لکھا ہے کہ وہ اس پر اپنا نقطۂ نظر پیش کریں گے یعنی جواب لکھیں گے۔

آج کل میں 'اُردو کی ادبی تاریخیں' نام کی کتاب مکمّل کر کے اس کی تبییض کر رہا ہوں۔ سوچتا تھا کہ اس کے بعد اُردو کے سات بڑے محقّقین کے کاموں کا بے لاگ جائزہ لوں۔ وہ سات یہ ہیں: محمود شیرانی، عبدالحق، قاضی عبدالودود، مسعود حسن رضوی، عرشی صاحب، مالک رام اور ڈاکٹر زور۔ آپ کے لکھنے پر خیال آیا کہ میرا ایک خواب یہ بھی تھا کہ 'اُردو ہندی میں کھڑی بولی' پر ایک کتاب لکھوں لیکن لکھنؤ آ کر یہ سب مشکل ہو گیا ہے۔ لکھنؤ یونی ورسٹی کی لائبریری ناکافی ہے اور میں دور رہتا ہوں۔ میرے پاس کار ہے لیکن بھیڑ بھاڑ میں نہیں چلا سکتا۔ Tempo سے جانا بہت دقّت طلب ہے۔ حیدر آباد میں سہولت تھی۔ الٰہ آباد یا علی گڑھ یونی ورسٹی کی سی لائبریریاں نزدیک میں ہوں تو بہت بھاگ دوڑ کیے بغیر کتابوں تک رسائی ہو سکتی ہے لکھنؤ میں مَیں دور افتادہ ہوں۔ پاس میں اہلِ اُردو میں صرف رام لعل ہیں وہ جدید افسانے کے علاوہ قدیم ادب و زبان کو جانتے نہیں۔ وہ بھی کینسر میں مبتلا ہیں۔

معلوم نہیں لکھنؤ میں کوئی ہندی لسانیات کا عالم ہے کہ نہیں۔ میں وہ کتاب لکھ پاتا تو ابتدا سے انیسویں صدی تک اُردو ہندی میں کھڑی بولی کے نمونوں کو پرکھ کر نقل کرتا۔ کھڑی بولی کے قدیم نمونے اکثر برج بھاشا کی چھوت کے ساتھ ملتے ہیں یعنی کلام کا کچھ حصہ کھڑی بولی کا، کچھ برج کا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے اپنے مضمون 'اُردو کا قدیم ترین ادب' 'نقوش' مئی ۱۹۶۵ء میں ہندی ادبیات میں سے تیرہویں تا اٹھارہویں صدی کے کھڑی بولی کے نمونے پیش کیے ہیں۔ میرے بڑے بھائی مونس نے (ولادت ۷ر ستمبر ۱۹۱۱ء یعنی آپ سے دو دن بڑے) ساتویں صدی سے انیسویں صدی تک کے نمونے دیے ہیں۔ ان سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ کھڑی بولی کے پرانے نمونے دیوناگری ہی میں ہیں۔ اُردو میں کھڑی بولی کے نمونے دکنی زبان کے پردے میں ملتے ہیں، شمالی ہند میں تو اٹھارہویں صدی ہی میں ملتے ہیں۔

اُردو میں علاحدگی پسندی کا رجحان زبان اور شعریات میں سے ہندی کا عنصر کم کر کے عربی فارسی عنصر کے اضافے کو کہیں تو یہ کام ولی نے شروع کیا۔ شمالی ہند میں حاتم، مظہر، عہدِ

ناسخ وغیرہ میں ہوا کیا۔اسی رجحان سے اُردو کا ارتقا ہوا اور نہ وہ فارسی رسم الخط میں ہندی کے سوا کچھ نہ ہوتی۔

انیسویں صدی میں ہندی نے ضرور اُردو سے استفادہ کرکے اپنے یہاں کھڑی بولی کے عنصر کو مضبوط کیا یعنی عربی فارسی الفاظ کو خارج کر کے کھڑی بولی ہندی کو استوار کیا۔کوئی بغیر prejudice کے دونوں رسوم الخط میں کھڑی بولی کے نمونوں کو تلاش کر کے ان کی صحت کو پرکھے تب حقیقت کا اندازہ ہو۔اب تاریخی لسانیات کا فیشن ہی نہیں رہا۔میں بہت کچھ کرنے کی ہوس رکھتا ہوں لیکن وسائل نہیں۔آپ لوگوں پر رشک آتا ہے کہ رٹائر ہو کر بھی یونی ورسٹی کے ماحول میں رہتے ہیں۔میں تو ایک علمی وادبی کھنڈر ہو گیا ہوں۔

خادم

گیان چند

میں اہلیہ کے ساتھ ۲۰؍ستمبر ۱۹۹۳ء کو تقریباً دو ماہ کے لیے امریکہ جاؤں گا۔ٹکٹ کا خرچہ اپنی جیب سے کروں گا۔ گیان چند

(۸۵)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25،اندرانگر

لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۴؍ستمبر ۱۹۹۳ء

محترم۔تسلیم

آپ کا کرم نامہ پرسوں شرفِ صدور لایا۔شکریہ۔آپ کے قلم کا refill بہت پھیکا ہے جس کی وجہ سے پڑھنے میں بہت دقّت ہوتی ہے۔محدّب شیشے کی مدد سے پڑھ سکا۔میری تجویز ہے کہ آپ نیلے کے بہ جاے سیاہ refill ڈلوایا کیجیے۔میں آج شام دہلی جا رہا ہوں۔وہاں سے ۱۷ستمبر کو امریکہ جاؤں گا اور بہ شرطِ حیات نومبر کے تیسرے ہفتے میں واپس آؤں گا۔

ادبی تاریخوں پر کتاب کا کام بیچ ہی میں رُک گیا ہے۔آپ نے میری باضابطگی کی جو قدر شناسی کی ہے وہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے۔آپ مطمئن رہیے کہ آپ نے جو کام کیے ہیں وہ غیر معمولی اہمیت کے ہیں۔

تاریخی لسانیات کا میرا گہرا مطالعہ نہیں۔ پھر بھی میں حسبِ مقدور مختصراً آپ کے سوالوں کا جواب دیتا ہوں۔

۱- میرے خیال میں جائسی، داؤد، عثمان وغیرہ کے مخطوطے اُردو رسم الخط ہی میں ہیں۔ رحیم اور رَس کھان کے بارے میں مجھے علم نہیں۔

۲- شمالی ہند کے ادب کا اُردو کا قدیم ترین مخطوطہ کب کا ملتا ہے یہ بہت اہم سوال ہے۔ مجھے ایک شخص فیض اللہ آروی کی ہندی نظم 'قصّۂ جمجمہ' کا مخطوط ۱۰۹۹ھ کا لکھا ہوا ملا۔ یہ عہدِ عالم گیر کی تصنیف اور کتابت ہے۔ اصل میں یہ ہندی کی نظم ہے لیکن اسے اُردو بھی کہہ سکتے ہیں۔ میں نے اسے اپنی کتاب 'کھوج' میں چھاپ دیا ہے۔ میرا خیال ہے شمال کے ادب کا قدیم ترین مخطوطہ اٹھارہویں صدی کا ہونا چاہیے۔

۳- فورٹ ولیم کالج میں بالیقین کچھ کتابیں اُردو رسم الخط میں اور کچھ دیوناگری خط میں چھپیں۔ اُردو کی بعض کتابیں اولاً دیوناگری خط میں اور بعد میں اُردو میں آئیں۔

۴- میرے خیال میں جدید ہندی یعنی کھڑی بولی ہندی کا رواج فورٹ ولیم کالج ہی سے ہوا۔

۵- متروکات پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ 'جلوۂ خضر' میں صفیر بلگرامی نے جو فہرست دی تھی اس کی نقل کئی شخصوں نے کی ہے مثلاً 'شعر الہند' میں۔ کسی نے باقاعدہ اس موضوع کو نہیں لیا۔

۶- شمالی ہند کی قدیم اُردو میں کم از کم اٹھارہویں صدی تک 'نے' کا استعمال نہایت بے قاعدہ ہے۔ پنجابی کا اثر ہوسکتا ہے۔ 'نے' زائدہ کی مثالیں بھی ملتی ہیں اور 'نے' محذوف کی بھی۔

۷- روہیل کھنڈ میں اور دوسرے مقامات پر عوامی گیت اس زبان میں ہوتے تھے جنھیں ہندی کے علاوہ اُردو بھی کہہ سکتے ہیں۔

۸- عورتوں کے گیتوں، بل کہ ہر قسم کے گیتوں کی زبان کا رجحان ہندی کی طرف ہے۔

کھڑی بولی کے روہیل کھنڈی روپ پر کام کرنے کی ضرورت ہے لیکن آج کل اہلِ لسانیات تاریخی لسانیات پر توجہ نہیں کرتے۔ کوئی اُردو یا ہندی والا کرے تو کرے۔

دراصل کوئی بھی سنجیدہ موضوعات پر کام نہیں کرنا چاہتا۔ وہ Short-cut سے ڈگری

حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔

میں رامانجن صاحب سے نہیں ملا۔ خدا انھیں مغفرت عطا کرے۔

آپ اس خط کے پہنچنے کے بعد ۸۲ سال کے ہو چکے ہوں گے۔ مبارک ہو۔

many happy returns

یہاں رام لعل کینسر میں مبتلا ہیں لیکن بظاہر ٹھیک ہیں۔

خادم
گیان چند

(۸۶)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرانگر
لکھنؤ - ۲۲۶۰۱۶

۷رفروری ۱۹۹۴ء شام

محترم۔ تسلیم

آپ کا ۲۸رجنوری کا کرم نامہ پرسوں سنیچر ۵رفروری کو ملا۔ تہِ دل سے مشکور ہوں۔ میں یکم دسمبر کو دلّی اور ۵ردسمبر کو لکھنؤ واپس آیا۔ پھر ۱۷ردسمبر کو بجنور سے فون آیا کہ میرے بھائی پرکاش مونس بیمار ہیں۔ انھیں دل اور گردے کی تکلیف تھی۔ اب وہ علاج کے لیے جے پور چلے گئے ہیں۔ Prostete کی حالت خراب تھی۔ پیشاب روک نہیں پاتے تھے۔ جے پور میں Biopsy کرانے پر پروسٹیٹ میں Cancer نکلا ہے لیکن پروسیٹ کا کینسر بہت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے لیکن آخر کار مہلک تو ہوتا ہی ہے۔ میرے بھائی آپ سے دو دن بڑے ہیں۔

بیگ احساس کی ضد ہے کہ گوشہ اور ارمغان دونوں نکالے گا۔ میں نے تو کئی بار لکھا کہ ارمغاں کا ارادہ چھوڑ دو لیکن وہ بضد ہے۔ آپ نے میری عزت افزائی کی اس کی کمیٹی کا صدر بن کر۔

رام لعل کو ایوارڈ ملنے سے خوشی ہوئی۔ انھیں بھی اندازہ تھا کہ آپ اس کی جیوری میں رہے ہوں گے۔ وہ کینسر کے مریض ہیں، اچھا ہوا کہ انھیں یہ اعزاز مل گیا۔ چند سال پہلے اُردو والوں میں قرۃ العین کو گیان پیٹھ ایوارڈ مل چکا ہے، اُردو کا نمبر دوبارہ اتنی جلدی نہیں آسکتا۔

بہر حال آپ اختر الایمان کے لیے کوشش کیے جائیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ اس سال گیان پیٹھ انعام پانے والے اُڑیا کے شاعر آئی.اے.ایس ہیں اور وزارتِ تعلیم میں جوائنٹ سکریٹری۔ یہ تو بہت غیر شاعرانہ منصب ہے۔

روشنی نہ رہی والا شعر کس برق کا ہے بس نام نہ پڑھ سکا کیوں کہ لکھنؤ کے پوسٹ آفس والوں نے وہیں مہر لگا دی ہے۔ 'خمخانۂ جاوید' نکال کر برق تخلص کے جملہ شعرا کو دیکھا، کسی کے ذیل میں وہ شعر نہ تھا۔

میں خود آپ کو لکھنے کی سوچ رہا تھا۔ یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے کہ آپ نے از خود لکھا۔

میں نے اپنا Biodata بہت سی تعداد میں چھپوا لیا تھا۔ اس کی ایک کاپی بھیجتا ہوں۔ Biodata میں پاکستان بھی چھپوا لیا تھا۔ اب کی بار امریکہ سے واپسی میں ایک دن کے لیے ہانگ کانگ ٹھہرا۔

لاس اینجلس میں ۱۹ر نومبر ۱۹۹۳ء کو ایک بین الاقوامی مشاعرے میں بہ حیثیت سامع کے شرکت کی۔ ہندستان سے ملک زادہ منظور احمد اور دلّی کے ایک مزاحیہ شاعر خیّامی شامل ہوئے۔ پاکستان کے کئی شاعر تھے جن میں فہمیدہ ریاض بھی تھیں۔ مشاعرے کا ہال بھرا ہوا تھا۔

امید کرتا ہوں آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

میں نے Biodata میں ایوارڈ کی رقم لکھنے کا بھی غیر محتاط کام کیا ہے تا کہ کچھ پوشیدہ نہ رہے۔

گیان چند

(۸۷)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۷ر مئی ۱۹۹۴ء

محترم۔ تسلیم

آپ کا ۳۰ر اپریل کا کارڈ ۵ر مئی کو اور ۲ر مئی کا کل ۶ر مئی کو ملا۔ اس نوازش کے لیے

ممنون ہوں۔ آپ نے اس سے پہلے برق کے بارے میں جو خط لکھا تھا اُس میں برق کا نام نہیں دیا تھا۔ میں نے 'خمخانۂ جاوید' میں تمام برقوں کے اشعار کا جائزہ لیا، ان میں وہ شعر نہ تھا۔ میں نے آپ کو لکھ کر اس کے نام کا استفسار کیا تھا۔ ڈاک کی بدنظمی کے سبب وہ خط آپ تک نہیں پہنچا۔ جلیل قدوائی اور ڈاکٹر عزیز کو میں مرحوم سمجھتا تھا۔ مجھے اب بھی اطمینان نہیں کہ وہ زندہ ہیں۔ محمد حسین کا نام میرے ذہن میں نہیں آیا۔ میں انھیں اُردو کا ادیب نہیں سمجھتا تھا۔ آپ سے گزارش ہے کہ ان تینوں ناموں کو ایک مراسلے کی شکل میں 'ہماری زبان' کو بھیج دیجیے۔ اس سے میری فہرست کی عزّت افزائی ہوگی۔ ایک نام سیفی پریمی کا چھوٹ گیا تھا۔ مزید ایک اور ہے۔ میں نے یہ دو نام 'ہماری زبان' کو بھیج دیے ہیں۔

آپ کی طبیعت کی خرابی کی بات سن کر تشویش ہوئی لیکن عمر کو دیکھتے ہوئے آپ کی صحت پھر بھی بساغنیمت ہے۔

Prostate کے بڑھے ہونے کے تدارک کے لیے ایک گولی روز کھائی جاتی ہے۔ اب کسی کمپنی نے ہندستان میں بھی فروخت کرنی شروع کی ہے۔ آپ معلوم کر کے اس کا استعمال کیجیے۔ ٦ ماہ تک روزانہ ایک بار کھانی ہوتی ہے۔

مالک رام کے مذہب کے بارے میں مَیں نے اس لیے لکھا کہ بات صاف ہو جائے۔ کئی مراسلوں سے کئی نئی باتیں سامنے آئیں۔ کرشن چندر کی طرح نارنگ کے لیے بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے طلاق لینے کے لیے عارضی طور پر تبدیلیِ مذہب کی تھی۔ آپ نے بشیرالدین محمود پر معرکے کا شعر لکھا ہے۔ حاصلِ مکتوب ہے۔

خادم
گیان چند

(۸۸)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرانگر
لکھنؤ - ۲۲۶۰۱۶

۱۲؍جون ۱۹۹۴ء

میرے محترم۔ تسلیم

آپ کا ۳۱ر مئی کا گرامی نامہ دو تین دن پہلے ملا تھا۔ اس توجہ کے لیے ممنون ہوں۔ میں جلیل قدوائی اور محمد عزیز کے نام 'ہماری زبان' کو ایک مراسلے میں بھیجتا ہوں۔

امریکہ کی پراسٹیٹ کی گولی کا نام PROSCAR ہے۔ وہ ہندستان میں نہیں ملتی۔ یہ ایک Brand-name ہے۔ میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ اسی طرح کی کوئی گولی ہندستان میں بنی ہے۔ کس کمپنی نے بنائی ہے یہ یاد نہیں۔

چندروز ہوئے حیات اللہ انصاری صاحب کی اہلیہ سلطانہ حیات کا حملۂ قلب سے انتقال ہو گیا۔ تین چار دن پہلے کی بات ہے۔ انتقال سے ایک دن پہلے سلطانہ صاحبہ نے مجھ سے فون پر دو مرتبہ بات کی تھی۔ میرے یہاں آنے والی تھیں لیکن نہ آسکیں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خادم

گیان چند

(۸۹)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۹ر اگست ۱۹۹۴ء شام

محترم۔ تسلیم

میں ایک مہینے کے لیے دہلی، بجنور، سیوہارہ اور مظفر نگر گیا تھا۔ پرسوں واپس آیا۔ آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۱۳ر جولائی ملا۔ مشکور ہوں۔ آپ پروسٹیٹ کے آپریشن سے پرہیز کیجیے۔ ایک ماہ میں ۹ر ستمبر کو آپ ۸۳ سال کے ہو جائیں گے۔ یہ عمر آپریشن کی نہیں ہے۔

برق کے شعر کے بارے میں مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میں لکھنؤ میں کتب خانوں اور کتابوں سے دور ہو گیا ہوں۔

معلوم نہیں بیگ احساس میرے بارے میں 'کتاب نما' کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ میں نے انھیں بارہا لکھا کہ ارمغاں کا خیال ترک کر دیں صرف 'کتاب نما' کا خاص نمبر کافی ہے۔ اس پر بھی خاک ڈالیں تو اور بہتر ہے۔ ان کا کوئی جواب نہیں آتا۔ اب آپ بھی اس شِق کو

بھول جایئے۔

مجھے انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان نے بابائے اُردو لکچر کے لیے پچھلے سال مدعو کیا تھا۔ ویزا نہ ملا۔ اس بار حکومتِ پاکستان نے اگست میں دس دن کے لیے ویزا منظور کیا ہے۔ انجمن نے لکچر کی تاریخ ۱۸؍اگست رکھّی ہے۔ میں نے عالی کو فون کر کے لکچر کی تاریخ یکم اکتوبر ۱۹۹۴ء رکھنے کو کہا ہے ساتھ میں ویزا میں ترمیم کر کے اکتوبر میں ۱۵ دن کے لیے لکھا ہے۔

غالب اکیڈمی دہلی نے مالک رام پر خطبات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سال کے لکچر کے لیے مجھے مدعو کیا ہے۔ میں نے اکتوبر کی تاریخ لکھی ہے۔ ضخیم مضمون لکھنا ہے۔ یہاں کتابوں کی دقّت ہے۔ بُرا پھنسا ہوں۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۹۰)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ - ۲۲۶۰۱۶

۲۲؍ستمبر ۱۹۹۴ء

محترم۔ تسلیم

آپ کا ۱۳؍ستمبر کا کرم نامہ کل ملا۔ اس سے پہلے بھی ایک نوازش نامہ ملا تھا۔

پاکستان کا سفر ملتوی۔ اپنے اور اہلیہ کے ہوائی جہاز کے ٹکٹ لے لیے تھے کہ ۱۲؍ستمبر کو انجمن کراچی سے تار ملا کہ غیر متوقع حالات کی وجہ سے لکچر ملتوی کیا جا رہا ہے۔ میں نے ٹکٹ واپس کیے اور خسارہ اٹھایا۔ اب کون جانے کہ جانا ہو سکے گا کہ نہیں۔ ۷۱ سال کا ہو چکا ہوں، زندگی کا کیا بھروسا۔ دلّی کے لکچر کی تاریخ فون پر ۱۵؍اکتوبر طے ہو چکی ہے لیکن تحریری اطّلاع نہیں آئی۔

اقبالؔ کے شعر میں امیر کے متعلّق آپ کا فرمانا بجا ہے۔ کئی سال ہوئے 'شاعر' کا ضخیم اقبالؔ نمبر آیا۔ اس میں 'امیر' گانے والی کے بارے میں تفصیل سے لکھا تھا۔

آپ کا یہ فرمانا بجا ہے کہ اقبالؔ نے بعض نظموں کو اولاً غزل کی شکل میں لکھا۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم
گیان چند

(۹۱)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
9/25، اندرا نگر
لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶
۲۳/دسمبر ۱۹۹۵ء
محترم۔ تسلیم

۱۵/دسمبر کا گرامی نامہ کل ۲۲/دسمبر کو ملا۔ شکر گزار ہوں۔ یہ جان کر تشویش ہوئی کہ آپ پر alzheimer's disease کا شبہ ہے۔ خدا کرے ایسا نہ ہو۔ اس مرض میں یادداشت بل کہ انسانوں کی شناخت تک ختم ہو جاتی ہے۔

صنف کے بارے میں مَیں اُردو ادب کے مشاہدے سے جو اصول اخذ کر سکا وہ اپنی کتاب 'ادبی اصناف' میں دے دیے ہیں۔ آپ جو کچھ طے کریں گے وہ زیادہ سائنٹفک ہوگا۔ میں نے نثر کی اصناف طے کرنے کی جو جد وجہد کی ہے میں اس حصّے کو اہم تر مانتا ہوں۔ براہِ کرم کتاب نکال کر نثری اصناف کی تسکین کے بارے میں اپنی اصلاح سے نوازیے۔

میں نے آپ کے خط کا زیادہ تر حصّہ پڑھ لیا۔ بعض الفاظ کی شناخت نہیں کر سکا۔ کسی اور کی مدد سے Decipher کروں گا۔ ڈاک خانے والوں نے کارڈ کے سیدھے رُخ کے بیچ میں متن پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے بہت سے الفاظ مبہم ہو گئے ہیں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خادم
گیان چند

(۹۲)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
9/25، اندرا نگر

لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۲۳/مارچ۱۹۹۶ء

محترم۔تسلیم

میں ۱۱دن جے پور رہ کر پرسوں واپس آیا۔آپ کا ۱۳/مارچ کا کرم نامہ ملا۔میں اس کو 60% پڑھ سکا۔بقیہ کو کوشش کر کے دریافت کروں گا۔مجھے کچھ معلوم نہیں کہ بیگ کو کتنے اور کس کے مضمون ملے ہیں۔میں تو ہر خط میں اسے لکھتا رہتا ہوں کہ 'کتاب نما' کا نمبر نکالنے کا ارادہ ترک کر دے، ہم سب کو راحت ہوگی۔وہ مجھے جواب ہی نہیں دیتا۔گویا اس موضوع پر اس کے اور میرے بیچ کوئی رابطہ ہی نہیں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

(۹۳)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25،اندرانگر

لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۱۳/اپریل۱۹۹۶ء

محترم۔تسلیم

۲۵/مارچ کا گرامی نامہ چند روز پہلے ملا۔آپ کے خطوط کا مخاطب ہونے پر میں فخر محسوس کرتا ہوں۔سب سے پہلے آپ کو شارجہ سے ایک لاکھ روپے کا انعام ملنے پر مبارک باد دوں۔ظاہر ہے اس سے آپ کے مرتبے میں تو اضافہ نہیں ہوتا لیکن مالی فائدہ تو ہے ہی۔

آپ کا پچھلا خط میں نے تقریباً پورا پڑھ لیا۔آخر میں ایک جملہ Decipher نہ کر سکا اور بس۔اب چل چلاؤ کا عالم تو ہے ہی۔میں خود کو بھی ان تیز گاموں کے قافلے میں شمار کرتا ہوں۔میں ۱۰/مارچ سے ۲۰/مارچ تک جے پور رہ کر آیا۔وہاں میرے بڑے بھائی ہماری بھتیجی کے یہاں رہ کر زیرِ علاج ہیں۔وہ عمر میں آپ سے دو دن بڑے ہیں اور عرصے سے قریب المرگ رہتے ہیں۔انھیں پروسٹیٹ کا کینسر ہے۔انھیں دکھائی بھی بہت کم دیتا ہے۔

پڑھ لکھ نہیں سکتے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

میں ۳؍مئی کو تین مہینے کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ پہلے ڈھائی مہینے امریکہ میں بچّوں کے پاس رہوں گا۔ اس کے بعد دو ہفتے تھائی لینڈ میں بنکاک میں رہوں گا جہاں میرا بڑا لڑکا ہے۔ بہ شرطِ حیات ۳۱؍جولائی کو واپس آؤں گا۔ سفر کا پورا خرچہ اپنی جیب سے کرتا ہوں۔

خادم

گیان چند

(۹۴)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۱۸؍جون ۱۹۹۷ء شام

میرے نہایت محترم۔ تسلیم

آپ کا ۲؍جون کا لکھا کارڈ مجھے ۴-۵ دن پہلے ملا تھا۔ یکم جون سے ڈاک کی شرحیں بڑھ گئی ہیں جن میں کارڈ ۲۵ پیسے کا ہو گیا ہے۔ آپ کا کارڈ ۱۵ پیسے کا تھا۔ شکر ہے کہ اسے بیرنگ نہیں کیا گیا ورنہ بیرنگ کا جرمانہ کم از کم ایک روپیہ ہے اور میں اسے بعض خطوں پر ادا کر چکا ہوں۔

میں آپ کو خط لکھنے کی سوچ رہا تھا کہ آپ کا والا نامہ آ گیا۔ صحت کی اس حالت میں آپ نے مجھے خط تسوید کیا یہ میرے لیے بڑے افتخار کی بات ہے۔ آپ کو واکر کے سہارے چلنا پڑتا ہے یہ بڑی تشویش ناک خبر ہے لیکن کیا کیا جائے۔ میں عمر میں آپ سے ۱۲ سال چھوٹا ہوں لیکن صحت میں زیادہ فرق نہیں۔ پچھلے چند ماہ میں صحت میں بہت انحطاط ہوا ہے صبح کو گھومتے ہوئے بہت سست رفتاری سے چلتا ہوں۔ کوئی بھی چھوٹا سا سفر کرتا ہوں تو لازماً بیمار ہو جاتا ہوں۔

ڈاکٹر مجاور حسین رضوی کے پاس میرے بھائی کی کتاب ’اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر‘ کا اسٹاک تھا۔ کئی سال پہلے انھوں نے خبر دی تھی کہ اسٹاک ختم ہو گیا۔ اب چند ماہ پہلے بتایا کہ کتاب کی ۵-۴ جلدیں مل گئی ہیں یہ میری کتابیں ہیں۔ انھوں نے اپنے داماد امجد حسان مدیر

'نیادور' کو دے دیں تب سے میں امجد حسین پر ہزار بار تقاضے کر چکا۔ انھوں نے کتابیں کہیں Misplace کر دی ہیں، ڈھونڈ نہیں پا رہے۔ مجھے آپ کے عنایت نامے کے جواب میں جو چند روز کی دیر ہوئی اس کی وجہ یہی ہے کہ امجد کتاب دینے کا وعدہ کر رہے تھے۔ قیمت کا کوئی سوال نہیں۔ میں آپ کو اپنی پوری لائبریری ہدیہ کرنے کو تیار ہوں۔

میرے تین بچّوں میں دو امریکہ میں ہیں اور ایک تھائی لینڈ بنکاک میں۔ ان کا شدید اصرار تھا کہ میں اور میری اہلیہ امریکہ منتقل ہو جائیں۔ ۱۹۹۶ء کی گرمیوں میں جب ہم امریکہ گئے تو ہم نے ان کے اصرار کو قبول کر لیا۔ درخواست دے دی گئی جو منظور ہو گئی لیکن ابھی بہت سی کاغذی کارروائی باقی ہے۔ امید ہے سال کے آخر تک ہمیں Visa مل جائے گا۔ اس کے چند ماہ بعد چلے جائیں گے۔ اپنی لائبریری اُردو اکیڈمی کو ہدیہ کروں گا۔ امریکہ جانے پر اُردو کے رسالے تو پڑھ سکوں گا لیکن لکھنا بہت کم ہو جائے گا۔ لیکن یہاں جو ہم بے سہارا ہیں، اس کے ہوتے اور کوئی چارہ نہیں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ کتاب جیوں ہی ملے گی آپ کو بھیج دوں گا۔

عقیدت کیش

گیان چند

تارا چرن رستوگی ۵ر فروری ۱۹۹۷ء کو دوپہر ڈھائی بجے وفات پا گئے۔ وہ ۱۶ر مئی ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ کو ارمغانی کتابچہ ملا ہے، اس میں میرا بھی ایک مضمون ہونا چاہیے۔

(۹۵)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۲۵ر جون ۱۹۹۷ء شام

محترمی گرامی منزلت۔ تسلیم

آج غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی سے کتابچہ 'آلِ احمد سرور' ملا۔ میں نے ابھی پڑھا نہیں۔ دیدہ زیب ہے لیکن علمی اعتبار سے گاڑھا نہیں۔ حد یہ ہے کہ شروع میں مضامین کی فہرست بھی

نہیں۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس میں میرا مضمون 'سرور صاحب: پہچان اور پرکھ کے آئینے میں' شامل نہیں۔ میں نے ہزار بار انسٹی ٹیوٹ کو لکھ کر پوچھا کہ انھیں یہ مضمون ملا کہ نہیں، انھوں نے جواب نہیں دیا کیوں کہ یہ ان کی رسم کے خلاف تھا۔ اتفاق سے میرے پاس اس مضمون کی بُری بھلی کوئی بھی کاپی نہیں۔ میں نے حیدرآباد اپنے مضامین کا ایک مجموعہ چھپنے کو بھیجا ہے، اس میں شامل ہے، لیکن مجموعہ چھپنے میں تو دیر لگتی ہے۔

میرا مضمون شروع سے آخر تک توصیفی ہے، کہیں کوئی شوخی نہیں کی۔ آپ اسے دیکھتے تو پسند کرتے۔ انسٹی ٹیوٹ سے قاضی عبدالودود کے لیے بھی کوئی ارمغان شائع ہونے کو ہے۔ میں نے اس کے لیے بھی ایک مفصّل مضمون 'قاضی عبدالودود اور تنقیدِ آبِ حیات' بھیجا ہے۔ معلوم نہیں یہ بھی شرفِ شمول پائے گا کہ نہیں۔

ڈاکٹر تاراچرن رستوگی ۵/فروری کو دوپہر ڈھائی بجے فوت ہوئے۔ مجھے مئی کے آخر میں معلوم ہوسکا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہتر ہوگا۔

خادم
گیان چند

(۹۶)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرانگر
لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶
۸/جولائی ۱۹۹۷ء

محترم۔ تسلیم

۲۴/جون ۱۹۹۷ء کا کرم نامہ پرسوں شرفِ صدور لایا۔ شکریہ۔ امجد حسین کے پاس میری تین چار کاپیاں ہیں 'اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر' کی۔ انھیں ہزار بار فون کرچکا ہوں ہنوز حاصل نہ کرسکا۔ میرے پاس اس کتاب کی جو پرانی کثیف کاپی تھی وہ آپ کی نذر ہے۔ علاحدہ سے پارسل کررہا ہوں۔ کبھی نہ کبھی امجد سے کتاب مل ہی جائے گی۔ آج کل پرانے شہر میں کرفیو ہے۔

یہ قابلِ عمل نہیں ہے کہ میں سال کے چند ماہ امریکہ میں اور بقیہ ہندستان میں رہا کروں۔ اوّل تو میرے اور اہلیہ کے سفر کا سوا لاکھ روپیہ صرفہ ہر سال کون اٹھائے گا، پھر یہاں بیماری کے وقت جو بے چارگی کا عالم ہوتا ہے، اس کا تدارک بھی تو چاہیے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے اُردو اکادمی کی President ship سے انکار کر دیا ہے۔ شیمہ رضوی چیئر پرسن اور گورکھپور کے کوئی شاعر شبنم وائس چیئر مین ہیں۔ حالاں کہ شیمہ وزیر اعزاز رضوی کی بیٹی ہے لیکن حکومت اس کی ایک نہیں سنتی۔ اکزیکٹیو میں اس کے دیے ایک نام کو بھی نہیں لیا، چند غیر معروف لوگوں کو لیا ہے۔ مجھے تو جنرل کونسل میں بھی نہیں لیا۔ پہلے بھی میں نہ تھا۔

امید کرتا ہوں کہ ایک ایک انچ کر کے آپ منزلِ شفا کی طرف بڑھتے رہیں گے۔

خادم

گیان چند

میرے پاس کوئی لفافہ تھا، اس لیے پارسل کو پرانے کاغذوں سے بنایا۔ بازار جا کر بڑے لفافے لا کر رکھوں گا۔

(۹۷)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ - ۲۲۶۰۱۶

۵/اگست ۱۹۹۷ء

محترم۔ تسلیم

۱۴/جولائی کا کرم نامہ کئی دن پہلے ملا تھا۔ شکریہ۔ کتاب میں نے اپنے پاس سے بھیجی ہے۔ اس میں مجاور صاحب کا کوئی دخل نہیں۔ میرے پاس یہی ایک جلد تھی۔ امید ہے کبھی امجد حسین سے مل جائے گی۔ ڈاک کے مصارف آپ سے لینے کا سوال نہیں کیوں کہ یہ بہت حقیر رقم ہے۔

اکتوبر میں انجمن ترقیِ اُردو پاکستان کراچی میں بابائے اُردو لکچر دینے جانا ہے۔ میں نے موضوع رکھا ہے 'قاضی عبدالودود بہ حیثیت مرتّبِ متن'۔ ان کی بیشتر کتب پر لکھ لیا ہے لیکن ابھی

تک 'دیوانِ جوشش' اور 'دیوانِ رضا' نہیں ملے جنھیں قاضی صاحب نے مرتّب کیا تھا۔ بعد میں قاضی عبدالودود بحیثیت محقق پر ایک جامع کتاب لکھوں گا۔ میں نے ان کی جملہ کتابیں خدا بخش لائبریری سے تقریباً 1850 روپیوں کی منگا لیں۔ چند کتابوں کی اور تلاش ہے۔ بہ شرطِ حیات یہ کتاب امریکہ میں تیّار ہوگی۔

ع: ساماں سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

خادم

گیان چند

(۹۸)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۸/اگست ۱۹۹۷ء

محترم۔ تسلیم

۳۰/جولائی کا گرامی نامہ کل ۷/اگست کو ملا۔ تہِ دل سے مشکور ہوں۔

مجھے کبھی نہ کبھی امجد حسین نادہندے سے 'اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر' مل جائے گی۔ فی الوقت مجھے اس کتاب کی ضرورت نہیں۔ یہ جلد آپ کی نذر ہے۔ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ ڈاک کے مصارف کے لیے بالکل تردّد نہ کیجیے کیوں کہ میرا اندوختہ میری محدود ضروریات سے بہت زیادہ ہے۔

میں اکتوبر میں کراچی میں بابائے اُردو لکچر دوں گا۔ میرے ویزا کے لیے اسلام آباد سے حکم جاری ہو چکا ہے۔ لکچر کا موضوع ہوگا 'قاضی عبدالودود بحیثیت مرتّبِ متن'۔ اس کے بعد میں کتاب لکھوں گا 'قاضی عبدالودود بحیثیت محقّق'۔ خدا بخش لائبریری سے ان کی تقریباً دو ہزار روپیوں کی کتابیں خرید لی ہیں۔ ابھی امریکہ کا ویزا نہیں ملا ہے۔ ویزا ملنے کے بعد میں تاریخ طے کروں گا اور آپ کو مطلع کر دوں گا۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے اکیڈمی کی صدارت قبول نہ کی، یہ اچھا کیا۔ اگر انھیں جملہ

اختیارات نہ دیے جائیں تو وہ کیوں کر خفیف ہوں۔
امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خادم
گیان چند

(۹۹)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور
9/25، اندرانگر
لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶
۱۳؍ستمبر ۱۹۹۷ء

محترم۔ تسلیم

۲۶؍اگست کا والا نامہ چند روز پہلے ملا۔ امید ہے اب آپ اور بیگم صاحب کافی بہتر ہوں گے۔ میں اور اہلیہ چار دن دہلی رہ کر کل واپس آئے۔ دو قسم کے ویزا لایا ہوں۔ ایک پاکستان کا ویزا ہے ۱۵ دن کا۔ اکتوبر میں جا کر بابائے اُردو لکچر کو نمٹاؤں گا۔ اس کے بعد لاہور اور اسلام آباد جاؤں گا۔ دوسرا امریکہ کا Immigrant Visa ہے۔ ہمیں ۷؍جنوری ۱۹۹۸ء تک امریکہ میں داخل ہونا ہے جس کے بعد ہمیں گرین کارڈ دے دیا جائے گا۔ میرا ارادہ دسمبر کے آخری ہفتے میں جانے کا ہے۔ میں ایک بار ہی آخری طور پر جاؤں گا۔ جانے سے پہلے ہزار مسائل ہیں۔ مکان اور اسبابِ خانہ داری کو فروخت کرنا یا پھینکنا ہیں۔ امریکہ میں صرف دو بڑی بڑی Attache لے کر جا سکتے ہیں یعنی اہلیہ اور میں کُل ملا کر چار اٹیچی کیس۔ سوچتا ہوں کہ کچھ کتابیں سمندر کے راستے پارسل کرادوں گا۔ اس عمر میں ایک بار پھر سکونت منتقل کرنے کی ذمّے داری آپڑی ہے۔

دلّی سے آ کر بیمار ہو گیا۔ کھانسی ہو گئی ہے۔ آج ڈاکٹر کے پاس جاؤں گا۔

چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے ایک بار آپ سے نیاز حاصل کر لیتا لیکن یہ مقدر میں نہیں۔ بہر حال لکھتا رہوں گا۔

خادم
گیان چند

(۱۰۰)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور
3262 OAK LEAF
CHINO HILLS-CA-91709, USA
فون: 001-909-3932963

۲؍اپریل ۱۹۹۸ء

میرے محترم۔ تسلیم

میں اس چٹھی کی کئی فوٹو کاپیاں کرا کے کئی کرم فرماؤں کو بھیج رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو بہت دنوں کے بعد لکھ رہا ہوں۔ امریکہ آتے ہوئے میرے ساتھ ایک سانحہ ہوا جس کی تفصیل آپ نے ۲۲؍جنوری کے 'ہماری زبان' میں پڑھ لی ہوگی۔ میں اس کا خلاصہ درج کرتا ہوں۔

میری ایک لڑکی (اور داماد) اور ایک لڑکا امریکہ میں رہتے ہیں، ایک لڑکا بنکاک (تھائی لینڈ) میں۔ ہندستان میں کوئی نہیں۔ ضعیفی میں اولاد کی طرف سے نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچّوں کے اصرار پر ہم نے (میں اور اہلیہ) امریکہ منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔ ہمیں ستمبر ۱۹۹۷ء میں Immigrant Visa مل گیا۔ ہم نے طے کیا کہ ۲۱؍دسمبر کی رات کو لکھنؤ سے دہلی اور ۲۲؍دسمبر کی رات کو دلّی سے امریکہ کے لیے رخصت ہوں گے۔ ۲۱؍دسمبر کی رات کو لکھنؤ سے دہلی جانے والی ریل کے A.C 2-tier ڈبّے میں جا بیٹھے لیکن یہ نہ جانتے تھے کہ ہنوز دلّی دور است۔ کسی اٹھائی گیرے نے ہمارا ایک چھوٹا بیگ اُڑا لیا جس میں ہم دونوں کے پاسپورٹ، ریل اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ، ۹-۹ ہزار روپیوں کے ۲۷ بینک ڈرافٹ دلّی کے بینکوں کے نام، لاکھ روپے سے زیادہ کے اندرا وکاس پتر، کچھ نقد، ڈاک اور فون کے پتے کی کتاب۔ آخر الذکر ڈائری کے کھونے کی وجہ سے اکثر احباب کے پتے گم ہو گئے۔

پاسپورٹ کے گم ہونے کے بعد سفر بے معنی تھا۔ ہم نے اسٹیشن پر پولیس میں FIR لکھائی اور واپس آ کر اپنے خالی مکان میں ٹھہر گئے۔ پھر نئے پاسپورٹ بنوانے اور گم شدہ ڈرافٹوں کے عوض نئے ڈرافٹ حاصل کرنے کی مہم میں لگ گئے۔ بڑی پریشانی کا زمانہ تھا۔ بعدِ خرابیِ بسیار ۳۰؍دسمبر ۱۹۹۷ء کو نئے پاسپورٹ اور یکم جنوری ۱۹۹۸ء کو نئے بینک ڈرافٹ ملے۔ ہم پہلی ہی کو دلّی کے لیے روانہ ہو گئے اور ۶؍جنوری کو امریکہ پہنچ گئے۔ اندرا وکاس پتر کی

رقم ڈوب گئی۔ ہمارے پاس ان کے نمبر بھی لکھے ہوئے نہیں۔ تقریباً سوا لاکھ روپیوں کا نقصان ہوا۔

امریکہ میں میرا لڑکا اور اس کا خاندان رہتا ہے۔ اس کے شہر کا نام Chino Hills ہے جو کیلی فورنیا کے بڑے شہر لاس اینجلس کی مضافاتی بستی ہے۔ یہاں سے تقریباً دو سو میل شمال میں میری لڑکی اور داماد ہیں۔ لڑکی لڑکا تقریباً ہر ہفتے ملتے رہتے ہیں۔ میرا داماد ڈاکٹر ہے، ہم ہر دو ہفتے کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ Shuttle کرتے رہے ہیں۔ زیادہ تر لڑکے کے پاس رہتے ہیں۔ لڑکی لڑکا، ان کے شریکِ حیات اور بچّے ہمارا بہت زیادہ خیال کرتے ہیں اور ہم پر مسلسل روپیہ خرچ کرنا چاہتے ہیں۔

یہاں آ کر ہمیں ہر طرح کا آرام ہے۔ کوئی کام نہیں، کوئی ذمّے داری نہیں۔ ہم دونوں کی دیکھ ریکھ اولاد کے سپرد ہے۔ میں نے اپنی کتابوں میں بیشتر حیدرآباد سنٹرل یونی ورسٹی کو دے دیں، کچھ ڈاکٹر شیمہ رضوی لکچرر لکھنؤ یونی ورسٹی اور ڈاکٹر انورالدین ریڈر وصدر شعبۂ اُردو حیدرآباد یونی ورسٹی نے لے لیں۔ چار بنڈل میں نے اپنے لیے بنائے کہ انھیں بحری جہاز سے لے آؤں گا۔ وہ دلّی میں پڑے ہیں۔ ابھی تک لانے کا انتظام نہیں ہوا۔ بلا کی کاغذی کارروائی کرنی پڑ رہی ہے۔ ۱۱ ہزار روپے بھاڑا ہے۔ کتابوں کی قیمت بھی اس سے زیادہ کیا ہوگی۔ کتابوں کی عدمِ موجودگی میں میرا تصنیفی کام بند ہے۔ یہاں کے اُردو ادیب محض شعرا ہیں، ان میں بھی بہت سے غیر موزوں کہنے والے ہیں، تنقید و تحقیق والا کوئی نہیں۔ یہاں سب کچھ ہے لیکن ہندستان نہیں، آپ جیسے کرم فرما نہیں۔ مہاجروں کا جو مقدر ہوتا ہے وہ میرا بھی ہے یعنی ہر شے میں کسی شے کی کمی محسوس ہوتی ہے، طبیعت کچھ افتادہ افتادہ رہتی ہے۔

چلنے سے پہلے ہندستان میں سننے میں آیا تھا کہ آپ کے فرزند کا انتقال ہو گیا۔ یہ بہت بڑا سانحہ اور صدمہ ہے۔ والدین کے لیے اولاد کی رحلت کمر توڑنے والا المیہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب آپ اس صدمے پر صبر کر چکے ہوں گے۔

اپنی صحت کے بارے میں لکھیے یا کسی سے لکھا دیجیے۔ معلوم نہیں اب آپ walker کے بغیر چلنے لگے ہیں کہ نہیں۔

میں نے دسمبر ۱۹۹۷ء میں رسالہ 'کتاب نما' کو ۵۰۰/روپے اور 'آج کل' کو ۶۰۰/روپیوں کا منی آرڈر کر دیا تھا تا کہ وہ ایک سال تک رسالہ ہوائی ڈاک سے بھیج دیا کریں۔ 'کتاب نما'

فروری سے آنے لگا۔ 'آج کل' نہیں آیا۔ کئی لوگوں کو خط لکھ چکا ہوں۔ 'کتاب نما' کے علاوہ 'سب رس' حیدرآباد بھی میرے پاس آتا ہے۔

حبیب خاں کی مرگِ مفاجات پر صدمہ ہوا۔

میرا Prostate Gland بڑھا ہوا ہے اور قبض رہتا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی بیماری نہیں۔ اگر پروسٹیٹ میں کینسر ہو گیا ہو تو اس کی خبر نہیں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہو گا۔

خادم

گیان چند

(۱۰۱)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

3262 OAK LEAF

CHINO HILLS-CA-91709, USA

فون: 001-909-3932963

۲۱-۲۰ر جولائی ۱۹۹۸ء

مکرمی ومحترمی۔ تسلیم

آپ کا ۱۳/۱۱ر اپریل کا گرامی نامہ بروقت ملا تھا۔ میں جواب نہ دے سکا اس کے لیے بہت محجوب ہوں۔ آپ کی طبیعت کا حال معلوم ہوا۔ عزیز جاوید مرحوم کی جواں مرگی کی تفصیلات پڑھ کر دکھ ہوا۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ اپنی تحریروں کو محفوظ کرنے کے لیے چھپوا رہے ہیں۔ آپ کے نام مولوی عبدالحق کے خطوط بہت اہم ہوں گے۔ آپ کے 'ہماری زبان' کے اداریے بھی چھپ جائیں تو خوب ہو گا کیوں کہ آپ کی تحریروں میں جو ادبیت ہوتی ہے وہ اور کہاں۔ میں نے آپ کی کتاب 'پہچان اور پرکھ' کے بارے میں جو مضمون لکھا تھا وہ 'کتاب نما' کو بھیج دیا تھا۔ یاد نہیں کہ وہ شائع ہوا کہ نہیں۔ غالباً نہیں۔ معلوم کروں گا۔

میری کتابیں آ گئی ہیں۔ میں کچھ ہی کتابیں یہاں لا سکا ہوں۔ دو الماریاں بھر کر ہوں گی۔

دہلی سے یہاں تک بحری جہاز میں لانے میں 340 ڈالر لگے جو۱۴ہزار روپیوں کے برابر ہوتے ہیں۔ کتابوں کی قیمت ان سے کچھ کم ہی رہی ہوگی۔ اب میں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

میں ستمبر میں ۷۵ سال کا ہو جاؤں گا۔ ارادہ ہے کہ زندہ رہا تو اگست ۱۹۹۹ء میں ہندستان جاؤں گا اور تمام رشتے داروں، دوستوں، کرم فرماؤں سے ملوں گا۔ آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوں گا لیکن ۷۵ سال کی عمر میں ایک سال سے آگے کا پروگرام بنانے ہی کو خیالِ خام کہتے ہیں۔

میں کانوں سے اونچا سننے لگا ہوں۔ Hearing Aid استعمال کرتا ہوں لیکن فون پر بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کی اور بیگم صاحب کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر ہوگی۔

خادم

گیان چند

(۱۰۲)

به نام پروفیسر آلِ احمد سرور

23 NEVADA

IRVINE - CA- 92606, USA

فون:949-559-6012

۱۷ مئی ۱۹۹۹ء

محترم۔ تسلیم

کئی ماہ قبل میں نے آپ کو ایک عریضہ لکھا تھا، جواب سے محروم رہا حالاں کہ میں نے گزارش کی تھی کہ کسی اور سے تحریر کرا دیں۔ آج مشفق خواجہ سے فون پر بات ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ کئی ماہ پہلے انھیں آپ کا خط ملا تھا جو آپ نے کسی اور سے لکھوایا تھا۔

میں اکتوبر نومبر ۱۹۹۹ء میں دو ماہ کے لیے ہندستان آرہا ہوں، بشرطِ حیات۔ کوشش کروں گا کہ علی گڑھ جا کر آپ سے نیاز حاصل کرسکوں۔

میں قاضی عبدالودود پر ایک مفصّل کتاب لکھ رہا ہوں۔ ان کی جملہ غالبیاتی تحریروں کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے ان پر لکھ دیا ہے۔ آپ براہِ کرم ایک نکتے پر ضرور روشنی ڈالیے۔

۱۹۵۲ء میں 'اُردو ادب' میں شوکت سبزواری کا مضمون ع 'ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں' دو قسطوں میں چھپا تھا۔ ۱۹۵۴ء میں 'اُردو ادب' میں اس مضمون کی اشاعت کے لیے قاضی عبدالودود سے معذرت کا اظہار کیا تھا۔ اس زمانے میں آپ 'اُردو ادب' کے اڈیٹر تھے۔ اس معذرت کی ضرورت کیوں آئی۔ کیا قاضی صاحب نے مدیر 'اُردو ادب' پر مقدمہ چلانے کی دھمکی دی تھی۔ قاضی صاحب نے شوکت کے مضمون سے استفادہ کر کے اپنے مضمون 'غالب بحیثیت محقق' کے نقشِ ثانی شائع شدہ 'نقدِ غالب' میں کم از کم ۲۲ یا ۲۳ جگہ حذف و ترمیم کی ہے اور کہیں شوکت سبزواری کا اعتراف نہیں کیا۔

یہ بھی لکھیے کہ کیا ڈاکٹر مختارالدین احمد اور ڈاکٹر محمد حسنین پٹنے والے اب علی گڑھ میں رہتے ہیں۔ حسنین کا پتا لکھ سکیں تو بڑا کرم ہو۔

اور سب سے ضروری یہ ہے کہ اپنے اور بیگم صاحب کے مزاج کے بارے میں مفصّل لکھیے۔ خط کسی اور کو بول کر لکھوا دیجیے۔

امید کرتا ہوں کہ مزاج بہ خیر و عافیت ہوگا۔

خادم
گیان چند

(۱۰۳)

بہ نام پروفیسر آلِ احمد سرور

23 NEVADA
IRVINE - CA- 92606, USA
فون: 949-559-6012
۲۸ راگست ۱۹۹۹ء

محترمی۔ تسلیم

میں یکم ستمبر کو یہاں سے چلوں گا۔ دو ہفتے بنکاک رہ کر ۱۵ ستمبر کی شب میں دہلی پہنچوں گا۔ ۱۶ ستمبر کو دیر تک انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) کے دفتر میں رہوں گا۔ ۱۷ ستمبر سے ۲۶ ستمبر تک مظفر نگر رہوں گا۔ وہاں سے ڈیڑھ دن کے لیے علی گڑھ آؤں گا۔ آپ سے نیاز حاصل کرنا ہے۔ آپ کی اور بیگم صاحبہ کی صحت ایسی نہیں کہ آپ کو اپنی میز بانی کی زحمت دوں۔
کسی سے کہہ کر یونی ورسٹی گیسٹ ہاؤس میں میرے قیام کا انتظام کرا دیجیے۔ ڈاکٹر

مختارالدین احمد اور ڈاکٹر نذیر احمد سے بھی ملنا ہے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کی صحت اچھی ہوگی۔ مجھے کچھ کہنا ہو تو خلیق انجم کی معرفت پیغام دے دیجیے۔ ۱۶ر ستمبر کو ان سے ملوں گا۔

خادم
گیان چند

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام آمنہ خاتون (بنگلور)

(۱)

پروفیسر کالونی، بھوپال
لکھنؤ-266016
۵رفروری ۱۹۵۸ء

محترمہ۔ تسلیم

بغیر تعارف کے خط لکھنے کی معافی چاہتا ہوں۔ خاکسار مقامی گورنمنٹ حمیدیہ کالج میں اُردو کا پروفیسر ہے۔

آپ نے انشا پر جو کام کیا ہے غالباً وہ ابھی تک شائع نہیں ہوا، اسے جلد از جلد شائع کیجیے تا کہ ہم لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔

اس وقت زحمت دہی کی غرض یہ ہے کہ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ انشا کی 'رانی کیتکی کی کہانی' کی تاریخِ تصنیف کیا ہے۔ جواب کے ساتھ اپنا ماخذ بھی لکھیے۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

(ڈاکٹر) گیان چند

'گلہائے صدرنگ' ڈاکٹر آمنہ خاتون کے نام مشاہیرِ ادب کی تحریروں کا گلدستہ، مرتبہ فوزیہ بیگم ایم اے اُردو لکچرر، ہوم سائنس کالج، بنگلور، ناشر: محمد خان، ۱۴/۲، تھرڈ کراس، لال باغ روڈ، بنگلور-۲۷۔ اشاعت: ۱۰رجنوری ۱۹۷۲ء، ص ۱۵۱۔

اس کا عکس ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی نے بھیجا۔ اس کے لیے میں تہِ دل سے ان کا مشکور ہوں۔ (ٹی. آر. رینا)

بہ نام جناب آنند نرائن مُلّا

(۱)

544A، گاندھی نگر
جمّوں-180004
۱۸/جون ۱۹۷۴ء
گھر کا فون نمبر: 8828

گرامی منزلت۔ تسلیم

آپ میرے اتنے بڑے کرم فرما ہیں اس کے باوجود میں کبھی آپ کی خدمت میں براہِ راست حاضر نہ ہو سکا، یہ میری کم نصیبی ہے۔ گذشتہ اپریل میں یو پی اُردو اکیڈمی نے مجھے میری کتاب 'لسانی مطالعے' پر تین ہزار روپے کا گراں قدر انعام دیا۔ انعام کمیٹی کے صدر آپ تھے اور میں نے سنا ہے کہ میری کتاب کے انتخاب میں آپ کی چشمِ لطف کو خاص طور سے دخل تھے، تہِ دل سے ممنون ہوں۔

ایک مہینہ قبل ساہتیہ اکیڈمی سے استفسار آیا کہ انعام کے لیے کتابوں کے نام تجویز کرو۔ میں نے سوچ بچار کر طے کیا کہ 'سیاہی کی ایک بوند' کو تجویز کر دوں۔ عین وقت پر خیال آیا کہ آپ تو ایک بار ساہتیہ اکیڈمی سے اعزاز پا چکے ہیں اس لیے دوبارہ نامزد نہیں ہو سکتے۔

گیان پیٹھ کی اُردو کمیٹی میں تین اراکین تھے: ڈاکٹر مسعود حسین خاں صدر، محمد حسین اور خادم ممبر۔ ایک بار غالباً فروری میں، ڈاکٹر خلیق انجم نے دلّی سے مجھے فون پر کہا کہ ''اگر ملّا صاحب کو گیان پیٹھ انعام کے لیے منتخب کر لیا جائے تو وہ ایک لاکھ روپے کی پوری رقم انجمن ترقّیِ اُردو کو عطا کر دیں گے''۔ مارچ میں کسی سلسلے میں ڈاکٹر محمد حسن یہاں آئے، میں نے اُن سے یہ بات کی۔ اُنھوں نے قانونی جواب دیا کہ ''اگر ملّا صاحب انعام کے مستحق ہوں گے تو انھیں منتخب کیا جائے ورنہ نہیں۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ روپیہ انجمن کو عطا کر دیں گے یا نہیں عطا کریں گے''۔

اپریل میں مَیں دلّی گیا تو ڈاکٹر مسعود حسین خاں سے ملا۔ اُن سے بھی آپ کی پیش کش

کا ذکر کیا۔ انھوں نے اپنا تاثر ظاہر نہ کیا۔ میں یہ پسند نہ کروں گا کہ آپ کو انعام ملے تو اس کی رقم انجمن کو دے دیں۔ اب معلوم ہوا کہ ڈاکٹر مسعود حسین کمیٹی سے ہٹ گئے ہیں اور ان کی جگہ سرور صاحب صدر ہو گئے ہیں۔ گویا اب سرور صاحب، ڈاکٹر محمد حسن اور ناچیز ممبر ہیں۔ گیان پیٹھ کے دفتر نے سرور صاحب کو لکھا ہے کہ کمیٹی کی میٹنگ جلد بلا کر ۷۳ء سے متعلق نام زدگی کر دو۔ انھوں نے جو مختلف لوگوں کو لکھ کر رائیں منگائی ہوں گی وہ سب آپ کے حق میں ہیں یعنی کُل تین چار شخصوں نے نام زدگی کی ہے۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، نارنگ، رفعت سروش اور شاید کسی ایک اور نے۔ اور سب نے میری حدیثِ عمرِ گریزاں کا نام تجویز کیا ہے۔ کمیٹی کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے کسی اور کتاب کو تجویز کرنا چاہے تو کر دے۔ میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ کسی اور کتاب کی تلاش کی جائے۔ دیکھیے سرور صاحب کب اجلاس بلاتے ہیں۔ اس ماہ میں نہیں تو جولائی میں ضرور ہوگا۔

میں جمّوں سے ہٹ کر کسی ایسے مقام پر منتقل ہونا چاہتا ہوں جہاں اُردو کا بہتر ماحول ہو۔ میں نے لکھنؤ یونی ورسٹی میں درخواست دی ہے۔ کوئی ترقّی نہیں چاہتا۔ یہاں بھی پروفیسر ہوں۔ وہاں بھی اسی حیثیت سے جاؤں گا۔ اب میں یونی ورسٹیوں کے اُردو پروفیسروں میں Seniority میں دوسرے نمبر پر ہوں۔ مجھ سے پرانے صرف خواجہ احمد فاروقی ہیں۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی بھی میرے بعد پروفیسر ہوئے تھے حالاں کہ اُن کی کل ملازمت مجھ سے زیادہ ہے۔ لکھنؤ میں مقامی دو لکچرروں ڈاکٹر شبیہ الحسن اور ڈاکٹر منظور احمد نے درخواست دی ہے لیکن ان کے لیے جانے کا کوئی سوال نہیں کیوں کہ لکچرر سے ایک دم پروفیسر نہیں بنائے جاتے۔ پہلے ریڈر شپ کی منزل سے گزرنا ہوتا ہے۔ باہر سے صرف ڈاکٹر قمر رئیس ریڈر دلّی یونی ورسٹی نے درخواست دی ہے۔ وہ دلّی یونی ورسٹی کے ریڈروں میں سب سے جونیر ہیں۔ ممکن ہے وہ میرے مقابلے میں انٹرویوم یں بھی نہ جائیں۔ ہاشمی صاحب ۳۱ر جولائی کو رٹائر ہوں گے۔ پروفیسر کا انتخاب غالباً اگست میں ہوگا۔ گو ظاہراً وہاں میرا لیا جانا یقینی ہے کیوں کہ مقابلہ کچھ بھی نہیں لیکن آج کل جو بے ایمانیاں اور تعصّبات دیکھنے میں آتے ہیں اُن کی وجہ سے سوفی صدی اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔ نارنگ سے معلوم ہوا کہ میرے انتخاب کے سلسلے میں آپ کی غائبانہ چشمِ لطف میرے حال پر ہے۔ براہِ کرم لکھیے کہ کیا آپ لکھنؤ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر مصطفیٰ کو جانتے ہیں۔

مجھے گورنر اکبر علی خاں بھی جانتے ہیں اور بہوگان صاحب وزیر اعلا سے یہ رشتہ ہے کہ اگست ۴۳ء میں وہ الٰہ آباد یونی ورسٹی میں ایک جلوس کے لیڈر تھے، یونین کے صدر کی حیثیت سے۔ میں اس جلوس میں شریک تھا۔ جلوس پر پولیس نے گولی چلائی تھی۔ گذشتہ نومبر میں لکھنؤ غیر مسلم اُردو مصنّفین کانفرنس میں گیا تو بہوگنا صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے بتایا کہ ۱۲راگست ۴۲ء کے بعد انھیں پہلی بار دیکھا ہے۔

آپ ترقیِ اُردو بورڈ کے نائب صدر ہوگئے، اچھا ہوا۔ آپ یوپی اُردو اکیڈمی کے نائب صدر اور انجمن ترقیِ اُردو کے صدر ہیں۔ اس طرح آپ کی ذات نے تینوں اداروں کے بیچ رابطہ قائم کردیا ہے لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہوتی تھی کہ آپ کو ترقی اُردو بورڈ کا نائب صدر کیوں کیا گیا۔ آپ کا مرتبہ صدر ڈاکٹر علیم سے بڑا ہے۔ ادب میں بدرجہا بڑا اور پہلا منصب بھی ان کے پہلے منصب سے بڑا۔ وہ وائس چانسلر رہ چکے ہیں آپ ہائی کورٹ کے جج جو وائس چانسلر سے بڑا عہدہ ہے۔ پھر خیال آیا کہ ترقیِ اُردو بورڈ کے صدر کا عہدہ تو کُل وقتی مشاہرے والا ہے۔ نائب صدر کا عہدہ اعزازی ہے۔

آپ کا وقت لیا۔ معذرت چاہتا ہوں۔ امید ہے مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

خادم

گیان چند

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

(۱)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
۳۶، مالویہ نگر، بھوپال
۳۱ / جولائی ۱۹۶۵ء

محبِّ مکرّم! تسلیم۔

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میرا تقرر جمّوں میں پروفیسر کی جگہ پر ہو گیا ہے۔ اِس غیر متوقع تقرر کی تاریخ یوں ہے۔ جمّوں عرضی دینے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن ۱۰/ جون کو سروری صاحب کا خط آیا جس میں انھوں نے تاکید کی کہ میں ضرور عرضی دوں چناں چہ میں نے ۱۶/ روپیہ کا پوسٹل آرڈر بھیج کر فارم کے لیے لکھا۔ ۱۰/ جون ہی کو میں وطن چلا گیا اور وطن ہی سے عرضی بھیجی۔ ۱۵/ جولائی کو میرے پاس تار آیا کہ ۱۹/ جولائی کو انٹرویو کے لیے سری نگر پہنچوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کون کون اُمیدوار ہیں اور کون ماہرین ہیں۔ جی نہ چاہا کہ اتنا لمبا سفر کروں (حالاں کہ سری نگر والے T.A،D.A دے رہے تھے) چناں چہ میں نے سری نگر کو تار دے دیا اور خط لکھ دیا کہ وقت بہت کم ہے اِس لیے عرضی کی بنا پر غور کر لیا جائے۔ ۱۶/ جولائی کو سرور صاحب کا خط آیا جس میں انھوں نے لکھا کہ اگر مجھے انٹرویو کے لیے بلایا جائے تو مجھے ضرور جانا چاہیے اور خورشید الاسلام غالباً امیدوار نہیں اور وہ بہ طورِ ماہر کے جا رہے ہیں۔ مجھے پھر بھی تامّل ہوا۔ سرور صاحب کو تار دیا کہ وقت کم ہے عرضی پر فیصلہ کرا دیجیے۔ اگلے دن دوستوں کے اصرار پر میں پٹھان کوٹ ایکسپریس سے دلّی چل دیا اِس ارادے سے کہ اگر ہوائی جہاز میں جگہ مل گئی تو سری نگر چلا جاؤں گا نہ ملی تو بھوپال واپس آ جاؤں گا۔ ۱۸/ جولائی کو دلّی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ۳۰/ جولائی سے پہلے کوئی سیٹ نہیں مل سکتی۔ مجبوراً پھر یونی ورسٹی کو تار دیا اور فوراً بھوپال واپس آ گیا۔ ۲۲/ جولائی کو سروری صاحب کی چھٹی ملی کہ ''سرور صاحب اور فاروقی صاحب بہ طور ماہرین کے آئے تھے میری عرضی ہی کو انٹرویو مان کر میرا تقرر کر دیا گیا ہے۔ سنڈیکیٹ سے منظوری کے بعد میرے پاس یونی ورسٹی سے اطّلاع آئے گی۔ فاروقی صاحب اور سرور

صاحب نے اِس خبر کی توثیق کرتے ہوئے مبارک باد بھیجی ہے۔علی گڑھ سے اور بھی کچھ لوگوں کے مبارک باد کے خط آئے ہیں۔یونی ورسٹی سے ابھی تک کوئی چٹھی نہیں آئی۔

آفاق نے اُردو لکچرر اور حامد حسین نے انگریزی ریڈر کی جگہ کے لیے درخواست دی تھی لیکن غالباً اُن کی درخواستیں سکریٹریٹ میں گم ہوگئیں اور Forward نہیں ہوئیں۔

آج سرور صاحب کی چٹھی سے معلوم ہوا کہ لکچررس کی جگہ پر علی گڑھ کے ڈاکٹر منظر عبّاس رضوی اور جمّوں کے کنول کرشن بالی کا تقرر ہوا ہے۔میں ان حضرات سے واقف نہیں لیکن منظر عبّاس وہی بزرگوار ہیں جو گورکھ پور میں لکچرر کے لیے اُمیدوار تھے اور جن کے پاس ہائی اسکول سے ایم.اے تک تین فرسٹ کلاس اور ایک سیکنڈ کلاس ہیں۔سرور صاحب نے یہ بھی لکھا کہ ریڈر کا تقرر ابھی نہیں ہوا وہ میرے مشورے سے ہوگا۔

یہ خط میں اِس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ ریڈرشپ کے لیے درخواست دے دیجیے۔ صورت یہ ہے کہ ایک سادہ کاغذ پر درخواست لکھیے جس میں یہ پوچھیے کہ ’’اگر میری درخواست آپ Admit کرنے کو تیّار رہوں تو مجھے فارم بھیج دیجیے میں ٦ روپے کے پوسٹل آرڈر بھیج دوں گا۔ ملحقہ کاغذ پر میری Qualification درج ہیں‘‘۔اس درخواست کو براہِ راست بھیجیے سکریٹری تعلیم کی معرفت نہیں کیوں کہ یہ درخواست نہیں استفسار ہے۔اگر جمّوں والے تیّار ہوں تو ٦ روپیہ کے پوسٹل آرڈر بھیج کر فارم منگا لیجیے اور ۵ کاپیاں براہِ راست Advance copy کے طور پر اور ایک پرنسپل کی معرفت سکریٹری تعلیم کے پاس بھجوا دیجیے۔جمّوں درخواست بھیجنے اور مراسلت کا پتا یہ ہے:

Joint Registrar
Jammu & Kashmir University
Jammu Divission, Jammu

اگر وہ درخواست لینے کو آمادگی ظاہر کریں تو 1000-50-600 کے گریڈ میں دو Increments مانگ کر ۷۰۰ روپیہ پر تقرر مانگیے۔اگر آپ کی درخواست پہنچ گئی تو مجھے یقینِ کامل ہے کہ میں آپ کا انتخاب بھی کرادوں گا اور آپ کو ۷۰۰ روپے بھی دلوا دوں گا۔آپ آجائیں گے تو مجھے بہت تقویت ہوگی اور خوشی ہوگی۔آپ کے لیے بھی یہ اچھا موقع ہے تامّل نہ کیجیے۔ریڈرشپ ملتی ہے تو تین چار سال میں پروفیسری بھی مل جائے گی۔ مجھے وطن کے نزدیک کوئی پروفیسری

ملی (یو. پی نہیں تو چنڈی گڑھ یا جے پور وغیرہ میں) تو چلا جاؤں گا اور اِس کے بعد آپ کو موقع ہے۔ مثل مشہور ہے: Oppurtuninty comes only once in life۔ یہ بھی ہے کہ ''اٹھا لے خود جو بڑھ کر ہاتھوں میں مینا اُسی کا ہے''۔ جمّوں میں پنجاب کی سی آب و ہوا ہے، میدان ہے، پنجاب سے کچھ کم گرم ہے، آب و ہوا صحت مند ہے۔ پھل اور ترکاری سستے ہیں۔ سرکاری ملازمت سے نکلنا ہو جائے تو زندگی بن جاتی ہے۔ آپ یونی ورسٹی کو ضرور لکھیے اور ایک عرضی فوراً داغ دیجیے شاید یہ ہو کہ جوائنٹ رجسٹرار کی بہ جاے Pro vice chancelor کو لکھیے۔ جمّوں میں مکمّل سکون ہے۔ سری نگر کا سا خلفشار نہیں۔ میرے ہوتے آپ کو کوئی پس و پیش نہیں ہونا چاہیے۔ آپ نہیں گئے تو صورت صرف یہ ہوگی کہ بھوپال میں سلیم صاحب پروفیسر ہو کر آ جائیں گے اور آپ سیہور چلے آئیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ سیہور ڈگری کالج کی اسسٹنٹ پروفیسری پر آپ یونی ورسٹی کی ریڈری کو ترجیح دیں گے۔ وہاں کام کے مواقع بے پناہ ہوں گے۔ پہلی چٹھی کے ساتھ ہی آپ مکمّل درخواست بھیج دیجیے جس میں اپنے سارے اوصاف بالتفصیل درج کیجیے۔

مخلص

گیان چند

(۲)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی، جمّوں

۱۴/اکتوبر ۱۹۶۶ء

مشفقی! تسلیم۔

۱۹/ستمبر کا کرم نامہ ملا۔ جواب میں تغافل تساہل کی وجہ سے دیر ہوئی۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ حمیدیہ کالج میں آ گئے۔ آپ کے شاگرد یونس کی ڈاکٹریٹ مبارک ہو۔ قصائد کے انتخاب کے بارے میں یہ دیکھ لیجیے کہ وہ کافی فروخت ہو سکے گا کہ نہیں۔ مشکل الفاظ کے معنی بل کہ مشکل اشعار کی شرح فٹ نوٹ میں دے دیجیے تو افادیت بہت بڑھ جائے گی۔ یہاں فی الحال ذیل کے پانچ قصیدے نصاب میں ہیں:

سوؔدا: (۱) اُٹھ گیا بہمن ودے کا چمنستان سے عمل

(۲) سوائے خاک نہ کھینچوں گا منت دستار

ذوقؔ: (۱) زہے نشاط اگر بھیجے اسے تحریر

(۲) واہ وا کیا معتدل ہے باغ عالم کی ہوا

محسنؔ: سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

میرے پاس کسی اور یونی ورسٹی کا حال کا نصاب نہیں۔ آپ متعلقہ حضرات کو لکھ کر منگا لیجیے۔ آپ اپنے مکان میں آ جائیں تو دو سو روپے وصول ہو جائیں گے۔

آج کل حمیدیہ کالج بند ہے۔ راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔ میرے یہاں ابھی تک لکچراروں کا تقرر نہیں ہوا۔ معلوم نہیں کیا دیر ہے۔

مخلص

گیان چند

(۳)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

شعبۂ اُردو، جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی

جمّوں

۲۴ر جولائی ۱۹۶۷ء

محبّی آداب عرض۔

آپ اُردو کان فرنس میں نہ آئے۔ شاید اپنے صرفے پر اتنا دُور دراز کا سفر نہ کرنا چاہا ہو ورنہ ایسے اجتماعوں میں بہتوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ کان فرنس کے بعد میرے شعبے کے لیے دو لکچروں کا انتخاب ہوا۔ سرور و احتشام ماہرین تھے۔ منجملہ اور لوگوں کے آفاق بھی اُمیدوار تھے۔ انھوں نے ۵۵۰ کا Higher start مانگا تھا۔ اس وقت لکچرر کا گریڈ ۳۰۰ تا ۷۰۰ تھا۔ اس وجہ سے اور بعض اور وجوہ سے انھیں لینا ممکن نہ ہوا۔ مقامی کالجوں کے دو لکچرروں کو لیا گیا۔ شیام لال کالرا عابدؔ پیشاوری، یہ ۱۹۶۲ء میں دلّی یونی ورسٹی سے فرسٹ کلاس فرسٹ ہے اور بہت تیز ہے۔

عنایت اللہ منظر اعظمی، یہ علی گڑھ سے سیکنڈ کلاس ایم. اے ہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے

کہ یہ کئی فرسٹ کلاس ایم اے اُمیدواروں سے زیادہ اہل ثابت ہوئے۔ اِن کے داڑھی ہے اور جماعتِ اسلامی سے تعلّق رکھتے ہیں۔ اِن کا انتخاب میری مرضی بل کہ میرے ایما ہی پر ہوا ہے۔

اب ہماری یونی ورسٹی میں نئے گریڈ آ گئے لیکن شرارت یہ کی کہ اپریل ۱۹۶۶ء سے دینے کی بہ جائے اپریل ۱۹۶۷ء سے دیے۔ مجھے ایک Increment اور سال بھر کے Allowns کا گھاٹا ہو گیا۔

میرے شعبے کے لیے ریڈر کی جگہ کا بھی اشتہار ہو گیا ہے۔ نوٹس کی نقل میرے پاس آ گئی ہے۔ اخباروں میں ابھی اشتہار نہیں دکھائی دیا۔ آج کل میں آ جائے گا۔ کیا آپ اس میں کچھ دل چسپی لیں گے۔

میں نے مسیح الزماں صاحب سے بات کی ہے، وہ نیم راضی ہیں۔ ان کی بیوی جمّوں نہیں آنا چاہتیں۔ مسیح صاحب بھی کہتے ہیں کہ سرِ دست مجھے کوئی مالی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر انھوں نے درخواست دی تو نوسو روپے کا start مانگیں گے۔ چوں کہ اول تو یہی مشتبہ ہے کہ وہ درخواست دیں، دوسرے تھوڑا سا یہ بھی اندیشہ ہے کہ یونی ورسٹی نوسو روپے دینے کو تیار نہ ہو، اِس لیے کیا آپ درخواست دینا پسند نہ کریں گے۔ میں جانتا ہوں کہ مسیح صاحب آپ کے استاد ہیں لیکن آپ ان کو پیچھے چھوڑ کر دروازے میں داخل نہیں ہونا چاہتے۔ اگر وہ اندر جانے کو تیار نہ ہوں تبھی آپ خود کو پیش کریں گے۔

جوائنٹ رجسٹرار جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی جمّوں کے نام ۶ روپے کا پوسٹل آرڈر بھیج کر فارم منگائے جا سکتے ہیں۔ فارم واپس بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۰/اگست ہے۔ اگر آپ درخواست دیں تو صورت یہ ہے کہ ۴-۵/اگست کو ایک فارم (یا اگر فارم نہ آیا ہو تو سادہ کاغذ پر مختصر درخواست) Advance copy کے طور پر جمّوں بھیج دیا جائے تا کہ وہ ۱۰/اگست تک پہنچ جائے۔ وقت اتنا کم ہے کہ مسیح صاحب سے قطعی طور پر دریافت نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے میں نے انھیں لکھّا ہے دیکھیے کوئی قطعی جواب دیتے ہیں یا نہیں۔

آپ درخواست دیں اور انٹرویو میں آئیں تو کشمیر یونی ورسٹی آپ کو آپ کے Employee یعنی مدھیہ پردیش گورنمنٹ کے قاعدے سے T.A دے گی۔ انٹرویو سری نگر میں ہوگا۔ برسات میں کشمیر میں بہت کم بارش ہوتی ہے اور جولائی تا ستمبر کشمیر کا بہترین موسم کہا جاتا ہے۔ آپ یہ سوچ کر ہی درخواست گرا دیں کہ کشمیر یونی ورسٹی کے صرفے پر سری نگر کی سیر

کرلیں گے۔ ساتھ ہی بیگم صاحبہ کو بھی لا سکتے ہیں۔ رومان کا رومان ہو جائے گا۔ ایک پنتھ دو کاج اِسی کو کہتے ہیں۔ ایک T.A میں دو مسافروں کا صرفہ نکل سکتا ہے لیکن چھٹیوں کا سوال رہے گا۔ کشمیر میں تین چار دن گزار سکیں تو مناسب ہوگا۔ یہ طے ہے کہ ماہرین سرور صاحب اور احتشام صاحب ہوں گے۔ آپ آئیں تو ان لوگوں سے اور اہلِ کشمیر یعنی مجھ جیسے غریب الدیاروں سے ملاقات ہو سکے گی۔

میرا خیال ہے آپ کو درخواست دینی چاہیے۔ مسیح صاحب تذبذب میں ہیں۔ ان سے میری بات نہایت راز کے صیغے میں ہو رہی ہے اس لیے آپ اس سلسلے میں انھیں کچھ نہ لکھیں۔ چاہیں تو ان کا جواب مجھ سے معلوم کر سکتے ہیں۔ میں نے انھیں لکھا ہے کہ قطعی فیصلہ کر کے مجھے بتائیے۔

میں یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ جمّوں میں جان و مال کا کوئی دھڑکا نہیں۔

مخلص

گیان چند

(۴)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

654A، گاندھی نگر، جمّوں

۱۵ر جنوری ۱۹۶۸ء

محبّی، تسلیم!

آپ کا مختصر خط کل ملا۔ ۹ر جنوری سنیچر کی سہ پہر کو رجسٹرار و محترم کا جوابی تار ملا کہ اخلاق کے امتحان کی تاریخ مقرر کر دو کیوں کہ ۱۸ر جنوری کو کنور سیشن ہے۔ میں گھبرایا کہ اتنی جلدی کیوں کر تاریخ مقرر ہو سکے گی۔ میں اجین تار بھیجوں، اجین سے حیدرآباد تار جائے، وہاں سے توثیق کے بعد پھر مجھے خبر دی جائے اور پھر میں رزرویشن کراؤں۔ بہرحال میں نے یہ تار دیا کہ ''۱۵ر جنوری کو دلّی میں رکھ لیجیے۔ مجھے ہوائی جہاز سے سفر کی اجازت دی جائے۔ میں اجین آنے سے معذور ہوں''۔

جواب نہیں آیا اور یہ بہت اچھا رہا۔ اب میں نے ڈاکٹر رفیعہ کو ۱۹ر فروری جمعہ یا ۲۱ر فروری اتوار کی تاریخ تجویز کر کے لکھی ہے۔ مجھے تر و پتی کے ایک اُمیدوار کا زبانی امتحان

دلّی میں کرنا ہے۔ اس میں سروری اور احتشام بھی ہوں گے۔ سروری صاحب حیدرآباد سے سری نگر آتے ہوئے امتحان کریں گے۔ وہ ۱۹ر اور ۲۰ر کو دلّی میں ہوں گے۔ میں اس سے ایک دن پہلے یا بعد بھوپال آنا چاہتا ہوں۔ بھوپال محض دن بھر کے لیے قیام کروں گا۔ آپ کو صحیح تاریخ کی اطّلاع بعد میں دوں گا۔ میں نے انصار والی بحث سے متعلق مضمون 'شاعر' کو بھیجا تھا، وہاں سے رسید ہی نہیں آئی۔ اب معلوم ہوا کہ فروری میں ناول نمبر آئے گا۔ گویا مارچ میں مضمون آئے گا۔ اسی مضمون کو 'نقوش' میں بھی بھیج رہا ہوں۔ مخطوطے کی اصلاحوں کا مضمون بھی 'نقوش' میں آرہا ہے۔ 'نسخۂ عرشی زادہ' پر تبصرہ لکھ رہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں بھیجوں۔ اب کے بھوپال میں میرے لیے کوئی جلسہ نہ رکھیے۔ مختصر اوقات میں بات چیت میں وقت گزاری کروں گا اور شفیق احمد سے ملاقات کرنا چاہوں گا۔ اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۵)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

شعبۂ اُردو، جمّوں و کشمیر یونی ورسٹی

جمّوں

۶ر فروری ۱۹۶۹ء

تسلیم

کل آپ کے خط سے یہ حسرت آمیز خبر ملی کہ ۳۰ر جنوری کو سلیم صاحب کا انتقال ہوگیا۔ نندہ صاحب اور امرناتھ وغیرہ کے رٹائر ہونے پر یکا یک یہ احساس ہوا تھا کہ ہم ضعیفی کے اس آستانے پر پہنچ گئے ہیں جہاں ہمارے آگے والے قدم رکھ چکے ہیں اور ہم رکھنے والے ہیں۔ اب اپنے ایک قریبی ساتھی کے انتقال سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے سفر میں آخری منزل کے لگ بھگ آ گئے ہیں۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے سلیم صاحب کو دل کا دورہ کبھی نہ پڑا تھا۔ عبید مرحوم اور سلیم حامد مرحوم دونوں اسی مرگِ مفاجات کا شکار ہوئے۔ کل مجھے اپنے ایک شاگرد کی موت کی خبر ملی جو پچھلے سال یہاں ایم اے پر یویس اُردو میں پڑھتا تھا، دمے کا مریض تھا اس لیے پڑھائی چھوڑ

دی۔ دو تین دن پہلے گزر گیا، تقریباً ۴۵ سال کی عمر تھی۔ ہر طرف بیماری، ہر طرف موت۔ میرے گھر میں ایک ماہ سے بیماری کا دَور دَورہ ہے۔

سلیم صاحب کے متعلّقین تک میری تعزیت پہنچا دیجیے۔

آپ کا پہلا مفصّل خط بھی ملا تھا۔محوی صاحب کے مخطوطات جلد بھیج دیجیے۔

نیازمند

گیان چند

(۶)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جمّوں

۳؍ستمبر ۱۹۶۹ء

بھائی آپ بھی خوب آدمی ہیں۔ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ ریڈری ہی آپ کے لیے مناسب تھی پروفیسری نہیں۔ کمال کر دیا۔ میں نے تو کوئی دس گیارہ سال کے تجربے کے بعد الٰہ آباد کی پروفیسری پر درخواست دے دی تھی اور اس سے اگلے سال عثمانیہ کے لیے۔ آپ کچھ نہ سوچیے انٹرویو کو آپ کو بلایا جائے تو چلے جایئے۔ حفیظ قتیل ہو جائیں تو زیادہ صدمے کی بات نہیں کیوں کہ وہ دسیوں سال سے ریڈر ہیں اور کئی کتابیں بھی لکھ چکے ہیں (گو اُردو کی اہلیت آپ سے یقیناً کم ہے)۔ رضی الدین ہو جائیں تو افسوس کی بات ہے۔ خواجہ احمد فاروقی سے وہ بہت نزدیک ہیں۔ حبیب النساء سا ماہر ہو تو میں انھیں آپ کے بارے میں لکھ سکتا ہوں۔

محوی صاحب سے کہیے کہ جلد مخطوطات حوالے کر دیں اور مخطوطات کی فہرست دے دیں۔ سب یقیناً خرید لی جائیں گی۔

توفیق وغیرہ سے میری خوب مراسلت ہو رہی ہے۔ عجب چوتیاپے کے لمبے لمبے خط لکھتا ہے۔

آپ نے اُردو مثنوی کو پسند کیا اِس کے لیے مشکور ہوں۔

مکان کو بیچنے کا ارادہ واقعی کر لیا ہے۔ کرایے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ ۳۴۵ پر ۷.۵% ٹیکس جا کر تین سو سے کم ہاتھ آتے ہیں۔ اگر ستّر ہزار میں بک جائے تو اس پر سود کرایے کی رقم سے زیادہ ملے گا۔ مکان خالی ہو تو اچھے دام مل سکتے ہیں۔ میں نے شوسروپ کو لکھا ہے کہ شاہ صاحب

سے بات کرو کہ انھیں کوئی مکان مل جائے تو اس میں منتقل ہو جائیں۔

میں نے اس سال مکان پر ریاستی حکومت کا ٹیکس نہیں دیا۔ ۶۹ - ۶۸ والے سال کا نہیں دیا۔ ایک بار پراپرٹی ٹیکس آفیسر ضلع بھوپال کو خط لکھا کہ بل بھیج دو، جواب ہی نہ آیا۔ کیا یہ ٹیکس ختم ہو گیا ہے۔ یا پرانے حساب ہی سے بھیج دوں۔ پراپرٹی ٹیکس افسر کا صحیح پتا کیا ہے۔

آج کل ۲؍دسمبر کو بھوپال میں غالبؔ مقدّمے کی پیشی ہوئی ہوگی۔ مسیح الزماں نے ۲۴؍نومبر کو بنارس میں بہ طور ریڈر کے شرکت کر لی ہے، حنیف نہ کر سکے۔ ان کے آرڈر پر پہلی نومبر کی تاریخ پڑی ہے۔ ۱۴؍نومبر کو دفتر سے جاری ہوئے حنیف کا پتا علی گڑھ کا تھا لیکن وہ خود سہسوان میں تھے۔ ۲۰؍نومبر کو احمد حسن نے لکچرر کے سلیکشن پر stay order لے لیا اور حنیف نہ آ سکے۔ مسیح بھی جب بنارس گئے تو حکم چند اور عشرت نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ جوائن نہ کریں۔ بعد میں مقدمہ چلا تو اچھا نہ معلوم ہوگا۔ لیکن مسیح نے ان کی رائے نہ مان کر join کر لیا اور عقل مندی کا ثبوت دیا۔ حکم چند اور عشرت کا مشورہ خلوص پر مبنی نہ تھا۔

کسی طرح یہ معلوم کرنے کی کوشش کیجیے کہ تروپتی میں ماہرین کون کون ہیں۔ ویسے مغربی آندھرا والے آج کل تلنگانہ والوں سے ناخوش ہیں، اس لیے حفیظ قتیل کو لانا شاید پسند نہ کریں۔ پس دس دسمبر کو یہیں پر ہرنیا کا آپریشن کرانے کی سوچتا ہوں۔ دس کو یا ۱۱؍کو آپریشن کرا لوں گا۔

مخلص

گیان چند

(۷)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جمّوں یونی ورسٹی، جمّوں

۱۲؍اکتوبر ۱۹۶۹ء

محبّی! آپ کا ۲۸؍ستمبر کا خط کئی دن پیشتر ملا۔ میں یہ بات بھول گیا کہ اس میں کوئی جواب طلب بات بھی ہے، اس لیے جواب لکھنے میں دیر ہوئی، معذرت چاہتا ہوں۔

علمی سطح پر آپ کو بھوپال میں جو احساسِ تنہائی ہوگا اس کا مجھے اندازہ ہے۔ ریسرچ کے معاملات میں اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیا کیجیے اور کسی دوسرے کی رائے کی پرواہ نہ کیجیے۔ لیکن

اس کے باوجود مجھے اس موضوع کے بارے میں کہنا ہے۔ میری راے میں میرؔ کی مثنویاں پی ایچ ڈی کے لیے ناکافی موضوع ہے۔ میرے یہاں کے ریسرچ اسکالر آفریدی نے اس موضوع پر ایم اے فائنل اُردو میں ایک پرچے کے عوض thesis لکھی تھی۔ آپ ذیل کے موضوع پر غور کیجیے ''شاہ عالم ثانی بہ حیثیت اُردو ادیب'' یا ''شاہ عالم ثانی اور ان کی اُردو ادب میں خدمات''۔ چند سال ہوئے لاہور یونی ورسٹی میں اس کی داستان 'عجائب القصص' دریافت ہوگئی اور چھاپ دی گئی۔ میرے پاس اس کی ایک جلد ہے۔ اس پر میرا ایک مضمون رسالہ ''اُردو'' میں بھی آچکا ہے۔ ضخیم داستان ہے۔ مجلس ترقیِ ادب لاہور نے چھاپی ہے۔ میں نے یہاں ایک لڑکی سے ایم اے فائنل میں اس پر dissertation لکھا دیا۔ شاہ عالم کا اُردو کلام شاید اس مجموعے میں ہو جو رام پور سے ''نادراتِ شاہی'' کے نام سے چھپا ہے۔ اس میں ہندی کلام ہے۔ میرے یہاں اس کی جلد تھی جو گم ہوگئی۔ عرشیؔ کے یہاں سے قیمتاً مل جائے گی۔ ایک بار وہ علی گڑھ جا کر تذکروں میں آفتابؔ کا کلام تلاش کرسکتی ہیں۔ بہرحال خاص زور داستان پر ہوگا، ورنہ فراقؔ پر کام کرا دیجیے۔ شاعری اور تنقید دونوں پر لکھیں گی۔ سوانحِ فراقؔ سے معلوم ہو جائے گی چوں کہ وہ طبقۂ مستور سے تعلّق رکھتی ہیں اسی لیے فراقؔ سے ملنے میں بھی کوئی خدشہ نہیں۔ بہت آسان کام رہے گا۔

وائیوا سے میں نے خود معذرت کی تھی۔ پرچہ آپ دیں گے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ 'بیجل' کو ایم اے پڑھانے کا تجربہ نہیں اس لیے انھیں کیوں کر وائیوا میں بلائیں گے۔

''انتخابِ قصائدِ اُردو'' مجھے مل گئی۔ آپ نے اس کی فرہنگ لکھنے میں اتنا کام کیا ہے جیسے کسی مخطوطے کے تحشیہ میں کی جاتی ہے۔ دکن قصائد کا انتخاب مفید اضافہ ہے۔

ہاں صاحب، مثنوی کی کتاب شائع ہوگئی۔ ۸۶۲ صفحات ہیں، سترہ روپے قیمت ہے۔ اتنی ضخامت، اتنا طویل ضمیمہ، اتنا بڑا اشاریہ اور اتنا بڑا غلط نامہ کسی کتاب میں نہ ہوگا۔ مجھے غلط نامے کے طول پر فخر ہے۔

پاکستان میں ہندستانی مصنفوں کی کتابوں کی اشاعت پر پابندی کر دی گئی ہے، اس لیے میری کتابیں پھنس گئی ہیں۔ ''داستانیں'' کا متن چھپ گیا تھا ضمیمہ رہ گیا تھا۔ کام روک دیا گیا۔ مشفق نے لکھا تھا کہ چوں کہ اس کا پہلا اڈیشن یہیں چھپا تھا اس لیے اس کی تکمیل کی اجازت مل گئی ہے۔ دوسری کتاب ''لسانی مطالعے'' کی کتابت ہوئی پڑی ہے طباعت کی اجازت نہیں۔

خبر ہے کہ ''نسخۂ امروہ'' شائع ہوگیا۔ اکبر علی خاں نے اس کا فوٹو مالکِ نسخہ کی اجازت اور اطّلاع کے بغیر حاصل کیا اور چھاپ کر توفیق کا لاکھ کا گھر لاکھ کر دیا۔ نثار احمد فاروقی کے پاس اس کا فوٹو ہے جو میں نے اُجین سے واپسی میں دیکھا۔ نثار کہتا تھا کہ ''نسخے کا فوٹو میرے پاس بھی ہے اور اکبر علی خاں کے پاس بھی اور دونوں ایک دوسرے سے چھپا رہے ہیں۔ غالباً جلال الدین کے پاس بھی ہے۔ آپ چاہیں تو آپ کو فوٹو کرا کر دے دوں۔ خط میں نہ لکھنا چاہتا تھا۔ کوئی سوا تین سو روپے لگیں گے۔ شرط یہ ہے کہ آپ کسی کو نہ بتائیں گے کہ آپ کے پاس اس کا فوٹو ہے۔ کسی کو یہ دکھائیں گے بھی نہیں۔ چوں کہ پوشیدہ رکھنا ہے اس لیے یونی ورسٹی میں یہ فوٹو نہ دیں بل کہ ذاتی ملکیت میں رکھیں گے۔ اس کے بارے میں مضمون لکھ سکتے ہیں کوئی پوچھے کہ کہاں سے دیکھا تو میرا نام لے دیں۔ میں نے مالکِ نسخہ کی اجازت سے فوٹو لیا ہے اکبر علی خاں نے بغیر اجازت''۔

میں نے نثار کی شرائط منظور کیں اور تین سو روپے ہاتھ کے ہاتھ دے دیے۔ چند روز بعد وہ حضرت حیدرآباد چلے گئے۔ واپس آ کر ۲۴ ستمبر کو مجھے اس کا فوٹو بھیجا جو ستمبر کے آخر میں مجھے ملا۔ نثار نے مجھ سے اس کے زیادہ دام لے لیے۔ معلوم ہوا کہ ڈھائی روپیہ صفحہ میں فوٹو ہوتا ہے۔ اُنھوں نے پونے تین روپیہ صفحہ بتایا تھا۔ ۱۲۶ صفحات ہیں۔ بہرحال میں نے پورا مخطوطہ پڑھ لیا ہے۔ اس کے بارے میں ایک مضمون لکھ کر ''ہماری زبان'' میں بھیج رہا ہوں۔ اس کے غیر مطبوعہ اشعار کو جمّوں کے ایک ہفتہ وار اخبار میں چھپوانے کی کوشش کر رہا ہوں تا کہ اکبر علی خاں کے نسخے کے اجرا سے پہلے ہی چھپ جائیں۔ معلوم نہیں اُنھوں نے نسخہ بازار میں دے تو نہیں دیا۔

نسخے میں ۱۱۷۲۴ شعار ہیں۔ ۱۶۴ اُردو کے اور ۲۴ فارسی کے اشعار غیر مطبوعہ ہیں۔ حاشیے پر بھی ۱۳ غزلیں ہیں جن میں سے ایک غیر مطبوعہ ہے۔ یہ غالباً کسی اور کے خط میں ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مخطوطہ غالبؔ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ نسخے کے حاشیے پر دو غزلیں ایسی بھی ہیں جو ''نسخۂ بھوپال'' میں نہیں، ''نسخۂ شیرانی'' میں ہیں۔ تفصیلات ''ہماری زبان'' میں بھیج رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی اشاعت سے پہلے اس پر کوئی کام نہ کر سکا۔ اب یہ فوٹو اپنی لائبریری کو فروخت کر دوں گا۔ ہمیں اس سال اور کتابوں کے لیے گیارہ ہزار روپے ملے ہیں۔ میں نے نثار کو لکھا کہ آپ اتنا روپیہ اس نسخے پر خرچ نہ کیجیے دوسری مفید کتابیں لیجیے۔ اب میں

نے لکھا ہے کہ اشاعت کے بعد نسخے کی قیمت ختم ہوگئی اس لیے ایک ہزار میں دلوادو۔ نثار نے مجھے بتایا تھا کہ مخطوطے کا کوئی گاہک نہیں آیا کسی نے کوئی قیمت نہیں لگائی۔ پاکستان سے کسی نے ضرور تیس ہزار روپے کی پیش کش کی تھی لیکن وہاں نسخہ دینا ممکن نہ تھا۔ یہاں کوئی خریدار نہیں۔ توفیق امروہے کا قصائی ہے۔ کتابیں خرید کر سر پر گٹھری رکھ کر اسٹیشن سے نثار کے کمرے تک آتا ہے۔ بہت چھوٹا کتب فروش ہے۔ نثار اس سے خفا ہے کیوں کہ اکبر علی خاں نے اسے نثار کے خلاف بھڑکا رکھا ہے۔ بہرحال اسی نسخے کا فوٹو ابھی تین شخصیتوں کے پاس ہی تھا جن میں سے ایک میں ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۸)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جموں

۲۹/اکتوبر ۱۹۶۹ء

مکرّم تسلیم

۲۰/اکتوبر کا کرم نامہ چند روز پہلے ملا۔ اکبر علی خاں نے مجھے لکھا تھا کہ ایوانِ غالب کا کاپی رائٹ میرے نام ہے اس لیے اس سے متعلّق کوئی معلومات عام نہ کیجیے یہ قانون کے خلاف ہے۔ میں نے اس گیدڑ بھبکی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاں ایک مضمون ''ہماری زبان'' میں بھیج دیا ہے۔ یہ بڑی دل چسپ خبر ہے کہ ''نسخۂ عرشی زادہ'' کی اشاعت روک دی گئی ہے لیکن انگریزی اور اُردو اخبارات میں تو خبر درج تھی کہ وہ شائع ہوگیا ہے۔ عدالت کو اکبر علی خاں سے کیا جواب ملا لکھیے۔ آپ کو اس نسخے کے بارے میں کچھ جاننا ہو تو مجھے لکھیے

میؔر کی مثنویوں پر کام ہو چکا ہے اس لیے اسے تو چھوڑیے خود میؔر پر خواجہ احمد فاروقی کی Chain اور تقریر (سیّد عبداللہ) اور ''دلّی کالج میگزین'' کے میؔر نمبر کے بعد کچھ بچتا نہیں۔ اگر آپ کی صاحبزادی کچھ بھی کرنے کے لائق نہیں ہیں تو انھیں ریسرچ کیوں کرائی جائے۔ بہرحال اگر میؔر کی غزلوں کو چھوڑ کر باقی نظموں پر لکھنا ہے تو موضوع کو میؔر کی نظم نگاری نام دے دیجیے۔ اُردو میں شاعری کی دو بڑی قسمیں غزل اور نظم ہیں۔ ویسے نظم کے لفظ سے حالؔی اور اس

کے بعد کی نظم کا تصوّر ذہن میں آتا ہے جس میں رباعی اور مختصر قطعے وغیرہ کی سمائی نہیں ہوتی بل کہ قصیدہ اور مرثیہ وغیرہ بھی اس کے ضمن میں نہیں لیا جاتا لیکن آپ اصطلاحی معنی لے کر غزل کے علاوہ دوسری تمام اصناف کو نظم کہہ سکتے ہیں۔ ویسے یہ موضوع اچھا نہیں ہے۔

''نسخۂ امروہہ'' کو ''نسخۂ بھوپال جدید'' کہا جا سکتا ہے۔ میں تو بحث سے بچنے کے لیے غالبؔ کا خودنوشت دیوان لکھ رہا ہوں۔

میں نے توفیق احمد کو لکھا ہے کہ بتاؤ مخطوطہ کتنے میں بیچتے ہو۔ اس کا کوئی جواب آئے تو صحیح صورتِ حال معلوم ہو۔ میں نے اس سے یہ بھی کہا ہے کہ اسے یہ معاہدہ کرنا ہوگا کہ اگر نسخے کی ملکیت کے بارے میں کوئی جھگڑا ہوا تو وہ پوری قیمت واپس کرے گا۔ اس دفعہ ہمارے پاس اُردو کتب کے لیے گیارہ ہزار روپیہ ملا ہے۔

اگر ہمارا شعبہ اس نسخے کو خرید لے تو تادمِ فیصلۂ مقدمہ اہلِ بھوپال کو اعتراض تو نہ ہوگا؟ میں سوچتا ہوں کہ ''نسخۂ عرشی زادہ'' چھپ جانے کے بعد اس کی قیمت ہزار دو ہزار سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ نثار احمد نے مجھے بتایا تھا کہ آج تک اس نسخے کا نہ کوئی گاہک آیا نہ کوئی قیمت لگائی گئی۔

میں اپنی یونی ورسٹی کا ڈین فیکلٹی آف آرٹس منتخب ہوا ہوں۔ انتخاب بلا مقابلہ ہوا کیوں کہ آرٹس میں پروفیسر کے status کا اور کوئی شخص نہ تھا۔ یہاں آرٹس کے علاوہ social science کی علاحدہ فیکلٹی ہے۔ آرٹس میں محض مختلف زبانیں، فلسفہ، نفسیات اور موسیقی کے شعبے ہیں۔ اس مختصر فیکلٹی کے کُل ۱۳ ممبر ہیں۔

کبھی اختر سعید خاں کو آفاق کی معرفت پیغام بھیجیے کہ میرے مقدمے کی اپیل جو ڈسٹرکٹ جج کے یہاں ہوگی اسے بھی وہ دیکھ لیں۔ بار بار مفت کام لینا بے حیائی ہے اس لیے چاہتا ہوں کہ پہلے مقدمے کا محنتانہ انھیں دے دوں۔ ان سے پوچھیے کہ کیا پیش کر دیا جائے عرض کیجیے۔ اپیل نہ ہوتی اور میری طرف سے cost کا claim کیا جاتا تو اس میں اختر سعید خاں اپنی فیس جس قدر درج کرتے، میں کم از کم اتنی فیس دے دینا چاہتا ہوں۔ یعنی قانونی فیس تو وہ لے ہی لیں۔ کسی طرح اس بات کا ان سے ذکر کیجیے۔

میری نئی موٹر آ گئی تھی لیکن میں نہ خرید پایا کیوں کہ پُرانی ابھی تک نہیں بکی۔ میں نے دکاندار سے دو مہینے کی مزید مہلت لے لی اور اب جنوری ۱۹۷۰ء میں نئی موٹر لوں گا۔ اس

دوران میں پرانی کو بیچ لوں گا اور جنوری میں لینے سے وہ ۷۰ء کا ماڈل کہلائے گی اور کوئی بات قابلِ نگارش نہیں۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۹)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

۴؍نومبر ۱۹۶۹ء

محبّی تسلیم

آپ کا خط کل ملا۔ سرٹی فکٹ بھیج رہا ہوں۔ تروپتی ضرور درخواست دیجیے۔ یونی ورسٹی پروفیسر شپ کہیں کی بھی مل جائے غنیمت ہے۔ کچھ عرصے بعد کسی بہتر جگہ جا سکتے ہیں۔ وہاں اُردو، فارسی، عربی کا شعبہ ملا جُلا ہے۔ طلبہ دو تین ہی ہوتے ہیں بقیہ اساتذہ اپنا کام کیا کرتے ہیں۔ وہاں ایک زمانے میں شہاب جعفری تھے۔ آج کل ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ہیں۔ یہ معلوم نہیں لکچرر ہیں یا ریڈر لیکن غالباً صدرِ شعبہ ہیں۔ انھوں نے علی گڑھ سے نظیر اکبرآبادی پر ڈاکٹریٹ کی تھی۔ انھیں پروفیسر کوئی نہیں بنائے گا۔

اکبر علی خاں کا خط آیا تھا جس میں انھوں نے اس بات پر دُکھ کا اظہار کیا ہے کہ ''نسخۂ عرشی زادہ'' کے خلاف سازش کی گئی۔ اس میں بہ قول ان کے کچھ پردہ نشیں بھی شریک تھے۔ خیر ''ہر چہ از دوست می رسد نیکوست''۔ یہ سب اس انداز میں لکھا ہے جیسے میں نے ہی یہ مقدمہ کر دیا ہے۔ میں نے آج انھیں ایک لمبا خط لکھا ہے۔

اکبر علی خاں نے یہ بھی لکھا کہ معلوم ہوا ہے کہ نثار احمد فاروقی نے آپ کو اس نسخے کا عکس تین سو روپے میں دیا ہے اور ایک اور صاحب کو دیا ہے۔

آج توفیق احمد کا امروہے سے خط آیا ہے جس نے مخطوطے کی خرید کے لیے لکھا تھا۔ اس نے اس سے تو معذوری کی لیکن مقدمے کے لیے بڑا رویا پیٹا ہے کہ آپ اہلِ بھوپال کو لکھ کر مقدمہ واپس کرا دیجیے۔ مجھ سے بھی بہت کچھ شکایت کی ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

۱۷/نومبر ۱۹۶۹ء

محبّی تسلیم

آپ نے ''ہماری زبان'' میں مضمون ملاحظہ فرمایا اس کے لیے مشکور ہوں۔ اکبر علی خاں اور توفیق احمد سے آج کل کچھ خطوط کا تبادلہ ہو رہا ہے لیکن سب بے کار۔

''نسخۂ عرشی زادہ'' کی صرف سو جلدیں چھپی ہیں اس لیے ان کی قیمت تین سو روپیا ہے۔ میں اس کی جلد منگا رہا ہوں۔

مجھے یہ پریشانی ہے کہ گیارہ ہزار روپے کی کتابیں کہاں سے خریدوں۔ اس لیے مخطوطات اور نادرات لینا چاہتا ہوں۔ آپ محوی صاحب کے تمام مخطوطات (اُردو) مع فارسی مثنوی ''گُل بکاولی'' از رفعت میرے پاس روانہ کر دیجیے۔ ان کے دام مناسب لکھ دیجیے۔ میرا خیال ہے کہ کسی نسخے کے پچاس روپے سے زیادہ نہ ہوں۔ آج کل بھجوا دیجیے تو جلدی ادائیگی کرا دوں گا۔ محوی صاحب کے پیڈ پر یا کسی کُتب فروش سے صدرِ شعبۂ اُردو کے نام تین بل بنوا دیجیے۔ اگر زیادہ احتیاط چاہیں تو پہلے فہرست بھیج دیں اور ان میں کتب کی قیمت لکھ دیجیے۔ میں خرید کی اجازت حاصل کر کے آرڈر کر دوں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ سرٹی فکٹ مل گیا ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۱۱)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جمّوں

۱۶/جنوری ۱۹۷۰ء

تسلیم

کرم نامہ کل یا پرسوں ملا۔ آپ انٹرویو میں ضرور جائیے۔ ایک بار ہو آئیں گے تو آیندہ کے لیے سب کی نظر میں آ جائیں گے کہ آپ بھی پروفیسری کے لگ بھگ پہنچ گئے ہیں۔ ماہرین

کے نام جانے بغیر خواہ مخواہ کسی کو لکھنا مناسب نہیں۔ گورنمنٹ کالج پروفیسر ہیں اور یوسف کوکن ریڈر، وہ بھی عربی فارسی کے۔اس لیے غالباً یہ لوگ ماہر نہ ہوں گے۔ رضی الدین کے خواجہ احمد فاروقی سے بہت مراسم ہیں اس لیے خواجہ ضرور ماہرین میں ہوں گے۔ میرے ان سے تعلقات کشیدہ ہیں اس لیے میں انھیں نہیں لکھ سکتا۔ آج کل سروری صاحب حیدرآباد میں ہیں۔ ان کا پتا 3-6-688، حمایت نگر، حیدرآباد ہے۔ آج ہی میں انھیں خط لکھتا ہوں کہ اس سلسلے میں کچھ کرسکیں تو کریں۔ سروری حفیظ قتیل کے خلاف ہیں۔

سفر اور زیر باری کا خیال نہ کیجیے دکن کی سیر ہو جائے گی۔ تروپتی کا مندر دیکھ آیئے۔ دکن میں اس کا بڑا شہرہ ہے۔

انٹرویو کے لیے قطعاً کسی قسم کی کوئی تیاری نہ کیجیے صرف دو سوالوں کا جواب تیار کر لیجیے:

(۱) آپ شعبے میں ریسرچ organise کرنے کے لیے کیا کریں گے؟

(۲) آپ شعبے کو ترقی دینے کے لیے کیا کریں گے؟

انٹرویو انگریزی میں ہونا چاہیے کیوں کہ وہاں کا وائس چانسلر اُردو نہ جانتا ہوگا۔ تحقیق کے لیے آپ لمبے چوڑے منصوبے پیش کر دیجیے کہ ''میں جگہ جگہ سے خرید کر مخطوطات اور نوادر اکٹھا کروں گا۔ یو.جی.سی کو دو پروجیکٹ لکھ کر بھیجوں گا کہ اُردو مصنفوں کی سوانحی مفت کا کام دیا جائے یا رسالوں کے مضامین کے اشاریے تیار کرنے کا کام دیا جائے۔ اس کے علاوہ اُردو ادب کے جو گوشے ابھی تک تاریکی میں ہیں ان پر تحقیق کراؤں گا۔ اندھرا میں تلنگانہ کے اُردو ادیب منظرِ عام پر آ چکے ہیں لیکن مشرقی ساحل کی طرف بھی اُردو کے لیے کام ہوا ہے اس سے شمال والے ناواقف ہیں۔ اس کے لیے مفصّل تحقیق کرائی جائے گی۔ یو.جی.سی سے مائکروفلم پڑھنے کی مشین کی امداد کے لیے درخواست کروں گا تاکہ لندن اور آکسفورڈ سے دکن مخطوطات کے مائکروفلم منگائے جا سکیں۔ رسالوں کے پرانے شمارے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہاں کے نصاب کو بدلنا چاہوں گا۔ اس میں زبان کا مطالعہ شامل کروں گا۔ دکن اُردو اور تلگو کے باہمی اثرات پر زور دیا جائے گا۔ ایم اے فائنل میں dissertation کا انتظام کروں گا''۔

اس قسم کی کچھ گپیں ہانک دیجیے۔ اپنی مطبوعات کی ایک ایک کاپی ضرور لے جایئے۔ کچھ رسالوں کے مضامین کے reprint ہوں تو لے جایئے ورنہ ایک دو رسالے ہی رکھ لیجیے جن میں آپ کے اچھے مضامین ہوں۔ اپنے شائع شدہ مضامین کی ایک مکمل فہرست ضرور

ساتھ لے لیجیے۔ امید ہے درخواست کے ساتھ بھیجی ہوگی۔

ایک دن پہلے پہنچ جائیں تو ماہرین سے اور وائس چانسلر سے مل لیجیے۔ وائس چانسلر سے صرف یہ کہیے کہ complaints pay کرنے آیا ہوں۔ بر سبیلِ تذکرہ اپنے کاموں کا ذکر کر دیجیے۔

وائس چانسلر سے نہ بھی ملیں تو مضائقہ نہیں۔ ماہرین سے ملاقات ہو سکے تو اچھا ہے۔ یہ سوچ کر جائیے کہ آپ لیے نہ جائیں گے۔ صرف ریہرسل کے لیے جا رہے ہیں۔ اس طرح نہ لیے جانے پر افسوس نہ ہوگا۔

تیاری کی قطعاً ضرورت نہیں۔ جو ماہرین ہوں گے آپ اُن سے زیادہ اُردو جانتے ہوں گے۔

میں سو فیصدی اچھا ہوں یعنی کسی قسم کی کمزوری نہیں۔ معلوم ہوا ہے 'نقوش' نے غالبؔ کا خود نوشت دیوان فوٹو کے ساتھ چھاپ دیا ہے۔ قیمت صرف تیس روپے۔ اُمید ہے اس ماہ میں جامعہ دلّی والے ہمیں ایک کاپی حاصل کر کے بھیج دیں گے۔

دلّی میں یہ بھی معلوم ہوا کہ اکبر علی خاں نے ''نسخۂ عرشی زادہ'' کی ہزار جلدیں چھاپی ہیں لیکن ظاہر کر رہا ہے کہ سو ہی چھاپی ہیں۔ اصلاً اس کی قیمت ۷۵ روپے تھی، پھر سوا سو کی۔ اب سوچا کہ سو جلدیں کہہ کر تین سو روپے فی جلد میں بیچوں تو فائدہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ توفیق اور اکبر نے شرکت میں یہ کام کیا ہے۔

معلوم نہیں لاہور اس کا عکس کس طرح پہنچا۔ یا تو توفیق ہی نے بیچا ہے یا نثار کے پاس سے پہنچ گیا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ توفیق ہی نے اچھے داموں میں فروخت کیا ہوگا۔ نثار کہتا تھا کہ پاکستان سے اس مخطوطے کے لیے تیس ہزار کا offer تھا۔ کیا عجب ہے کہ اس شخص کو اس کا عکس ہزار دو ہزار میں دے دیا ہو۔ میں نے اکبر علی خاں کو لکھ دیا ہے کہ آپ اس مقدمے، نثار احمد اور عکس وغیرہ کے بارے میں مجھے کچھ نہ لکھا کیجیے، میں جواب نہ دوں گا۔ توفیق کے خط کا جواب دینا بھی میں نے بند کر دیا ہے۔ میں اس نسخے کے غیر مطبوعہ اشعار مجلّۂ ''سفینہ'' کے لیے بھیج رہا ہوں۔ جواز یہ ہوگا کہ ''نقوش'' میں سے دیکھے ہیں۔

خیر اندیش

گیان چند

(۱۲)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
دلّی

۱۰رفروری ۱۹۷۰ء
محبّی تسلیم

میں پرسوں علی گڑھ میں تھا، پی ایچ ڈی کا ایک زبانی امتحان کرنے کے لیے۔ کل دلّی آیا، آج بھی یہاں ہوں۔ میں نے حبیب النساء کو استفسار بھیج دیا ہے اُمید ہے جواب دیا جائے گا۔

مجھے شعبے کے لیے ''نقوش'' کا غالبؔ نمبر دوم مل گیا ہے جس میں خودنوشت دیوان اور اس کا فوٹو بھی شامل ہے۔ میں اس کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ شعبے کے لیے حمید احمد خاں مرتّبہ ''نسخۂ حمیدیہ'' (پاکستانی قیمت پندرہ روپیا) اور ''نسخۂ شیرانی'' بھی مل گئے ہیں۔ یہ خط لکھنے کی ترغیب یہ ہے کہ اگر آپ کو حمید احمد خاں کا ''نسخۂ حمیدیہ'' نہ ملا ہو تو آپ کو بھجوا دیا جائے۔ آپ کے لیے ایک کاپی چند روز تک محفوظ رکھی جائے گی۔ آپ کو اگر درکار ہو تو میرا حوالہ دے کر نثار احمد فاروقی دلّی کالج، اجمیری گیٹ، دلّی-۶ کو لکھ دیں۔ وہ بھیج دیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ۲۵ روپیا کے قریب چارج کیا جائے گا۔ حمید احمد نے معمولی سا غیر تحقیقی دیباچہ لکھا ہے اور اس کے بعد محض ''نسخۂ بھوپال'' کی غزلیں وغیرہ چھاپی ہیں۔ متداول دیوان کی غزلیں نہیں دیں اور یہی بہتر صورت ہے۔ ۴۸ء میں یہ بھوپال آئے تھے اور اس مخطوطے اور مطبوعہ اڈیشن کا مقابلہ کر کے تفصیلی نوٹ لے گئے تھے۔ انھیں کی بنا پر یہ نسخہ چھاپا گیا ہے۔ آپ کے کام کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے کیوں کہ حمید احمد نے تحشیہ نہیں کیا۔

''نسخۂ شیرانی'' کا محض عکس چھپا ہے کوئی دیباچہ یا تحشیہ نہیں۔ مرتّب کے طور پر کسی کا نام بھی نہیں۔ پاکستان کا مطبوعہ ''گلِ رعنا'' بھی یہاں ہے لیکن ابھی نہیں دیکھ سکا۔ معلوم ہوا ہے اکبر علی خاں نے توفیق کو نوٹس دیا ہے کہ تم نے اس کا عکس دوسروں کو کیوں دیا کہ یہ ''نقوش'' میں چھپ گیا۔ اب دونوں کے بیچ ناچاقی ہے اور نثار اور توفیق میں صلح ہو گئی ہے۔

مخلص

گیان چند

(۱۳)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
جمّوں
۱۲رفروری ۱۹۷۰ء
تسلیم

کرم نامہ ملا، میں کل علی گڑھ اور دلّی سے واپس آیا۔ دلّی سے آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ اب محوی صاحب کو چھوڑیے۔ میں دوسرے ذرائع سے اپنا روپیا ختم کرر ہا ہوں۔

معلوم نہیں میں نے آپ کے مضمون میں متعلّقہ پرچے کا نمبر جلد ۶، شمارہ ۲ کیسے لکھ دیا تھا۔ ''نیا دور'' کا مضمون لکھتے وقت میرے پیشِ نظر شاید اصل مضمون نہ تھا بل کہ میری کوئی اور تحریر تھی جس میں اس مضمون کا حوالہ غلط درج ہو گیا ہوگا۔

آثارِ قدیمہ کو میں سہواً آرکائیوز سمجھ بیٹھا چوں کہ مخطوطات وہیں ہوتے ہیں۔ اب اگر کسی مجموعے میں یہ مضمون آیا تو اصلاح کر دوں گا۔ ابھی تو مجموعے کا امکان نہیں۔

آپ ذیل کی کتب اپنے کتب خانے میں منگائیے (۱) ''نسخۂ حمیدیہ'' مرتّبہ حمید احمد خاں (۲) ''نسخۂ شیرانی''، ناشر مجلسِ ترقّیِ ادب لاہور (۳) ''نقوش'' غالبؔ نمبر دوم جس میں نثار نے مخطوط مرتّب کیا ہے۔

ان کے لیے آپ مکتبۂ جامعہ دلّی کو یا نثار احمد فاروقی کو لکھیے۔ مجھے ''گُلِ رعنا'' کے علاوہ بقیہ سب کتب مل گئیں۔ ''گُلِ رعنا'' ملنے کی توقع ہے۔

دلّی میں غالب اکیڈمی سے منگا کر ''نسخۂ عرشی زادہ'' دیکھا۔ مالک رام کے پاس بھی اس کا ایک نسخہ ہے۔ میں نے اس نسخے اور مقدمے کے بارے میں بہت سی دل چسپ باتیں آفاق کو لکھی ہیں۔ آپ اس سے سن لیجیے۔ دوبارہ کہاں تک لکھوں۔ ہاں آفاق کو بھی تاکید کی ہے اور آپ کو بھی کرتا ہوں کہ اس مقدمے کے سلسلے کی میری کوئی تحریر کسی غیر کو نہ دیجیے اور خاص طور پر اکبر علی خاں کو نہ تو دیجیے نہ دکھائیے۔ سُنا ہے اکبر بھوپال میں آپ کے پاس گھر آتے ہیں۔ اب اکبر اور توفیق میں مقدمہ شروع ہو گیا ہے۔

''نسخۂ عرشی زادہ'' میں عکس چھپا ہے لیکن نستعلیق میں عبارت نہیں دی یہ بڑی کمزوری ہے۔ ''نقوش'' میں عکس اور نستعلیق دونوں ہیں لیکن ''عرشی زادہ'' کے عکس زیادہ صاف ہیں اور

مقدمہ بہتر ہے۔ نثار کا مقدمہ اتنا اچھا نہیں۔ ''نسخۂ عرشی زادہ'' کے بارے میں سنا کہ اصلاً اس کی قیمت ۷۵ روپے رکھی تھی بعد میں تین سو کر دی حالاں کہ لاگت صرف ۲۲ روپے فی جلد آئی ہے۔ ہزار کاپیاں چھپی ہیں اور سوظاہر کیا جا رہا ہے۔ اب دلّی کا پرتھوی چند فوٹو گرافر اسے پندرہ روپے میں چھاپ کر بیچنے والا ہے۔ انتظار کیجیے میں نے حبیب النساء کو لکھ دیا تھا۔ جواب آئے گا تو لکھوں گا۔ علی گڑھ میں نورالحسن ہاشمی بھی ملے۔

گیان چند

(۱۴)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جمّوں

۱۹ر فروری ۱۹۷۰ء

تسلیم

۱۳ر فروری کا خبر نامہ کل ملا۔ پرسوں مجھے حبیب النساء کا خط بھی ملا جس میں یہ لکھا ہے:

''تروپتی میں فی الوقت کسی پروفیسر یا ریڈر کا تقرر نہیں ہوا چوں کہ اُردو کے لیے میرے سوا وہاں کوئی نہیں تھے اور فارسی اور عربی کے لیے سب کے سب۔ مقابلہ بڑا سخت رہا۔ میں نے پوری پوری قوت صرف کر کے تمام دلائل و براہین جمع کر کے اُردو کے لیے یہ جگہ خالی رکھوا دی۔ آیندہ دیکھیں کیا ہو۔ ہر جگہ وہی اُردو فارسی کی رقابت اور کشمکش ہے''۔

دوبارہ اشتہار ہو تو ضرور درخواست دیجیے۔ یونی ورسٹی کی پروفیسر خواہ تروپتی میں ہو خواہ بیافرا میں چھوڑنی نہ چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ تروپتی میں allowances اچھے ہیں۔ آپ وہاں مسافر کی طرح رہیے پھر شمالی ہند میں کسی یونی ورسٹی میں ریڈر کی جگہ ہو تو وہاں ۱۱۰۰ یا ۱۲۰۰ تنخواہ مانگ کر چلے آیئے۔ آپ کو لے لیا جائے گا اور ممکن ہے کسی یونی ورسٹی میں پروفیسری ہی مل جائے۔ بھوپال میں ابھی آپ ۱۷ سال رہے ہیں۔ پنشن کے لیے ۲۵ سال کی ملازمت شرط ہے۔ اگر ۸ سال اور کالج کی سروس میں گزارے تب تو آپ کو زنگ لگ جائے گا، حوصلے پست ہو جائیں گے اور اس عمر میں یونی ورسٹی میں کوئی آپ کو طوطے اڑانے کے لیے بھی نہ رکھے گا۔ یونی ورسٹی میں جو آزادی کی فضا ہوتی ہے اس کا مجھے اندازہ ہے۔ تروپتی میں آپ کو

اپنا کام کرنے کا بے حد موقع ملے گا۔ پڑھانے کا کام تو ہوگا نہیں۔ اس بار میں حبیب النساء کو پُرزور طریقے پر لکھ کر آپ سے راضی کردوں گا۔ آپ کم ہمتی سے کام نہ لیں۔ وہاں کا پراویڈنٹ فنڈ تو دیکھیے کتنا ہے۔ اگر آپ یونی ورسٹی میں پروفیسر ہو جائیں تو رٹائر ہونے کے وقت کوئی ڈیڑھ لاکھ پراویڈنٹ فنڈ ملے گا۔ پنشن میں کیا دھرا ہے۔ کالج میں ۵۵ سال پر سبک دوشی اور یونی ورسٹی میں کوئی ۶۲ سال پر۔ کالج پروفیسر کا گریڈ اب بھی یونی ورسٹی ریڈر سے کم ہے اور آپ یونی ورسٹی پروفیسر ہو جائیں (خواہ ترویتی میں سہی) تو اُردو دُنیا میں آپ کا مقام کتنا نمایاں ہو جائے گا۔ اس لیے درخواست ضرور دیجیے۔

حنیف کا stay order ختم ہوا ہے مقدمہ ختم نہیں ہوا وہ چلے گا۔ میں نے ۶۸-۶۷ء کا پراپرٹی ٹیکس بھی نہیں دیا۔

مخلص

گیان چند

(۱۵)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

654 A، گاندھی نگر

جمّوں

۲۸رفروری ۱۹۷۰ء

محبّی تسلیم

کرم نامہ ملا۔ آپ کے اور میرے خطوط راستے میں Cross ہو رہے ہیں۔ بھوپال میں یونی ورسٹی بننے کی خبر میں نے اخبار میں نہیں پڑھی۔ میری نظر سے چوک گئی۔ آپ پہلے شخص ہیں جس نے خط میں اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن جمّوں میں دوسرے ایک دو لوگوں نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ انھوں نے بھوپال میں یونی ورسٹی بننے کی خبر پڑھی تھی۔

یہ آپ کی عالی ظرفی اور بلند ہمتی ہے کہ آپ مجھے بھوپال میں واپس بلا رہے ہیں اور ایثار سے کام لے رہے ہیں۔ بس آپ کے بلانے پر آنا چاہوں گا۔ صرف یہ شرط ہے کہ آپ بھی میرے ساتھ کام کرنے پر آمادہ ہوں۔ ریڈر شپ میں آپ کو نقصان کیوں کر ہے۔ آپ کی ۱۷ سال کی سرکاری ملازمت ہے لیکن مقامی یونی ورسٹی کے لیے تو سرکار سے deputation مل جانا چاہیے۔

مجھے معلوم نہیں کہ یونی ورسٹی کب بنے گی۔ کیا اس میں تعلیمی شعبے شروع ہی سے کھول دیے جائیں گے اور کیا ان میں اُردو کو بھی پہلی قسط ہی میں جگہ مل جائے گی۔ شاید ابھی دو تین سال کا عرصہ لگے۔

''نسخۂ حمیدیہ'' کے لیے آپ نثار کے علاوہ مکتبۂ جامعہ کو بھی لکھ دیں بل کہ ضرور لکھ دیں، ان کے پاس پاکستان سے مسلسل کتابیں آتی رہتی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ''نسخۂ حمیدیہ''، ''نسخۂ شیرانی'' وغیرہ کے لیے میرے حوالے سے لکھ دیں کہ میں نے کہا ہے۔

آپ کو اشد ضرورت ہو تو میں ''نسخۂ حمیدیہ'' یہاں سے کچھ عرصے کے لیے بھیج دوں گا۔ دلّی سے میرے پاس شعبے میں آنے والا ہے۔

بھوپال یونی ورسٹی میں پریم چند ملہوترا کو وائس چانسلر بنانا چاہیے اور سی. آر. گپتا کو رجسٹرار۔ سی. آر. سے بہتر کلرک اگر کوئی دوسرا ہو سکتا ہے تو وہ منوچہ ہے لیکن منوچہ کے ساتھ خرابی یہ ہے کہ وہ پڑھانے میں بھی اچھا ہے۔

مخلص

گیان چند

(۱۶)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

654 A، گاندھی نگر

جمّوں

۱۳/ مارچ ۱۹۷۰ء

محبّی تسلیم

میں نے نثار احمد فاروقی کو لکھا تھا کہ ''نقوش'' دیوانِ غالب حصہ دوم آپ کو بھیج دیں۔ میرے پاس اس کے دو پرچے ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں انھوں نے بھیجا کہ نہیں۔ آپ اسے کالج میں ۶۰ روپے اور محصول ڈاک میں دے دیجیے۔ سیفیہ میں قوی صاحب نے اسے ستّر روپے میں خریدا ہے۔ میں حاصل شدہ رقم سے ''نسخۂ حمیدہ''، ''شیرانی'' اور ''گُلِ رعنا'' خریدوں گا۔

معلوم ہوا کہ جامعہ کی دکان پر ''نسخۂ حمیدیہ'' کی کئی جلدیں رکھی ہیں آپ ان سے لے لیجیے اور نثار کو منع لکھ دیجیے کیوں کہ اس کے پاس تیار کاپی نہیں کچھ عرصے کے بعد آئے گی۔

مالک رام چاہتے ہیں کہ ''تحریر'' کے کچھ گاہک بنوادیں۔ آپ کے کالج میں نہ آتا ہوتو ایک کاپی منگوا لیجیے۔ چندہ ۱۲روپے ہےاور پتا یہ ہے:

۱۴۲۹، چھتّہ نواب صاحب

فراش خانہ، دہلی

وہ ''تحریر'' کے سلسلے میں ہر سال ایک کتاب دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ویسے یہ یقینی ہے کہ اسی سال میں ''تحریر'' بند ہو جائے گا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۷)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

شعبۂ اُردو جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں

۱۷/مارچ ۱۹۷۰ء

محبّی تسلیم

کل توفیق کا پریشانی سے بھرا خط آیا، کہتا ہے کہ اکبر نے مجھے دوسرا نوٹس بھی دیا ہے۔ نثار کو دکھایا تو نثار خوش ہوا۔ مخطوطہ اکبر نے دبا لیا۔ عرشی صاحب سے بھی کہا تو وہ بولے کہ ہمیں نہیں دیا۔ اکبر نے نسخے کی ۱۰۲۵ جلدیں چھاپی ہیں اور سوظاہر کرتا ہے، میں چکّی کے دو پاٹوں میں پس گیا ہوں۔

معلوم نہیں نثار نے آپ کو ''نقوش'' غالبؔ نمبر بھیجا کہ نہیں۔ سیفیہ میں قوی دسنوی نے ستّر روپے میں خریدا ہے۔ میں ''حمیدیہ'' میں ۶۰ روپے میں دینا چاہتا ہوں۔ محصول ڈاک آپ کالج پر ڈالیے۔ ہمیں بھی جامعہ نے یہ نسخہ رعایت سے ۶۰ روپے میں دیا تھا۔

میں پرسوں دلّی پہنچوں گا اور تین چار دن رہوں گا۔ نجی کام سے جا رہا ہوں۔ مالک رام چاہتے ہیں کہ رسالہ ''تحریر'' کی خریداری بڑھائی جائے۔ میں شاید آپ کو پہلے بھی لکھ چکا ہوں، پھر لکھتا ہوں کہ کالج میں منگوا لیجیے۔ پتا یہ ہے:

علمی مجلس، 1429، چھتہ نواب صاحب، فراش خانہ، دہلی
میرے بڑے لڑکے کو appendicitis ہو گیا ہے۔ درد تقریباً نہیں۔ دوائیں دی جا رہی ہیں۔ اپریل کے آخر میں یہیں آپریشن کراؤں گا۔

اُمید کہ آپ کے اہلِ خانہ مع الخیر ہوں گے۔ نثری داستانیں صبح دم میرے پاس آئی ہے۔ آپ کو کہیں سے مل سکے تو منگوایئے۔

مخلص گیان چند

(۱۸)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جمّوں

۲۴/مارچ ۱۹۷۰ء

محبّی تسلیم

میں ۱۹/مارچ کو موٹر بیچنے دلّی گیا تھا۔ وہاں 16200 میں بیچ دی جو اچھی قیمت ہے۔ جمّوں میں مَیں خواہ مخواہ اتنے دن پریشان رہا۔

پرسوں میں نثار کے کمرے پر گیا وہ نہ تھا یقینی چھٹیوں میں امروہے گیا ہوگا۔ حیرت ہے کہ اس نے ''نقوش'' اب تک آپ کو نہیں بھیجا۔ آج کل مجھ سے ناخوش ہے کیوں کہ میں نے اس سے ''نقوش'' کے پچاس ساٹھ پرچے اپنی لائبریری کے لیے نہیں لیے۔ وہ کوئی ۴۰ روپے شمارہ چاہتا تھا میں پندرہ روپے شمارہ سے زیادہ کے لیے تیار نہ تھا۔ کوئی لوٹ تھوڑے ہی ہے۔

ہاں تو طفیل نے ایک پرچہ کسی کے ہاتھ میرے لیے بھیجا۔ ایک میری شاگردہ پاکستان سے لے آئی۔ طفیل کا بھیجا ہوا پرچہ نثار کے پاس ہی جمع ہے اور نثار نے لکھا تھا کہ اس پر ساڑھے چودہ روپے خرچہ آیا ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ وہ پرچہ آپ کو بھیج دے اور جو صرفہ آئے میں اسے ساڑھے چودہ روپے میں ملا کر اسے منی آرڈر کر دوں گا۔

آپ پرچہ اپنے لیے لیں تو آپ کو صرف ساڑھے چودہ روپے میں نذر ہے۔ اگر کالج لائبریری میں دیں تو ٦۰ روپے میں دے دیجیے۔ لیکن پہلے یہ پرچہ نثار سے نکلے تو۔ اب تو وہ خطوں کا جواب ہی نہیں دیتا۔ پرسوں شام میں دو گھنٹے تک قاضی عبدالودود سے ملا۔ وہ کہتے تھے کہ توفیق ان سے ملا تھا اور چاہتا تھا کہ ایک لاکھ روپے قیمت میں خدا بخش لائبریری کو مخطوطہ

دلوادیں۔ قاضی سے میں نے کہا کہ خدا بخش لائبریری کی سالانہ گرانٹ ۹ ہزار روپے ہے۔ ۱۱ سال میں پوری رقم بہم پہنچائی جاسکتی ہے۔ میں نے نظیر کا ''کلیاتِ غالبؔ'' نہیں دیکھا۔

مخلص گیان چند

(۱۹)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

A 654، گاندھی نگر، جموں

۲۷/ مارچ ۱۹۷۰ء

مکرّمی ابو محمد صاحب! آداب عرض۔

آپ کے کم از کم دو یا بہ قول آپ کے تین خطوط ملے۔ میں پچھلے خط کا جواب دینے کی سوچ رہا تھا کہ آپ کا دوسرا کرم نامہ بھی مل گیا۔

آپ نے اپنے مضامین میں میرا ذکر نہیں کیا لیکن اگر کرتے اور میری کسی تحریر سے اختلافِ رائے کرتے تو میں ہرگز بُرا نہ مانتا۔ اس میں بُرا ماننے کی بات ہی کیا ہے۔ تحقیق میں یہ ضروری نہیں کہ آپ کا فیصلہ میرے فیصلے کے بالکل مطابق ہو۔ میں کوئی حرفِ آخر تو لکھتا نہیں۔ آپ نہیں تو کوئی اور، آج نہیں تو کل پرسوں، میرے اغلاط کی نشان دہی کرے گا ہی۔

آپ نے ''دیوانِ غالبؔ'' کے دو مخطوطوں پر مضامین کی یلغار کی ہوئی ہے۔ آپ کے شد و مد تحریروں سے فائدہ ہوا کہ ان نسخوں کے بارے میں قیاس کی مدد سے جو فیصلے کیے گئے تھے وہ سب مشکوک ہو گئے۔ کچھ آپ کے مضمونوں سے، کچھ انصار اللہ نظر کے مضمون سے عرشی صاحب کے مفروضات بالکل منہدم ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم حامد اور حامد حسین تو کوئی معتبر محقق ہیں نہیں۔ آپ نے درِ پردہ عرشی صاحب کی تنبیہ کی ہے۔ ''نسخۂ بھوپال'' کی اصلاحوں اور اضافوں کے بارے میں مَیں نے بھی قیاس سے مدد لی تھی لیکن میرا قیاس عبداللطیف کے مضمون سے ماخوذ تھا۔ عبداللطیف نے بہ قول خود ماہرینِ تحریر کی مدد سے فیصلے کیے تھے۔ قصیدہ اب ماہرینِ تحریر اور ماہرینِ تحریرِ غالبؔ (عرشی اور اکبر علی خاں) دونوں پر سے اعتماد متزلزل ہو گیا ہے۔ ''خود نوشت مخطوطے'' کے حاشیے والی غزلوں کے بارے میں کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ غالبؔ کے ہاتھ کی تحریر ہیں یا کسی دوسرے کی۔ مشابہتیں بھی ہیں اور اختلاف بھی۔

بہر حال آپ کی تحریروں سے احتیاط کی رسم اور تقویت حاصل کرے گی۔ اچھا ہوا کہ نثار

نے آپ کو ''نقوش'' بھیج دیا۔ آپ اسے صرف چودہ روپے کا منی آرڈر کر دیجیے۔ معلوم نہیں پہلے بھیجا تھا کہ نہیں۔

ترویتی سے دوبارہ اشتہار کا مجھے علم نہیں۔ وہاں کے ایک پی ایچ.ڈی کے امیدوار کی ممتحنی میرے پاس آئی ہے۔ ''اودھ پنچ'' پر مقالہ ہے۔ میں نے منظوری بھیج دی ہے۔ مقالہ آ جائے گا۔ دوسرے ممتحن سروری اور احتشام حسین ہیں۔ میں زبانی امتحان کے لیے نہیں جاؤں گا۔ سفر کو جی نہیں چاہتا۔ ۳۰ راگست کو دلّی میں انجمن ترقیِ اُردو کی مجلسِ عام کا جلسہ ہے۔ میں نہیں جاؤں گا۔ ۳ رستمبر کو سری نگر میں کشمیر کی سنڈیکیٹ کا اجلاس ہے وہاں بھی نہیں جاؤں گا حالاں کہ دونوں سفروں میں سروری صاحب کا ساتھ ہوسکتا تھا۔ آج سروری آئیں گے میرے پاس ٹھہریں گے اور کل دلّی جائیں گے۔ پہلی کو واپس آ کر دوسری کو سری نگر جائیں گے۔ کل یہاں محمد حسن ایم.اے فائنل کے dissertation کے زبانی امتحان کے لیے آئیں گے۔ کل یہاں پرسادی لال بھی آئیں گے۔ سر منڈاتے ہی اولے پڑیں گے۔ دو تین دن سے قانون کے طلبہ نے ہنگامہ اور ہڑتال کر رکھی ہے۔ آج رجسٹرار آفس کے آگے اس طرح کا دھرنا ہے کہ کسی کو رجسٹرار آفس میں نہیں گھسنے دیا جائے گا نہ عملے کو نہ رجسٹرار کو نہ وائس چانسلر کو۔ پرسادی لال آتے ہی مشغول ہو جائیں گے۔ یونی ورسٹی پروفیسر شپ کا مزا آ جائے گا۔ پچھلے سال قانون کی جماعت میں ۱۲۴ طلبہ کا داخلہ ہوا تھا۔ اس سال ۱۷۰ کا۔ ہمارے پاس ٦ نفر آئے ہیں شاید ایک اور آ جائے۔

جعفر رضا ذہین آدمی ہے۔ اس کا تقرر اچھا رہا لیکن محمود الحسن رضوی کے نہ ہونے کا مجھے افسوس ہے۔ وہ بے چارہ خواہ مخواہ مارا گیا اور بنارس سے نکالا گیا۔ نااہل نہیں، میں یہ سمجھتا تھا کہ لکچرر کی دو جگہیں ہیں، ایک پر حنیف کو کر دیا جائے گا، دوسری پر محمود الحسن کو۔ فردوس فاطمہ کا نکل جانا اس سال کی بہترین خبر ہے۔ نسیم بانو کے بارے میں مجھے علم نہیں لیکن اندازہ ہے کہ اعجاز صاحب کی بقیہ اولاد کی طرح نااہل ہوگی۔ بہرحال ہو جائے تو اچھا ہے سو فی صدی اساتذہ شیعہ ہو جائیں گے۔ فردوس فاطمہ سبزۂ بیگانہ تھی وہ بھی گئی۔

انصار اللہ نظر نے ''ہماری زبان'' والے مضمون میں غالبؔ کے بعض مصرعے صحیح نہیں پڑھے۔ حسن کو حسنے اور طینتی کو طینتے پڑھ لیا۔

کیا بھوپال یونی ورسٹی کی کمیٹیاں بننے لگیں۔ کل پرسادی لال سے معلوم ہوگا۔ معلوم ہوا

کہ وکرم یونی ورسٹی ایم اے اُردو میں ۴۰ میں سے ۲۰ طلبہ کی فرسٹ کلاس آئی ہے۔ آپ کی تدریس و تعلیم کا کمال ہے۔ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

مخلص گیان چند

(۲۰)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
654 A، گاندھی نگر، جمّوں
۲۳/اکتوبر ۱۹۷۰ء

مکرّمی، آداب عرض۔

اس ماہ کے شروع میں اخلاق کا مقالہ میرے پاس آیا تھا۔ آج اس کی رپورٹ رجسٹرار کے نام رجسٹری کرادی۔ مقالہ نہایت اچھا ہے۔ ریڈیو کا ملازم ہی اسے لکھ سکتا تھا۔ لکھیے دوسرا ممتحن کون ہے۔ اس مقالے کے لیے ڈاکٹر محمد حسن سے بہتر ممتحن نہیں ہوسکتا۔ میں نے رجسٹرار کو لکھا ہے کہ زبانی امتحان بہ جاے اُجین کے بھوپال میں کیا جائے۔ مجھے بھوپال آنے میں سہولت ہے۔ معلوم ہوتا ہے آج کل اخلاق بیکانیر میں تعینات ہے۔

میں ۴/اکتوبر کو ایک شادی کے سلسلے میں لکھنؤ گیا۔ اہل و عیال ۱/اکتوبر کو جا چکے تھے۔ ۱۳/اکتوبر کو سب واپس ہوئے۔ لکھنؤ میں مسعود حسن رضوی صاحب کے پاس سے پانچ ہزار کی کتابیں اور مخطوطے خریدے۔ دانش محل سے بھی کافی قدیم کتب لیں۔ اس سال ہمارے پاس اُردو کتب کے لیے ساڑھے گیارہ ہزار روپیا ہے۔ امید ہے دسمبر کے آخر تک میں وارے نیارے کردوں گا۔ ایک بار پھر محوی صاحب سے پوچھیے کہ وہ اپنے مخطوطات اور دوسری قدیم کتابیں دینا چاہیں تو دے دیں۔ اس وقت موقع ہے۔ ہم مخطوطات کی اچھی قیمت دے دیں گے۔ اگر انھوں نے تامّل کیا تو ہمارے پاس روپیا ختم ہو جائے گا۔

معلوم ہوا کہ بھوپال یونی ورسٹی میں ڈاکٹر اشفاق علی سوشل سائنس کے چیئرمین ہو گئے۔ آرٹس یعنی languages کا ڈین کون ہوا۔ رجسٹرار کا تقرر کیوں نہیں ہوتا۔ یہ تو سب سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔

۲۱/ستمبر کو اُجین میں وکرم کے بورڈ آف اسٹڈیز کا جلسہ تھا۔ برج کشور کا خط آیا کہ ”آپ ضرور آیئے اور میں آپ کو اگلے بورڈ میں بھی لینا چاہتا ہوں“۔ مجھے اور آپ کو میں نے جلسے میں

شریک ہونے سے بھی معذرت کی اور آیندہ بننے والے نئے بورڈ کی رکنیت سے بھی۔ اُجین جانے میں مجھے اب کوئی دل چسپی نہیں۔

لکھنؤ میں ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی بھی ملے۔ معلوم نہ ہوسکا کہ غالبؔ کے مقدمے کا کیا حال ہے۔ اس سال میں مجھے تفصیلات معلوم ہی نہ ہوسکیں۔ اِدھر اکبرعلی خاں اور انصاراللہ نظر دونوں نے مجھے مخطوطے کے اصلی وجعلی ہونے کے بارے میں لکھا۔ اکبرعلی خاں نے لکھا کہ ''میں 'ہماری زبان' میں کچھ سوالات کروں گا اور اس کے بعد آپ کو 'حکم' بنانا چاہتا ہوں قبول کر لیجیے''۔ میں نے معذرت کر لی کہ ان معاملات میں حکم کا سوال ہی نہیں۔ اُردو دُنیا کا ہر شخص اپنی اپنی راے قائم کرسکتا ہے اور اگر حکم بنانا ہی ہے تو قاضی عبدالودود کو بنایئے۔

سروری صاحب یہاں آئے تھے۔ دلّی گئے ہیں۔ ۱۸/اکتوبر کو مرکزی غالبؔ کمیٹی کی ایگزیکٹو میں شرکت کریں گے اور ۲۳/اکتوبر کو دلّی میں اُردو ریڈر کی سلیکشن کمیٹی میں بیٹھیں گے۔

معلوم نہ ہوسکا کہ تروپتی میں کیا ہو۔ اگست کے آخر میں خواجہ احمد فاروقی وہاں کی سلیکشن کمیٹی کے لیے گئے تھے۔ کیا کر کے آئے معلوم نہ ہوسکا۔ میرے پاس تروپتی کا ایک پی ایچ. ڈی کا مقالہ آیا ہے۔ کرنول کالج کے عبدالرزاق (استاد کالج) نے لکھا ہے ''اودھ پنچ'' پر ہے۔ ۱۱سو صفحات کا ہے۔ مقالہ اچھا ہے لیکن اس میں اقتباسات یا نمونوں کی ضخامت کم از کم پانچ چھے سو صفحات کی ہوگی۔ میں نے رپورٹ میں لکھا ہے کہ دو جلد میں کر دی جائیں۔ پہلی مقالہ ہو، دوسری انتخابِ ''اودھ پنچ''۔ دوسرے ممتحن احتشام اور سروری ہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

ہمارے مغرور پرشادی لال کا کیا حال ہے۔ اگر انھیں یہاں آنا ہے تو جلد آنا چاہیے۔

مخلص

گیان چند

(۲۱)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

A 654، گاندھی نگر، جمّوں

۱۵/نومبر ۱۹۷۰ء

محبّی تسلیم

آپ کے ۲۷/اکتوبر، ۲۸/اکتوبر اور ۹/نومبر کے تین خطوط کا جواب لکھ رہا ہوں۔ لکھنؤ میں میرے ہم زلف کی لڑکی کی شادی تھی۔ میں اور میرے بچے اکتوبر کے نصفِ اوّل میں وہاں گئے تھے۔ ۱۳/اکتوبر کو واپس آ گئے۔ مجلّہ ''سیفیہ'' مل گیا تھا۔

بھوپال یونی ورسٹی کی کمیٹیوں میں جو غیر معمولی شکلیں ہوئی ہیں وہ پریشان کُن ہیں۔ اب اُردو کو عربی فارسی سے علاحدہ کرانے کی کوشش کیجیے۔

''ہماری زبان'' میں آپ کے مضمون کو دیکھنے کا منتظر ہوں۔ میں نے بھی ایک مضمون لکھ کر ''ہماری زبان'' کو بھیجا ہے۔ میں نے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا۔ انصار اللہ کی بہت سی باتوں کی تردید کی ہے لیکن اس کے مضمون کے بعد میں شک میں ضرور پڑ گیا ہوں۔ نسخہ جعلی تو نہیں لیکن ممکن ہے کہ غالبؔ کے ہاتھ کا نہ ہو۔ ویسے میں نے پرتھوی چندر کے ''مرقّعِ غالبؔ میں مشمولہ غالبؔ'' کے خطوط کی لکھاوٹ کا اس مخطوطے سے مقابلہ کیا تو بڑی مشابہت دکھائی دی۔ غالبًا مخطوطہ غالبؔ کے ہاتھ ہی کا ہے لیکن غالبؔ شعروں کو نقل کرنے میں بہت غیر محتاط تھے۔ بہرحال میرے مضمون کی اشاعت کے بعد آپ کو میرا نقطۂ نظر معلوم ہو جائے گا۔

ہمارے پاس مالک رام کا ''گُلِ رعنا'' ہے، پاکستان کا نہیں۔ نثار کے پاس ہے۔

میر امانی اسد کے دیوان کا کوئی پتا نہیں۔ اس کی وہ غزل بھی ''تذکرۂ ہمیشہ بہار'' سے پہلے نہیں ملتی۔

جمّوں سے میرے منتقل ہونے کی بات ابھی تاریکی میں ہے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ کب تک رہوں گا اور کب اور کہاں منتقل ہوں گا۔ لکھنؤ میں اکتوبر میں نور الحسن ہاشمی سے میں نے کہا کہ کوئی موقع ملے تو جمّوں سے منتقل ہونا چاہوں گا کیوں کہ وہاں ہمیں شہریت کے حقوق نہیں۔ ہم وہاں مکان نہیں بنا سکتے۔ ہمارے بچوں کو سرکاری ملازمت نہیں مل سکتی۔ ہاشمی بولے کہ دو سال میں مَیں بھی رٹائر ہو رہا ہوں اور آپ کو یہاں موقع مل سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ عرصے تک اپنے عہدے پر فائز رہیں۔

دو تین سال میں الٰہ آباد، لکھنؤ، پٹنہ سب جگہوں کی پروفیسر خالی ہوگی۔ بھوپال میں نئی جگہ قائم ہو سکتی ہے۔ پٹنہ جانے میں مجھے دل چسپی نہیں۔ بھوپال کے بارے میں یہ خلش ہے کہ وہاں آنے سے میں آپ کا حق مارتا ہوں۔ میں سارے مقامات میں لکھنؤ کو ترجیح دوں گا کیوں کہ وہاں میرے عزیز اور دوست ہیں گھر کے پاس ہیں۔ وہاں فی الحال اُردو میں کوئی

ریڈر بھی نہیں اور اُردو کا شعبہ فارسی سے علاحدہ ہونا ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ کس جگہ کیا سیاست ابھرے اور میرے لیے درخواست دینا مناسب ہو کہ نہ ہو۔ یہاں بھی آرام سے ہوں گو مسافرانہ رہ رہا ہوں۔ جب کوئی جگہ خالی ہوگی تب غور کروں گا کہ کیا کروں۔

پرشادی لال نہایت بزدل نکلے۔ مجھے اور یونی ورسٹی کو let down کیا۔ قانون کے شعبے کے سوا ہر شعبے میں مناسب سکون ہے اور میرا خیال ہے کہ اب قانون میں بھی اس درمیان سے میں روزانہ خاموشی سے کلاس ہوتا دیکھتا ہوں۔ پرشادی لال نے ہماری یونی ورسٹی کو لکھ دیا کہ ''چوں کہ جمّوں کی آب و ہوا مجھے موافق نہیں آئی اس لیے آپ مدھیہ پردیش گورنمنٹ کو لکھ دیجیے کہ میرا deputation جلد از جلد ختم کر دیا جائے اور درمیانی وقفے کے لیے ۲۰ر نومبر تک مجھے چھٹی پر سمجھا جائے۔ ۲۰ر نومبر تک کی چھٹی کی بات ایک مہینے کا نوٹس دینے کے مترادف ہے۔ گورنمنٹ پرشادی لال کو نہیں بلا رہی بل کہ پرشادی لال نے استعفا دیا ہے۔ یقینی ہے کہ اس قسم کا آدمی کسی کالج کے پرنسپل کا کام نہیں چلا سکتا۔ چلیے خس کم جہاں پاک۔

آپ شفیق الحسن سے مل کر یہ تو پوچھیے کہ اس نے اپنی ڈائری میں یہ کیوں کر لکھا کہ ''دیوانِ غالبؔ'' ۱۸۲۵ء کا لکھا ہوا تھا اور بہ خطِ غالبؔ تھا۔ ۱۸۲۵ء کی تاریخ کا الہام اسے کیوں کر ہوا۔ میرا خیال ہے کہ نسخہ فروخت کرتے وقت اسے یہ معلوم نہ ہوگا۔ بعد میں غالباً اسی شام کتاب گھر والے اسماعیل اور گوہر جلالی نے کہا ہوگا کہ یہ نسخہ غالبؔ کے ہاتھ کا ۱۸۲۵ء کا مکتوبہ تھا۔ ان لوگوں نے ''نسخۂ حمیدیہ'' کے مخطوطے کے پیشِ نظر ۱۸۲۵ء کا سال کہہ دیا ہوگا۔ بہر حال اس سے تحقیق کیجیے کہ یہ سال کیوں کر لکھا۔ نیز یہ بھی پوچھیے کہ کیا اس نے توفیق سے کہا تھا ''میاں کیا یاد رکھو گے غالب کے ہاتھ کا دیوان دے رہا ہوں''۔ میرا خیال ہے کہ نہ کہا ہوگا۔ اس مقدمے میں کیا ہو رہا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ شفیق اور توفیق دونوں نے کیا stand لیا تھا۔ کیا توفیق نے واقعی یہ کہا تھا کہ میں نے ''نسخۂ بھوپال'' کے کسی جاگیر دار خاندان سے خریدا ہے۔

آج کل نسخہ کہاں ہے۔ مجھے توفیق لکھا کرتا تھا کہ مجھ سے اکبر علی خاں نے لیا تھا۔ لیکن وہ واپس نہیں دیتے اور انکار کرتے ہیں۔ کیا یہ مخطوطہ بھی غائب ہو گیا۔

محوی صاحب کی کتابوں کو فی الوقت چھوڑیے۔ پورے ذخیرے میں بیش تر بے کار کی کتابیں ہوں گی۔ امید ہے آپ اور آپ کے اہلِ خانہ بہ خیر ہوں گے۔ ہاں یہ لکھ دوں کہ

انصاراللہ نے یکم اگست کا مضمون چھاپ کر مجھ سے میری رائے یا ردِّعمل مانگا تھا۔ میں نے قلم برداشتہ لکھ دیا تھا۔ اس نے اپنے مفید مطلب حصّے چھاپ دیے اپنی تردید کی باتیں پی گیا۔ نورالحسن ہاشمی سے بھی اسی طرح اصرار کر کے رائے وصول کی ہوگی۔ تعریفی خطوط لکھوا کر منگائے معلوم ہوتے ہیں۔

گیان چند

(۲۲)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی
جمّوں

۵؍جنوری ۱۹۷۱ء

بندہ نواز، تسلیم

آپ کا ۱۴؍دسمبر کا کرم نامہ میرے سامنے ہے۔ کل رفیعہ سلطان کا خط آیا کہ انھوں نے اخلاق کے مقالے کی موافق رپورٹ بھیج دی ہے (۲۹؍دسمبر کو) نیز رجسٹرار کو لکھ رہی ہیں کہ زبانی امتحان بھوپال میں ۸؍جنوری اور ۱۵؍جنوری کے بیچ رکھ لیا جائے۔

رفیعہ نے مقالے کی بڑی تعریف کی ہے۔ میرا خط پہنچنے کے بعد رپورٹ بھیجنے کا ارادہ کیا چناں چہ ۲۹؍دسمبر کے خط میں لکھتی ہیں کہ آج رپورٹ بھیج رہی ہوں۔ میں اتنی جلدی تو نہیں آسکتا اور آگے کی تاریخ رکھاؤں گا پہلے یونی ورسٹی سے کوئی چھٹی تو آئے۔ میرے پاس وینکٹیشور یونی ورسٹی تروپتی سے عبدالرّزاق کرنول والے کا مقالہ ''اودھ پنچ اور اس کی خدمات'' آیا تھا۔ اس کا بھی Viva کرنا ہے۔ میں نے تو بچنے کے لیے لکھ دیا تھا کہ زبانی امتحان کی ضرورت نہیں لیکن احتشام صاحب کو لکھا تھا کہ اگر امتحان کرنا ہو تو الہ آباد، دلّی یا جمّوں میں کیا جاسکتا ہے۔ تین محقّق سروری صاحب، احتشام صاحب اور مَیں ہیں۔ سروری آج کل حیدرآباد میں ہیں۔ وہ غالباً فروری کے آخر میں امتحان چاہیں گے تاکہ اسی سفر میں حیدرآباد سے دلّی، سری نگر آسکیں۔ ان کی یونی ورسٹی پہلی مارچ کو کُھلے گی۔ ہاں میں یہ لکھنا بھول گیا کہ کل وینکٹیشور یونی ورسٹی سے چٹھی آئی ہے کہ تینوں شخص مل کر تاریخ طے کرلیں اور دلّی میں امتحان کرلیں۔ میں چاہوں گا کہ دلّی اور بھوپال دونوں کے Viva ایک ہی سفر میں کردیے جائیں۔

اسی طرح میں ۲۲رفروری کو بھوپال کا امتحان اور ۲۳رفروری کو دلّی کا امتحان کرنے کی تجویز کروں گا۔ ۲۳رفروری منگل کو شِوراتری کی چھٹی ہے۔ سروری صاحب کو یہ تاریخ Suit کرے گی۔ ۲۶رجنوری کو بھی منگل ہے۔ میں اس کے لگ بھگ بھی تیار ہوں لیکن یونی ورسٹی سے چٹھی تو آئے۔ اگر ایک ہی trip میں میرے دونوں کام ہو جائیں تو میرے لیے بڑی سہولت ہے، اس لیے۲۲رفروری کی تاریخ موزوں رہے گی۔ کیا اس سے پہلے وکرم یونی ورسٹی کا کنووکیشن تو ہونے والا نہیں۔ اگر ایسا ہو تو میں جلدی آسکتا ہوں۔ اب کی دفعہ میرے لیے کوئی جلسہ نہ رکھیے۔

اب مجھے معلوم ہوا کہ انصاراللہ کی نشان دادہ اغلاط ''نسخۂ عرشی زادہ'' اور ''نقوش'' دونوں کے حواشی میں موجود ہیں۔ ''سرمایۂ چند میں'' صحیح قرأت ہے۔ اسے سب سے پہلے جلال الدین نے ''نقوش'' اگست ۶۹ میں دیا۔ نثار نے ''نقوش'' میں متن اور اس کی نستعلیق قرأت سے ایک قسط میں ''نقوش'' کو بھیجی اور حواشی کی دوسری قسط بھی متعدد صورتوں میں متن کی نستعلیق قرأت مختلف ہے اور حواشی میں مختلف حواشی میں صحیح تر ہے۔ حواشی میں نثار نے بھی ''چندیں'' لکھا ہے۔ ''تماشا چمن'' میں چمن پر اضافت نہیں ہوسکتی ''تماشاے چمن'' ہی مراد ہے۔ ''رعنا نسے'' کو میں اکبر علی خاں کا مراسلہ پڑھنے کے بعد بھی ''رعنا سے'' مانتا تھا لیکن اب مجھے یقین ہے کہ یہ ''رعنا سے'' ہی ہے۔ دو نقطہ فاضل ہیں۔

یہ مخطوطہ اور ''گلِ رعنا'' دونوں بالیقین غالبؔ کے لکھے ہوئے ہیں۔ مجھے تین اصلاحیں ایسی دکھائی دیں جو میری راے میں مصنف ہی کر سکتا ہے۔ میں نے مزید مطالعہ کر کے جو نتائج نکالے ان میں نظرؔ کے بقیہ اعتراضات کا بھی جواب لکھ دیا۔ مضمون طویل ہو گیا۔ ۱۳فل اسکیپ صفحات کا۔ ''ہماری زبان'' کے ڈھب کا نہ رہا۔ مجبوراً کل ''شاعر'' کو بھیجا ہے اور درخواست کی ہے کہ فروری کے شمارے میں شائع کر دیں۔ ''نقوش'' میں حاشیے پر غزلوں والے صفحوں کو اصل کے مقابلے میں گھٹا کر چھوٹا کر کے چھاپا ہے۔ لعل خاں والی یادداشت علاحدہ سے فوٹو لے کر اپنے اصل مقام سے ایک انچ نیچے set کی ہے اور ''نقوش'' پر حاشیے کا شعر الٹا کر چھاپا ہے یعنی رُخ بدل کر۔ اسے بھی علاحدہ سے set کیا ہے۔ آج میرے پاس ''نسخۂ عرشی زادہ'' بھی آ گیا۔ دلّی سے ساڑھے بارہ فیصد کمیشن کے ساتھ ملا۔ دلّی ہی سے شعبے کے لیے منگایا۔ سری نگر میں ۱۰فیصد کمیشن کے ساتھ آیا ہے۔ ساتھ میں بغیر تاریخ کا بل ہے جس پر ''دیوانِ غالب'' نام

درج ہے۔

توفیق نے مجھے بھی لکھا ہے کہ اس سے شفیق نے یہ نہیں کہا تھا کہ ''میاں کیا یاد کرو گے...'' یہ نثار کی اختراع ہے۔ توفیق مخطوطے کے لیے کہتا ہے کہ اکبر علی خاں کے پاس ہے۔ غالباً یہ بات سچ نہیں۔ مخطوطے کے ساتھ والے ''قصۂ لیلیٰ مجنوں'' کے لیے مجھے لکھا کہ وہ ''نثار احمد پاگل'' کے پاس ہے۔ خط میں نثار کو بڑی گالیاں دیں، نمک حرام اور حرام زادہ کے الفاظ لکھے۔ میں نے اس خط کا جواب نہیں دیا۔

مخطوطے کے ساتھ ''قصۂ لیلیٰ مجنوں'' مجلّہ تھا۔ اس کے ترقیمے میں ۱۸۲۵ء تاریخ درج تھی۔ اس کو دیکھ کر شفیق نے ''دیوانِ غالبؔ'' کی تاریخ بھی ۱۸۲۵ء لکھ دی۔ میں نے ایک مضمون ''خود نوشت دیوانِ غالبؔ اور اس کی اصلاحی'' ان سے لکھ کر ''نقوش'' کو بھیجا تا کہ وہ ۱۵؍فروری ۷۱ء کے شمارے میں دے سکیں۔ ۲۴ فل اسکیپ کا ہو گیا ہے۔ اس کی ایک نقل ''نوائے ادب'' کو بھیجی اور ہدایت کر دی کہ ''نقوش'' کے فروری کے شمارے میں چھپ رہا ہے۔ ''نوائے ادب'' میں اپریل ۷۰ء کے پرچے میں آئے گا۔ یہ پرچہ اپریل کے آخر یا مئی ۷۱ء میں پریس میں دیا جائے گا اور تین مہینے میں چھپ کر آئے گا۔ ابھی اکتوبر ۶۹ء کا پرچہ آنے والا ہے۔

ان کی بات سُن کر افسوس ہوا۔ روپیا نہیں مانگنا چاہیے۔ آپ بھی نہ دیجیے۔ حیرت ہے کہ انھوں نے کرایہ عدالت میں نہیں جمع کرایا۔

وکرم یونی ورسٹی سے Viva کی خبر آئے گی تو کچھ لکھوں گا۔

مخلص

گیان چند

(۲۳)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں

۱۰؍فروری ۱۹۷۱ء

محبّی تسلیم

۲۹؍جنوری کا کرم نامہ ملا۔ رفیعہ سے بات کر کے میں نے اخلاق کے لیے ۲۱؍فروری یا ۱۸؍فروری کی تاریخ تجویز کی تھی۔ اب وہ محترمہ ان تاریخوں کے لیے تیار نہیں۔ مارچ کہتی ہیں۔ لکھتی ہیں ۱۶-۱۷؍فروری کو ان کے بھائی کی شادی سروری صاحب کی لڑکی سے ہے۔ ۲۳؍فروری سے ان کی بچی کے امتحان ہیں۔ مارچ کا پہلا ہفتہ لکھتی ہیں۔ میں انھیں اور یونی ورسٹی کو کئی لمبے لمبے تار دے چکا ہوں۔ اب پھر ۲۱؍فروری کے لیے درخواست کی ہے ورنہ ۴؍مارچ یا ۲۷؍مارچ۔ غالباً ۴؍مارچ طے ہوگی۔ وکرم سے بھوپال میں امتحان کرنے کے بارے میں کوئی جواب نہیں آیا۔

توفیق نے وہ پوسٹر مجھے رجسٹری سے بھیجا تھا۔ ''نسخۂ توفیقیہ بھوپال'' جیسا نام جو تجوز کرے اسے فوراً کانجی ہاؤس میں بھیج دینا چاہیے۔

میں ۴؍فروری کی رات کو آپ کی تقریر نہ سن سکا، یاد ہی نہیں رہا۔ دوبارہ میں خود اپنی تقریر سننا بھول گیا ہوں۔ یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن عین وقت پر یاد نہیں رہتا۔ ایک تقریر اسی تعلیمی سال میں نہیں سن سکا۔ سارے گھر والوں سے کہہ رکھا تھا کہ تقریر ختم ہونے کے کچھ دیر بعد میری بیوی کو یاد آئی، وقت گزر چکا تھا۔

میں نے نادر آغا سے ایک دیوانِ ناسخ کا مخطوط تین سو روپے میں خریدا ہے۔ یہ ''دیوانِ دوم'' ہے۔ غیر مردّف نسخہ ہے۔ جگہ جگہ ایک مطلع غزل کے شروع میں ہے۔ دو چار مطلعے بیچ بیچ میں ہیں۔ مطبوعہ میں سب اوپر ایک ساتھ ہیں۔ بعض غزلوں کے شروع میں مطلع نہیں بیچ میں درج ہے۔ مطبوعہ میں شروع میں ہے۔ اس دیوان کی جملہ غزلیں اور رُباعیاں مطبوعہ میں ہیں لیکن مطبوعہ کی متعدد غزلیں اس میں غیر حاضر ہیں۔ اس کے متعدد قطعاتِ تاریخ مطبوعہ میں نہیں اور مطبوعہ کے متعدد قطعات اس میں نہیں۔ کوئی پندرہ جگہ اصلاحیں ہیں جن میں سے بیشتر کاتب کے قلم سے ہیں اور کئی مصنف کے قلم سے معلوم ہوتی ہیں۔ نسخہ ۱۲۴۸ھ کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہے۔ شاید یہ اس اصل بیاض کی نقل ہے جس سے ''دیوانِ دوم'' ترتیب دیا گیا۔ اس کا مزید مطالعہ کر کے ایک مضمون لکھوں گا۔ جب بھوپال آؤں گا اسے ساتھ لے آؤں گا۔ اب ہمارے پاس تقریباً پچاس مخطوطات ہو گئے ہیں۔ آفاق کا خط میرے پاس آیا تھا۔ کوئی جواب طلب بات نہ تھی۔ انھیں خط کی رسید پہنچا دی ہے۔

مخلص گیان چند

(۲۴)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

654 A، گاندھی نگر، جمّوں

۲۳؍فروری ۱۹۷۱ء

محبّی تسلیم

رفیعہ نے بڑا پریشان کیا۔ میری چٹّھی اور تار کا جواب ہی نہیں دیا۔ کل میں دلّی سے آیا ہوں۔ اسی trip میں بھوپال کا کام بھی ہوجاتا تو کتنی سہولت رہتی۔ حیدرآباد سے سروری صاحب آئے تھے۔ رفیعہ نے ۵؍مارچ کہلایا ہے اور میں نے مان لیا ہے۔ سروری واپس حیدرآباد گئے ہیں کیوں کہ ان کی یونی ورسٹی ۱۵؍مارچ کو کھلے گی۔ احتشام صاحب بھی حیدرآباد گئے ہیں۔

اب میرے لیے رِزرویشن کرائیے۔ میری زوجہ نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اسے بھی بھوپال لے چلوں اور میں نے مان لیا۔ اس لیے دو دن بھوپال رکوں گا۔ بچّے یہیں جمّوں رہیں گے۔ میں اور میری اہلیہ ۵؍مارچ کی صبح سوا پانچ بجے گرانڈ ٹرنک ایکسپریس کے تھرڈ سلیپر سے پہنچیں گے۔ ۶؍مارچ کی شام کو express 21 سے چلیں گے جو غالباً دکن ایکسپریس ہے۔ یہ شام کو 18:50 پر چلتی ہے اس میں دو ٹکٹ 3 tier کے لیے ہیں۔ اگر اتفاقیہ دوسری گاڑی یعنی رات کو گیارہ بجے چلنے والی گرانڈ ٹرنک میں ٹکٹ ملنے میں سہولت ہو یعنی اس میں بھوپال کا quota ہوتا ہو تو اس میں ٹکٹ لے سکتے ہیں۔ دلّی سے ہم لوگ ۸؍مارچ کو شام کو چلیں گے۔ وہاں میری بھتیجی رہتی ہے اور میرے بھائی اور بھابھی ان دِنوں وہیں آئے ہوئے ہوں گے۔

واپسی کی دو گاڑیوں میں دکن ایکسپریس اور گرانڈ ٹرنک میں آپ کی choice ہے، جس میں ٹکٹ ملنے کا زیادہ یقین ہو اسی کا ٹکٹ لے لیں اور menage کرادیں۔ ٹکٹ لے کر مجھے لکھ دیجیے۔

ہاں صاحب، ٹکٹ خریدنے کا کام آفاق کے ذمے کیجیے۔ اس کے پاس اسکوٹر ہے۔ میری طرف سے کہہ دیجیے۔

میرے لیے اُردو کا کوئی جلسہ نہ کیجیے۔ اس بار مالویہ نگر ہی میں گزاروں گا۔ ایک بار ڈاکٹر گپتا میڈیکل کالج والے کے پاس جاؤں گا اور ایک بار شفیق احمد کی صورت دیکھنی ہے۔

توفیق اور نثار کا کہنا ہے کہ مخطوطہ ابھی اکبر علی خاں ہی کے پاس ہے اور وہ انکار کرتا ہے۔

میں یہاں سے ۴؍مارچ کو چلوں گا۔ ممکن ہو تو اس تاریخ تک جواب پہنچا دیجیے۔ دلّی سے پٹھان کوٹ کے رزرویشن کے لیے کسی اور کو لکھا ہے۔

اپنے ساتھ ''دیوانِ ناسخ'' کا غیر مردّف نسخہ آپ کو دکھانے کے لیے لاؤں گا۔ ''اُردو مثنوی شمالی ہند میں'' کی ایک جلد بھی آپ کو پیش کرنے کے لیے لاؤں گا۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

(۲۵)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

A 654، گاندھی نگر، جمّوں

۲۶؍فروری ۱۹۷۱ء

صاحب اس آپ کی رفیعہ نے تو جان لے لی۔ ۲۰؍فروری کو دلّی میں سروری صاحب نے پیغام دیا کہ رفیعہ نے ۵؍مارچ کہلائی ہے۔ میں نے مان لیا۔ کل وکرم سے خبر آئی کہ ۴؍مارچ کو امتحان رکھ دیا۔

میرے یہاں بورڈ آف اسٹڈیز کا جلسہ ہونا ہے۔ مجھ سے پوچھ کر ۲؍مارچ رکھی۔ باہر سے بھی ممبر آتے ہیں۔ ۴؍مارچ کو بھوپال پہنچنے کی خاطر ۲؍مارچ کو جمّوں سے چلنا چاہیے۔ یہ ممکن نہیں، میں نے دلّی بھی ۴؍کی شام کو بھوپال کا ٹکٹ لینے کو لکھ دیا ہے۔ میں تو ۵؍مارچ کی صبح سوا پانچ بجے آؤں گا۔ رفیعہ کو ایک دن مزید روک لیجیے۔ اگر وہ بالفرضِ محال راضی نہ ہوں تو انھیں کہہ دیجیے کہ ۵؍مارچ کی صبح سات بجے امیدوار کو لے کر مالویہ نگر منوچہ کے یہاں آجائیں۔ وہیں اس سے دو سوال کر کے کاغذوں پر دستخط کر دیں گے اور رفیعہ صبح سوا نو بجے جانے والی دکن ایکسپریس سے چلی جائیں۔ میں تو پونے چھے بجے تک مالویہ نگر پہنچ جاؤں گا اپنے قبیلہ سمیت شاید منوچہ کے یہاں قیام ہو۔

اگر رفیعہ ۵؍کی صبح جانے پر بہ ضد ہوں تو ۵؍کو صبح سات بجے کا وقت مناسب رہے گا۔ کاغذات میں دس بجے کا وقت دکھا دیں گے یا حمیدیہ کالج میں صبح پونے آٹھ بجے کر سکتے ہیں۔ کالج تو اس وقت کھُل جاتا ہے۔ رفیعہ سوا آٹھ بجے رُخصت ہو سکتی ہیں۔

گیان چند

(۲۶)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی

۳۰/مارچ ۱۹۷۱ء

محبّی تسلیم

۲۴/مارچ کا کرم نامہ کل ملا۔ بھوپال سے واپسی پر آپ کے دونوں خطوط ملے۔ سفر میں کوئی دقّت نہیں ہوئی۔ ہم لوگ بھوپال ہی میں اُوپر کی دونوں سیٹوں پر قابض ہو چکے تھے۔ صبح آگرے میں بھیڑ بالکل چھٹ گئی۔ جب ہم لوگ دلّی پہنچے تو اسٹیشن پر ''مرقعِ غالبؔ'' والے لالہ پرتھوی چندر اور سروریؔ صاحب ہمیں لینے کو موجود تھے۔ سروری صاحب کی موجودگی سے حیرت ہوئی۔ میں نے سامان کہیں اور یعنی صغیر احمد صوفی کے پاس رکھا اور دوپہر کا کھانا پرتھوی چندر کے یہاں سروریؔ صاحب کے ساتھ کھایا۔ شام کو سروری صاحب کو اسٹیشن تک پہنچایا، یہ آخری ملاقات تھی۔ ہم نے ایک ہی گاڑی سے سفر کیا لیکن الگ الگ ڈبوں میں۔ وہ ۹/مارچ کو سری نگر پہنچے۔ ۱۱/مارچ کو دل کا دورہ پڑا اور رات کو وفات کر گئے۔ مجھے بہت قلق ہوا۔ ان کی بیوی اور بڑا لڑکا دو تین دن بعد پہنچ سکے۔ ان کی موت بالکل یکا یک ہوئی۔ اس سے پہلے وہ کبھی دل کے مرض میں مبتلا نہ ہوئے تھے۔

میں آج کل بالکل سفر نہیں کرنا چاہتا لیکن مجھے الہ آباد یونی ورسٹی میں ایم۔اے کے Viva کے لیے مدعو کیا گیا ہے۔ بادلِ ناخواستہ منظوری کر لی ہے، لیکن احتشام صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ اگر کسی اور کو بلا سکیں تو کرم ہو۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

وکرم یونی ورسٹی سے T.A بل تا حال نہیں آیا حالاں کہ ایک چٹھی لکھ چکا ہوں۔

مخلص گیان چند

(۲۷)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی
جمّوں

۱۱؍مئی ۱۹۷۱ء

محبّی تسلیم

میرے ساتھی منظر اعظمی صاحب اُردو میں ''تمثیل نگاری'' پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ انھیں سرورؔ کی ''گلزارِ سرور'' کی سخت ضرورت ہے۔ یہ کتاب بھوپال کی آزاد پبلک لائبریری میں ہے۔ زحمت کیجیے اور وہاں جایئے۔ اگر مل سکے تو اپنے نام نکلوا کر رجسٹرڈ بک پوسٹ سے بھیج دیجیے۔ ڈاک کے مصارف آپ کی خدمت میں پیش کر دیے جائیں گے۔ کتاب پندرہ دن کے اندر آپ کو واپس بھیج دی جائے گی۔ مشکور ہوں گا۔

مخلص

گیان چند

(۲۸)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جمّوں

۱۱؍مئی ۱۹۷۱ء

محبّی میں ۵؍مئی کو علی گڑھ گیا تھا۔ ایک سلیکشن کمیٹی تھی تین ریڈر اور ایک لکچرر کا انتخاب کرنا تھا۔ مستقل ریڈر کی جگہ پر قاضی عبدالستار کو کیا۔ عارضی ریڈر کی جگہ پر نسیم قریشی کو مستقل reader in comparative Rit کی جگہ پر شاکا گو کے چودھری محمد نعیم کو۔ فی الحال دو سال کے 950 روپے پر۔ لکچرروں کی جگہ پر دو عارضی لکچرر ڈاکٹر نورالحسن اور ڈاکٹر کوکب قدر سجاد علی مرزا کو مستقل کیا گیا۔ دوسرے ماہر ڈاکٹر عابد حسین تھے۔ ۲۸؍مئی کو پھر علی گڑھ انجمن کے جلسے میں جانا ہے۔

مخلص

گیان چند

(۲۹)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی، جمّوں

۳؍جون ۱۹۷۱ء
محبّی تسلیم

''گلزارِسرور'' کا نسخہ ملا۔ میں اور میرے ساتھی منظر اعظمی صاحب ممنون ہیں۔ میں نے طے کیا ہے کہ اس کی نقل کرا کر شعبے کے کتب خانے میں رکھ دوں۔ کل ایک صاحب کو یہ کام سپرد کیا ہے۔ انھیں معاوضہ دیا جائے گا۔ وہ ایک ہفتے میں نقل کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ آپ کو جلد ہی کتاب واپس کردی جائے گی۔ آپ کی وجہ سے ایک بڑی مشکل حل ہوئی۔

آپ نے محصول ڈاک میں Rs. 1.85 لگائے ہیں۔ شعبے کی جانب سے آپ کو یہ رقم پیش کردی جائے گی۔

میں ۲۸؍مئی کو علی گڑھ انجمن کے جلسے میں ہو آیا۔ ۵؍جون کو پھر جانا ہے، ایم اے کا وائیوا کرنے کے لیے۔ سرور صاحب نے بہت اصرار کیا۔ الٰہ آباد سے احتشام صاحب نے بھی مجھے اس کام کے لیے بلایا تھا لیکن میں نے معذرت کرلی تھی جس کے بعد انھوں نے محمد حسن کو بلایا۔

دلّی یونی ورسٹی میں صدرِ شعبہ کے عہدے کا پروفیسروں اور ریڈروں میں rotation شروع کردیا گیا ہے۔ جولائی سے ڈاکٹر ظہیر احمد صدرِ شعبہ ہوں۔ خواجہ صاحب ۴ ماہ کی چھٹی لے کر جرمنی چلے گئے ہیں۔ اب کوئی ۱۲ سال تک ان کو دوبارہ صدر نہ کیا جائے گا۔

''ہماری زبان'' میں آپ کے مراسلے اور مضامین دیکھے۔ غالب کی نئی غزلوں کی تعداد کے بارے میں آپ کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ ''سرشکِ کباب والے'' شعر کی غزل کو دیکھنا ہوگا کہ محض ایک شعر پہلے سے موجود تھا یا کچھ اور اشعار بھی تھے۔

انصار اللہ نظر نے ''ہماری زبان'' میں چینی کے ظروف کی دکان میں سانڈ کا سا عالم برپا کیا ہوا ہے۔

مخلص
گیان چند

(۳۰)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
A 654، گاندھی نگر، جمّوں

۱۲رجون ۱۹۷۱ء

محبّی ابومحمد صاحب!

''گلزارِ سرور'' واپس بھیج رہا ہوں۔ یہاں ہم نے اس کی نقل کرالی ہے۔ آپ کی وجہ سے کتنا بڑا فائدہ ہوگیا۔ میں اور شعبہ دونوں آپ کے بڑے ممنون ہیں۔

میں اِدھر تین بار علی گڑھ گیا۔ ۵رمئی کو سلیکشن کمیٹی میں، ۲۸رمئی کو انجمن ترقّیِ اُردو کے جلسے میں اور ۵رجون کو ایم.اے فائنل کے زبانی امتحان کے لیے۔ ۲۸رمئی کو سرور صاحب نے مجھ سے بہت اصرار کیا کہ ۵رجون کو آجاؤں کیوں کہ انھیں کوئی دوسرا شخص نہیں مل رہا تھا، اس لیے میں چلا گیا۔ سرور صاحب نے ایک ادبی انکشاف کیا جو حسبِ ذیل ہے:

''ہماری زبان'' کو بھوپال سے کسی عبدالعزیز نے مراسلہ لکھا ہے کہ ان سے جوہر قریشی نے کہا تھا کہ ابھی تو میں نے غالبؔ کی محض ایک غزل پیدا کی ہے مزا تو اُس وقت آئے گا جب میں غالبؔ کا پورا دیوان پیدا کردوں گا۔ اُس وقت غالبؔ پرست دیوانے ہوجائیں گے، گریبان پھاڑ دیں گے۔ کچھ عرصے بعد عبدالعزیز کو ایک کاتب ملا، اُس سے پوچھا کہ آج کل کیا کررہے ہو۔ کاتب نے کہا کہ جوہر قریشی ایک دیوان کی کتابت کرارہے ہیں اور مزا یہ ہے کہ اس میں تخلص درج نہیں کرارہے ہیں۔

عبدالعزیز کہتا ہے کہ میں نے یہ سب راز اس لیے پوشیدہ رکھا کہ بھوپال میں دیوان کا مقدمہ چل رہا تھا۔ میں اُس میں پھنسنا نہ چاہتا تھا۔

سرور صاحب کہتے تھے کہ چوں کہ اس مراسلے کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں اس لیے میں نے اسے شائع نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ ضرور شائع کردیجیے۔

کیا آپ عبدالزیز سے واقف ہیں۔ اگر نہیں تو سرور صاحب کو یا اڈیٹر ''ہماری زبان'' کو لکھ کر اس کا پتا منگائیے۔ اس سے پوچھ گچھ کیجیے۔ اگر محولہ کاتب بھوپال میں موجود ہو تو اسے ''نقوش'' کا نمبر دکھا کر پوچھیے کہ کیا اسی دیوان کی نقل کی تھی۔

یہ ناممکن ہے کہ جوہر قریشی یا ان کے والد اس دیوان کی تصنیف کرسکیں۔ اگر اوپر کے مراسلے میں کوئی حقیقت ہے تو یہ ہوسکتی ہے کہ یہ دیوان جوہر قریشی کو چند سال پہلے مل گیا ہوگا اور انھوں نے کسی کاتب سے اس کی نقل کرائی ہوگی۔ بہر حال تحقیق کیجیے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۳۱)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

654 A، گاندھی نگر، جمّوں

۱۳؍جون ۱۹۷۱ء

محبّی تسلیم

آپ کے یہاں تین شخصیتوں کی علالت کی خبر سن کر تشویش ہوئی۔ یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ ۱۰۵ ڈگری بخار آپ کو ہوا تھا یا بچّی کو۔ غالباً بچّی کو۔ ۱۰۵ ڈگری بہت پریشانی کی بات ہے۔ اپنی بیگم صاحبہ کی biopsy کا نتیجہ لکھیے تا کہ مجھے بھی اطمینان ہو جائے۔

ان پریشانیوں اور مصروفیات کے باوجود آپ ہمارے کام سے انکار نہ کیجیے۔ ڈالے رکھیے۔ فرصت میں کر لیجیے۔ اگر کل ملا کر ۱۵ دن بھی لگیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کنٹرولر آف ایگزامنیشن کو ایک چھٹی لکھ دیجیے۔ اب کہاں دوسرا شخص تلاش کرتے پھریں گے۔

میں نے کل ''گلزارِ سرور'' آپ کو بھیجا ہے۔ مشکور ہوں اس کی اچھی نقل کرائی ہے۔ سرور صاحب کہتے تھے کہ بھوپال کے کسی عبدالعزیز نے ''ہماری زبان'' کو مراسلہ لکھا کہ عزیز سے جوہر قریشی نے کہا کہ ابھی تو میں نے غالبؔ کی ایک غزل وضع کی ہے مزا تو تب آئے گا جب پورا دیوان وضع کروں گا۔ کچھ عرصے بعد ایک کاتب نے بتایا کہ جوہر قریشی ایک دیوان کی کتابت کرا رہے ہیں جس میں تخلص محذوف ہے۔

آپ ''ہماری زبان'' کو لکھ کر عبدالعزیز صاحب کا پتا پوچھیے اور اس سے اور کاتب سے پوچھ گچھ کیجیے۔

یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے یہاں وائیوا رفیع الدین نے کیا اور سیفیہ میں شیخ فرید نے۔ ایک شہر کے سب اداروں میں ایک ہی باہری شخص کو بلانا چاہیے تا کہ نمبروں کی ارزانی میں مسابقت نہ ہو۔

معلوم نہیں کشمیر میں پروفیسری کا کیا ہو رہا ہے۔ اِدھر جولائی میں جامعہ میں ایم اے کھُل رہا ہے۔ پروفیسر کا تقرر بھی جولائی میں ہوگا۔ میرا اس عہدے پر جانے کا ارادہ ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اب تک اس جگہ کا اشتہار نہیں کیا۔ وہاں میرا انتخاب کم وبیش یقینی ہے۔ ابھی تنخواہ پر بات چیت کرنی ہوگی۔ کیا آپ کشمیر، جمّوں یا جامعہ کہیں کی پروفیسر پر آنا چاہیں گے۔ یعنی درخواست دینا چاہیں گے۔ امین چند شرما کے خطوط آتے رہتے ہیں۔ منفرد اسلوب کا مکتوب نگار ہے۔

مخلص

گیان چند

(۳۲)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی، جمّوں
۲؍اگست ۱۹۷۱ء

محبّی تسلیم

آپ کے ۳؍جولائی کے کرم نامہ کا جواب اِس لیے نہ دے سکا کہ اس میں شام لال کالرا عابدؔ پیشاوری سے کچھ دریافت کرنا تھا اور وہ چھٹیوں میں باہر گئے تھے۔ اب واپس آئے ہیں۔ انھوں نے آپ کے ''شاعر'' کے مضمون نہیں دیکھے۔ انھیں غالبؔ اور اسد تخلص کی بحث کے بارے میں ۷۱ء میں دل چسپی ہوئی جب وہ ''تذکرہ عیار الشعرا'' پر لکھے اپنے notes دیکھ رہے تھے۔

انھوں نے جولائی ۷۰ء میں ''ہماری زبان'' میں آپ کا مراسلہ دیکھا ہوگا لیکن دھیان نہیں دیا۔ غالبؔ سے متعلّق دل چسپی انصار اللہ کے مضامین کی اشاعت کے بعد ہوئی اور تفصیلی مطالعہ ''نسخۂ عرشی زادہ'' کے دیباچے کے بعد کیا۔

مجھے معلوم نہیں آپ کس محقق کے لیے لکھ رہے ہیں کہ اس نے بہ خطِ غالبؔ والی بحث میں آپ کے مضمون کو کیوں رکھا یا بے پر کی اُڑائی۔ اس وقت میرے ذہن سے بات محو ہے۔

مخلص

گیان چند

(۳۳)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
جمّوں
۲۶/اگست ۱۹۷۱ء
محبّی تسلیم

آج مسعود حسن رضوی صاحب کا ایک خط مجھے ملا جس کی نقل کرتا ہوں۔ ''ڈاکٹر عبداللہ نے اپنی کتاب 'شعرائے اُردو کے تذکرے' میں ایک تذکرۂ شعرا کا ذکر کیا ہے جو اُن کے خیال میں واجد علی شاہ اختر کی تالیف ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کی کتاب آپ کی دسترس میں ہو تو مہربانی کر کے تذکرۂ اختر کے بارے میں ان کے الفاظ نقل کر کے مجھے بھیج دیجیے، شکرگزار رہوں گا''۔

میں نے انھیں لکھ دیا ہے کہ یہ کتاب میرے پاس موجود نہیں، بھوپال کالج میں ہے۔ میں ابومحمد سحر صاحب کو لکھتا ہوں، وہ آپ کو لکھ دیں گے۔ اب آپ زحمت کر کے لائبریری سے یہ کتاب دیکھیے اور اس میں سے ضروری معلومات انھیں فراہم کر دیجیے۔

لکھنؤ کی اُردو کانفرنس میں مجھے تیسری بار شعبۂ تحقیق کی صدارت کے لیے کہا گیا ہے۔ میں نے معذرت کی، قبول نہ ہوئی، میں نے مان لیا۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی اس کانفرنس میں آئیں تا کہ مختلف لوگوں سے ملاقات ہو سکے۔

مخلص
گیان چند

(۳۴)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
654 A، گاندھی نگر، جمّوں
۹/دسمبر ۱۹۷۱ء
محبّی تسلیم

۳/دسمبر کا کرم نامہ آج ملا۔ بہت پہلے کالرا کے نام آپ کا خط آیا تھا وہ سمجھے ہوں گے کہ میں جواب دوں گا، میں سمجھا کہ وہ لکھیں گے۔ کسی نے نہ لکھا۔ میری طبیعت کوئی خاص خراب

نہیں تقریباً پندرہ دن سے کھانسی اور بلغم وغیرہ ہے۔ شروع میں زکام تھا۔ ایک دو دن ہلکا بخار بھی رہا۔ بہت capsule کھا چکا ہوں لیکن ابھی پورا افاقہ نہیں ہوا۔ لیکن یہ ایسی ناسازیِ طبیعت نہیں کہ جس کی کوئی آپ کو اطّلاع دے اور آپ میری بہ جائے دوسرے کو لکھ کر پوچھیں۔ کیا کسی نے میری مرگ کی خوش خبری دے دی تھی۔

میرا ارادہ ہرنیا کا آپریشن کرانے کا تھا۔ تیاری ہوئی تھی۔ ۱۰ر یا ۱۳ر دسمبر کو آپریشن ہوتا کہ لڑائی چھڑ گئی۔ اب اسپتال میں میرے لیے جگہ کہاں۔ دو تین دن ہوئے یہاں یونی ورسٹی بھی بند ہو گئی اور کالج اور اسکول بھی۔ یونی ورسٹی سرمائی چھٹیوں کے بعد ۲۷ر دسمبر کو کھُلے گی۔ یہاں لڑائی کے باوجود امن اور تفریح کی فضا ہے۔ پاکستانی جہاز آتے ہیں تو سب تماشا دیکھنے سڑکوں پر اور چھتوں پر جاتے ہیں۔ میں نے بھی چھت پر ایک پاکستانی جہاز کو گولی لگتے دیکھی۔ بچّے بڑے خوش ہیں۔ اب تو دو دن سے پاکستان نے جہاز بھیجنا بھی بند کر دیا۔ بہر حال ہوائی حملہ بڑی تفریح کی چیز ہے۔ یہاں ہر شخص کا حوصلہ نہایت بلند ہے۔

مسیح الزماں لکچرر ہو کر الٰہ آباد آ گئے۔ محمد حسن کو شروع میں طلبہ نے بہت پریشان کیا، کمرے سے نکال دیا۔ یونی ورسٹی کا اُردو شعبہ بند ہو گیا۔ ۲۵ر نومبر کو پھر کھُلا۔ پھر امن ہو گیا ہوگا۔ اب تو وہاں کی یونی ورسٹی بھی بند ہو گئی ہوگی۔ میر الکھنؤ کی کان فرنس میں جانا مشکوک ہے۔ آپ نے جس خلوص سے میری خیریت دریافت کی ہے اس کے لیے میں بہت مشکور ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۳۵)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

654 A، گاندھی نگر، جمّوں

۱۸ر جنوری ۱۹۷۲ء

محبّی تسلیم

آپ کا کرم نامہ کئی دن پہلے ملا۔ یہ خبر صحیح نہیں کہ میرا تقرر دلّی میں ہو گیا۔ ہوا یہ کہ جامعہ کے لیے کسی دوسرے امیدوار نے شرارت سے ''الجمعیۃ'' میں مجیب صاحب کی جانب سے ایک نقلی بیان بھیجا جس میں میرے تقرر کی بات کی گئی تھی۔ یہ بیان ۵ر جنوری کے ''الجمعیۃ'' میں

شائع ہوا۔ اس پر ایک معترضانہ اداریہ لکھا گیا جس میں اشارہ تھا کہ میں متعصّب ہندو ہوں اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں مجھے نہ لینا چاہیے تھا۔ ۶؍جنوری کے ''الجمعیۃ'' میں اس کی تردید شائع ہوئی کہ جامعہ کے حلقوں نے اطّلاع دی ہے کہ نہ گیان چند کا تقرر ہوا ہے نہ وائس چانسلر نے اخبار کو کوئی بیان دیا تھا۔

لوگ اسی قسم کی شرارت کرتے ہیں۔ دوسرے امیدوار یہ تو کہہ نہ سکے کہ میں پروفیسر کے نااہل ہوں اس لیے یہ حیلہ نکالا کہ یہ متعصّب ہندو ہے اسے اسلامی درس گاہ میں نہ رکھنا چاہیے۔ میں نے حکم چند کے مقابلے میں مسیح الزماں کو لیا۔ جمّوں میں کنول کرشن بالی کو چھوڑ کر منظر اعظمی کا تقرر کرایا۔ اُجین میں یونس حسنی کے لیے سفارش کی جو جماعتِ اسلامی سے تعلّق کی بنا پر مردود قرار دے دیا گیا تھا۔ اپنے مضامین میں ہندی کے خلاف کتنا لکھا لیکن...

مجھے جامعہ میں جانے کا غیر معمولی اشتیاق نہیں۔ کوئی مجھے نہ لینا چاہیے تو مجھے کیا پرواہ ہے۔ ہاں لائبریری کی کتابیں میرے پاس بہت عرصے سے ہیں۔ لکھنا ہوتا نہیں، دو چار دن میں واپس کر دوں گا۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۳۶)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں

۱۸؍فروری ۱۹۷۲ء

محبّی تسلیم

''تحریک'' میں میرے مضمون کی اشاعت حیرت کی بات ہے۔ میں خود اسے دیکھ کر چونکا۔ میں نے انھیں کوئی مضمون نہیں بھیجا۔ انھوں نے میری مطبوعہ کتاب ''اُردو مثنوی'' میں سے نظیر کے متعلّق صفحات لے کر مضمون کی شکل میں چھاپنے سے کیا فائدہ۔

''مرقّعِ دہلی'' حمیدیہ کالج ہی کی لائبریری میں ہے، وہاں اس کا اُردو ترجمہ غالباً ''دلّی بارہویں صدی میں'' یا کسی ایسے ہی نام سے ہے۔ میں نے اسے لائبریری سے لے کر پڑھا تھا۔

کتاب میں آپ کا مضمون ''ہائے ہائے'' پڑھا، خوب لکھا ہے۔ مطلع پر اس سے پہلے میں نے توجّہ دلائی ہے اور ان کا تجزیہ کیا ہے اس کی روشنی میں بات مشکوک ہوگئی ہے۔ آپ کا یہ خیال بھی صحیح ہے کہ اگر غالبؔ کی زندگی میں کوئی ایسی بات مشہور ہوتی تو آزادؔ ضرور اس کا ذکر کرتے۔

جامعہ کی بات افسوس ناک رہی۔ میں ۲۲؍جنوری کو ایک سلیکشن کمیٹی کے لیے علی گڑھ گیا تھا۔ آتے جاتے دلّی میں بھی ٹھہرا۔ معلوم ہوا کہ جس شخص نے ''الجمعیۃ'' میں یہ خبر چھپوائی ہے اُس نے ملک کے متعدد اُردو اخباروں میں یہ خبر بھیجی تھی۔ بمبئی کے ''اُردو نامہ'' یا ''اُردو ٹائمس'' میں جہاں میرے متعلّق یہ خبر چھپی ہے اس کے نیچے یا ساتھ مالک رام کے بارے میں بھی ایک خبر ہے اور وہ ایسی کچھ ہے۔

مالک رام اپنے لیے ایک ارمغان تیار کرا رہے ہیں، جگن ناتھ آزادؔ، عرشؔ ملسیانی اور گوپی چند نارنگ کی مدد سے۔ اُمید ہے کہ اس سال کا ساہتیہ اکادمی ایوارڈ انھیں ملے گا۔ اس لیے منصوبہ یہ ہے کہ ایوارڈ کے اعلان کے بعد مارچ میں جلسہ کیا جائے گا جس میں ارمغان بھی پیش کیا جائے گا اور ایوارڈ کی نیت بھی ہوگی۔

یقینی ہے کہ میرے متعلّق خبر اور مالک رام کی خبر دونوں ایک ہی آدمی کی بھیجی ہوئی ہیں۔ مالک رام کی خبر میں تین شرارتیں پوشیدہ ہیں، اول یہ کہ وہ خود اپنے لیے ارمغان تیار کرا رہے ہیں، دوسرے یہ کہ یہ سب ہندوؤں کی کارگزاری ہے، تیسرے یہ کہ کہیں انھیں ایوارڈ نہ مل جائے اس لیے پیش بندی کی جائے۔

ایوارڈ ظاہراً انھیں ''گلِ رعنا'' کی اشاعت پر مل سکتا ہے لیکن چوں کہ اس کتاب میں ایک معمولی سا مقدمہ ہے اس لیے اس پر ایوارڈ ملنا ناممکن ہے لیکن حریفوں نے اس کے لیے بھی پیش بندی ضروری سمجھی۔

جامعہ اور دلّی یونی ورسٹی کے حلقوں کا خیال ہے کہ میری خبر ڈاکٹر محمد حسن کے حامیوں نے چھپوائی ہے۔ ممکن ہے خود محمد حسن کو اس کی اطّلاع بھی نہ ہو۔ ایک ہی شخص ہے جو مالک رام سے اور مجھ سے دونوں سے آزردہ ہے۔ میں اس بڑی شخصیت کا کیا نام لوں۔

''الجمعیۃ'' کی خبر میں کہا گیا ہے کہ ''گیان چند آنجہانی اور مرحوم کا فرق مٹانا چاہتا ہے اور اسی کے سہارے سے آگے بڑھا ہے''۔ گویا میں متعصّب ہندو ہوں اور اسی کے طفیل میں جمّوں

میں منتخب کیا گیا۔

میں نے حکم چند کے مقابلے مسیح الزماں کو اور کنول کرشن بالی کے خلاف منظر اعظمی کو منتخب کیا۔ میں نے یونس حسنی کو ''یہ جانتے ہوئے کہ وہ جماعتِ اسلامی سے تعلّق رکھتا ہے'' مادھو کالج میں مقرر کرایا۔ پھر بھی مجھے متعصّب کہا گیا۔ اصل میں میرے خلاف کوئی یہ تو کہہ نہ سکا کہ یہ پروفیسری کے لیے نااہل ہے اس لیے یہ کہا کہ یہ متعصّب ہے اسے جامعہ میں مقرر نہیں کرنا چاہیے۔

کوئی دس سال پہلے میں نے ''ہماری زبان'' میں ''آنجہانی'' کے متعلّق لکھا تھا لیکن میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ مسلمانوں کے نام کے ساتھ مرحوم نہ لکھا جائے یا آنجہانی لکھا جائے۔ میں نے یہ بھی نہیں کہا تھا کہ ہندوؤں کے نام کے ساتھ مرحوم لکھا جائے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ آنجہانی کے معنی غیر رحمت یافتہ ہو گئے ہیں اس لیے بہتر ہے کہ ادبی تحریروں میں (مذہبی یا غیر ادبی میں نہیں) ہندوؤں کے نام کے ساتھ یہ لقب ترک کر دیا جائے۔ اگر کچھ بھی نہ لکھا جائے گا تو بھی مرے ہوئے ہندو کو کوئی زندہ نہ سمجھ لے گا۔

میں خود مسلمانوں کے لیے مرحوم کا استعمال کرتا ہوں۔ ہندوؤں کے لیے کچھ بھی نہیں لکھتا۔

مجیب صاحب بہت کمزور اور ڈھیلے آدمی ہیں۔ معلوم نہیں ان کا کیا ارادہ ہے۔ لیت ولعل کی انتہا ہے۔ بہر حال انھیں جو کرنا ہو کریں۔ مجھے خود جامعہ کا زیادہ اشتیاق نہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۳۷)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جمّوں

۲۲رفروری ۱۹۷۲ء

محبّی تسلیم

آپ کا خط کل ملا۔ کل ہی میں نے کنٹرولر کو کہا۔ انھوں نے آپ کو پرچہ بھیجنے کا وعدہ کیا۔

آج میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ کی چٹھی بھی ان کے پاس آئی تھی اور اب انھوں نے آپ کو پرچہ بھیج دیا ہے۔ پچھلے سال یہ پرچہ پریوِیس میں تیسرا پرچہ تھا۔ اس سال فائنل میں آٹھواں پرچہ ہے۔ میں اس پرچے کو نہیں پڑھاتا لیکن پچھلے دو سال سے یہ پرچہ میں ہی بناتا تھا۔ آپ تاریخِ ادب کے کوئی سے دس سوال رکھ دیجیے اور ان میں سے پانچ کرنے کو کہہ دیجیے۔ کسی سوال کو لازمی نہ کیجیے۔

کل میں نے حمیدیہ کالج کی لسانیات کی کتابیں واپس کر دیں۔

جامعہ میں ہمارے یہاں کے دونوں لکچرروں نے بھی درخواست دی تھی لیکن ان کے پاس انٹرویو کی کوئی خبر نہ آئی۔ شرارت کی حد ہے۔ دونوں کئی سال سے ایم اے کو پڑھا رہے ہیں ان کا نام نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا۔ کیا یہ ہوگا کہ وہاں سے ان کے نام سادہ چٹھیاں روانہ کی گئی ہوں گی لیکن سپردِ ڈاک نہ کی گئی ہوں گی۔ میرا ایک ریسرچ اسکالر ضیا آفریدی سینک اسکول نگروٹہ میں ٹیچر ہو گیا ہے۔ جمّوں سے آٹھ دس میل ہے۔ اسے انٹرویو کا تار ۲ارفروری کو ملا۔ یہ ترکیبیں ہوتی ہیں باہر والوں کو گول کرنے کی۔ یہ جان کر افسوس ہوا کہ جامعہ میں بھی اس قسم کی حرکتیں کی جاتی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ اس تاریخ میں پروفیسر یا ریڈر کا انٹرویو نہ ہوا ہوگا۔ ہو تو کیا عجب ہے کہ مجھے بھی اطّلاع وقت کے بعد ملے۔

مجھے کوئی علم نہیں کہ لکچرر کے انتخاب میں کون کون امیدوار اور کون ماہرین تھے اور کس کا انتخاب ہوا۔ میں قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مخلص

گیان چند

(۳۸)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

A 654، گاندھی نگر، جمّوں-۴

۲۵رفروری ۱۹۷۲ء

محبّی تسلیم

آج منظر اعظمی صاحب کو معلوم ہوا کہ جامعہ ملیہ میں اُردو میں کسی کیفی صاحب کا تقرر ہوا

ہے۔ظاہر ہے کہ آپ کے حنیف کیفی ہوں گے۔لکھیے ان کی کیا qualification ہیں۔پی ایچ.ڈی میں کیا ڈویژن تھی۔اگر ان سے یہ معلوم ہو سکے کہ ماہرین کون تھے تو یہ بھی لکھیے۔ ہمارے یہاں سے دونوں لکچر روں منظر اعظمی اور شیام لال کالرا نے بھی درخواست دی تھی لیکن انھیں انٹرویو میں بلایا ہی نہیں۔کالرا عابد پیشاوری دلّی یونی ورسٹی کے فرسٹ کلاس فرسٹ ہیں۔ مسیح الزماں اب اطمینان سے الٰہ آباد میں ہو گئے ہیں۔ان کے خلاف فردوس فاطمہ کے مقدمہ ختم ہو گئے۔

مخلص

گیان چند

(۳۹)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی، جمّوں
۱۶/اکتوبر ۱۹۷۲ء

محبّی تسلیم

۱۰/اکتوبر کا کرم نامہ ملا۔دیر سے جواب دینے کی معذرت چاہتا ہوں۔

اخلاق کا انٹرویو اچھا ہوا لیکن مقامی امیدوار کی تعلیمی ڈگریاں اور ڈویژن بالکل وہی تھے جو اخلاق کے تھے۔اخلاق کو بی اے کے پڑھانے کا کچھ تجربہ ہوگا۔مقامی امیدوار کوئی دو سال سے ایم اے کا ایک پرچہ پڑھاتا ہے۔پھر وہ اسی یونی ورسٹی کے پہلے batch کا فرسٹ کلاس فرسٹ ہے۔ان وجوہ سے اخلاق کو اس پر ترجیح نہ دی جا سکتی تھی۔ویسے اس کے علاوہ خواجہ احمد فاروقی نے اخلاق کو پسند کیا ہے۔مجھ سے اس کے بارے میں پوچھتے تھے اور کہتے تھے کہ موقع ہوا تو میں اسے لینا چاہوں گا۔آپ اخلاق کو خبر کر دیجیے کہ وہ خواجہ احمد فاروقی کو ایک نیاز مندانہ خط لکھ دے اور کبھی دلّی جائے تو ان سے مل لے۔ممکن ہے وہ دلّی میں اسے لگوا دیں۔توفیق ہوئی تو میں بھی اخلاق کو لکھ دوں گا۔

آپ کے اختلاجِ قلب کے دورے کی خبر سُن کر تشویش ہوئی۔اگر ecg میں ٹھیک آ گیا ہے تو تشویش کی بات نہیں لیکن سگار پینا بند کر دیجیے۔ڈاکٹروں سے اچھی طرح تشخیص اور جانچ کرا لیجیے۔

آپ نے مجھے پیشتر اپنے منتقلِ مکان کے بارے میں نہیں لکھا۔ یہ اچھا کیا کہ ایک اچھے نئے مکان میں چلے گئے۔ ارون کا کیا ارادہ ہے مجھے معلوم نہیں۔ ان سے میری کوئی دوستی نہیں۔ بھوپال کے باہر میں ان سے کبھی نہیں ملا۔ ہاں اس کے چھوٹے بھائی سے میرے بچّوں کے اور اب میرے بھی مراسم ہیں چناں چہ پچھلے سال میرا لڑکا دلّی میں انھیں کے گھر رہا ہے۔ امتحان کے دنوں میں اسے typhoid ہوگیا۔ ایک پرچہ ۱۰۴ ڈگری بخار میں دینے گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فیل ہوگیا اور اس سال پھر بی ایس سی فزکس آنرس فرسٹ ایئر میں ہے۔ اس طرح دوسرے کے یہاں ٹھہرنے کا احسان بھی بے سود رہا۔ میں نے کبھی ارون کے چھوٹے بھائی سے آپ کے مکان کے بارے میں بات نہیں کی کیوں کہ یہ نازک معاملہ ہے۔ بھوپال کے میرے مکان میں بھی گڑبڑ ہے۔ میرا کرایہ دار شاہ صاحب مئی میں ناسک چلا گیا اور کسی دوسرے کو مکان میں ٹھہرا گیا۔ بہانہ یہ کرتا ہے کہ وہ میرا مہمان ہے اور مکان میرے پاس ہی ہے۔ شوسروپ متّل خبر دیتا ہے کہ اگر میں شاہ کو ایک زرِخطیر دے دوں تو وہ مکان خالی کرسکتا ہے۔ رقم اتنی بڑی بڑی ہے کہ میں اسے دینے کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتا۔ دوسری صورت مقدمہ کرنے کی ہے۔ میں شوسروپ کی معرفت معاملہ سلجھانے کی فکر میں ہوں ورنہ مقدمہ ہی کرنا پڑے گا۔

۷۲ء کے لیے آپ کے یہاں کا پرچہ میرے پاس آیا تھا۔ ۷۳ء کے لیے ابھی نہیں آیا۔ نہ آئے تو بھی اچھا ہے، آجائے تو بھی مضائقہ نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ ہمارے یہاں کا پرچہ آپ کے پاس جائے گا کہ نہیں۔ اس سال ممتحنوں کے تقرر کی جو میٹنگ ہوئی میں اس میں شرکت نہ کرسکا کیوں کہ باہر تھا۔

معلوم نہیں آپ کا ہمارے یہاں کا پہلا یا چوتھا پرچہ تو نہ تھا۔ ان پرچوں میں کچھ طلبہ فیل ہیں۔ ان کا وسطِ سالانہ امتحان دسمبر میں ہوگا۔ یہ ایک طرح کا سپلیمنٹری سمجھیے۔ اگر آپ کے پاس پرچہ آئے تو قبول کرلیجیے۔ ان پرچوں میں محض دو تین امیدوار ہوں گے۔

میں نے بھی چند روز پہلے مکان بدلا ہے۔ پہلا مکان دو سو روپے پر تھا۔ یہ تین سو روپے ماہوار پر ہے۔ کرایہ بہت زیادہ ہے۔

مخلص

گیان چند

(۴۰)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
654 A، گاندھی نگر، جمّوں-۴

۲/ جون ۱۹۷۳ء

محبّی تسلیم

آج لسانیات کی کتاب بھی ملی اور آپ کا ۱۴/ تاریخ کا کارڈ بھی۔ اس زحمت اور عنایت کے ساتھ دل سے ممنون ہوں۔ میں نے عام لسانیات کی کتاب مکمّل کر لی ہے۔ آخری دو ابواب میں گرے کی کتاب سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ پہلے منگا لیتا تو لکھتے وقت ہی اس کے مطالب شامل کر دیتا۔ اب اپنے مسوّدے میں جا بہ جا پیچ میں داخل کرنے ہوں گے جو دقّت طلب ہے۔ کتاب ایک ماہ کے اندر واپس کر دوں گا۔

یہ بہت اچھا ہوا کہ غالبیات کے چند مباحث آ گئے۔ آپ کے پاس ختم ہو گئی ہے تو بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔ میں شعبے کے کتب خانے کے لیے دو کاپیاں منگاؤں گا، انھیں کو دیکھ لوں گا۔

مجھے معلوم نہ تھا کہ عابد نے آپ کو لکھا ہے۔ چھٹیاں ہیں وہ ملے نہیں۔

میں اورنگ آباد کی اُردو کانفرنس میں نہیں گیا۔ وہاں کے حالات ابھی معلوم نہیں ہو سکے۔

مخلص

گیان چند

(۴۱)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
654 A، گاندھی نگر، جمّوں-۴

۶/ جون ۱۹۷۳ء

محبِّ مکرّم تسلیم

ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ مجھے انگریزی لسانیات کی ذیل کی کتاب درکار ہے:
foundation of language by Lonis H gray۔ پہلے بھی کبھی لے چکا ہوں۔ بازار میں ملتی نہیں۔ حمیدیہ کالج کی لائبریری میں ہے۔ برسوں سے لسانیات کی ایک کتاب لکھنے میں پھنسا ہوں۔ اب کی گرمیوں میں ختم ہو جائے گی۔ آج کل اہل وعیال کو یو. پی بھیج دیا ہے۔

تنہا رہ کر کتاب کا کام کر رہا ہوں۔ اس کتاب کی سخت ضرورت ہے۔ اس سال کے بعد نہ منگاؤں گا۔ ایک مہینے کے بعد واپس کر دوں گا۔ آپ جلد بھیجیے اور کھُلا پارسل بنا کر اس پر Regd. Printed Matter لکھیے۔ بک پوسٹ کے مقابلے میں Printed Matter لکھنے سے پیسے کچھ اور کم لگتے ہیں۔ آپ کو زحمت بھی ہوگی اور صرفہ بھی لیکن دو ابواب اس کتاب میں تفصیل سے ہیں۔ آج کل جس موضوع پر لکھ رہا ہوں اس کے لیے بھی اس کتاب کی ضرورت تھی۔

میں اورنگ آباد کانفرنس میں نہیں جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر محمد حسن کو ہمارے گورنر بھگوان سہائے نے نہرو فیلوشپ دلا دی۔ دو چٹھیاں وزیرِ اعظم کو لکھ کر کام کرا دیا۔ محمد حسن کہتے ہیں کہ دلّی کا پس منظر والی کتاب اٹھارویں صدی کے متعلّق تھی۔ اس کام کا اگلہ حصہ انیسویں صدی کے بارے میں لکھنا ہے۔ غالبًا وہ دلّی رہ کر کام کریں گے۔ معلوم نہیں اپنی تنخواہ بھی ملے گی کہ نہیں۔ بہرحال دو سال میں ۹۲ ہزار روپیہ ملے گا۔ کتاب گھر کے پتے پر ہی بھیجیں۔

مخلص

گیان چند

(۴۲)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو جموں یونی ورسٹی
جمّوں-۱۸۰۰۰۱
۱۱رفروری ۱۹۷۴ء

محبّی تسلیم

۲۲رجنوری کا کرم نامہ ملا۔ جواب میں دیر ہوئی۔ میں نے ۱۰ردسمبر کو آپریشن کرایا تھا۔ اب ٹھیک ہوں۔ مجھے چھے ماہ کے لیے زینہ چڑھنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

آپ کے مکان کی الجھن دیکھ کر میں گھبرایا اور آٹھ ہزار کی گراں قدر رقم دے کر مکان خالی کرایا۔ دوسرے کرایہ دار کو دیتے ڈرتا ہوں کہ دو چار سال میں اس سے خالی کرایا تو پھر کہاں دس پندرہ ہزار دوں گا، اس لیے میں نے مکان کو فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

بھوپال کی پروفیسری کی بات صاف نہیں کچھ اُلجھی معلوم ہوتی ہے۔ یہ کئی زبانوں کا

ملاجُلا شعبہ معلوم نہیں کس رنگ روپ کا ہو۔ بہر حال دعا کیجیے کہ میں کسی اور جگہ چُن لیا جاؤں۔

خورشید الاسلام پروفیسر ہو گئے، قاضی عبدالستار پدم شری ہو گئے۔ تروپتی میں رضی الدین احمد کئی ماہ پہلے پروفیسر ہو گئے۔ الہ آباد کی سلیکشن کمیٹی ملتوی ہو گئی ہے۔

میں پرسوں دلّی گیا تھا۔ وہاں پروفیسر اور ریڈر کی سلیکشن کمیٹی تھی۔ ایک personal promotion اسکیم ہوتی ہے جس میں پانچ فیصد لکچرروں اور پانچ فیصد ریڈروں کو ترقّی دی جاتی ہے۔ اُردو میں سینئرٹی کی بنا پر ظہیر احمد صدیقی کا نام بھیجا گیا۔ میں نے ہزار چاہا کہ نارنگ اور محمد حسن یا محض محمد حسن کا نام بھیج دیا جائے لیکن بات نہ مانی گئی۔ دوسرے ماہر اعجاز صاحب تھے جو دل کے عارضے کے باوجود اجمل اجملی کے مکان پر زینے کے اوپر ٹھہرے ہوئے تھے۔

''ہماری زبان'' میں شعر کی بحث اور آپ کی مراسلت دیکھی۔

اور کوئی بات قابلِ نگارش نہیں۔ ہاں محوی صاحب اگر جلد فہرستیں دے سکیں تو خرید ہو سکتی ہے۔ مذہبی اور تاریخی کتابیں رہنے دیجیے۔ فارسی کتب بھی نہیں۔

مخلص

گیان چند

(۴۳)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جمّوں

۲۳/اپریل ۱۹۷۴ء

محبّی تسلیم

میں ۲۸/اپریل اتوار کی صبح کی کسی گاڑی سے بھوپال پہنچوں گا اور ۳۰/اپریل کی شام روانہ ہو جاؤں گا۔

۲۸/کی صبح پہنچنا یقینی ہے۔ کشن چند ہی کے ساتھ ٹھہروں گا۔

مخلص

گیان چند

(۴۴)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

A 654، گاندھی نگر،
جمّوں-۱۸۰۰۰۴
۸؍جون ۱۹۷۴ء
محبّی تسلیم
۲۸؍مئی کا کرم نامہ ملا۔ یہ اچھا ہوا کہ آپ اپنے مکان میں آ گئے۔ عابد پیشاوری کو آپ کا سلام کہہ دیا ہے۔
ہماری یونی ورسٹی پہلی جون کو دو ماہ کے لیے بند ہو گئی۔ آج کل آپ گھر کے پتے پر لکھیں تو خط جلدی ملے گا۔
آپ کے یہاں کے کاغذات آ گئے تھے۔ میں نے حسبِ ارشاد نرمی سے کام لیا ہے۔
آپ نے آرٹس کے ڈین ہونے سے پہلو تہی کی۔ اس کسرِ نفسی کی کیا ضرورت تھی۔ کم از کم یہ کرتے کہ ایک ماہ تک اس منصب پر کام کر کے استعفا دے دیتے تاکہ نامۂ اعمال میں لکھا جاتا کہ آپ ڈین رہ چکے ہیں۔ آخر کشن چند نے بھی تو ڈین ہونا پسند کر لیا۔
میں نے بھوپال کے بینک سے اپنا کھاتہ اٹھا لیا ہے۔ ایک وکیل برگلے کو کشن چند کی معرفت کسی کام کے لیے سو روپے دیے تھے اس سے تقریباً پچاس روپے واپس ملنے ہیں۔ میں نے کشن چند کو لکھا تھا کہ وہ مل جائیں تو آپ کو دے دے تاکہ آپ اس سے نقل لینے کے اخراجات ملا سکیں۔ آپ بھی کشن چند کو یہ پیغام دے دیجیے۔ اگر برگلے وکیل بقیہ واپس کرنے میں لیت و لعل کرے تو پرشادی لال کی مدد لیجیے۔
میرے پاس وہی ناول افسانے کے کاغذات آئے تھے۔ دلّی میں محمد حسن کی lien اور ملازمت ختم کر دی گئی ہے۔ اب کشمیر میں lien ہیں۔ نورالحسن ہاشمی ۳۱؍جولائی کو رٹائر ہو رہے ہیں۔
مخلص
گیان چند

(۴۵)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
A 654، گاندھی نگر،
جمّوں-۱۸۰۰۰۴

۲۸؍جون۱۹۷۴ء

تسلیم

۱۵؍جون کا کرم نامہ ملا۔ میں بر گلے وکیل پر روپے اس لیے نہیں چھوڑ نا چاہتا کیوں کہ اس نے میری کوئی پیروی نہیں کی ہے۔ سوسائٹی نے میرے بیع نامہ تیار کروایا۔ اس کے ۲۵؍روپے میں نے ادا کر دیے اس کے بعد بیع نامہ کا مسوّدہ اسے دیا گیا کہ کاغذ خرید کر ٹائپ کروادے۔ اندیشہ تھا کہ اسٹامپ ڈیوٹی نہ لگے، اس لیے اسے سو روپے دے دیے تھے۔ ڈیوٹی نہیں لگی۔ اب خرچے کے بعد اس سے بقیہ مانگتا ہوں۔ گویا اس سے وکیل والا کوئی کام تو لیا ہی نہیں۔ جب deed تیار کرائی تھی تو اسے بے باق کر ہی دیا تھا۔ آپ ڈاکٹر پرشادی لال سے ایک آدھ فون کرادیں۔

اگر وہاں سے روپے نہ ملے تو میں آپ کو منی آرڈر سے بھیج دوں گا۔ حساب لکھتے رہیے۔ مشکور ہوں گا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

لکھنؤ میں ڈاکٹر ہاشمی ۳۱؍جولائی کو رٹائر ہو رہے ہیں۔

مخلص

گیان چند

(۴۶)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

شعبۂ اُردو جمّوں یونی ورسٹی، جمّوں

۶؍ستمبر ۱۹۷۴ء

محبِّ مکرّم تسلیم

آپ کو ایک زحمت اور ایک اطّلاع دیتا ہوں۔

(۱) کل آپ نے ازراہِ کرم مجھے اُردو فارسی عربی کے بورڈ آف اسٹڈیز کا رکن بنانے کا دعوت نامہ بھیجا۔ اس دعوت نامے کے جواب میں یہ گنجایش رکھی گئی تھی کہ رکنیت منظور ہے کہ نہیں۔ میں نے اس کا فائدہ اٹھا کر معذرت کر لی۔ آپ سے بھی معذرت کرتا ہوں۔ سفر بہت لمبا ہے۔ آپ کسی نزدیک کے شخص کو رکھ لیں تو اس کے حاضر ہونے کا امکان زیادہ ہے۔

(۲) ایک زمانہ ہوا شمیم احمد جب ایم.اے فائنل کے طالبِ علم تھے اُنھوں نے خاکہ نگاری پر ایک dissertation لکھا تھا۔ میں نے یہاں ایک لڑکے کو خاکہ نگاری پر پی ایچ. ڈی کا موضوع دیا ہے۔ آپ زحمت کر کے شمیم کا مقالہ میرے نام پارسل سے بھیج دیں تو وہ لڑکا جلدی سے استفادہ کر کے واپس کر دے گا۔ محصول ڈاک میں جو صرفہ ہوگا وہ یہاں کے صاحبِ معاملہ کی طرف سے آپ کو منی آرڈر کر دیا جائے گا۔ یہ معاملے کی بات ہے اس میں آپ عذر نہ کیجیے۔ ممنون ہوں ہوگا۔

میرے معاملے کے بارے میں لکھیے کہ کیا ہو رہا ہے۔

مخلص

گیان چند

(۴۷)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

270 کرشنا نگر، جمّوں-180001

۳/اکتوبر۱۹۷۴ء

محبّی تسلیم

۲۲/ستمبر کا کرم نامہ اور مقالہ ملا۔ تہِ دل سے مشکور ہوں۔ آج ہی ''ہماری زبان'' میں پڑھا کہ حیدرآباد میں کسی خاتون کو خاکہ نگاری پر ڈگری مل گئی ہے، اس لیے اب غالباً یہاں کے لڑکے کا موضوع بدلنا ہوگا۔

میں سفر سے بیزاری کے سبب حتی الامکان کمیٹیوں کی رُکنیت سے انکار کر رہا ہوں۔ اس کے باوجود ہمیشہ کئی کئی سفر میرے اوپر چڑھے رہتے ہیں۔ میں نے حتی الامکان ممتحنی کا کام چھوڑنے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں بھی آپ سے یہ معذرت کرنی ہے کہ بھوپال یونی ورسٹی سے ایک رجسٹری آئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اس میں کیا ہے اور میں نے لینے سے انکار کر کے واپس کر دی۔ ایسا ہی دوسری یونی ورسٹیوں کے ساتھ کروں گا۔

میرے منجھلے بھائی (پرکاش مونس سے چھوٹے) کو فالج کا حملہ ہوگیا تھا۔ انھیں دلّی دکھانے لائے تو معلوم ہوا کہ انھیں شدید کینسر ہے۔ یعنی پھیپھڑے ریڑھ کی ہڈی اور دماغ میں۔ ایک ماہ اور نکال سکیں گے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ سے انھیں واپس گھر لے گئے۔ میں بھی

دلّی اور وطن گیا تھا۔ کل واپس آیا ہوں۔

پرسوں دلّی میں جامعہ ملیہ میں اُردو پروفیسر کا سلیکشن تھا سرور صاحب، رفیعہ سلطانہ اور میں بہ طور ماہر گئے تھے۔ نارنگ، تنویر علوی اور محمد قمر رئیس انٹرویو دینے آئے۔ محمد حسن، ظہیر احمد صدیقی، قیصر زیدی اور ڈاکٹر شکیل الرحمٰن نے لکھ بھیجا کہ ان کی عدمِ موجودگی میں عرضی پر غور کیا جائے۔ نارنگ کو منتخب کیا گیا۔ یہ دیکھ کر ہنسی آتی ہے کہ جو مسعود حسین خاں پچھلی بار محمد حسین کے اتنے حامی تھے اب کی بار وہی اتنے خلاف تھے۔ محمد حسین کو نہ لینے اور نارنگ کو لینے کی ساری ذمّے داری مسعود حسین خاں کی ہے۔

''فرہنگِ آصفیہ'' میں بھی لینا چاہتا ہوں لیکن ہمّت نہیں ہوتی۔ لکھنؤ میں ہاشمی یکم ستمبر کو رٹائر ہو گئے اور ان کی جگہ ٦ ماہ کے لیے شبیہ الحسن کو ریڈر مقرر کر کے صدرِ شعبہ کر دیا گیا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کیا راز ہے۔ خواجہ احمد فاروقی آج کل یورپ گئے ہیں۔ میری اجراے ڈگری کے مصارف لکھتے رہیے۔

مخلص گیان چند

(۴۸)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی
جمّوں

١٦/اکتوبر ۱۹۷۴ء

محبّی تسلیم

حوش قسمتی یا بدقسمتی سے ہمارے پاس اُردو کتب خریدنے کو یکا یک بہت سا روپیا فراہم ہو گیا۔ تقریباً ساڑھے پانچ ہزار کی کتابیں مارچ تک منگانی ہیں۔ آپ زحمت کر کے محوی صاحب کے پاس جائیے کہ اپنے مخطوطات یا نادر قدیمی مطبوں سے فروخت کرنا چاہیں تو فہرست مع قیمت بنا دیں۔ مخطوطات کی آپ مناسب قیمت لگوا دیجیے۔ اس کے آگے میں دیکھ لوں گا۔ اگر کمی یا بیشی کرنی ہو گی تو میں تجویز کر دوں گا۔ کچھ اچھی چیزیں مل جائیں تو کیا کہنا ہے ورنہ میں دلّی سے کتب لے کر تو یہ روپیا ختم کر ہی دوں گا۔

کیا بھوپال یونی ورسٹی میں تدریسی شعبے کھلنے کی امید ہے؟ عزیز قریشی تو وزیرِ مملکت

ہو گئے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

کیا آپ اپنے پاس سے کچھ کتابیں یا رسالے دینا چاہیں گے۔

مخلص گیان چند

(۴۹)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

270 کرشنا نگر، جموں-180001

۱۰/ نومبر ۱۹۷۴ء

محبّی تسلیم

۱۷/ اکتوبر کا خط بروقت ملا تھا۔ کوئی خاص جواب طلب بات نہ تھی اس لیے میں نے جلد جواب نہ دیا۔ میرے بڑے بھائی بدستور اچھے ہوتے جارہے ہیں، لیکن یہ فائدہ فالج کو ہے، کینسر کو نہیں ہوسکتا، دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

اب میں امتحان کا پورا کام چھوڑنا چاہتا ہوں۔ کئی یونی ورسٹیوں کو لکھ دیا ہے، کئی کے لفافے واپس کر دیے ہیں۔ اب آپ بالکل ہی نہ بھیجیں تو عنایت ہوگی۔ جامعہ ملیہ کا معاملہ مسعود صاحب جانیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ انھوں نے نارنگ کو مجھ پر ترجیح کیوں دی۔ چوں کہ محمد حسن ترقی پسند ہیں اسی لیے مسعود صاحب اب انھیں جامعہ میں نہ لانا چاہتے ہوں گے مبادا وہ ترقی پسند حریف ڈاکٹر سلامت اللہ کے گروہ میں شامل ہو جائیں۔

لکھنؤ کی بات بھی واضح نہیں، وہاں سے دوبارہ اشتہار ہوا تھا جس کی آخری تاریخ ۲۱/ اکتوبر تھی۔ میں نے درخواست دے دی ہے۔

بھوپال یونی ورسٹی نے اُردو کے شعبے کی تجویز نہیں کی یہ افسوس ناک ہے۔ روی پرکاش ہندو ذہنیت کے نہیں لیکن اگر یہ وجہ ہوتی تو وہ عربی فارسی کو بھی شامل نہ ہونے دیتے۔ روی پرکاش نے مجھ سے کہا تھا کہ پی سی ملہوترا صاحب نے کہا کہ ''اُردو کو یونی ورسٹی میں نہ رکھو۔ انھوں نے اُردو کو خارج کرا دیا''۔ واللہ اعلم کیا حقیقت ہے۔

میں پرسوں وطن لکھنؤ، الٰہ آباد اور دلّی کے سفر پر جا رہا ہوں۔ ۳۰/ کو واپسی ہوگی۔ اس کے بعد آپ کو لکھوں گا۔ دلّی یونی ورسٹی میں اُردو کے ایک لکچرر ڈاکٹر عبدالحق ہیں جو گورکھ پور سے

آئے ہیں۔ نارنگ کے جامعہ میں تقرر کی خبر سن کر انھوں نے مسعود حسین خاں کو ایک تین صفحوں کا خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے: ''میں نے جوں ہی جامعہ میں نارنگ کے تقرر کی خبر سنی میرا لقمہ ہاتھ میں رہ گیا، رات کو سو نہ سکا، تین دن تک تڑپا۔ جس طرح وزیر ڈاکٹر نورالحسن مسلم یونی ورسٹی کے قاتل ہیں اسی طرح جامعہ میں اُردو کی پروفیسری پر ایک غیر مسلم کا تقرر کر کے آپ جامعہ ملیہ کے قاتل ہو گئے ہیں۔ اُردو دنیا میں تین 'چند' (گیان چند، گوپی چند، حکم چند نیّر) ہیں ان سے بچیے۔ تاریخ آپ کو جامعہ ملیہ کے قاتل کے طور پر یاد رکھے گی۔ دراصل آپ نے تو ایک ہندو کو لینا نہ چاہا ہوگا لیکن سرور صاحب نے آپ کو مجبور کیا ہوگا اور آپ اپنی شرافت کی وجہ سے خاموش رہے ہوں گے''۔

حقیقت یہ ہے کہ نارنگ کے انتخاب کی سو فیصدی ذمّے داری مسعود صاحب پر ہے۔ اب اگر میں لکھنؤ میں مقرر ہو گیا تو عبدالحق غالباً پورے مہینے بھر روزہ رکھیں گے۔

آپ عدالت میں میرے لیے جو کچھ کر رہے ہیں اُس کے لیے مشکور ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۵۰)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

270، کرشنا نگر، جمّوں-180001

۲۵ر دسمبر ۱۹۷۴ء

محبّی تسلیم

۱۱ر دسمبر کا کرم نامہ ملا۔ مدھیہ پردیش گورنمنٹ سے روپیا وصول کرنے سے پہلے باقاعدہ تاریخیں پڑ رہی ہیں۔ یہ جان کر حیرت ہوئی۔ اب ۵ر فروری کا انتظار کرتا ہوں۔ اس معاملے میں جو مصارف ہو رہے ہیں ان کی میزان اور متوقع مصارف کا اندازہ کر کے مجھے لکھ دیجیے تاکہ جملہ رقم میں منی آرڈر کر دوں اور اس وکیل سے جس نے میرے مکان کا بیع نامہ کرایا تھا، (مجھے اس کا نام یاد نہیں آ رہا) اگر بقیہ رقم وصول ہو سکے تو کیا کہنا۔ کشن چند سے کہیے کہ پرشادی لال کی مدد سے تقاضا کرے۔ اس نے وکالت کا کوئی کام نہیں کیا تھا بل کہ اس کے جونیر نے کاغذ خرید کر ٹائپ کرا دیے تھے۔

لکھنؤ میں جیسا کہ میں نے لکھا ہوگا، سرور صاحب، ڈاکٹر عابد حسین اور خواجہ احمد فاروقی ماہرین ہیں اور میرے علاوہ صرف ڈاکٹر قمر رئیس اور ڈاکٹر شبیہ الحسن امیدوار ہیں۔ ان میں شبیہ الحسن نے بہت دھوم مچا رکھی ہے۔ بہت بھاگ دوڑ کر رہے ہیں اور لوگوں پر دباؤ ڈال رہے ہیں، ڈرا رہے ہیں لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ ۹/دسمبر کو انٹرویو ہونا تھا لیکن ملتوی ہوگیا۔ اب دیکھیے کب تاریخ آتی ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۵۱)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

270، کرشنا نگر، جمّوں-180001

۱۰/جنوری ۵ ۱۹۷ء

محبّی تسلیم

۵/جنوری کا خط کل ملا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اخلاق کو جو خطوط دیے ہیں ان میں آپ کا کوئی خط تھا۔ میرے پاس ذاتی نوعیت کے جو خطوط ہوتے ہیں میں انھیں ضائع کر دیتا ہوں۔ بڑے ادیبوں کے صرف وہی خط محفوظ رکھتا ہوں جن کی کوئی ادبی اہمیّت ہو۔ میں اس بار کو سنبھال کر نہیں رکھ سکتا۔ بھوپال کے قیام میں ایسے خطوط حنیف نقوی کو دے دیے تھے کہ وہ محفوظ رکھ لے۔ اِدھر کچھ خطوط جمع ہوئے تھے۔ اخلاق کا اصرار تھا کہ وہ اسے دے دیے۔ دیتے وقت ایک ایک خط کو پڑھ کر cheak نہ کر سکا، لیکن اخلاق سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ ان خطوط کو کاتب کی زندگی میں شائع نہیں کرے گا اور کسی خط کو کہیں نقل کرنا ہو تو پہلے مجھے دکھا کر اجازت لے گا۔

اب میرے پاس جو کچھ خطوط ہیں ان میں آپ کا کوئی خط نہیں کیوں کہ آپ کے خط میں کوئی ایسی خاص بات نہ تھی کہ انھیں محفوظ کروں۔

آج ہی اخلاق کو پھر تاکید سے لکھ دیا ہے کہ کوئی خط شائع نہ کیا جائے اور اگر میرے دیے ہوئے خطوط میں کچھ خطوط آپ کے لکھے ہوئے ہوں تو انھیں لے کر آپ کے پاس چلا جائے

اور آپ کو دکھا کر پوچھ لے کہ کون کون سے آپ لینا یا ضائع کرنا چاہتے ہیں اور کون سا اسے بخش دینا چاہیں گے۔

آپ اس سلسلے میں مطمئن رہیے۔ آپ ہی نہیں ہر شخص خطوط میں دوسروں کے بارے میں خفیہ باتیں لکھ جاتا ہے۔

لکھنؤ کا سلیکشن ملتوی ہوئے جاتا ہے۔ اب فروری میں ہونے کی امید ہے۔ ایک ماہر یقیناً میرے خلاف ہیں لیکن بقیہ دو شد و مد سے میرے حامی ہیں اور اس تیسرے ماہر کے مخالف۔ مجھے امید ہے کہ یونی ورسٹی کے اربابِ حل وعقد یعنی مقامی ممبروں کی تائید بھی مجھے حاصل ہوگی۔ مقابلہ بھی تو سخت نہیں۔

مقامی امیدوار بہت کچھ ریشہ دوانیاں اور بھاگ دوڑ کر رہے ہیں لیکن امید ہے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک ضروری بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں تو بالکل قبل از وقت فرض کیجیے میں جمّوں سے جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو کیا آپ یہاں بہ حیثیت پروفیسر آنا چاہیں گے۔ یو.جی.سی. کا نیا گریڈ یہاں بھی مان لیا جائے گا۔ امید ہے اس ماہ کے آخر تک اعلان ہو جائے گا۔ پروفیسر کا گریڈ ۱۵۰۰ تا ۲۵۰۰ ہے۔ جمّوں بڑے امن وسکون کی جگہ ہے۔ یونی ورسٹی میں کوئی بھی pin pinch نہیں۔ اس سال پریوِیَس میں ۲۵ طلبہ اور فائنل میں ۲۱ ہیں۔ اگلے سال سے ملازمین کا داخلہ بند کرنا چاہتا ہوں تا کہ ۷۶ء جولائی سے دن میں جماعتیں ہوسکیں۔ پریوِیَس کے ۲۵ میں صرف تین چار ہی ملازم ہیں۔ بقیہ کُل وقتی ہیں۔ اگر آپ کا رجحان ہو تو میں آپ کا تقرر کرانے میں کامیاب ہوسکتا ہوں۔ تفصیل سے تبھی لکھوں گا جب میرا فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر آپ کو یہاں کی پروفیسری ملے تو ضرور آنا چاہیے۔ دو تین سال بعد کسی بہتر یونی ورسٹی میں جگہ ملے تو ضرور جائیے۔ اپنا پہلا تاثر لکھیے اور یہ بات اہلِ اُردو میں سے کسی پر ظاہر نہ ہو کہ جمّوں کی جگہ کے لیے میں نے آپ سے استصواب کیا ہے۔ کام کرانا ہوگا تو خاموشی سے کرا دیا جائے گا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

کیا میرے بائع سرور نے ۳۶، مالویہ نگر کے مکان میں اضافہ اور تعمیر کا کام شروع کر دیا ہے۔

آپ میرے مقدمے کا کام جو دیکھ رہے ہیں اس کے لیے مشکور ہوں۔

(۵۲)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

270، کرشنا نگر، جمّوں-180001

۲۸/ جولائی ۱۹۷۵ء

محبِّ گرامی تسلیم

ایک زمانے سے آپ کو نہیں لکھا۔ مئی کے آخر میں دلّی میں اخلاق اثر ملے تھے۔ ان سے معلوم ہوا تھا کہ آپ کو پیشاب کا عارضہ ہے اور آپ اس سلسلے میں اسپتال میں داخل ہیں۔ اب اخلاق ہی کے خط سے معلوم ہوا کہ اب آپ گھر پر ہیں اور بہ خیر ہیں۔ لکھیے اب کیا حال ہے۔

آپ نے ایک dissertation بھیجا تھا۔ میں نے اہلِ معاملہ پر تقاضا کیا ہوا ہے کہ اسے جلد واپس کرے تاکہ آپ کو لوٹا سکوں۔ دیری کے سبب شرمندہ ہو رہا ہوں۔

لکھنؤ میں میری ناکامی کا حال آپ نے سُن لیا ہوگا۔ رفیعہ سلطانہ اور خورشید الاسلام نے میری مخالفت کی اور عابد حسین نے حمایت۔ شبیہ الحسن کے لیے یو. پی. کے ایک وزیر اور مرکز کے نور الحسن نے بہت کوشش کی۔ یو. پی. کے یہ وزیر شیعہ کالج کے پرنسپل رہ چکے ہیں، عمار رضوی نام ہے۔ اب اسکولی تعلیم کے وزیر ہیں۔ انھوں نے دھمکی دی کہ اگر شبیہ الحسن کو نہیں لیا تو اگلے الیکشن میں کوئی شیعہ کانگریس کو ووٹ نہیں دے گا۔ اس پر گورنر اور وزیرِ اعلا دونوں نے شبیہ الحسن کی موافقت میں ہدایات دیں۔ انٹرویو کی صبح رفیعہ سلطانہ گورنر چنّا ریڈی سے ملیں اور آں حضرت نے حکم دیا کہ شبیہ الحسن کو لیا جائے۔ دسمبر میں وائس چانسلر نے مجھے کہلوایا تھا کہ اگر ایک بھی ماہر میری حمایت کر سکا تو مجھے منتخب کر لیا جائے گا۔ لیکن بعد میں یہی وائس چانسلر میرے خلاف ہو گیا۔ اس کے باوجود سلیکشن کمیٹی کے فیصلے پر جب ایکزیکٹو کونسل میں ووٹ پڑے تو ۸ شبیہ الحسن کے حق میں اور ۶ میرے حق میں ہوئے۔ میں نہیں جانتا کہ میرے غائبانہ حامی کون تھے۔ یہ جانتا ہوں کہ بیگم حامدہ حبیب اللہ جو گجرال کمیٹی میں میرے ساتھ کام کر چکی ہیں، شبیہ الحسن کی حمایت میں پیش پیش تھیں۔

میں نے الٰہ آباد درخواست دی ہوئی ہے۔ رفیق صاحب وہاں رٹائر ہو چکے ہیں۔ فردوس فاطمہ صدرِ شعبہ ہیں۔ یونی ورسٹی ۲۸/ جولائی کو کھلے گی۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہاں سلیکشن

کمیٹی کیوں منعقد نہیں ہوئی۔ چوں کہ اُردو کی اعلا پوسٹوں پر تقرر کے وقت ہندو مسلمان کا سوال اٹھا دیا جاتا ہے اس لیے میری رائے ہے کہ آپ الہ اباد کی پروفیسری پر درخواست دے دیں کیوں کہ اگر وہاں کوئی مذہبی سوال اٹھا کر مجھے کاٹ دے تو آپ تو ایک اچھے امیدوار موجود ہوں۔ بہ صورتِ دیگر ریڈر تو ضرور ہی مقرر ہو سکیں گے۔

میرے مقدمے کا کیا ہوا۔ دو تین دن قبل میں نے اختر سعید خاں کو بھی چٹھی لکھی ہے۔ ان سے جواب کی توقع نہیں۔ آپ معاملہ آگے بڑھوا سکیں تو بڑھوا دیں۔ اخراجات کے لیے باگلے وکیل سے بقایا رقم کیا ملے گی۔ آپ مجھے لکھیے تو میں ضروری رقم روانہ کردوں گا۔

میں نے منوچا کو ایک کام کے لیے لکھا تھا۔ اس کا جواب نہیں آیا۔ ممکن ہے چٹھی نہ ملی ہو۔ اس سے پوچھ کر دیکھیے۔

مجھے میسور یونی ورسٹی میں اُردو پروفیسر کے سلیکشن میں جانا ہے۔ سلیکشن ۶؍اگست کو ہے۔ دوسرے ماہر کون ہیں مجھے معلوم نہیں۔ امیدواروں میں تین قابلِ ذکر ہیں: (۱) بنگلور کی ڈاکٹر آمنہ خاتون (۲) حیدر آباد کے ڈاکٹر حفیظ قتیل اور (۳) علی گڑھ کے شعبۂ لسانیات کے صدر ریڈر ڈاکٹر غفار شکیل جو میسور کے ہیں۔

اُردو دنیا کی اور کوئی خبر میرے پاس نہیں۔ عرصے سے کہیں آیا گیا نہیں ہوں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۵۳)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

270، کرشنا نگر، جمّوں–180001

۱۴؍اگست ۱۹۷۵ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۲۵؍جولائی کا کرم نامہ ملا۔ برابر میں سنسکرت کا شعبہ ہے۔ شاید وہاں آکر پڑ گیا تھا۔ کل ان کا چپراسی مجھے دے کر گیا ہے۔

امید ہے مقالہ آپ کو مل گیا ہوگا۔ اہلِ معاملہ کے میں کئی ماہ سے پیچھے پڑا تھا۔ وہ سری نگر

میں ملازم ہو گیا ہے۔ آپ کا خط ملتے ہی میں نے کل اسے سری نگر فون کیا۔ اس نے بتایا کہ اس نے ۲؍اگست کو یہ مقالہ آپ کے گھر کے پتے پر بھیج دیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اتنی دیر ہوئی۔ میں اس دوران اسے کافی سخت سست کہتا رہا ہوں۔

حیرت ہے کہ ڈگری ہونے کے لیے بھی باقاعدہ تاریخیں پڑ رہی ہیں۔ یہ بہ جائے خود ایک نیا مقدمہ ہو گیا۔

میں میسور گیا تھا۔ ۶؍اگست کو پروفیسر کی پوسٹ کا انٹرویو کیا۔ دوسری ماہر رفیعہ سلطانہ تھیں۔ امیدواروں میں ڈاکٹر رضی الدین (تروپتی)، ڈاکٹر غفار شکیل ریڈر و صدر شعبۂ لسانیات مسلم یونی ورسٹی، شہاب جعفری اور مقامی حضرات آئے تھے۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون اور ڈاکٹر حفیظ قتیل بھی امیدوار تھے لیکن انٹرویو میں نہیں آئے۔ میں نے رضی الدین کے لیے کہا۔ رفیعہ نے ایک مقامی لکچرر ہاشم علی کے لیے اور ڈین نے مقامی صدرِ شعبۂ محمد حنیف کے لیے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ پوسٹ دوبارہ مشتہر کر دی جائے۔ بنگلور سے بھی ایک پروفیسر، ایک ریڈر اور دو لکچرر کی پوسٹ مشتہر ہو چکی ہیں۔ آمنہ خاتون اسی لیے انٹرویو میں نہیں آئیں کیوں کہ بنگلور میں ان کا تقرر یقینی ہے۔

آپ نے اپنی طبیعت کے بارے میں تفصیل سے نہ لکھا۔ الٰہ آباد میں نیا گریڈ آنے کی وجہ سے پوسٹ دوبارہ مشتہر ہو گی۔ منوچا کو ایک کام کے لیے لکھا تھا اس سے کہنا کہ جواب کیوں نہیں دیا۔

مخلص

گیان چند

(۵۴)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

270، کرشنا نگر، جموں-180001

۱۲؍دسمبر ۱۹۷۵ء

محبّی تسلیم

آج میں دلّی، الٰہ آباد، لکھنؤ کے سفر سے واپس آیا۔ واپسی پر آپ کا کرم نامہ ملا۔ ''مطالعۂ داغ'' کے بارے میں ''سرپنچ'' کا مضمون میں نے بھی پڑھ لیا تھا اور شعبے کے دوسرے تمام

ساتھیوں کو پڑھوا دیا تھا۔ اس پرچے کی ایک کاپی آپ نے بھجوائی، ایک لکھنؤ سے آئی۔ ۸/ دسمبر کے ''ہماری زبان'' میں اس موضوع پر ایک مراسلہ آ گیا ہے جس سے سب کچھ صاف ہو جاتا ہے۔ ''قومی راج'' میں بھی مضمون کو دیکھوں گا۔

آپ میری ڈگری کے لیے جو کچھ کر رہے ہیں وہ کافی ہے اور اس کے لیے مشکور ہوں۔

جامعہ ملیہ میں مَیں لکچرروں کے سلیکشن میں گیا تھا۔ شمیم حنفی اور مظفر حنفی کو منتخب کر لیا۔ شمیم حنفی ڈی لٹ ہیں اس وقت علی گڑھ میں مستقل لکچرر ہیں۔ لکھنؤ میں ملک زادہ منظور احمد نے دوبارہ شادی کر لی ہے۔

الٰہ آباد میں یونی ورسٹی والے یہ طے نہیں کر پا رہے کہ اُردو کی پروفیسر شپ اور دوسری اسامیوں کا دوبارہ اشتہار کیا جائے یا نہیں۔

اور کوئی خاص بات قابلِ نگارش نہیں۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۵۵)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

جمّوں-180001

۱۰/ اپریل ۱۹۷۶ء

محبِّ مکرّم تسلیم

کئی ماہ سے آپ سے کوئی مراسلت نہیں ہوئی۔ میں دسمبر میں جے پور گیا تھا۔ میرے بڑے بھائی ڈاکٹر پرکاش مونس کے گلے میں thyraid glands بہت بڑھ گئے تھے۔ ان کا آپریشن کرایا جو کامیاب رہا۔ جے پور میں ان کے عزیز ہیں اور انھیں وہاں سہولت تھی۔ میں ۱۸ دن جے پور اسپتال میں رہا۔ وہاں یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے اساتذہ سے بار ہا ملنا ہوا۔ ایک دن ان لوگوں نے شعبے میں میرا لکچر کرایا۔ ڈاکٹر محمد علی زیدی نے بہت خاطر کی۔ مجھے انھوں نے بھی اور فضل امام نے بھی کھانے پر مدعو کیا۔ اول میں نے معذرت کی لیکن پھر زیدی کے یہاں کھانا کھایا۔ زیدی نے مجھے جے پور کی سیر کرائی۔ بہت بھلا اور سیدھا آدمی ہے۔ آپ لوگ خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑے ہیں۔ مجھ سے کہتا تھا ''ابو محمد صاحب مجھ سے ناراض ہیں۔

فرید برکاتی نے جو مضمون ان کی کتاب کی تنقید میں لکھا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ میں نے لکھایا ہے، اس لیے وہ میرے خلاف ہو گئے ہیں''۔

میں نے واضح کیا کہ آپ ہرگز اس طرح کے آدمی نہیں ہیں۔ میں نے زیدی کو صلاح دی کہ جواب نہ دے کر خاموش بیٹھیے۔ فرید احمد برکاتی عربی کا ایم.اے. ہے اور اب ایم.اے اُردو میں فائنل میں پڑھتا ہے۔ جے پور کے شعبے کے چاروں اساتذہ ہنوز لکچرر ہیں۔

فضل امام کہتا تھا کہ ''زیدی صاحب نے مجھ سے کہا کہ ابومحمد صاحب کے اعتراض کا جواب لکھو لیکن مماثلت اتنی صریح ہے کہ جواب کیوں کر لکھا جائے''۔

زیدی مقامی آدمی ہے بقیہ اساتذہ باہر کے ہیں۔ فضل امام گورکھ پور کا ہے۔ یہ نسبتاً تیز آدمی معلوم ہوتا ہے۔ زیدی عالم قسم کا آدمی نہیں۔ کچھ درسی کتابیں پرائمری کے لیے تیّار کی ہیں اور بس۔ اِس کے علاوہ ان کی زنبیل میں کوئی ادبی کارنامہ نہیں۔

زیدی کی عمر ۴۷ سال کے قریب ہے۔ میرے رفیقِ کار ڈاکٹر شیام لال کالڑا عابدؔ پیشاوری مارچ میں لکھنؤ گئے تھے۔ وہاں کچھ افواہ سُن کر آئے جو بے ترتیب ہے لیکن کچھ اس طرح ہے:

> ''زیدی نے احتشام صاحب کی سرکردگی میں مقالہ لکھا ہے۔ مسیح الزماں کو اپنی کسی عزیز لڑکی کے لیے لڑکے کی تلاش تھی۔ زیدی کو منتخب کیا اور یہ انتظام کیا کہ مقالہ کرایے پر لکھا دیا جائے گا۔ اِس کے لیے غالبًا مجاور حسین رضوی کو مامور کیا اور انھیں دو سو روپے ماہانہ دیا جانے لگا۔ چوں کہ مقالہ نویس کو معاوضے کی آخری قسطیں نہیں ملیں اِس لیے اس نے دوسری کتابوں سے نقل کر کے بے گار ٹالی''۔

میرا خیال ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ زیدی کا مقالہ ان کا لکھا ہوا نہیں کسی دوسرے کا لکھا ہوا ہے۔ کیوں کہ زیدی بات چیت سے علمی و ادبی آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں سیدھا اور شریف ضرور ہے، اِس لیے اسے بخش کیوں نہ دیں۔

سرقہ تو فردوس فاطمہ نصیر کے مقالے میں بھی ہوا ہے۔ سُنا ہے اس کے بارے میں بھی ''ہماری زبان'' میں کوئی مضمون آنے والا ہے۔ میری نظر سے ان کی کتاب ابھی تک نہیں گزری۔

الٰہ آباد یونی ورسٹی کے تقرّرات کی کوئی خبر نہیں۔ معلوم نہیں کیوں سو رہے ہیں۔

میں نے زیدی کے مقالے کے بارے میں جو بات سُنی ہے وہ محض سُنی سُنائی ہے کہیں کسی مضمون میں نہ لکھ دیجیے۔ کہیں سے مصدقہ معلوم ہو تو کچھ کہا جائے۔

میرے غالبؔ پر مضامین کا ایک مجموعہ ''رموزِ غالبؔ'' کے نام سے آنے والا ہے۔ ابھی تک یہ پریس سے نہیں آیا حالاں کہ اس کا اشتہار ہو رہا ہے۔ کم از کم میرے پاس اس کی کاپی نہیں آئی۔

میرے مقدمے کا کیا ہوا۔ کچھ کیجیے صرف کے لیے روپیا درکار ہو تو بے تکلّف لکھیے۔ بھیج دوں۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۵۶)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

3، اسٹاف کوارٹر، جمّوں یونی ورسٹی،

جمّوں-180001

۲۱رمئی ۱۹۷۶ء

محبِّ مکرّم، تسلیم۔

آپ کا ۱۰رمئی کا کارڈ ملا۔ شکریہ، میں نے ۱۱رمئی کو مکان بدل لیا۔ یونی ورسٹی کے کوارٹر میں آ گیا ہوں۔ اب خواہ مندرجہ بالا پتا لکھیے خواہ شعبۂ اُردو جمّوں یونی ورسٹی کا، کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اِس خبر کے لیے شکریہ کہ حکومت کی قرقی ہوگی۔ حیرت ہے کہ حکومت کو روپے کی ادائیگی میں اِس قدر تامّل کیوں ہے۔

میں نے یہاں سے جعفر رضا کو لکھ کر پوچھا تھا کہ کیا زیدی کا مقالہ مسیح صاحب کے ایما پر مجاور حسین نے لکھا ہے۔ جعفر رضا نے لکھا:

> ''مسیح صاحب کے انتقال کے بعد بھی انھیں بدنام کرنے کی مہم جاری ہے۔ یہ افواہیں بھی اسی کا حصّہ ہیں۔ میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ زیدی صاحب کا مقالہ انھی کا لکھّا ہوا ہے۔ وہ ایک ایک باب رجسٹری کر کے بھیجتے تھے اور مسیح صاحب اسے دیکھ کر واپس کر دیتے تھے''۔

اِسی ماہ لکھنؤ میں فون پر ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی سے بات ہوئی۔ وہ کہتے تھے کہ ''زیدی کا مقالہ کسی اور کا لکھا ہوا ہے اور یہ نچلی سطح پر کیا گیا۔ احتشام صاحب نے مسیح الزماں کے سپرد یہ کام کر دیا تھا۔ مسیح الزماں نے جعفر رضا کو دے دیا، جعفر رضا نے کسی سے لکھا دیا''۔

وہ کہتے تھے کہ ''فردوس فاطمہ کا مقالہ بھی کسی اور کا لکھا ہوا ہے۔ اب جو اِس کے ماخذات کا سراغ دیا جا رہا ہے یہ اُنھی صاحب کا کام ہے جنھوں نے مقالہ لکھا تھا''۔

اُنھوں نے فردوس کے مقالہ نگار کا نام نہیں بتایا۔ مجھے علم نہیں کہ مقالہ کس نے لکھا ہے۔ ان کے مقالے سے متعلّق مضمون ''ہماری زبان'' میں چھپنے کی اُمید نہیں۔ خلیق انجم کے فردوس فاطمہ سے مراسم ہیں۔ میں ۶ رمئی کو الہ آباد آ گیا تھا۔ وہاں مجھے عقیل اور جعفر رضا نے وہ مضمون دکھایا جو ''ہماری زبان'' کو گیا ہے۔ مضمون میں مختلف کتابوں کے اقتباسات اور فردوس کے مقالے کے جو اقتباسات دیے تھے ان کا تطابق دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ ''مقدّمۂ شعر و شاعری'' سے کئی صفحے نقل کر دیے ہیں اور جہاں جہاں شاعری کا لفظ تھا اسے ہٹا کر 'افسانہ' لکھ دیا ہے۔

الہ آباد میں بورڈ آف اسٹڈیز کی میٹنگ تھی۔ کوئی چار گھنٹے تک چلی اور اس میں کوئی مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ ایجنڈا کا کوئی بھی item نہ لیا جا سکا۔ عقیل اور جعفر رضا ایک طرف اور فردوس فاطمہ اور ظلِ حسنین دوسری طرف جھگڑتے رہے، چلّاتے رہے۔ ایک دوسرے کے خوب چڑے کھولے۔ آخرش میٹنگ adjourn کر دی گئی۔ یہ میٹنگ دوبارہ ۱۹ رمئی کو ہوئی ہوگی۔ میں نہیں گیا۔

عقیل تنقید پڑھاتے ہیں۔ یہ پرچہ کشمیر میں شکیل الرحمٰن کو گیا۔ انھوں نے پانچ چھے کے سوا سب لڑکوں کو فیل کر دیا۔ عموماً چھے سات نمبر دیے۔ جنھیں پاس کیا اُنھیں بھی ۲۴ اور ۳۲ کے درمیان نمبر دیے۔ ممتحن کی رپورٹ میں لکھ دیا کہ لڑکوں کو تنقید کی مبادیات بھی نہیں آتیں۔ معلوم ہوتا ہے انھیں ٹھیک طرح پڑھایا نہیں گیا''۔

فردوس فاطمہ نے یہ رپورٹ ڈین کے پاس بھیج دی اور بورڈ آف اسٹڈیز میں رکھ دی۔ عقیل نے میٹنگ میں کہا کہ ''آپ نے اپنی thesis میں سب کچھ دوسروں کے یہاں سے چرایا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم جہاں بھی جاتے ہیں ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ لکھنؤ اور دلّی میں لوگ کہتے ہیں کہ تمھارے شعبے کے استاد ایسے ہیں''۔

یہی جھگڑے چلتے رہے۔ شعبے کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ بالکل Collapse کر گیا ہے۔

آپ کو مدھیہ پردیش شاسن پریشد نے انعام دے دیا تو اس پر پریشان کیوں ہیں۔ مبارک ہو۔ اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۵۷)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

کیمپ، دلّی

۲۶/جولائی ۱۹۷۶ء

محبِّ مکرّم، تسلیم۔

پرسوں میں الٰہ آباد میں انٹرویو دے آیا اور آپ کی دعاؤں سے منتخب ہو گیا۔ باہر سے کوئی دوسرا امیدوار نہیں آیا تھا۔ دو مقامی امیدوار فردوس فاطمہ اور عقیل تھے۔ ماہرین میں رفیعہ سلطانہ اور خورشید الاسلام تھے۔ لکھنؤ میں انھوں نے جس طرح میری مخالفت کی تھی الٰہ آباد میں اسی طرح پُر زور حمایت کی۔ انٹرویو میں مجھ سے بالکل کوئی سوال نہیں پوچھا۔ کمیٹی کے جملہ ممبران میرے حق میں تھے۔ ریڈر کے لیے فردوس فاطمہ اور عقیل کا انتخاب ہوا۔ تین لکچرر بھی مقرر ہوئے ہیں۔ ان کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ افواہ ہے کہ تینوں سنّی ہیں۔

۲۹/جولائی کو ایکزیکیٹو کونسل کی میٹنگ میں فیصلے کی توثیق ہو جائے گی اور پھر تقرر نامہ جاری ہوگا۔ امید ہے کہ اگست کے آخر تک میں کام سنبھال لوں گا۔

اب جمّوں کے بارے میں آپ سے گزارش کرتا ہوں۔ یہاں فی الحال گریڈ کچھ کم کر کے ہے یعنی پروفیسر کا 1900=80-1740-60-1500 ہے۔ 1900-1500 کے بعد ایک سلیکشن گریڈ 2100-1900 ہے۔ یقینی ہے کہ سال دو سال کے اندر یہاں کا گریڈ بھی 2500-1500 ہو جائے گا۔ جمّوں میں نئے گریڈ میں کوئی D.A نہیں ہے۔ 950 تک قدرے D.A. ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ جمّوں کی پروفیسر قبول کریں۔ آپ چاہیں تو آپ کو ایک دو مزید اضافے بھی دیے جا سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جمّوں میں زندگی گزار دیجیے۔ صرف یہ کہ دو تین سال رہیے اور پھر جہاں کہیں موقع ہو چلے جائیے۔ جمّوں میں پریویس میں اس سال ۷۶-۷۵ء

میں ۲۶ طلبہ اور فائنل میں ۱۸ تھے۔ دو تین کے سوا سب کُل وقتی تھے۔ اس سال سے میں وہاں دن کی جماعتیں کر دوں گا اور شام موقوف۔ جمّوں میں انتہائی امن وسکون کی زندگی گزرے گی۔ اساتذہ، طلبہ، کلرک، چپراسی، سب کی طرف سے پورا تعاون ہوگا۔ وائس چانسلر، رجسٹرار، ڈپٹی رجسٹرار، لائبریرین سب آپ کے ساتھ ہوں گے۔ کہیں سے بھی کوئی pin pinch نہ ہوگا۔ لائبریری میں بیش بہا کتابیں ہیں جن میں ۸۵ مخطوطات ہیں۔ ان میں ''رانی کیتکی کی کہانی''، ''سلکِ گوہر'' اور ''دریاے لطافت'' کا مخطوطہ بھی ہے۔ اس سال لائبریری کا اُردو بجٹ ساڑھے سات ہزار روپے ہے۔ اسی طرح آپ کو کام کرنے کے بہت مواقع ہیں۔

یونی ورسٹی پروفیسری نہایت مشکل سے ملتی ہے لیکن آپ کو بہ آسانی مل سکتی ہے۔ اگر کچھ اور نہیں تو اُردو کا خیال کیجیے۔ یہاں آ کر آپ اُردو کی خدمت کریں گے۔ آپ کی بہ جاے کوئی ایرا غیرا آ گیا تو شعبہ تباہ ہو جائے گا۔ اُردو تعلیم وتدریس کا خیال کر کے ہی چلے آیئے۔ آپ نہ آئے تو قمر رئیس یا کوئی اور جونیر ریڈر یہاں پروفیسر ہو کر آئے گا۔

اب آپ کو فیصلہ کرنا ہے اور سوچ سمجھ کر قطعی فیصلہ۔ آپ آئیں تو میں دیکھ کر آپ کے لائق ماہرین مقرر کراؤں۔ سلیکشن اور انٹرویو وغیرہ کو دیکھنا میری ذمّے داری ہے۔

جمّوں پُر امن شہر ہے۔ یہاں کے باشندوں کو ہندو مسلم افتراق کا شعور نہیں۔ اپنے فیصلے سے مجھے فوراً مطلع کیجیے۔ میرا پتا یوں لکھیے:

3, Staff Quarter, Jammu University, Jammu-180001

ویسے اگر شعبے کا پتا لکھیں تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔ انکار کرنے سے قبل منوچا، سی آر گپتا اور کے. سی. گپتا سے بھی مشورہ کر لیجیے۔ ان لوگوں کو میری تبدیلی کی اطّلاع بھی دے دیجیے۔

مخلص گیان چند

(۵۸)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

۳۰؍جولائی ۱۹۷۶ء

محبّی تسلیم

الٰہ آباد سے واپسی میں مَیں دلّی ٹھہرا جہاں سے آپ کو خط لکھا تھا۔ وہاں سریندر ارن

کے بھائی راجندرارن سے ملاقات ہوئی۔ ان سے معلوم ہوا کہ الہٰ آباد سے کسی نے آپ کو لکھا تھا۔ ''اول تو گیان چند کا الہٰ آباد میں تقرر نہیں ہوسکتا اور اگر ہوا تو ہم ٹکنے نہ دیں گے''۔

یہ گیدڑ بھبکی بچکانہ ہے۔ مجھ میں اُن صاحب سے کہیں زیادہ طاقت ہے۔ براہِ کرم ان کا نام ضرور لکھیے تا کہ میں اُن کی طرف سے محتاط رہوں۔ مجھے یقین ہے کہ شعبے میں میرے حامی بہ کثرت ہوں گے اور مخالفت کی جرأت شاید کوئی نہ کرے۔ نام افشاں کرنے میں بخل نہ کیجیے۔ وہ کہیں چھاپا نہ جائے گا۔ میرے پہلے خط کے معروضے کا بھی قطعی جواب دیجیے۔ امید کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۵۹)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

3، اسٹاف کوارٹر، جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں-180001

۱۵/اگست ۱۹۷۶ء

محبِّ مکرّم، تسلیم۔

کرم نامہ ملا۔ میں آپ کے نہ آنے پر صبر کر کے بیٹھ گیا تھا لیکن پروفیسر کی تلاش جاری ہے۔ کل میرے شعبے کے تینوں ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ ایک بار پھر آپ سے درخواست کروں کہ آپ آجائیں۔

صورت یہ ہے کہ آپ دو سال کے لیے deputation لے کر آجایئے۔ اس طرح آپ کے ۲۵ سال پورے ہو جائیں گے اور آپ کو پنشن مل جائے گی۔ ڈاکٹر S.K. Lal مدتوں ڈیپوٹیشن پر رہ کر دلّی یونی ورسٹی میں ملازم رہے۔ یہاں آپ چار اضافے مانگیں تو بہ آسانی مل سکتے ہیں۔ اس طرح آپ کی تنخواہ ۱۷۰۰ روپے ہو جائے گی۔ گریڈ فی الحال کم ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ دو سال کے اندر دوسری یونیورسٹیوں کے برابر آجائے گا۔ دو سال بعد آپ واپس بھی جاسکتے ہیں یا کہیں اور۔ آپ پرنسپلی کی بہ جائے تعلیمی ملازمت ہی میں زیادہ خوش رہیں گے اور تعلیم کے کام کے لیے یونی ورسٹی سے بہتر اور ادارہ نہیں ہوتا۔ میں آپ سے یہ کب کہتا ہوں کہ

جمّوں میں عمر کاٹ دیجیے، صرف دو تین سال کے لیے آجائیے پھر غور کر کے اور ساتھیوں سے مشورہ کر کے لکھیے۔

میں اکتوبر کے پہلے ہفتے میں جمّوں چھوڑ کر الٰہ آباد جاؤں گا۔

مخلص گیان چند

(۶۰)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
یونی ورسٹی آف الٰہ آباد
الٰہ آباد-211002
۱۷؍فروری ۱۹۷۷ء

محبّی تسلیم

مجھے چار پانچ جلدیں ''نثری داستانیں''، طبعِ دوم کی پاکستان سے مل گئی ہیں۔ سوچا کہ زیادہ سے زیادہ طلبہ اس کا فائدہ اٹھا سکیں اسی لیے کئی جگہ ایک ایک کاپی دے دی ہے۔ الٰہ آباد میں صرف ایک کاپی رکھّی ہے۔ یہ کتاب ہندستان میں نایاب ہے۔ میں نے ڈاک سے ایک کاپی آپ کے پاس کالج لائبریری کے لیے بھیجی ہے۔ اس کا بل بھیج رہا ہوں ادا کر دیجیے۔

میرے مقدمے میں روپے کی وصولی کا کیا ہوا۔ معلوم کرنے کی زحمت کیجیے۔ امید ہے مزاج بہ خیر ہوگا۔

کتاب کی جلد پر کہیں قیمت ۳۰؍روپے لکھ دیجیے۔ پرانی قیمت کم تھی۔

مخلص

گیان چند

(۶۱)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
6-84، یونی ورسٹی روڈ، الٰہ آباد-211002
۸؍مارچ ۱۹۷۷ء

محبّی تسلیم

میں تین دن کے لیے لکھنؤ اور دلّی گیا تھا۔ کل واپس آیا تو آپ کا کرم نامہ ملا۔

''نثری داستانیں'' سات جلدیں پاکستان سے آئیں۔ایک میں نے اپنے لیے رکھی۔ دو بعض لوگوں نے تحفتاً ہڑپ لیں۔باقی رہیں چار۔میں چاہتا تھا کہ یہ کتاب ایک کاپی حکم چند نیّر (بنارس) لے گئے۔ایک میں نے الٰہ آباد میں رکھی۔ایک جموّں بھیجی اور ایک بھوپال۔اگر میں چاہتا تو الٰہ آباد یونی ورسٹی ہی میں دس کا پیاں تک دے سکتا تھا۔اسی طرح میں جموّں میں بھی بہ یک وقت پانسات جلدیں دے سکتا تھا۔ہندستان میں کتاب کی نایابی کے پیشِ نظر میں نے اس کی جلدیں صرف لائبریریوں کو دیں۔جموّں اور الٰہ آباد میں قیمت یا محصول کے بارے میں کوئی حجت نہیں ہوئی۔الٰہ آباد میں تو محصول کا سوال ہی نہ تھا۔میں نے دو قواعد دیکھے ہیں: (۱) اگر کتابوں کی جملہ قیمت سو روپے یا زیادہ ہوتی ہے تو محصول کتب فروش کے ذمّے ہوتا ہے۔اگر سو روپے سے کم کی کتابیں خریدیے تو محصول خریدار کے ذمّے ہوتا ہے۔(۲) پاکستانی کتابوں پر کوئی کمیشن وضع نہیں کیا جاتا کیوں کہ یہ فی الحال نایاب ہیں۔

کیا آپ نادر کتابیں مطبوعہ قیمت سے زیادہ پر نہیں خریدتے۔اگر میں آپ سے کہوں کہ ''نثری داستانیں''،طبعِ دوم کی ایک کاپی کہیں سے پچاس روپے میں لا دیجیے تو آپ نہیں لاسکیں گے۔میں کتب فروش سے بل بنوا سکتا تھا لیکن میں نے کتاب کی نایابی کے پیشِ نظر اپنے نام ہی سے بنایا۔

اب آپ اپنی لائبریری کو کہیے کہ یہ کتاب ''تیس روپے جمع محصول ڈاک میں بغیر کسی کمیشن کے مل سکتی ہے۔لینا ہو لیں ورنہ نہ لیں''۔فی الحال کتاب لائبریری کو نہ دیں اپنے پاس رکھے رہیں۔

میں نے جموّں میں متعدد کتابیں اور رسالے جمع کیے۔اس سال الٰہ آباد میں بھی بہت ہی نادر کتابیں خریدیں۔مثلاً ''انگارے''،نورالحسن ہاشمی سے پچاس روپے میں لی ہے۔ہاشمی سے میں نے تقریباً ایک ہزار کی کتابیں لی ہیں۔انھیں کے نام سے بل بنا ہے۔کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ''انگارے'' کو مطبوعہ قیمت پر حاصل کیا جا سکتا تھا۔

مقدمے نے عجیب طول کھینچی ہے۔قرقی ہونی تھی وہ ہوگئی ہوگی۔بہرحال اختر سعید صاحب آئیں تو معلوم کیجیے۔

دلّی میں مَیں سلیکشن کمیٹی میں گیا تھا۔تنویر علوی دلّی یونی ورسٹی میں ریڈر منتخب ہوگئے۔ اب میں بل کہ میری بیوی بھی ایک بار بھوپال آنا چاہتے ہیں۔میرے پاس وکرم یونی

ورسٹی کی ایک thesis آئی تھی۔ حمیدہ بانو اُجین کی ''اُردو شاعری رجحانات وتحریکات'' زیرِ نگرانی عبدالودود۔ میں نے کئی ماہ بیش تر موافق رپورٹ بھیج دی تھی۔ اس کے بعد کچھ سنا نہیں کہ کیا ہوا۔ اگر زبانی امتحان ہوتا تو میں سفر کر لیتا۔ میں حتی الامکان سفر سے بچنا چاہتا ہوں لیکن اب بھوپال والوں سے ملنے کو جی چاہتا تھا۔ آفاق سے اس مقالے کے بارے میں شاید کچھ معلوم ہو سکے۔

جمّوں سے آج تک پروفیسر کی پوسٹ کا اشتہار نہیں ہوا۔ ریڈر کا اشتہار ہوا تھا اس کی سلیکشن کمیٹی بھی نہیں ہوئی۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ سرور صاحب پہلی اپریل تک کشمیر میں اقبالؔ پروفیسر اُردو کا چارج لیں گے۔ میں نے کوشش کر کے جمّوں یونی ورسٹی کی پروفیسر کی پیش کش کرائی تھی بعد میں کشمیر یونی ورسٹی نے امانت میں خیانت کر لی۔

مخلص

گیان چند

(۶۲)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

84-6، یونی ورسٹی روڈ، الہ آباد-211002

۱۸؍مارچ ۱۹۷۷ء

محبّی تسلیم

ایک عرصے سے آپ سے مراسلت نہیں ہوئی۔ یہاں شعبے کا کام نہایت امن وسکون سے چل رہا ہے۔ ڈاکٹر عقیل تین مہینے کے لیے دلّی یونی ورسٹی میں ایک visiting assignment پر گئے ہیں۔ نومبر کے آخر تک کا تقرر ہے لیکن وہ ۱۵ یا ۱۷؍نومبر تک آجائیں گے۔

بیگم ڈاکٹر فردوس فاطمہ نصیر ۶۰ سال کی ہونے پر ۳۰؍اکتوبر ۱۹۷۷ء کو رٹائر ہوں گی لیکن یہاں قاعدہ یہ ہے کہ تعلیمی سال کے وسط میں رٹائر ہونے والوں کو ۳۰؍جون تک چلایا جاتا ہے۔ اس لیے وہ ۳۰؍جون ۷۸ء تک ملازمت میں رہیں گی۔ میں اگلے سال فروری مارچ میں ریڈرشپ کا اشتہار کرادوں گا۔

آپ جمّوں پروفیسر ہو کر نہیں گئے۔ وہاں عجیب تقرر ہوا۔ جگن ناتھ آزادؔ کو پروفیسر مقرر

کر دیا ہے۔ وہ اُردو کے ایم.اے نہیں فارسی کے ایم.اے ہیں۔ کبھی تدریس نہیں کی لیکن ان کا تقرر ہو گیا ہے۔ دو تین سال کے لیے جمّوں میں پروفیسر کا گریڈ 1900-1500 تھا۔ اس کے بعد ایک سلیکشن گریڈ 2100-1900 تھا۔ اس کے لیے صرف میں eligible تھا۔ مجھے وہ نہ دیا گیا کیوں کہ میں باہر کا رہنے والا تھا۔ اس گریڈ پر وہاں ایک پیسا D.A. نہ تھا۔ اس طرح وہاں کی پروفیسری دوسری جگہ کی ریڈر کے برابر تھی۔

اب آپ سے ایک راز کی بات کرتا ہوں۔ کیا آپ الٰہ آباد میں ریڈر ہو کر آنا پسند کریں گے۔ آپ کو پانچ اضافے دلا کر 1480 روپے بنیادی تنخواہ دی جا سکے گی اور اسی پر 303 روپے D.A. ہوگا یعنی کل 1983 میں گارنٹی کر سکتا ہوں مکمّل آزادی اور مکمّل ذہنی سکون کی۔ کام زیادہ نہیں۔ یونی ورسٹی بہت تھوڑی دیر کو آنا ہوگا۔ جن دنوں آپ کا کلاس نہ ہو یونی ورسٹی آنے کی ضرورت ہی نہیں۔

چھٹی plan کے لیے، ہم جو منصوبے تیّار کریں گے اُن میں دو پروفیسر شپ مانگیں گے۔ الٰہ آباد میں دو ایک شعبوں کو چھوڑ کر سب میں دو تین پروفیسر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اُردو کو بھی کم از کم ایک پروفیسر شپ مل جائے گی۔ اس وقت آپ کے لیے موقع ہوگا۔

مقامی امیدوار ڈاکٹر ظلِّ حسنین اور ڈاکٹر جعفر رضا ہوں گے۔ ظلِّ حسنین تو کوشش نہ کریں گے۔ جعفر رضا بہت جدوجہد کریں گے۔ آپ آنا چاہیں تو آپ کا اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔

معاملے پر اچھی طرح غور کیجیے اور مجھے لکھیے۔ یونی ورسٹی میں کالج کی بہ نسبت کام کرنے کے بہت مواقع ہوتے ہیں۔ منوچہ اور کشن چند گپتا سے بھی مشورہ کر لیجیے۔

یہ خط ذاتی نوعیت کا ہے۔ جہاں تک ہو سکے میرے اس استصواب کو اُردو والوں سے پوشیدہ رکھیے بل کہ اس خط کو ضائع ہی کر دیں تو بہتر ہے۔

سرکار سے میرے روپیوں کی وصولی کے لیے آپ کچھ کیجیے۔ مصارف کے لیے کچھ رقم درکار ہو تو مجھے لکھیں میں بھیج دوں۔

میں نے کمیٹیوں میں جانا حتی الامکان ترک کر دیا ہے۔ ممتحنی کا کام بھی چھوڑ دیا، لیکن اکتوبر میں ۱۴ دن کے لیے بیوی کو لے کر سیاحت پر چلا گیا تھا۔ ۶ / اکتوبر کو گیا ۲۰ / اکتوبر کو واپس آیا۔ اورنگ آباد (اجنتا، ایلورا، حیدرآباد، گوا اور بمبئی گیا تھا)۔

آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنی قدیم یونی ورسٹی کی

خدمت کو تیّار ہو جائیں گے۔

مخلص

گیان چند

(۶۳)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

یونی ورسٹی اُردو، الہٰ آباد-211002

یکم ردسمبر ۱۹۷۷ء

محبِّ مکرّم، تسلیم۔

میں نے آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ معلوم نہیں آپ کو ملا کہ نہیں۔ اِس کے مضمون کو پھر دہراتا ہوں۔

ہمارے یہاں ڈاکٹر فردوس فاطمہ نصیر رٹائر ہوگئی ہیں لیکن قواعد کے مطابق ۳۰ر جون ۷۸ء تک توسیع پر ہیں۔ میں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپ الہٰ آباد یونی ورسٹی میں بہ طورِ ریڈر آنا پسند کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ میں آپ کو پانچ اضافے دلواسکوں گا جس سے آپ کی بنیادی تنخواہ 1380 ہو جائے گی اور اس پر 303 روپے D.A ہوگا یعنی کُل 1683 تنخواہ ہو جائے گی۔ شعبے میں مکمّل سکون اور مکمّل آزادی ہے۔ آپ اطمینان سے کام کر سکیں گے۔ الہٰ آباد یونیورسٹی میں آ کر یونی ورسٹی کی کھلی اور آزاد فضا کا احساس ہوا۔ جمّوں میں یہ بات نہ تھی۔

غالبًا آپ کو میرا خط مل گیا ہوگا اور آپ اس پیش کش کو منظور نہ کرنا چاہتے ہوں گے اسی لیے جواب نہیں دیا۔ کوئی مجبوری نہیں ہے۔ آپ فیصلہ کر کے مجھے لکھیے تا کہ آپ تیّار نہ ہوں تو میں طے کروں کہ دوسرا کون شخص مناسب رہے گا۔ جولائی اگست ۷۸ء تک آپ کی بھوپال کی ملازمت ۲۵ سال کی بھی ہو جائے گی۔ میری خواہش تھی کہ آپ آ جاتے۔ کوشش کروں گا کہ اگلے پلان میں اُردو میں ایک پروفیسری اور مل جائے۔

میری رقم جو سرکار کے پاس امانت ہے اس کا کیا ہو رہا ہے۔ معاملہ تعطّل میں پڑا ہے کچھ کیجیے۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۶۴)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
6-84، یونی ورسٹی روڈ، الہ آباد–211002
۲۷/مارچ ۱۹۷۸ء
محبّی تسلیم

ہم لوگ بھوپال سے آرام سے آ گئے تھے۔ اٹارسی میں ہمیں سلیپر برتھ مل گئی تھی۔ دو تین دن پہلے میں دلّی گیا تھا۔ نارنگ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ حیدرآباد میں عثمانیہ یونی ورسٹی کے علاوہ ایک مرکزی بھی بنی ہے۔ ۲۲/مارچ کو وہاں اُردو کے پروفیسر کا سلیکشن تھا۔ ماہرین تھے سرور، نارنگ اور مسعود حسین خاں، نارنگ اور مسعود ۲۱/مارچ کو وہاں پہنچ گئے۔ سرور نہیں پہنچے۔ اس پر ۲۱/مارچ کی شام کو محمد حسن سے رابطہ قائم کیا گیا اور ۲۲/مارچ کو وہ آ گئے۔

امیدواروں میں ڈاکٹر رضی الدین (ترویتی)، عثمانیہ کے ریڈر ڈاکٹر سیّدہ جعفر، ڈاکٹر مغنی تبسم اور ڈاکٹر غلام عمر خاں تھے۔ یہ طے کیا گیا کہ کوئی بھی موزوں نہ تھا۔ دوبارہ اشتہار کیا جائے گا۔ وائس چانسلر نے کہا کہ میں outstanding آدمی لینا چاہتا ہوں خواہ مجھے maximum تنخواہ دینی پڑے گی۔

میری عرض داشت ہے کہ آپ وہاں جانا چاہیں تو آپ کا تقرر ہو سکتا ہے۔ مرکزی یونی ورسٹی میں مرکز کے تمام allownese ہیں۔ ایک سال کے اندر اساتذہ کے لیے مکان بن جائیں گے۔ آپ اگر دلچسپی رکھ سکتے ہوں تو میں بات کروں۔

دلّی میں عبدالقوی دسنوی سے بات ہوئی۔ وہ کہنے لگے کہ اگر بھوپال یونی ورسٹی میں اُردو کا شعبہ کھولا گیا تو معاملہ بازار میں پہنچ جائے گا۔ یعنی streets میں جھگڑے ہوں گے۔ خدا معلوم کیا مطلب ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۶۵)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
6-84، یونی ورسٹی روڈ، الہ آباد–211002

یکم دسمبر ۱۹۷۸ء

محبّی تسلیم

میرے بڑے بھائی نے صحیح صحیح تحقیق کی کہ نوّاب عیسوی خاں مصنّفِ ''قصّہٴ مہر افروز و دلبر'' ہندی کا ایک جانا پہچانا مصنّف ہے۔ وہ گوالیار کے پاس نرور ریاست کے راجا چھتر سنگھ کے متوسلین میں تھا۔ نرور ضلع گُنا میں ہے۔ عیسوی خاں نے ہندی میں ''بہاری ست سئی'' کے دوہوں کی شرح لکھی ہے جو چندرکا کے نام سے موسوم ہے اور ۱۷۵۲ء کی تصنیف ہے۔ یہی راجا چھتر سنگھ کا زمانہ ہے۔ چندرکا کا ایک مخطوطہ الٰہ آباد میں ہندی ساہتیہ سمیلن میں ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ٹیکم گڑھ اسٹیٹ لائبریری میں اس چندرکا کا ایسا مخطوطہ ہے جس میں ہر دوہے کی شرح ہندی کے علاوہ اُردو میں بھی ہے۔ اُردو شرح اُردو زبان اور اُردو خط میں ہے۔ جس شخص نے یہ مخطوطہ دیکھا ہے اُس نے مجھے بتایا ہے۔ اب مجھے اشد ضرورت ہے کہ اس نسخے سے کسی دوہے کی اُردو شرح کی نقل حاصل کروں۔ بہتر یہ ہے کہ دوہے کی ہندی شرح نیز اُردو شرح دونوں مل جائیں۔ معلوم نہیں ٹیکم گڑھ میں کوئی ایسا اُردو داں مل سکے گا جو ایک قلمی نسخے سے نقل کر سکے۔ ٹیکم گڑھ کی لائبریری یا تو راجا کی نجی لائبریری ہے یا حکومت کی۔ آپ کسی ذریعے سے اس کی چند اُردو سطروں کی نقل حاصل کر دیں اپنے یہاں کے ہندی کے پروفیسر سے پوچھیے کہ وہ ٹیکم گڑھ کالج کے ہندی پروفیسر کو لکھّے۔ وہاں کالج کا پرنسپل کون ہے۔ میری طرف سے جے پی دوبے یا منوچہ کو کہہ کر پرنسپل کو لکھا سکتے ہیں۔ بہرحال سطریں حاصل ہو جائیں تو بڑی بات ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب تک میرے بڑے بھائی عیسوی خاں کے بارے میں ''ہماری زبان'' میں نہ لکھ دیں آپ اس انکشاف کو منظرِ عام پر نہ لائیے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۶۶)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

6-84، یونی ورسٹی روڈ، الٰہ آباد–211002

۱۶/ دسمبر ۱۹۷۸ء

محبّی تسلیم

محترم نامہ ملا، شکریہ۔

زبیر صاحب کے انتقال کی خبر سن کر بہت افسوس ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ ابھی ۵۸ سے بھی کم عمر کے ہوں گے۔ میری طرف سے اُن کے اہلِ خاندان کو تعزیت پہنچا دیجیے۔

یہ تو آپ کا کہنا ہے کہ بہ جا ہے کہ اس چندر کا کا مخطوطہ اٹھارویں صدی کا ہوگا۔ معمولی اُردو جاننے والا اسے بہ مشکل پڑھ سکتا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں کہ ٹیکم گڑھ کہاں ہے لیکن محض یہ نسخہ دیکھنے کے لیے جانا کارے دارد۔ آپ خیال رکھیے کوئی شخص مل جائے تو کیا کہنا ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۶۷)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

University of Hyderabad
Golden Threshold
Hyderabad-500001

۶/اپریل ۱۹۷۹ء

محبِّ مکرّم، تسلیم۔

میں اپنی اہلیہ کے ساتھ یہاں ۲۶/مارچ کو آ گیا اور پروفیسری کا چارج لے لیا۔ چند روز بعد D.A کی آخری حد 2400 سے بڑھا کر 2750 کر دی گئی جس کے نتیجے میں مجھے 2250 کی بنیادی تنخواہ پر کُل ملا کر 3025 روپے ملیں گے۔ اب حیدرآباد سے الٰہ آباد نہیں جا سکتے۔ یہ مرکزی یونی ورسٹی J.N.U کے نمونے پر بنی ہے۔ ابھی اس میں کُل 250 طلبہ ہیں۔ سائنس کے کلاس نئے کیمپس میں ہوتے ہیں۔ آرٹس کے شعبے شہر میں ہیں۔ اُردو میں میرے سوا ایک ریڈر ڈاکٹر ثمینہ شوکت ہیں۔ لکچرر کا تقرر ہونا ہے۔ مزید پوسٹ بعد میں ملیں گی۔ یہاں semister نظام ہے۔ جولائی سے میں ایم فل اور پی ایچ ڈی شروع کر دوں گا۔ یہاں مارچ میں آ کر ہم اُردو میں سوا ۳۲ ہزار روپیوں کی کتابیں خرید سکے۔

یونی ورسٹی کا وائس چانسلر سردار ڈاکٹر گُربخش سنگھ بہت ایماندار، محنتی اور سادہ وضع ہے۔

میرا بہت لحاظ کرتا ہے۔ یہاں اُردو کے حلقوں میں بھی میری پُر جوش پذیرائی ہوئی۔ دو ادبی تقریبوں میں شرکت کر چکا ہوں۔ پرسوں ایک سمینار میں بولوں گا۔

ابھی ہم یونی ورسٹی کے گیسٹ ہاؤس میں رہ رہے ہیں۔ جون میں مکان لے لیں گے اور سامان لے آئیں گے۔ یونی ورسٹی ۱۰رمئی سے دو ماہ کے لیے بند ہوگی۔ اکتوبر میں ایک ہفتہ اور دسمبر میں ایک مہینا بند رہتی ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ علی گڑھ میں ڈاکٹر ثریا حسین اور عتیق صدیقی پروفیسر ہو گئے لیکن قاضی عبدالستار رہ گئے۔

یہاں کے وائس چانسلر نے یونی ورسٹی میں اساتذہ بہت اچھے منتخب کیے ہیں۔ میں بھوپال کے سمینار میں نہ آسکوں گا اس کا افسوس ہے۔

میرے پتے میں صرف اوپر دیے ہوئے الفاظ لکھیے: Golden Threshold سروجنی نائڈو کی کوٹھی ہے جو پدمجا نائڈو نے حیدرآباد یونی ورسٹی کو دان دے دی ہے۔ اس میں آرٹس کے کلاس ہوتے ہیں۔ یونی ورسٹی کے مکان سال بھر میں تیار ہو جائیں گے۔ میرے خط کے مطالب منوچہ اور دونوں گپتاؤں کو بتا دیجیے۔

مخلص

گیان چند

(۶۸)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-500001

۱۳رجولائی ۱۹۷۹ء

محبّی تسلیم

آپ نے اور ڈاکٹر حامد حسین نے ۶۹ء میں ''نسخۂ حمیدیہ'' از سرِ نو ترتیب دیا تھا۔ اس کا کیا ہوا۔ آپ شائع نہیں کر رہے ہیں۔ کیا اس کا مسودہ فروخت کرنا چاہیں گے۔ بمبئی میں ایک صاحب کالی داس گپتا رضا ہیں جو اہلِ علم بھی ہیں اور اہلِ زر بھی۔ وہ اس مسودے کو خریدنا چاہتے ہیں تاکہ محفوظ ہو جائے۔ اچھی قیمت دیں گے اور اسے کبھی اپنے نام سے شائع نہیں کریں گے بل کہ آپ چاہیں تو اپنے صرفے پر آپ کے نام سے شائع کر دیں۔ بہر حال اس

کے بارے میں لکھیے۔ اس کام کو یوں ہی تلف نہیں کرنا چاہیے۔

میں نے یہاں مکان لے لیا ہے۔ سامان لے آیا ہوں۔ اس سال ایم اے اُردو اور پی ایچ.ڈی کھولنا ہے۔ ایک لکچرر کا فی الحال مزید تقرر ہوگا۔ ریڈر ثمینہ شوکت پہلے ہی سے ہیں۔ لکچرر کی سلیکشن کمیٹی اگست میں ہوگی۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص گیان چند

میرے پتے کے لیے نام اور یونی ورسٹی آف حیدرآباد، حیدرآباد–500001 کافی ہے۔

(۶۹)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

4-986/7، سالار جنگ کالونی

حیدرآباد-500008

۲۰ / دسمبر ۱۹۷۹ء شب

محبّی تسلیم

آج کل یونی ورسٹی کی چھٹیاں ہیں اس لیے گھر کا پتا لکھ رہا ہوں۔ ویسے یونی ورسٹی کے پتے کی چٹھیاں بھی چپراسی گھر پر لے آتا ہے۔ یونی ورسٹی ۳ / جنوری کو کھلے گی۔ میں نے آپ کو اپنے نصاب کی نقل بھیجی تھی، ملی ہوگی۔

۱۵ / دسمبر کو بھوپال یونی ورسٹی کی ریسرچ کمیٹی کا جلسہ تھا۔ مجھے ۴ یا ۵ / دسمبر کو دعوت نامہ بذریعۂ تار ملا۔ میں نے اسی دن ایک صاحب کو دو ٹکٹ لینے بھیجا اور آفاق کو لکھ دیا کہ واپسی کے لیے دو ریزرویشن کرالے۔ یہاں والے صاحب دو تین دن واپس ہی نہ آئے۔ جب آئے تو انھوں نے بتایا کہ ہمارے نام ویٹنگ لسٹ پر پانچویں اور چھٹے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تذبذب پسند نہیں کرتا، ٹکٹ واپس کر دو۔ اِدھر میں نے آفاق کو تار دیا کہ ہمارا آنا منسوخ ہوا۔ یہاں کے صاحب اسٹیشن پر گئے تو معلوم ہوا کہ ہمارے ٹکٹ confirm ہو چکے تھے۔ انھوں نے تب بھی انھیں cancel کرا دیا اور تاوان دیا۔ جب انھوں نے آ کر مجھے بتایا تو افسوس ہوا کہ confirmed ٹکٹ کیوں واپس کیے۔ بھوپال آنا مقدّر میں نہیں تھا ورنہ آج کل پورے دسمبر چھٹیاں تھیں سوچا تھا تین چار پانچ دن وہاں چین کی بانسری بجائیں گے۔

میں اب سفر سے حتی الامکان بچتا ہوں لیکن لکھنؤ میں پی ایچ.ڈی کا ایک viva کرنا

ہے۔ میں ۲۷؍جنوری کی تاریخ دے رہا ہوں۔ اہلیہ ساتھ ہوں گی۔ ۳۰؍جنوری کی صبح دکن ایکسپریس سے بھوپال سے براہِ حیدرآباد گزروں گا۔ آپ کو بعد میں پھر لکھوں گا۔

اس خط کے لکھنے کی غرض یہ ہے کہ دلّی کی ساہتیہ اکیڈمی انگریزی میں ایک انسائیکلو پیڈیا آف انڈین لٹریچر مرتّب کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں مجھے چند عنوانات پر لکھنے کو کہا گیا ہے اور الفاظ کی تعداد مقرر کی گئی ہے۔ مندرجہ عنوان یہ ہیں:

سعادت یار خاں رنگینؔ	دوسو الفاظ
نواب مرزا شوقؔ	پانسو الفاظ
احمد علی شوقؔ قدوائی	تین سو الفاظ
خواجہ اسد اللہ خلقؔ	۱۰۰ الفاظ

میں ان حضرات کی مثنویوں کے بارے میں کماحقہٗ جانتا ہوں۔ سوانح کے بارے میں اتنا نہیں۔ آپ سے رنگینؔ اور شوقؔ کے بارے میں مدد چاہتا ہوں۔ بھوپال میں پاکستان سے شائع شدہ صابر علی خاں کی سعادت یار خاں رنگینؔ اور عطاء اللہ پالوی کی ''تذکرۂ شوق'' ہیں۔ ان میں دیکھ کر رنگینؔ اور شوقؔ کی سوانح کی تاریخیں لکھیے۔ شوقؔ کے بارے میں شاہ عبدالسلام کی ''کلیاتِ شوق'' بھی آئی ہے، اسے منگاؤں گا۔ شاید اس کے دیباچے میں تواریخ دی ہوں۔

بقیہ مصنّفوں کے بارے میں مَیں تلاش کروں گا۔ دقّت یہ ہے کہ ابھی میری یونی ورسٹی میں کتب بہت کم ہیں۔ عثمانیہ یونی ورسٹی بہت دور ہے اور عرصے سے بند پڑی ہے۔ بہرحال آپ کو جو کچھ معلوم ہو لکھیے۔ زیادہ ریسرچ کی ضرورت نہیں۔ رنگینؔ اور شوقؔ کے بارے میں وہ دونوں کتب بھوپال میں مل جائیں تو کیا کہنا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۷۰)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد–500001
۲۶؍دسمبر ۱۹۷۹ء

مکرّمی ومحبّی تسلیم

میں نے آپ کو رنگینؔ کے حالات کے لیے لکھا تھا۔ شیام لال کالڑا عابدؔ نے جمّوں سے صابر علی خاں کی کتاب دیکھ کر لکھ دیے ہیں۔ اب آپ زحمت نہ کریں۔ ''تذکرۂ شوق'' کو دیکھ کر شوقؔ کی زندگی کی تاریخیں اور اہم واقعات لکھ دیجیے۔

مومنؔ پر مجھے دو سو سطریں لکھنی ہیں۔ یہاں ظہیر احمد صدّیقی کی کتاب مومنؔ موجود نہیں۔ آپ کے یہاں ہوگی۔ اس میں سے دیکھ کر مومنؔ کے بارے میں چند سنین لکھ دیجیے۔

میں ساہتیہ اکیڈمی کی انسائیکلو پیڈیا آف انڈین لٹریچر کے لیے لکھ رہا ہوں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۷۱)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-500001

۱۴؍جنوری ۱۹۸۰ء

محبّی تسلیم

''تذکرۂ شوق'' کی تفصیلات ملیں، شکریہ۔ ضرورت سے زیادہ ہے۔ ان کی کتابوں کے بارے میں مَیں بہ خوبی جانتا ہوں۔ میں نے مومنؔ پر بھی لکھ دیا ہے۔ اب آپ صرف یہ بتائیں کہ کیا اس میں مومنؔ کی ولادت و وفات کی ہجری تاریخوں کا مہینا بھی دیا ہے کہ صحیح عیسوی تاریخ نکالی جا سکے، ورنہ دو عیسوی سنہ لکھنے پڑتے ہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

معلوم نہیں آپ کو یہ معلوم ہے کہ نہیں کہ یہاں ڈاکٹر مجاور حسین رضوی ہمارے یہاں لکچرر ہوگئے ہیں۔ سامنے بیٹھے ہیں اور آپ کو سلام پہنچا رہے ہیں۔

(۷۲)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
گولڈن تھریش ہولڈ

حیدرآباد–500001

۲۳؍فروری سنیچر شام ۱۹۸۰ء
محبّی تسلیم

آپ کا تقصیروار ہوں۔فروری میں پھر لکھنؤ جانا ہوا۔ واپسی میں کل آندھر پردیش ایکسپریس سے بھوپال سے گزرا۔ چوں کہ گاڑی صرف ۸ منٹ رُکی ہے اس لیے آپ کو نہ لکھا۔ آپ کو لکھنے کے معنی یہ تھے کہ مالویہ نگر سے کشن چند اور منوچہ کو بھی لکھتا۔ میں نے صرف اخلاق اور آفاق کو لکھا تھا۔اور انھیں بھی یہ لکھ دیا تھا کہ اسٹیشن نہ آئیں۔گاڑی قبل از وقت آکر ۲۰ منٹ بھوپال ٹھہری۔ وہ دونوں آئے اور گُرو دکشنا کے طور پر مٹھائی کا ایک ایک ڈبہ دے گئے۔ان سے باتیں ہوئیں۔ چوں کہ ان دونوں کے پاس اسکوٹر ہے اس لیے انھیں لکھ دیا تھا۔ میں نے مہندر کو بھی نہیں لکھا تھا۔لکھنؤ میں ترقّی اُردو بورڈ کی لسانیاتی اصطلاح کمیٹی کی میٹنگ تھی نیز میرے داماد کے چھوٹے بھائی کی شادی تھی۔اس طرح جنوری اور فروری میں دو بار لکھنؤ جانا پڑا اور لمبا قیام کیا۔

آپ کا شوؔق اور مومؔن دونوں کا احوال مل گیا تھا۔مومؔن کے بارے میں مَیں پہلے ہی لکھ چکا تھا۔بہر حال مشکور ہوں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

ذرا یہ لکھیے کہ کیا ڈاکٹر محمد حسن یونس حسنی کی thesis ''اختر شیرانی'' کے ممتحن تھے؟

مخلص

گیان چند

(۷۳)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
بجنور

۱۸/دسمبر ۱۹۸۰ء

محبّی تسلیم

میں چھٹیوں میں وطن آیا ہوا ہوں۔ ۲۹/دسمبر کو دلّی سے حیدرآباد کے لیے چلوں گا اور ۳۰/دسمبر کی صبح دکن ایکسپریس سے بھوپال سے گزروں گا۔ یہ گاڑی بھوپال صبح 8:40 پر پہنچتی ہے اور 8:55 پر چھوٹتی ہے۔ ممکن ہے قدرے قبل از وقت پہنچ جائے۔ اگر آپ کو آنے کی سہولت ہو تو اسٹیشن پر تشریف لے آئیے۔ میرے ساتھ میری بیوی ہوگی۔ فرسٹ کلاس میں ریزرویشن کرایا ہے۔ میں نے اخلاق، آفاق اور اپنے بھانجے مہندر کو لکھا ہے۔ مالویہ نگر میں کشن چند اور منوچہ کو نہیں لکھا کہ وہ کہاں پریشان ہوتے۔ آپ آفاق کو خبر کر دیں۔ وہ آپ کو اسکوٹر پر لے جا سکتا ہے۔ یہ سب اسی وقت کیجیے جب آپ کو کوئی دوسری مصروفیات نہ ہو۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۷۴)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد–500001

۵/مئی ۱۹۸۱ء

محبّی تسلیم

کل ''برگِ غزل'' ملی۔ شکریہ۔

بغیر رجسٹری کے بھی کتاب مل گئی یہ بڑی بات ہے۔ صفحہ ۲۰ کے چار اشعار پر ۴۵ تا ۴۹ کا سال درج ہے۔ ان کا الگ الگ سال درج کر دیتے تو اور بہتر تھا۔ یہ آپ نے اچھا کیا کہ مجموعہ چھپوا دیا۔ مجھے بھی تحریک ہو رہی ہے۔ کتاب اچھی چھپی ہے۔ گرد پوش اچھا ہے۔ ۱۵/روپے قیمت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

ص ۸۲ پر ''دشمن ہیں'' کی غزل بہت خوب ہے:

آپ سے ذرا ملیے زندگی کے دشمن ہیں
آپ تو مگر صاحب ہر کسی کے دشمن ہیں

خوب مصرعے ہیں۔

(۷۵)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
AIS اسٹاف کوارٹرس
سینٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس
حیدرآباد–500 134
۲۴ر ستمبر ۱۹۸۲ء

محبّی تسلیم

مندرجہ بالا میرے گھر کا پتا ہے۔

رسالہ ''سب رس'' حیدرآباد کے مدیر کے طور پر شاید وقار خلیل کا نام پڑتا ہے لیکن دراصل مغنی تبسم اس کے اڈیٹر ہیں۔ میں نے ملحقہ مضمون ''سب رس'' میں اشاعت کے لیے دیا۔ ایک ہفتہ ان کے پاس رہا۔ کچھ سوچ کر میں نے واپس لے لیا اور اشاعت روک دی۔ مغنی آج کہتے تھے کہ آپ چاہیں تو مضمون چھاپ دیا جائے۔ اس میں خواجہ احمد فاروقی کا جو ذکر ہے اُسے نرما دیا جائے۔ میں نے کہا فی الحال اشاعت موقوف ہی رکھیے۔ اب شاید میں اسے نہ چھپواؤں۔ چوں کہ اس مضمون کے مخاطب اصلی آپ ہیں اس لیے مضمون کو آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ پڑھ کر اسے مجھے واپس کر دیجیے۔ چاہیں تو بالکل بغیر تبصرہ کسی چھٹی کے بغیر لفافے میں محض مضمون رکھ دیجیے۔

۱۸ر ستمبر کو الٰہ آباد میں سلیکشن کمیٹی ہوگئی، اس کے بعد .C.E میں فیصلوں کی توثیق بھی ہوگئی۔ عقیل پروفیسر اور ظل حسنین ریڈر ہوگئے۔ ایک پروفیسر اور شاید دو ریڈروں کی پوسٹ کا پھر اشتہار ہوگا۔ سلیکشن کمیٹی میں حُکم چند نیّر، علی گڑھ کے عتیق صدّیقی اور بہار یونی ورسٹی مظفر پور کے پروفیسر محمد سلیمان آئے تھے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص گیان چند

(۷۶)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد–500001

۲؍نومبر ۱۹۸۲ء

محبّی تسلیم

مضمون ملا۔ شکریہ۔ میں پہلے مضمون کی اشاعت پر پشیمان نہیں۔ میں سوچتا ہوں اس سے کچھ فائدہ ہوا۔ موجودہ مضمون کی اشاعت کا ارادہ میں نے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔ اسے مخصوصین کو پڑھوادوں گا۔

لائبریری سے دونوں کتابوں کا آرڈر بھجوادوں گا۔ ''برگِ غزل'' کی دو کاپیاں اور ''اُردواملا'' کی تین کاپیوں کا آرڈر ہوگا۔

خود چھپوا کر کتابیں فروخت کرنا خسارے کا سودا ہے۔ میں نے ۷۹ء کے آخر میں اپنی کتاب ''حقائق'' کی دو دو کاپیاں جمّوں اور بنارس یونی ورسٹی لائبریری کو بھیجی تھیں۔ وہاں میرے آدمی ہیں لیکن اس کے باوجود آج تک پیسا نہیں ملا۔ اسی وقت حیدرآباد کی اُردو اکیڈمی کو پانچ کاپیاں اپنی کتاب کی اور پانچ اپنے بڑے بھائی پرکاش مونس کی کتاب ''اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر'' کی بھجیں، پیسا نہیں ملتا۔ پچھلے اکتوبر ۸۱ء میں اپنی کتاب ''ذکر و فکر'' کی ۵۷ جلدیں الٰہ آباد سے انجمن ترقّی اُردو (ہند) دلّی کو ریل کے پارسل سے بھیجیں وہاں نہیں پہنچیں۔ ریلوے میں claim کیا ہے لیکن کچھ نہیں ہوتا۔ غرض یہ ہے کہ کتابوں کی نکاسی ایک مسئلہ ہے۔ ۷۹ء میں یہاں کے ایک کتب فروش کو اپنی اور اپنے بھائی کی کتابوں کی ۲۵ جلدیں دیں اس نے تحریری وعدہ کیا کہ مارچ ۸۰ء تک رقم دے دے گا۔ ہزار کوشش کے بعد اب دو تین ماہ قبل پیسا ملا ہے۔ اس لیے میری ہمّت نہیں کہ یہاں کے کسی کتب فروش کو کتابیں دے سکوں۔

میری رائے میں ابھی آپ کو رٹائرمنٹ نہیں لینا چاہیے۔ آپ کو خواہ مخواہ کا خسارہ ہے اور حمیدیہ کالج کو بھی بہت نقصان پہنچے گا۔ رٹائرمنٹ کے بعد زندگی بہت اچھی نہیں ہوتی۔ غور کیجیے۔

مخلص

گیان چند

(۷۷)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۳۱ر دسمبر ۱۹۸۲ء

محبّی تسلیم

معلوم نہیں کیوں آپ کا ۱۹ر نومبر کا کارڈ دو تین دن پہلے ملا۔ مجھے کل آپ کا مبارک باد کا خط ملا جس کے لیے بہ تہِ دل سے مشکور ہوں۔ اس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ میری کتاب ''ذکر و فکر'' ساہتیہ اکیڈمی انعام کے لائق نہیں۔ اب وہ دکان بے رونق کی خریداری پر منحصر ہیں تو میں شکریے کے علاوہ کیا کہہ سکتا ہوں۔

آج بھی یونی ورسٹی بند ہے۔ ۳ر جنوری کو کھلے گی۔ میں اُردو املا کی تین کاپیوں اور ''برگِ غزل'' کی دو کاپیوں کا آرڈر ضرور بھیج دوں گا۔

حیدرآباد کے دو کتب فروشوں کے پتے لکھتا ہوں لیکن آپ کتابیں اُدھار دیں تو معلوم نہیں ان سے قیمت بروقت مل سکے کہ نہیں۔

(۱) حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد

(۲) الیاس ٹریڈرس، شاہ علی بنڈہ، حیدرآباد

الیاس نے میری کتابوں کی قیمت تین سال بعد دی تھی۔ نئے سال کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۷۸)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
یکم مئی ۱۹۸۳ء

محبّی تسلیم

۲۱؍اپریل کا خط ملا، شکریہ۔ انعام سے ہرگز انکار نہ کیجیے۔ نہ اتنا قانع بننے کی ضرورت ہے نہ مراسلوں سے اتنا گھبرانے کی ضرورت ہے۔ آپ نے کتاب داخل نہیں کی۔ آپ کو انعام ملا تو اس میں آپ کا کیا قصور ہے۔

اِدھر اندور سے محمد خالد عابدیؔ ریڈیو والے کا خط آیا تھا۔ انھوں نے مدھیہ پردیش کے انعاموں کے سلسلے میں مجھ سے دو باتیں پوچھی تھیں:

۱- کیا کسی کو کتاب داخل کیے بغیر بھی انعام دیا جا سکتا ہے۔

۲- کیا کسی کتاب پر ایک سے زیادہ اکیڈمی انعام دے سکتی ہے۔

میں نے جواب دیا کہ مجھے کتابوں پر بہ کثرت انعام ملے ہیں۔ تین چار بار یوپی اکیڈمی سے، ایک بار کشمیر کی کلچرل اکیڈمی سے۔ میں نے کبھی کتاب داخل نہیں کی۔

ایک ہی کتاب پر متعدد اکیڈمیوں سے انعام مل سکتا ہے۔ مختلف اکیڈمیوں کے اپنے اپنے قواعد ہیں۔ مثلاً یوپی اکیڈمی ان کتابوں پر انعام نہیں دیتی جنھیں اور کہیں سے انعام مل چکا ہو۔ بہار اور غالبًا بنگال کی اکیڈمیوں میں ایسا کوئی قاعدہ نہیں۔ مدھیہ پردیش کی اکیڈمی کا قاعدہ کیا ہے یہ دیکھنا ہوگا۔

آپ مراسلوں سے نہ ڈریے اور روپیا حاصل کر کے خوشی سے پھول جائیے۔

مخلص

گیان چند

(۷۹)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-500001

۸؍مئی ۱۹۸۳ء

محبّی تسلیم

آپ کی گراں قدر کتاب ''زبان ولغت'' کئی دن پہلے مل گئی تھی لیکن میں رسید دینا بھول گیا۔ کتاب کے لیے مشکور ہوں۔ اس کتاب میں آپ کی کتاب ''اُردو املا'' کو زیرِ طبع (کم از کم

دیباچے میں) دکھایا ہے۔ حالاں کہ پہلے چھپ کر آ گئی۔ آپ کی یہ دونوں کتابیں نہایت مفید ہیں۔ آپ رشید حسن خاں کی طرح زبان ولغت واملا کے ماہر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ میں نے واصف کی کتاب ''ادبی بھول بھلیاں'' نہیں دیکھی تھی، صرف نام سُنا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ رشید حسن خاں کے خلاف کوئی مناظراتی کتاب ہے۔ اب معلوم ہوا کہ اس میں کام کی باتیں ہیں، لیکن میں ایک بات کہوں گا کہ رشید حسن خاں کے علم اور تحقیقِ الفاظ میں وسیع وعمیق نظر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سیّد بدرالحسن کی ایک کتاب ''صحتِ الفاظ'' بھی اچھی ہے جو کتب خانہ انجمن ترقّی اُردو، اُردو اکیڈمی سے شائع ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ تلفظ اور املا میں عام چلن کو ترجیح دینی ہوگی۔ قدامت پرستی اور اجتہاد کے بیچ کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ ص۱۱۲ پر آپ نے لفظ 'چھڑے' بمعنی تنہا کا جو ذکر کیا ہے وہ سوفی صدی پنجابی ہے۔ پنجابی میں چھڑا کنوارے کو کہتے ہیں۔ اہلِ اُردو کو اس لفظ کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آپ کی یہ دونوں کتابیں نیز رشید حسن خاں کی کتابیں مفید اور پُر مغز ہیں لیکن انھیں تفصیل سے پڑھنے اور استفادے کا وقت کیوں کر نکالا جائے۔ پڑھا جائے، پنسل سے نشان کیا جائے اور تبصرہ کیا جائے تو ایک چھوٹی سی کتاب اور تیّار ہو جائے گی۔ میں اور میری اہلیہ ۱۴رمئی کو دلّی سے لندن جا رہے ہیں۔ ۴ردن وہاں رہ کر امریکہ جائیں گے۔ جولائی کے پہلے ہفتے میں دلّی اور جولائی کے وسط میں حیدرآباد واپس ہوں گے۔ تب تک کے لیے الوداع۔

مخلص

گیان چند

(۸۰)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

حیدرآباد

۳۱راگست ۱۹۸۳ء

محبّی تسلیم

آپ کے کرم نامے کے جواب میں دیر ہی دیر ہوگئی۔ میں سوچتا رہا کہ کتابوں کا آرڈر بھجوا دوں تو آپ کو لکھوں۔ کثرتِ کار کی وجہ سے یہ بھی نہ کر سکا۔ غالبًا کل کر سکوں گا۔ زبان ولغت کی تین جلدیں منگانے میں کوئی دقّت نہیں۔ صرف یہ کہ لائبریری کو آرڈر کا فارم وغیرہ بھر کر بھیجنے کی

خانہ پُری ہے۔

میری لڑکی نے ٹکٹ بھیج دیا تھا جس کی وجہ سے میں اور میری اہلیہ امریکہ جا سکے۔ ۱۴ رمئی کو لندن پہنچے۔ چار دن وہاں قیام کیا۔ دو دن اُردو مرکز میں زبردست تقریبیں ہوئیں۔ وہاں کی علمی مجلس میں مَیں نے فنِ تحریر اور اُردو رسم الخط کے موضوع پر ایک گھنٹا بیس منٹ بات کی۔ دونوں دن تقریب کے بعد شعرخوانی ہوئی۔ یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ ہم لندن میں ہیں۔ عمارت کے اندر یہ معلوم ہورہا تھا کہ جیسے لکھنؤ یا دلّی میں کوئی نشست ہو۔ ۱۸ رمئی کو امریکہ لڑکی کے پاس پہنچے۔ وہ کیلی فورنیا میں ایک چھوٹے مقام پر ہے۔ میرا داماد ڈاکٹر ہے اور اپنی پریکٹس سے ہوش ربا آمدنی کررہا ہے، یعنی ۴۰ ہزار ڈالر سے ۶۰ ہزار ڈلر فی ماہ۔ یہ آمدنی امریکیوں کے لحاظ سے بھی بہت زیادہ ہے۔ وہ week end پر ہمیں کہیں گھمانے لے جاتے تھے۔ سان فرانسسکو، لاس اینجلس، ڈزنی لینڈ اور لاس ویگن ان کے ساتھ دیکھے۔ آخر میں ہم لوگ مشرقی ساحل پر گئے۔ وہاں نیویارک میں ایک ادبی نشست میں شرکت کی۔ وہاں سے Minneapolis گئے جہاں میری بھتیجی ہے۔ پھر شکاگو گئے اور وہاں کے اُردو کے پروفیسر چودھری محمد نعیم کے یہاں قیام کیا۔ آخر میں نیاگرا آبشار اور اس کے بعد کناڈا میں ٹورنٹو۔ وہاں کی اُردو مجلس بہت زبردست ہے۔ اُن لوگوں نے بہت تواضع کی۔

۲۴ رمئی کو میں نے کیلی فورنیا میں ہرنیا کا آپریشن کرایا۔ بائیں طرف کی ہرنیا کا آپریشن دوبارہ جموّں میں کرایا تھا۔ اب دائیں طرف ہوجاتا ہے۔ جولائی ۸۲ء، جنوری ۸۳ء اور مئی ۸۳ء میں آپریشن ہوئے۔ امریکی ڈاکٹر نے طے کیا کہ میرا دایاں testicle نکال دیا جائے اور راستہ سی دیا جائے تاکہ آئندہ ہرنیا ہونے کا سدِّ باب ہوسکے، ایسا کردیا گیا۔ میں صرف ایک دن اسپتال میں رہا۔ ہفتہ بھر میں ٹھیک ہوگیا۔ اسپتال کا غیر معمولی بل میرے داماد نے دیا۔

آپریشن سے پہلے میرے خون کی جو جانچ ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ مجھے خون کا Cancer ہے۔ لاس اینجلس میں کینسر کے ہندستانی ڈاکٹر کو دکھایا۔ اس نے بتایا کہ پانچ سال تک میرے کوئی علامت ظاہر نہ ہوگی۔ اس کے بعد پانچ سال بیماری کی حالت رہے گی اور اس طرح تقریباً دس سال کی زندگی ہے۔ ابھی کوئی دوا نہیں دی جاسکتی۔ پانچ سال بعد بیماری ظاہر ہونے پر دی جائے گی۔ اس کینسر کو lenbania کہتے ہیں۔ دراصل ایلوپیتھی میں اس کا علاج نہیں۔ میں نے ہومیوپیتھی کی دوا شروع کی ہے لیکن بعد میں میرٹھ کے ایک آیوروید کے وید کا علاج

کروں گا جس نے آخری منزل والے خون کے کینسر کے مریض کو ٹھیک کر دیا۔ میں ستمبر میں ۶۰ سال کا ہو جاؤں گا۔ سرکاری عمر کم لکھی ہے۔ دس سال کی مزید زندگی کافی ہے لیکن پانچ سال کی بیماری خوش گوار نہیں۔ یہ وہی مرض ہے جو خلیل الرحمٰن اعظمی کو تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میرٹھ والے کے علاج سے شفا ہو جائے گی۔ بہر حال نہ میں گھبرا رہا ہوں نہ میری بیوی۔ دونوں خوشی خوشی گزار رہے ہیں۔ دس پانچ سال آگے کے لیے کیا غم کریں۔

میں ہر ایک کو مفصّل خط نہیں لکھ سکتا۔ کشن چند اور منو چہ کو میرے سفر کی تفصیل اور بیماری کے بارے میں بتا دیجیے۔ ہم دونوں نے امریکہ کی بہت تفصیلی سیر کی۔ اُردو کی کچھ کتابیں لکھنا چاہتا ہوں جس کے لیے صحّت کی ضرورت ہے۔ خاندان اور بچوں کے committments پورے کر چکا ہوں۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۸۱)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

AIS، سینٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس

حیدر آباد–500134

۲۰ر فروری ۱۹۸۴ء

محبّی تسلیم

منو چہ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ نے چار سال قبل ہی اپنی مرضی سے رٹائرمنٹ لے لیا۔ لکھیے کیا افتاد پڑی تھی۔ کیا طلبہ پریشان کرتے تھے یا رفقائے کار؟ یا پھر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ دولت اور آمدنی کی زیادہ فراوانی ہو گئی ہو جس کے بعد ملازمت حشو ہو گئی ہو۔

آپ لوگوں نے طے کیا ہے کہ اپنے محلّے کو رٹائر لوگوں کی بستی بنا کر رکھیں گے۔ ایک بید (چھڑی) خرید لیجیے اور کرشن چند گپتا، سی آر گپتا اور کیدار ناتھ نندا کے ساتھ علی الصبح گھومنے جایا کیجیے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

یہاں عثمانیہ میں merit promotion میں سیّدہ جعفر، مغنی تبسم، یوسف سرمست ہیں،

جواہر لال نہرو یونی ورسٹی میں صدیق الرحمٰن قدوائی اور دلّی میں ظہیر احمد صدّیقی اور قمر رئیس پروفیسر ہو گئے۔

مخلص

گیان چند

(۸۲)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۳؍اگست ۱۹۸۴ء

محبّی تسلیم

''زبان ولغت'' پر ڈھائی ہزار روپے کا گراں قدر انعام مبارک ہو۔ معلوم نہیں اب حمیدیہ کالج میں کون صدرِ شعبہ ہے۔

مخلص

گیان چند

(۸۳)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۳؍اگست ۱۹۸۴ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۱۷؍جولائی کا خط بروقت مل گیا تھا۔ میں اس لیے جواب نہ دے سکا کہ ان کتابچوں کا پتا چلانا چاہتا تھا جن کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ ۲۴؍جولائی سے پرانے شہر میں فسادات ہیں کرفیو ہے، جس کی وجہ سے ابھی تک داخلے بھی نہیں ہو سکے۔ ''اُردو رسمِ خط اور طباعت'' از ناروں خاں شروانی میرے پاس ذاتی ہے۔ یہ کتاب محض طباعت سے متعلّق ہے۔ اس میں سب سے زیادہ زور اس بات پر ہے کہ لیتھو چھوڑ کر ٹائپ اختیار کر لیا جائے۔ اس کے

بعد اس امر پر زور ہے کہ اُردو کو رومن رسمِ خط کے ٹائپ میں چھاپا جائے۔ اگر آپ کو طباعت کے مسائل سے دل چسپی ہو تو میں یہ کتابچہ بھیجوں۔ آج کل یہ عالم ہے کہ رجسٹری سے بھیجی کتابیں بھی غائب ہو جاتی ہیں۔ دسمبر ۸۲ء میں مَیں نے ڈاکٹر عبدالستار دلوی کو ۶۷ء کا ''آجکل'' کا فائل رجسٹرڈ بُک پوسٹ سے بھیجا۔ ایک موٹی جلد تھی۔ میں نے خود ڈاک خانے میں رجسٹری کرائی۔ وہ انھیں ملا ہی نہیں۔ پوسٹ آفس کو کتنی شکایتیں کیں لیکن بے سود، میری ذاتی فائل تھی جن میں اُردو تحقیق نمبر بھی تھا۔ پوسٹ آفس والے لکھتے ہیں کہ ہم نے فلاں تاریخ کو پارسل انھیں دے دیا۔ دلوی لکھتے ہیں کہ مجھے نہیں ملا۔ معلوم نہیں کس نے دستخط کر کے لے لیا۔

میں جعفر حسین کے ''آسان رسمِ خط'' اور سجاد مرزا کے ''اُردو رسم الخط'' سے واقف نہیں۔ اگر یہ حیدرآباد کی بڑی لائبریریوں میں ہوئے بھی تو وہاں سے باہر نہیں لائے جا سکتے۔ سالار جنگ لائبریری، ادارۂ ادبیاتِ اُردو لائبریری سے کتابیں issue نہیں ہوتیں۔ عثمانیہ یونی ورسٹی لائبریری میں مل سکے تو نکلواؤں گا۔ یہ کچھ عرصے کے بعد ہی ہو سکے گا۔

عربی میں ایک مصمّتہ (Consonant) ہے۔ اُردو میں یہ کسی دوسرے مصوّتے (Vowel) کی آواز دیتا ہے۔ اس کی علاحدہ سے اپنی کوئی آواز نہیں۔ کوئی صوتیات داں اُردو آوازوں میں ہے تو شامل نہیں کر سکتا۔ آپ کی جگہ 'ا، د، ی' لکھ کر کام چلا سکتے ہیں۔

خلیق انجم کا ''ہماری زبان'' میں اداریہ دیکھا۔ انھیں اس موضوع پر کوئی مراسلہ چھاپ دینا چاہیے تھا۔ اپنی طرف سے نہیں لکھنا چاہیے تھا۔ یہ ادبی سیاست میں پڑنا ہے۔ آپ اس کے خلاف انھیں مراسلہ لکھ کر بھیجیے۔ ''ہماری زبان'' کے بعد کے شماروں میں اس مراسلے کی توصیف بھی ہوتی ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۸۴)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

AIS، سینٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس

حیدرآباد-500134

۲۳رفروری ۱۹۸۵ء
محبّی تسلیم

کل رات ریڈیو پر سُنا کہ آپ کو مبلغ دس ہزار روپے کا گراں قدر غالبؔ انعام ملا ہے، مبارک ہو۔ اس مژدہ کے سننے پر مسرت کے ساتھ ساتھ یک گونہ حیرت بھی ہوئی کیوں کہ دنیاے ادب کی مال و متاع اپنوں کو تقسیم کی جاتی ہے۔ آپ کا مرتبہ گوشہ نشینی، بے نیازی اور توکل میں بہت بلند ہے۔ حیرت ہے کہ کس انصاف کیش نے آپ کا نام یاد رکھا۔ میں نے بھی کسی انعام کے لیے کبھی کوشش نہیں کی۔ کبھی کوئی کتاب submit نہیں کی۔ کبھی کسی کمیٹی کے رکن سے تحریری یا زبانی طور پر نہیں کہا۔ سب کچھ بن مانگے ملا ہے۔ لیکن آپ میں اور مجھ میں یہ فرق ہے کہ ہر جگہ میرے کرم فرما موجود ہیں جن سے میرے قریبی تعلّقات ہیں۔ اگر آپ کے اشتیاق کو دیکھا جائے تو یہ انعام بہت پہلے ملنا چاہیے تھا۔

عثمانیہ یونی ورسٹی میں ایک پروفیسر کی اور میرے شعبے میں ریڈر کی جگہ خالی ہے۔ اگر آپ کا رجحان ہوتا تو ملنے میں کوئی دقّت نہ ہوتی۔ سب ملا کر کوئی چار ہزار روپے مل جاتے۔ اگر گوشۂ اعتکاف سے کچھ عرصے کے لیے اٹھنا چاہیں تو اشارہ کیجیے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ کیا ترقّیِ اُردو بورڈ کے لیے اٹھارویں یا انیسویں صدی کی تاریخِ ادبِ اُردو کی جلد لکھنا پسند کریں گے۔

مخلص

گیان چند

(۸۵)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد–500001
۲۲رنومبر ۱۹۸۶ء
محبّی تسلیم

ایک زمانے کے بعد ’’آہنگ‘‘ کا شمارہ آ گیا۔ میں ۲۰رنومبر کو یہاں واپس آیا تو دیکھا اس میں میرا مضمون بھی ہے۔ دیکھ کر افسوس ہوا۔ میں نے ’’آہنگ‘‘ کے بند ہونے سے قبل

انھیں بھیج دیا تھا۔ طیش میں لکھ دیا ہوگا۔ جب ''آہنگ'' بند ہوگیا تو ''شاعر'' کو بھیجا۔ بعد میں عبدالستار دلوی کی کتاب ''اُردو میں لسانیاتی تحقیق'' میں مسعود حسین خاں کے مضامین دیکھ کر نیز ''نقوش'' میں شوکت سبزواری کے مضامین دیکھ کر ہی مضمون کو از سرِ نو تفصیل سے لکھا، زیراکس کرایا۔ پھر ''نیا دور'' میں ''اُردو کے قاعدوں'' پر آپ کا مضمون دیکھ کر اضافے کیے۔ اس میں مناظرانہ پہلو بالکل نہیں تھا۔ آپ کا ذکر صرف ایک آدھ جگہ آیا تھا۔ اس میں زیادہ تر آپ سے اتّفاق کیا تھا۔ یہ مضمون ''نخلستان'' کو بھیج دیا تھا۔ بھوپال میں آپ سے گفتگو ہوئی تو ہجے کرنے کے پہلو پر توجہ گئی۔ اب میں بمبئی سیمنار کے لیے اسے تفصیل سے لکھ رہا ہوں۔ اس میں ویدک سنسکرت سے لے کر اب تک ہائیہ حروف کی تاریخ دے رہا ہوں۔ مکتبوں میں ہجّے کرنے کی دقّت کے پیشِ نظر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ خالص لسانیاتی نقطۂ نظر کو چھوڑنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ میں اپنے مضمون میں ہندی کے دس ہاشیوں کے علاوہ لھ، مھ، نھ وغیرہ کو بھی اُردو میں حروفِ ہجّا میں شامل کرنے کی بات لکھوں گا گو بہت قطعی طریقے پر نہیں۔ تین دن میں ڈاک کا جواب لکھتا رہا۔ آج سے مضمون پر توجہ کروں گا۔ اس کی ایک کاپی آپ کو بھیجوں گا۔ بمبئی کا سیمنار ۱۰؍تا ۱۳؍دسمبر ہے، آپ میرا مفصّل مضمون دیکھنے سے قبل اپنی راے محفوظ رکھیے۔ اسے دیکھ کر ہی کچھ فیصلہ کیجیے۔

میں نے ''شاعر'' کو لکھ دیا تھا کہ میرا مختصر مضمون شائع نہ کریں۔ ''آہنگ'' کو اس لیے نہ لکھا کہ میری دانست میں وہ پرچہ بند ہوگیا تھا۔ خود میرے پاس اس مضمون کی کوئی نقل نہ تھی۔ کوئی ابتدائی مسوّدہ بھی نہ تھا اس لیے یہ صحیح یاد نہ تھا کہ میں نے اس یک ورقہ مضمون میں کیا لکھا تھا۔ بہر حال اب تفصیل سے لکھتا ہوں۔

بھوپال کے بعد میں جمّوں، دلّی اور اپنے اعزا کے مقامات پر گیا۔ اس سفر میں مالک رام اور خلیق انجم سے ملاقات ہوئی۔ مالک رام سے معلوم ہوا کہ مختلف عرب ممالک میں عربی حروف کی آوازیں بہت مختلف ہیں۔ اب تک یہ خیال تھا کہ مصمتے کی آواز بدل کر دوسرے مصمتے کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ مصمتہ مصوّتہ میں بھی بدل جاتا ہے۔ 'ق' کی آواز شمالی مصر اور شمالی لیبیا میں الف کی ہے اور جنوبی مصر اور جنوبی لیبیا میں گ کی قال کو شمالی مصر میں آل (آلو) اور جنوبی مصر میں گالو بولتے ہیں گویا ج اور ق دونوں کو گ بولتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لیبیا کے مدافی کو گدافی کہتے ہیں۔ مصر کی ایک consulate فرانس کے شہر

مارسیلز میں تھی۔ مراقش کے کچھ لوگ حج کے لیے براہِ خشکی یعنی براہِ مصر جانا چاہتے تھے وہ visa کے لیے مصر کے کاؤنسل سے ملے تو interpretor کی معرفت بات کرنی پڑی۔ مصری کاؤنسل نے فوراً یہ بات مالک رام کو بتائی۔ گویا مصر والے مراقش والوں کی عربی نہیں سمجھ سکتے۔ مالک رام کہتے ہیں کہ قرآن نے عربی ممالک کی عربی کو بچا رکھا ہے ورنہ مختلف عرب ممالک کی زبان بالکل مختلف ہے۔ اہلِ مصر جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ق کو ق اور ج کو ج ہی بولتے ہیں، گ نہیں۔ لیکن قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ق کا لہجہ دوسرا ہوتا ہے۔ انگریزی کا ترکی میں ج اور اٹلی میں چ بولا جاتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ تحریری کتاب تقریری زبان کی نشان دہی نہیں کرتی۔ مختلف علاقوں میں جا کر رہا جائے تبھی وہاں کی آوازوں کے تنوع اور اختلاف کا اندازہ ہوتا ہے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۸۶)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-500001

۲۲ر دسمبر ۱۹۸۶ء

محبّی تسلیم

میں ایک ہفتہ ممبئی رہ کر ۱۶ر دسمبر کو آ گیا۔ مصروفیت کے سبب پہلے خط نہ لکھ سکا۔ سمینار کامیاب رہا۔ بہت سے آدمی شریک ہوئے۔ پہلے جلسے کی صدارت مسعود حسین خاں نے کی اور اختتام سیّد حامد سابق وائس چانسلر علی گڑھ نے۔ شرکا میں نارنگ، رشید حسن خاں، عنوان چشتی، تنویر علوی وغیرہ تھے۔ مختلف موضوعات پر مضامین پڑھے گئے لیکن اصلاحِ املا کی کوئی خاص تجاویز زیرِ غور نہیں آئیں۔ حیرت یہ ہے کہ نارنگ اور رشید حسن خاں نے اپنی سابقہ تحریروں کے برعکس یہ کہا کہ اُردو ہجّا میں ہائیہ حروف کو نہ رکھا جائے اس سے تعداد بہت بڑھ جائے گی۔ ہائے ہوز کے علاوہ دوچشمی 'ھ' کو رکھ لیا جائے۔ آخری جلسے میں میری صدارت میں

یہ طے ہوا کہ املا میں کوئی انقلابی تبدیلی نہ کی جائے۔ ایک فیصلہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں میں ایک آٹھ دس رُکنی ارکان کی کمیٹی کی جائے جس میں جملہ تجاویز پر غور کر کے کچھ فیصلے کیے جائیں۔ دلوی اس کمیٹی میں مجھے بھی رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے معذرت کی لیکن یہاں آ کر لکھا ہے کہ اگر جنوری کے بعد میٹنگ کی جائے تو میں آ سکتا ہوں بشرطے کہ ابو محمد کو بھی بلایا جائے۔ میں اصرار کر کے انھیں شرکت کے لیے تیار کرلوں گا۔

اسکیٹروگرام پرانی مشین ہے۔ نارنگ نے امریکہ میں اس پر مختلف مصوّتوں اور معنوں کی تصویریں لی ہیں۔ بمبئی میں بورڈ پر نقشا بنا کر بتایا کہ دس ہائیہ حروف میں ہائیت کے نقوش آواز کی ابتدا ہی سے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے ہیں جب کہ بقیہ جزوی ہائیوں میں آواز کی ادائیگی کے وسط کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ اس سے طے ہوجاتا ہے کہ محض دس بندشی مصیبتوں ہی میں ہائیت کا مکمل انضمام ہے۔ نارنگ نے اُردو میں ۱۵ ہائیہ آوازیں مانی ہیں لیکن وہ ان کے لیے کوئی حرف دینے کو تیار نہیں۔

رشید حسن خاں نے بتایا کہ فورٹ ولیم کالج میں ۱۸۰۱ء سے دوچشمی ھ کے موجودہ چلن کا التزام ہے۔ ''گنجِ خوبی'' کے میرامّن کے ہاتھ کے نسخے میں اگر کاتب نے 'ھ' کی جگہ 'ہ' لکھ دی ہے تو میر امّن نے اپنے ہاتھ سے تصحیح کی ہے۔

میں نے اپنا مضمون رجسٹری سے آپ کو بھجوایا تھا۔ آپ کو مل گیا ہوگا۔ اِدھر میں نے پلیٹس کی لغت خریدی ہے۔ اس میں پایا کہ انھوں نے اسماعیل میرٹھی کی طرح دس ہائیہ حروف کے ساتھ 'ڑھ' کو بھی شامل کیا ہے یعنی اُردو میں گیارہ ہائیے مانے ہیں۔

میں آپ کے اس خیال سے متفق نہیں ہوں کہ اُردو میں اصلاحِ املا کی تجاویز سے اُردو کی مقبولیت پر کوئی اثر پڑتا ہے یا یہ تجویزیں اُردو دشمن ہیں۔ اصلاحِ املا اور اُردو کا فروغ و زوال بالکل غیر متعلّق ہیں۔ ہندستان میں اُردو کی عدمِ مقبولیت کا املا اور رسم الخط سے کوئی تعلّق نہیں۔ وہ دوسرے سیاسی اور سماجی اسباب ہیں۔ پھر اُردو ختم ہونے والی زبان نہیں، پاکستان میں پھل پھول رہی ہے۔ اصلاحِ املا کی تجاویز کم از کم ۱۸۰۱ء سے چل رہی ہیں۔ فورٹ ولیم میں واوٴ اور ی معروف، مجہول، لین، تینوں کے لیے الگ الگ علامتوں کا سختی سے التزام کیا گیا۔ درمیانی نون غنہ کے لیے بھی ایک علامت کا استعمال کیا گیا۔

میں اپنے مضمون کے آخری حصے کو قدرے ترمیم کر کے دلوی کو دے دوں گا۔ وہ جب

بھی چھاپیں۔ ''آہنگ'' کو معذرت کا خط لکھ دیا ہے۔

مخلص

گیان چند

(۸۷)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

12/692، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۹/اپریل ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

میں یہاں ۲/اپریل کو ساز و سامان کے ساتھ آ گیا۔ فی الحال اپنے خطۂ زمین کے بالکل پاس کرایے کا مکان لے لیا ہے۔ امید ہے ایک دو دن میں مکان کی چھت پڑ جائے گی۔ اگست تک مکان مکمّل ہو جانا چاہیے۔

کشن چند اور منو چا کو میرا پتا لکھا دیجیے۔ اِدھر میری تین کتابیں شائع ہو جائیں۔ دسمبر ۸۹ء کے آخر میں رسالہ ''اُردو ادب'' کے خاص نمبر کی شکل میں ''اُردو کا اپنا عروض'' آئی۔ اسے کتابی شکل میں بھی مجلد کر دیا ہے اور اس پر ۹۰ء کی تاریخ ڈالی ہے۔

مضامین کے دو مجموعے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی نے مارچ ۹۰ء میں چھاپے ہیں: (ا) کھوج (۲) پرکھ اور پہچان۔ دونوں میں ۴۳۲، ۴۳۲ صفحات ہیں۔ مجھے صرف ۲۵ جلدیں دیں گے اور کوئی پیسا نہیں۔ کتاب آفیسٹ پر بہت اچھی چھپی ہے۔ کتابت میں نے کرا کے دی تھی۔ اس کے ساڑھے آٹھ ہزار روپے ان سے لینے ہیں۔ دیکھیے کب تک دیتے ہیں۔ میں نے کہا ہے کہ ۵-۵ جلدیں مجھے دے کر بقیہ جلدیں بیچ کر مجھے چند پیسے دے دیں۔ یہی نقد رائلٹی ہوگی۔ ہر کتاب کی قیمت ۱۲۵ روپے ہے۔

مخلص

گیان چند

(۸۸)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

9/25، اندرانگر
لکھنؤ-226016
۸؍فروری ۱۹۹۱ء
محبّی تسلیم

آج رام لعل بھوپال جارہے ہیں۔ ان کے ہاتھ یہ خط بھیج رہا ہوں۔ میں ۲؍اپریل ۱۹۹۰ء کو لکھنؤ پہنچا تھا۔ مکان کی تعمیر کا کام اس سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ ۲۲؍اگست ۱۹۹۰ء کو ہم مکان میں منتقل ہو گئے۔ قطعۂ زمین ۲۸۸ مربع میٹر یعنی ۳۴۴ مربع گز کا ہے۔ with area تقریباً ۱۹۰۰ فیٹ ہے۔ کافی بڑا مکان ہے۔ ساتھ کا ایک اور پلاٹ بھی میرا ہے۔ اس پر احاطے کی فصیل بنوادی ہے اور پھاٹک لگوادیا ہے۔ اس میں اور مکان کی تعمیر میں چار لاکھ ۶۵ ہزار روپے ٹھیکیدار اور architect کو دیے۔ ان کے علاوہ بھی کچھ اور لگا ہے یعنی تقریباً پونے پانچ لاکھ روپے۔ زمین کی قیمت اس کے علاوہ ہے۔

میں نے تحقیق کی تاریخ کا منصوبہ اپنے ذمّے لیا تھا۔ اسے مختصر کر کے محض محققین کے جائزے تک محدود کر لیا ہے لیکن وہ بھی پورا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ وقت کی کمی ہے، کسی کی مدد نہیں۔ ہر کام کے لیے خود جانا پڑتا ہے۔ پھر بیماریاں۔ یونی ورسٹی دور ہے اور یہاں کتابوں کی کمی ہے۔ حیدرآباد میں کتابوں کا جو آرام تھا وہ یہاں نہیں۔ معلوم نہیں اس کام کو پورا کر بھی سکوں گا کہ نہیں۔

۱۹۹۰ء میں چھوٹی بڑی چھے کتابیں شائع ہوئیں جن میں سے ایک اچھی ہے ''تحقیق کا فن''۔ یوپی اُردو اکیڈمی نے چھاپی ہے۔ ۶۸۳ صفحے اور قیمت محض ۵۰ روپے۔ میں اسے اپنی بہترین کتاب مانتا ہوں۔ اب تک ۱۷ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۲۳؍جنوری کو حیدرآباد یونی ورسٹی میں اُردو کے دو پروفیسروں اور ایک ریڈر کا انتخاب ہوا۔ ماہرین میں خواجہ احمد فاروقی، نارنگ اور حیدرآباد کے غلام عمر خاں تھے۔ مجھے نہیں بلایا۔ منتخب ہوئے سیّدہ جعفر اور مجاور حسین رضوی، پروفیسر ڈاکٹر انورالدین ریڈر، پروفیسر کے لیے مسترد ہوئے عثمانیہ کے یوسف سرمست، ترقی اُردو بیورو کی فہمیدہ بیگم، جے پور کے ڈاکٹر فیروز احمد۔

۲۱؍جنوری کو لکھنؤ یونی ورسٹی میں ریڈر کا سلیکشن تھا۔ امیدوار تھے لکھنؤ کے انیس اشفاق

عابدیؔ اور الہ آباد کے علی احمد فاطمی۔ ماہرین تھے عنوان چشتی اور بمبئی کے عبد الستار دلوی۔ ان دونوں نے فاطمی کی حمایت کی۔ وائس چانسلر نے انیس اشفاق کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ کوئی منتخب نہ ہوا۔ یہاں ملک زادہ منظور احمد رٹائر ہو چکے ہیں۔ شبیہ الحسن ۳۰ رجون کو رٹائر ہو رہے ہیں۔ محمود الٰہی بھی ۳۰ رجون کو رٹائر ہوں گے۔ حکم چند نیّر ۲۸ رفروری کو رٹائر ہو رہے ہیں۔ نارنگ بھی گذشتہ جنوری میں رٹائر ہوئے ہوں گے اور اس کے بعد re-employ ہو گئے ہوں۔ لیکن اب آپ کو اور مجھے تقررات سے کیا دلچسپی۔

آپ کی تحریریں کبھی کبھی رسالوں میں دیکھ لیتا ہوں۔ میں نے تو طے کیا ہے کہ محققین کی تاریخ کے علاوہ اور کوئی کتاب یا مضمون نہ لکھوں گا۔ رسالوں میں مراسلہ تک نہ لکھوں گا۔ کسی کی شرما حضوری میں کتاب پر مقدمہ یا تبصرہ لکھنا ہوتا ہے جو محض فرمایشی ہوتا ہے۔

میرے سب بچّے ملک کے باہر چلے گئے ہیں۔ چھوٹا لڑکا آشو دلّی میں تھا۔ وہ بھی جولائی میں امریکہ چلا گیا اور لاس اینجلس میں نوکری کر لی ہے۔ لڑکی وہیں ہے۔ ایک لڑکا نائجیریا میں ہے۔ اگر زندہ رہے تو کچھ برس بعد ہمیں بھی ملک چھوڑ کر امریکہ جا بسنا ہوگا۔ کم از کم اس وقت جب ہم زن و شو میں سے ایک ہی رہ جائے گا۔ مکان میں کبھی کوئی اولاد نہیں آئے گی۔ آخر کار اسے بکنا ہے۔

میری صحّت ٹھیک ہی رہتی ہے۔ اہلیہ کو ضعیفی کی بیماریاں رہتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے امراض ہیں لیکن ہے دائم المریض، دوا کبھی نہیں چھوٹتی۔

میں نے اپنی گئی گزری شاعری کا ایک انتخاب مرتّب کیا ہے ''کچے بول''، اس کی طباعت کے لیے یوپی اُردو اکیڈمی سے جزوی مالی مدد بھی ملی ہے۔ اب اسے چھپوانے کی فکر میں ہوں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ اس خط کے مشمولات سے دوستوں کو آگاہ کر دیجیے۔

مخلص

گیان چند

(۸۹)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۸؍مارچ ۱۹۹۱ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۱۲؍فروری کا دستی خط بروقت مل گیا تھا۔ میں نے چاہا تھا کہ آپ کو فوراً جواب دوں لیکن محمد حسین آزادؔ پر لکھنے میں مشغول تھا۔ سوچا کام پورا کرلوں تب خطوں کے جواب دوں۔ خطوں کا ڈھیر لگ گیا ہے۔ آج جواب دے رہا ہوں۔ یہ جان کر تشویش ہوئی کہ آپ کے ہاتھ میں رعشہ پیدا ہوگیا ہے۔ ایسا ہوا تو لکھنا موقوف ہوجائے گا۔ ایک عالم کے لیے یہ بہت بڑا سانحہ ہے۔ اختلاجِ قلب ایک اور پریشانی ہے۔ اگر انجا ئنا ہوتو bye-pass سرجری کرانے سے تکلیف پوری طرح جاتی رہتی ہے۔

آپ شاید ابھی ۶۰ سال کے بھی نہیں ہوئے۔ ابھی سے آپ کو یہ بیماریاں لاحق ہوگئیں جو بہت بڑی عمر والوں کو ہوتی ہیں۔ میں ''تحقیق کی تاریخ'' کا محض ایک حصہ محققین کا تذکرہ لکھوں گا۔ اس کے بھی پورا ہونے کی امید نہیں۔ اسی سلسلے میں ایک ماہ کے لیے پاکستان جاؤں گا۔ اہلیہ کو ساتھ لے جاؤں گا۔ میں اس سے پہلے پاکستان نہیں گیا۔

آپ کی بڑی عمارت کی تکمیل بہت خوش آیند ہے۔ ایک تو اچھی خبر ملی۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۹۰)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

9/25، اندرا نگر،

لکھنؤ-226016

۹؍جون ۱۹۹۱ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۳؍جون کا کرم نامہ کل ۷؍جون کو ملا۔ بہ شرطِ فرصت ''تحقیق کا فن'' کے ہر ورق کو محض الٹ کر دیکھ لیجیے تا کہ اس کے مشمولات کا اندازہ ہوجائے۔ میرا خیال ہے کہ پوری کتاب

میں ایک بھی عنوان، ایک بھی بیان موضوع سے غیر متعلّق نہیں۔

میرے ذخیرے میں رسالہ ''اُردو'' جولائی تا اکتوبر ۶۰ء موجود نہیں۔ میں نے ص ۳۵۸ پر لکھّا ہے:

''اُنھوں نے اسے رسالہ ''اُردو'' کراچی، جولائی تا اکتوبر ۱۹۶۰ء میں شائع کر دیا''۔

آپ نے ''مطالعۂ میر'' میں ۳۰۶ پر لکھا ہے:

''کریم الدین احمد نے ایک مختصر تعارف کے ساتھ اس کو 'اُردو' کراچی،
بابت جولائی - اکتوبر ۱۹۶۰ء میں شائع کرادیا ہے''۔

جولائی تا اکتوبر ۱۹۶۰ء سے مراد ایک ہی شمارہ ہے جو ان مہینوں کا احاطہ کرتا ہے۔

میری کتاب ۱۹۹۰ء میں کسی دن شائع ہو گئی تھی۔ اس کے دس نسخے ملے تھے۔ ایک میرے پاس ہے بقیہ میں نے دوسروں کو دے دیے۔ اب چند نسخے خرید کر آپ کو اور چند دیگر حضرات کو بھیجے۔ مجھے ان کی خرید پر ۳۳ فیصد کمیشن ملا۔ آپ کو اس سے پہلے ہی بھیج دینا چاہیے تھا۔

امید ہے آپ کے ایوان کی تعمیر کا کام اس سال مکمّل ہو جائے گا۔

مخلص

گیان چند

(۹۱)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

حیدرآباد

۲۳/ جولائی ۱۹۹۲ء

محبّی تسلیم

میں اور اہلیہ یہاں ایک ہفتے کے لیے آئے ہیں۔ واپسی میں چار دن بھوپال ٹھہریں گے۔ اگر کشن چند وہاں ہے تو اس کے ساتھ ورنہ منوچہ کے ساتھ۔ ہم لوگ ۳۰/ جولائی کی سہ پہر کو دکشن ایکسپریس سے بھوپال پہنچیں گے اور وہاں سے ۳/ اگست کی رات کو پشپک ایکسپریس سے لکھنؤ کے لیے چل دیں گے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۹۲)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

9/25،اندرانگر،

لکھنؤ-226016

فون:226016

۱۷/اگست ۱۹۹۴ء

محبّی تسلیم

کل آپ کا تحفہ ''غالبیات اور ہم'' ملا۔ آپ کے اس لطفِ خاص کا تہِ دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے رجسٹرڈ ڈاک سے یہ کتاب عطا کرنے کی زحمت کی۔

میں نے مضامین کو جستہ جستہ دیکھا ہے لیکن خاتمہ ''گلِ رعنا'' والا مضمون شروع سے آخر تک پڑھ لیا ہے۔ میں اس موضوع کا ماہر تو نہیں لیکن ظاہراً یہی لگتا ہے کہ آپ کے فیصلے درست ہیں۔ آج کل ''گلِ رعنا'' مرتبّہ مالک رام میری عزیز ہے۔ واضح ہو کہ وزیرالحسن عابدی کا نسخہ معتبر نہیں۔ انھوں نے کسی مخطوطے سے اپنا اڈیشن تیار نہیں کیا بل کہ مالک رام کے دو مضامین نسخہ عرشی وغیرہ کی مدد سے وضع کیا ہے۔

اُن کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ انھوں نے خواجہ محمد حسن کا نسخہ بہ خطِ غالبؔ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ انھوں نے اس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی۔ لاہور کے ڈاکٹر معین الدین نے اپنی کتاب ''اشاریۂ غالب'' میں اس کے چار صفحے چھاپ دیے تھے انھیں کا عابدیؔ نے عکس دے دیا۔

میں گوشہ نشین ہوں۔ اس کے باوجود مجھے دو طویل خطبات دینے ہیں۔ پچھلے سال مجھے کراچی میں ''بابائے اُردو یادگاری لکچر'' کے لیے بلایا تھا۔ ۲۸/اکتوبر کی تاریخ طے ہوئی تھی۔ میں نے اپنا ضخیم خطبہ ''اُردو کی ادبی تاریخ'' ۱۹۴۷ء تک لکھ کر بھیج دیا تھا لیکن مجھے ویزا نہ ملا۔ اب مل گیا ہے۔ اسلام آباد کی وزیرِ داخلہ نے میرے لیے ویزا کا آرڈر نکال دیا ہے۔ میں نے یکم اکتوبر ۹۴ء کی تاریخ رکھی ہے۔ ۱۵/دن کا ویزا ہوگا۔

غالب اکیڈمی، دہلی نے اس سال سے مالک رام کے نام پر سالانہ خطاب کا سلسلہ شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پہلے خطبے کے لیے مجھے مدعو کیا ہے۔ اس سال کا موضوع بھی مالک رام ہوں گے۔

میں نے موضوع رکھا ہے ''غالبؔ شناس مالک رام''، اس میں مالک رام کے غالبؔ سے متعلّق جملہ کاموں کا جائزہ لوں گا۔ اس سلسلے میں ''گلِ رعنا'' کو دوبارہ دیکھ رہا تھا۔ لکھنؤ میں کتابوں کی دقّت ہے، میں لائبریریوں سے دور رہتا ہوں۔ بعض کتابیں بمبئی سے کالی داس گپتا سے منگا رہا ہوں۔ وسطِ اکتوبر میں پاکستان سے واپس آتے ہوئے دلّی میں یہ خطبہ پیش کروں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ ساتھیوں کو سلام کہیے۔

میں نے اپنی کتاب ''اُردو کی ادبی تاریخیں'' مکمّل کر لی ہے۔ آج کل اس کی صاف نقل تیّار کر رہا تھا کہ ان خطبات نے کام روک دیا۔

مخلص

گیان چند

(۹۳)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

9/25، اندرانگر،

لکھنؤ-226016

۲۰/اگست ۱۹۹۴ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۱۲/اگست کا کرم نامہ کل ملا۔ اس سے پہلے میں ''غالبیات اور ہم'' کی رسید بھیج چکا ہوں۔ آپ نے میری دو کتابوں کی قیمت ادا کرنے کی بات کر کے مجھے شرمندہ کیا۔ میں نے اپنی زندگی میں آج تک اپنی کوئی کتاب کسی کو قیمت لے کر نہیں دی۔ مجھے تو یاد بھی نہ تھا کہ میں نے یہ دو کتابیں آپ کو دی ہیں: ''کچّے بول'' میں نے جسے بھی دی اس پر پیش کش نہیں لکھی تا کہ وہ شخص پڑھنے کے بعد، یا غیر پڑھے اس کم ارز کتاب کو جسے چاہے دے دے یا پھینک دے۔ اقبالؔ کی کتاب پر نہ لکھنا سہواً ہوا ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں کتابوں کی بل کہ دو اور کتابوں ''کھوج'' اور ''پرکھ اور پہچان'' پر مجھے کوئی معاوضہ نہیں ملا، صرف کچھ جلدیں ملی تھیں جن میں سے میں نے کوئی بھی فروخت نہیں کی۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔ ہاں دو خبریں دے دوں جو شاید پچھلے خط میں بھی دی

ہوں گی۔ میں یکم اکتوبر ۹۴ء کو کراچی میں بابائے اُردو لکچر دوں گا اور واپسی میں دہلی میں غالب اکیڈمی میں مالک رام یادگار لکچر۔

مخلص گیان چند

(۹۴)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

9/25، اندرا نگر،

لکھنؤ-226016

۸؍جون ۱۹۹۵ء

محبّی تسلیم

خلیق انجم اور جگن ناتھ آزاد نے اپنے مضامین میں لکھا ہے کہ آزادی کے بعد ہندستان میں لوگ اقبال کا نام لیتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یونی ورسٹیوں کے نصاب میں سے اقبال کو تقریباً نکال دیا گیا۔ آزاد کی کتابوں کی بدولت اقبال صدی کے بعد سے ہندستان میں اقبال پر لکھا جانے لگا۔

مجھے اس بات میں مبالغہ دکھائی دیتا ہے کہ اقبال کو کورس سے نکال دیا گیا۔ الٰہ آباد یونی ورسٹی میں ایم اے میں ''بانگِ درا'' اور ''بالِ جبریل'' کورس میں نہیں۔ کیا آپ کو یاد ہے کہ جب آپ نے الٰہ آباد میں ایم اے کیا تو اُس وقت یہ کتابیں کورس میں تھیں کہ نہیں؟ ہم نے وکرم یونی ورسٹی کے نصاب میں اقبال کو کتنی جگہ دی تھی۔

مجھے یہ معلومات ایک مضمون کے لیے درکار ہیں۔ مضمون زیادہ تر لکھ چکا ہوں۔ آپ کا جواب آنے پر اسے صاف کروں گا۔ آپ کی یادداشت کے مطابق الٰہ آباد، وکرم (یا آگرہ) یونی ورسٹی میں اقبال کے مطالعے کی کیا پوزیشن تھی۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔ ہاں میں نے ایک کتاب ''اُردو کی ادبی تاریخیں'' کا مسودہ اشاعت کے لیے یو پی اُردو اکیڈمی اور انجمن ترقّی اُردو پاکستان کو دے دیا ہے۔ یہ کتاب ۹۰۰ تا ۱۰۰۰ صفحوں پر آئے گی۔ اس میں اُردو کی تواریخِ ادب کا جائزہ لیا ہے اور اُردو انگریزی دونوں زبانوں میں لکھی تاریخوں کا۔

مخلص گیان چند

(۹۵)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

9/25، اندرانگر،

لکھنؤ-226016

۲۶؍جون ۱۹۹۵ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۱۶؍جون کا کرم نامہ ۲۳؍جون کو ملا، شکریہ۔ یہ دیکھ اور جان کر بہت دکھ ہوا کہ آپ کے ہاتھ میں رعشہ ہو گیا ہے۔ لکھنے والا آدمی اگر قلم پکڑنے پر قابو نہ رکھ پائے تو اس کی دلی معذوری کا میں اندازہ کر سکتا ہوں۔

آپ نے بیش بہا معلومات فراہم کی ہیں۔ اس سے پہلے عبدالقوی دسنوی نے اپنا مرتّبہ مقالہ ''ہندستان میں اقبالیات'' (اقبال ریویو، لاہور، جولائی ۷۶ء) بھیجا جس سے معلوم ہوا کہ ہندستان میں آزادی کے بعد کے دہوں میں اقبالؔ پر کئی کتابیں اور سیکڑوں مضامین شائع ہوئے۔ جگن ناتھ آزادؔ اور ان کی تقلید میں خلیق انجم اور رفیع الدین ہاشمی کا یہ کہنا غلط ہے کہ آزادی کے بعد ہندستان میں اقبالؔ کا نام لینے سے لوگ ڈرتے تھے۔

انھوں نے ساری کریڈٹ خود لینی چاہی ہے۔ رفقا کو سلام کہنا۔ میرے دو شعر:

بُڑھاپا آ گیا، مرنے کے دن ہیں
رفیقوں میں ہمیں سب سے مسن ہیں

☆

کیا مستقبل، مجھے تو حال بھی ملتا نہیں
اپنے ماضی کے کھنڈر میں گھومتا رہتا ہوں میں

مخلص

گیان چند

خوشی کی بات ہے کہ آپ کی کتابوں کے چھٹے اور چوتھے اڈیشن نکل رہے ہیں۔

(۹۶)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
9/25، اندرانگر،
لکھنؤ-226016

۶ راگست ۱۹۹۵ء

محبّی تسلیم

کل آپ کی بھیجی ہوئی کتاب یونس حسنی کی ''اُردو میں ہائیکو'' ملی۔ شکریہ۔ آپ کو بہت زحمت کرنی پڑی۔ اتنی چھوٹی کتاب رجسٹری کے بغیر بھیج سکتے تھے۔ کالی داس گپتا رضا نے ''دیوانِ غالب کامل'' تاریخی ترتیب سے طبعِ سوم (صفحات پونے چھے سو اور قیمت پانچ سو روپے) رجسٹری کے بغیر بھیج دیا اور مجھے مل بھی گیا۔

کراچی یونی ورسٹی کا ٹوکیو یونی ورسٹی سے تعلق ہے۔ وہاں سے اُردو کا کوئی استاد دو تین سال کے لیے ٹوکیو یونی ورسٹی میں جاتا رہتا ہے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۹۷)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر
9/25، اندرانگر،
لکھنؤ-226016

۲۸ رجون ۱۹۹۷ء

محبّی ڈاکٹر ابومحمد ابوالقاسم صاحب، تسلیم

بڑے عرصے کے بعد آپ کو لکھ رہا ہوں۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے اور انگلیوں میں رعشہ دور ہو گیا ہوگا۔ مجھے اور میری بیوی کو ضعیفی کے چھوٹے موٹے عوارض لاحق ہوتے رہتے ہیں۔ مجھے کم اہلیہ کو زیادہ۔ ہمارے تینوں بچّے ملک سے باہر ہیں۔ دو امریکہ میں، بڑا لڑکا بنکاک

(تھائی لینڈ) میں۔ امریکہ والے بچّوں کے اصرار پر ہم نے رضامندی دے دی کہ میں اوراہلیہ مستقلاً امریکہ منتقل ہو جائیں۔ پچھلے سال اگست میں درخواست دی گئی جو منظور ہو گئی لیکن ابھی بہت سی کاغذی کارروائی باقی ہے، جس میں سے ایک یہ ہے کہ میں اوراہلیہ ۱۶ سال کی عمر کے بعد جس شہر میں ۶ مہینے سے زیادہ رہے ہیں وہاں سے پولیس سرٹی فکٹ لے کر وہاں کے پولیس ریکارڈ میں ہمارے خلاف کچھ نہیں ہے۔ ہمیں سیوہارہ (میرے لیے) جموں، حیدرآباد اور لکھنؤ سے سرٹی فکٹ مل گئے ہیں لیکن ہنوز بھوپال سے نہیں ملا۔ میں نے پولیس کے نام درخواست لکھ کر آفاق کے ہاتھ بھیجی تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بنوا کر بھیج دے گا لیکن وہ کچھ دن بیمار رہا اس لیے اس نے ہر کام عزیز قریشی کے سپرد کر دیا۔ غالباً ۲۳ر جون کو آفاق چند ماہ کے لیے انگلستان، کناڈا اور امریکہ کے دورے پر چلا گیا۔ میں نے عزیز قریشی کو ایک خط لکھا تھا لیکن اس کے شعار میں چٹھی لکھنے کی روایت نہیں۔ آپ براہِ کرم عزیز قریشی کو فون کر کے کہیے کہ وہ میرا جولائی ۱۹۵۰ء تا اکتوبر ۱۹۶۵ء اور میری بیوی نرملا جین کا جولائی ۱۹۵۳ء تا دسمبر ۱۹۶۵ء کا سرٹی فکٹ بنوا کر بھیج دیں۔ یہ سرٹی فکٹ S.P یا S.S.P کے آفس سے بنتا ہے۔ میرے پاس عزیز قریشی کے یہ فون نمبر لکھے ہیں: 541893-540810-530002۔

یہ نمبر پانچ سال پہلے کے ہیں۔ معلوم نہیں اب بدل تو نہیں گئے۔ کاغذی کارروائی پوری ہو جائے تو نومبر ۹۷ء تک ہمیں گرین کارڈ مل جانا چاہیے۔ بشرطِ حیات ۱۹۹۸ء میں امریکہ جائیں گے۔ جانے سے پہلے بھوپال آ کر دوستوں سے ضرور ملیں گے۔ یہاں میں بے سہارا ہوں اس لیے جانے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ امریکہ جا کر اُردو پڑھنا تو ہو سکے گا لیکن لکھنا تقریباً ختم ہو جائے گا کیوں کہ وہاں کتابیں نہیں ہوں گی۔ ہندستان اور پاکستان کے منتخب رسالے ہوائی ڈاک سے منگایا کروں گا جن کی وجہ سے پڑھنے کا سامان رہے گا۔ ساتھیوں کو میرے فیصلے کی خبر دے دیجیے۔

بزرگ اہلِ اُردو زرد پتّوں کی طرح گر رہے ہیں۔ میں ستمبر میں ۷۴ سال کا ہو جاؤں گا۔ اب دم بھروسا نہیں۔ آخری لمبے سفر کی تیّاری کر لینی چاہیے۔ آسام میں تاراچرن رستوگی ۵ر فروری (۲۵ر فروری نہیں) ۱۹۹۷ء کو دو پہر ڈھائی بجے مرے۔ مجھے مئی کے آخر میں معلوم ہوا۔ میں نے اُن کے لڑکے کو جوابی خط لکھا تھا۔ اس سے صحیح تاریخ معلوم ہوئی۔

خدا سے (جس کے وجود کا میں قائل نہیں) دعا ہے کہ آپ صحّت کے ساتھ خوش وخرم

رہیں۔

عزیز قریشی سے بات کر کے مجھے لکھیے یا اس سے کہیے کہ وہ فون پر مجھ سے بات کر لے۔

مخلص گیان چند

(۹۸)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

9/25، اندرا نگر،

لکھنؤ-226016

۱۳؍ستمبر ۱۹۹۷ء

محبّی تسلیم

آپ کے ۳۰؍اگست اور ۳؍ستمبر کے خطوط ملے۔ شکریہ۔ سچی بات یہ ہے کہ تارا چرن رستوگی متعصب ہندو تھے۔ کوئی کٹّر ہندو اقبالؔ کو پسند نہیں کرتا۔ انھیں کے. ایل. گربا نے بتایا تھا کہ اقبالؔ کو آتشک تھا۔ واللہ اعلم یہ کہاں تک ٹھیک ہے۔ میں رستوگی کے انگریزی مقالے کا ممتحن تھا اور میں نے گرنائی جا کر ان کا زبانی امتحان لیا۔ واقعی یہ حیرت کی بات ہے کہ اس موضوع پر انگریزی میں پی ایچ. ڈی دی گئی۔

میں چار دن دہلی رہ کر کل واپس آیا، دو قسم کے ویزا لایا ہوں۔ ایک تو اپنے اور اہلیہ کے لیے پاکستان کا ویزا ہے، ۱۵ دن کا کراچی، لاہور اور اسلام آباد کا۔ اکتوبر میں دس بارہ دن کے لیے جاؤں گا۔ موضوع رکھا ہے "قاضی عبدالودود بہ حیثیت مرتّبِ متن"۔ مضمون لکھ لیا ہے اسے صاف لکھ رہا ہوں۔ دوسرا ویزا امریکہ کا immigrant visa ہے۔ ہمیں ۷؍جنوری ۱۹۹۸ء تک امریکہ میں داخل ہونا ہے جس کے بعد ہمیں گرین کارڈ دے دیا جائے گا۔ ہم لوگ دسمبر ۹۷ء کے آخر میں ایک بار ہی مستقلاً چلے جائیں گے۔ اس سے پہلے مکان اور سامان فروخت کرنا ہے۔ بڑی خواہش تھی کہ جانے سے پہلے بھوپال اور حیدرآباد ہو کر آؤں لیکن ایک طرف غضب کی مصروفیت ہے، دوسرے ہر سفر کے بعد بیمار ہو جاتا ہوں۔ دہلی سے آ کر شدید کھانسی ہو گئی ہے۔ آج ڈاکٹر کے پاس جاؤں گا اور دوا لاؤں گا جو capsule ہونی چاہیے۔

ایسے میں پاکستان کا سفر دخل در معقولات ہو گیا ہے بس بھوپال کے دوستوں کو فی الحال

خط نہیں لکھ سکتا۔ آپ سب کو بتا دیجیے۔ آفاق یا عزیز قریشی نے پولیس سرٹی فکٹ نہ بھیجا لیکن اب اس کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ امریکی سفارت خانے نے پولیس سرٹی فکٹ پر اصرار کرنا بند کر دیا ہے۔ ہم جو سرٹی فکٹ لے گئے تھے وہ بھی انھوں نے واپس کر دیے۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۹۹)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

لڑکے کا پتا:

3262, OAK LEAF
CHINO HILLS-CA 91709
U.S.A

لڑکی اور لڑکے کا پتا:

R. JINDAL, M.D/ MANISHA JINDAL
22356, west Harrison Street Porterville,
California 93257

۳/اپریل ۱۹۹۸ء

محبّی تسلیم

بہت دن پہلے میں نے منوچہ کو خط لکھا تھا اور کہا تھا کہ وہ سب رفیقوں کو سُنا دے۔ مجھے امید ہے کہ خط پہنچ گیا ہوگا۔ میں اصلاً ۲۱/دسمبر ۹۷ء کی رات کو لکھنؤ سے دہلی کے لیے چلنے والا تھا لیکن ایک سارق نے ہمارا بیگ چرا لیا جس میں پاسپورٹ، ریل اور ہوائی جہاز کے ٹکٹ وغیرہ تھے۔ ان کے گم ہونے کے سبب ہم ریل سے اتر آئے۔ میری پریشانی کی تفصیل ۲۲/فروری ۱۹۹۸ء کے ''ہماری زبان'' میں چھپی ہے۔ آپ نے دیکھی ہوگی۔ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ چوری کی رات ۲۱/دسمبر ہی کو کسی شخص نے لکھنؤ اسٹیشن ماسٹر کو ہمارے دونوں پاسپورٹ اور دہلی کے بینک کے لیے چار ڈرافٹ ۹۰-۹۰ ہزار کے سونپے۔ وہ حرام زادہ اسٹیشن ماسٹر ان چیزوں کو دو مہینے تک لیے بیٹھا رہا۔ پاسپورٹ میں میرا پتا اور فون نمبر لکھا تھا۔ اگر مجھے مطّلع

کر دیتا تو نئے پاسپورٹ بنوانے کی طوالت اور صرفے سے بچ جاتے۔ اگر پلیٹ فارم ہی پر ریلوے پولیس کو بتا دیتا (جہاں میں نے FIR لکھوائی تھی) تو وہ بھی مجھے مطّلع کر دیتے۔ ہندستان میں سرکاری ملازمین اسی طرح غیر ہمدرد ہوتے ہیں۔

میں نے دسمبر ۹۷ء میں لکھنؤ سے ''کتاب نما'' ۵۰۰ روپیوں اور ''آجکل'' کو ۶۰۰ روپیوں کا منی آرڈر کیا تھا۔ یہ ۱۹۹۸ء میں یہ رسالے امریکہ ہوائی ڈاک سے بھیجنے کا چندہ تھا۔ فروری سے ''کتاب نما'' آنے لگا۔ ''آجکل'' کا ابھی تک کوئی پتا نہیں۔ ان کے علاوہ حیدرآباد سے ''سب رس'' آ رہا ہے۔ ایک پرچہ ''شمع انٹرنیشنل'' کا بھی آیا۔ میں نے اپنی کتابوں میں سے بیشتر حیدرآباد یونی ورسٹی کو تحفہ دیں۔ بہت سی کتابیں شیمہ رضوی لکچرر اُردو لکھنؤ یونی ورسٹی و ڈاکٹر انورالدین ریڈر صدر شعبۂ اُردو حیدرآباد یونی ورسٹی نے لے لیں۔ چند کتب رشید حسن خاں اور شمس الرحمٰن فاروقی نے لیں۔ چار بڑے بنڈل میں نے اپنے لیے بنا لیے۔ یہ دہلی پہنچ کر اٹکے ہوئے پڑے ہیں۔ انھیں پانی کے جہاز سے یہاں منگانا ہے۔ اس میں بہت دقّتیں آ رہی ہیں۔ بڑی کاغذی کارروائی کرنی ہے۔ لاگت ۱۱ ہزار روپے آئے گی۔ کتابیں بھی اس سے زیادہ قیمت کی نہ ہوں گی۔ سامان کی گُم شدگی میں کل تقریباً سوا لاکھ روپیوں کا خسارہ ہوا۔

یہاں لڑکا، لڑکی، داماد اور ان کے بچّے ہمارا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ ہمارے اوپر کتنا بھی روپیا خرچ کرنے کو تیّار رہتے ہیں۔ یہاں ہمیں کوئی پریشانی، کوئی ذمّے داری، کوئی کام نہیں۔ کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے میں تصنیف کا کام نہیں کر سکتا۔ میرے پاس اپنی تصنیفات میں سے بھی ایک کتاب نہیں۔

یہاں جو اُردو والے مل رہے ہیں وہ پاکستان سے آئے ہوئے ہیں۔ محض شاعر ہیں جن میں سے کئی غیر موزوں کہنے والے ہیں۔ نثر، تنقید و تحقیق کا کوئی آدمی نہیں۔ ویسے یہاں کے اُردو والے میرا بہت احترام کرتے ہیں۔ میں نے ہندستان اور پاکستان میں بہتوں کو خط لکھے۔ بیشتر نے جواب نہیں دیا۔ آپ سے جواب کا تقاضا نہیں کیوں کہ میں جانتا ہوں کے رعشے کے سبب آپ کو لکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

میں چاہتا تھا کہ ''ہماری زبان'' اور ''نیا دور'' (لکھنؤ) بھی میرے پاس آنے لگے۔ میں ان کے لیے کتنا بھی چندہ بھیجنے کو تیّار ہوں لیکن ان کے یہاں ہوائی ڈاک سے بھیجنے کا کوئی انتظام نہیں۔

اگر آپ جواب دینے کی ہمّت کریں تو اُردو دنیا کی خبر دیجیے۔ حبیب خاں کے انتقال کا بہت افسوس ہوا۔

یہاں ہندستان، وہاں کے ماحول اور اُردو دنیا سے کٹ گیا ہوں۔ یہ کیفیت ہے جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں۔ مہاجروں کا جو مقدر ہوتا ہے وہ میرا بھی ہے۔

سب احباب کو سلام کہیے۔ امید ہے سب لوگ بہ خیر ہوں گے۔ بالخصوص آپ کا مزاج مع الخیر ہوگا۔ اگر میں زندہ رہا تو ۱۹۹۹ء کے تیسرے ربع میں ہندستان آؤں گا۔ اس وقت آپ سے ملنے بھوپال ضرور آؤں گا۔ ''سامان سو برس کے ہیں، کل کی خبر نہیں''۔

میں زیادہ تر لڑکے کے پاس رہتا ہوں اس لیے اس کا پتا مرجّح ہے۔ روک لیف سڑک کا نام ہے۔ چنو ہلز، کیلی فورنیا کے بڑے شہر لاس اینجلس کی ایک نواحی بستی ہے۔ ہمیں green card مل گیا ہے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۰)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

3262, OAK LEAF

CHINO HILLS-CA 91709

U.S.A.

۲۰ / جولائی ۱۹۹۸ء

محبّی ابو محمد صاحب، تسلیم

آپ کا ۳۰ / اپریل کا کرم نامہ بر وقت ملا تھا۔ آپ کو لکھنے میں زحمت ہوئی لیکن خط بالکل صاف ہے۔ میں پوری طرح بہ آسانی پڑھ سکا۔

میری کتابیں کوئی دو ہفتہ پہلے آگئیں۔ اب میں اپنے کاموں میں مشغول ہو گیا ہوں۔ میں دو رسالوں کا چندہ دسمبر ۹۷ء میں دے آیا تھا۔ ''کتاب نما'' کا ایک سال کا ۵۰۰ روپے اور ''آجکل'' کا ۱۰۰ روپے۔ یہ پرچے آتے ہیں۔ ان کے علاوہ ''سب رس'' حیدرآباد آتا ہے جس کا میں نے چندہ نہیں دیا۔ ''شب خون'' کا ایک پرچہ آیا تھا۔ میں اس کے چندے کا بھی

انتظام کررہا ہوں۔ میرے پاس ''نیا دور'' نہیں آتا۔ مجھے اس میں اپنے مضمون کی اشاعت کا علم نہ تھا۔ میں نے یہ مضمون کئی سال قبل دیا تھا۔

میں بشرطِ حیات اگست ۱۹۹۹ء میں ہندستان آؤں گا اور سب رشتے داروں اور دوستوں سے ملوں گا لیکن ۷۵ برس کی عمر میں ایک سال آگے کی بات سوچنا خیالِ خام جیسا ہے۔

میں یہاں اُردو والوں میں محض شاعروں کو پاتا ہوں۔ سب پاکستانی ہیں لیکن میرا بہت لحاظ کرتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ہندستانی الاصل مہاجر ہیں۔ یہاں کے دو پاکستانی ہفتہ وار بھی میرے پاس آتے ہیں۔ ان میں ایک حصہ اُردو کا ہوتا ہے۔

اور کیا لکھوں۔ آپ جواب دینے کی زحمت نہ کریں۔ اس خط میں کوئی جواب طلب بات ہے بھی نہیں۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۱)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

23, NEVADA

IRVINE-CA 92606

۱۷راگست ۱۹۹۹ء

محبّی ابومحمد صاحب، تسلیم

میرے اور میری بیوی کے سفرِ ہند کے بارے میں کشن چند اور منوچہ سے تفصیلات معلوم ہوں گی۔ آپ کو نہیں لکھ رہا ہوں۔ ہم لوگ ۱۵ر ستمبر سے یکم دسمبر تک ہند کے ۱۲ شہروں میں گردش کریں گے۔ میں مزید دو جگہ علی گڑھ اور الٰہ آباد جاؤں گا۔ بھوپال ۲۱ر اکتوبر سے ۲۶ر اکتوبر تک رہیں گے۔ منوچہ اور کشن چند کو لکھا ہے کہ جو کوئی زحمتِ میزبانی اٹھا سکے ہمیں ٹھہرا لے یا دونوں جگہ چند چند روز کے لیے ٹھہر جائیں۔ لکھنؤ سے بھوپال پہنچیں گے اور بھوپال سے ۲۶ر اکتوبر منگل کے تڑکے بنگلور۔ راجدھانی ایکسپریس سے بنگلور کے لیے چلے جائیں گے۔ آفاق غالباً ان دنوں کنیڈا میں ہوگا۔ وہ ہوتا تو راجدھانی کے رزرویشن کا کام اس کے سپرد کر دیتے۔ اب کسی ریلوے ایجنٹ کے ذریعے کرایا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے جگہ جگہ سے مواد

اکٹھا کرنا ہے۔ میں بیوی کے ساتھ مظفرنگر، دہرہ دون، سیوہارہ، رام پور، لکھنؤ، بھوپال، بنگلور، حیدرآباد، بمبئی، احمد آباد، جے پور اور واپس دہلی جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مظفرنگر سے بیوی کے بغیر ڈیڑھ دن کے لیے علی گڑھ اور لکھنؤ سے ایک دن کے لیے الہ آباد جاؤں گا۔ معلوم نہیں اتنے سفر کر سکوں گا کہ نہیں۔ ہر جگہ A/C sleeper 2 Tier سے سفر کا ارادہ ہے۔ ''سامان سو برس کے ہیں کل کی بھی خبر نہیں''۔

بھوپال میں اخلاق اثر، حامد حسین، قوی دسنوی اور اختر سعید خاں کو مطّلع کر دیجیے۔ میرے لیے کسی قسم کی کوئی تقریب نہ رکھی جائے۔ اب آواز جلسوں میں بولنے کے لائق نہیں رہی۔ حمیدیہ کالج بھی جا کر دیکھنا ہے۔ یہ سفر اپنے ماضی کی تلاش کا ہے۔ حمیدیہ کالج میں دیوانِ مصحفی کا ایک مخطوطہ خرید کر منگایا تھا۔ دیکھنا ہے کہ وہاں موجود ہے کہ نہیں۔ معلوم نہیں وہاں کون صاحب اُردو کے پروفیسر ہیں۔ آپ سب سے ملنے کا اشتیاق کے ساتھ منتظر ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۲)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

معرفت رمیش چندر ایڈوکیٹ

276/1, Sivil Lanes, North

مظفرنگر-251001

فون: 406727 (0131)

۱۲؍اکتوبر ۱۹۹۹ء

محبّی تسلیم

میں اپنے دورے کے سلسلے میں تین دن کے لیے رام پور گیا۔ ایک دوست کے یہاں قیام کیا۔ رضا لائبریری میں گیا، عابد رضا بیدار سے مفصّل ملاقاتیں رہیں۔ ۹؍اکتوبر کی صبح میری بیوی غسل خانے میں نہانے گئیں، بہت گرم پانی کا ایک حمام غلطی سے اپنے اوپر گرا لیا۔ دائیں ہاتھ کا پنجہ اور ایک کولہا جل گئے۔ فوراً ڈاکٹر کو بلا کر معالجہ کیا۔ ۱۰؍اکتوبر کو ۱۵۰۰ روپیوں میں ایک ٹیکسی کر کے مظفرنگر آئے۔ یہ میری بڑی سالی اور ہم زلف کا شہر ہے۔ یہاں علاج کی

بہت سہولت ہے۔ فوراً ایک سرجن کو گھر بلا کر دکھایا۔ علاج جاری ہوگیا۔ اب قدرے افاقہ ہے۔ ہم نے اپنے سارے رزرویشن منسوخ کر دیے ہیں۔ امید ہے دو تین ہفتوں کے بعد یہاں سے نکل سکیں گے۔ جو چند روز ختم ہوں گے ان میں دو تین جگہ اور ہو آئیں گے۔ شاید بھوپال نہ آسکیں۔ حالاں کہ میری بڑی خواہش ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ کراچی میں مشفق خواجہ نے میری کتاب ''رموزِ غالب'' کا اضافہ شدہ اڈیشن چھاپا ہے۔ میں نے انھیں لکھا ہے کہ ایک کاپی آپ کو بھیج دیں۔

کشن چند سے آپ کو میرے واقعے کی اطّلاع مل چکی ہوگی۔ منو چہ کو سلام کہیے۔ آفاق اگر بھوپال میں ہو تو اسے بھی میری کیفیت بتا دیجیے۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۳)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

23, NEVADA

IRVINE-CA 92606

۲ر جنوری ۲۰۰۰ء

محبّی ابو محمد صاحب، تسلیم

ایجوکیشنل پبلشنگ نے میرے دو کتابچے ''اُوپندر ناتھ اشک'' اور ''قاضی عبدالودود بہ حیثیت مرتّبِ متن'' شائع کرائے ہیں۔ بہت خوب صورت اور بے حد غلط۔ میں نے انھیں لکھا ہے کہ آپ کو قاضی والی کتاب بھیج دیں۔ ہندستان کی مفصّل سیاحت کی امٹ خوشگوار یادیں لے کر یہاں لوٹ آیا ہوں۔ Air Conditioning کی وجہ سے یہاں سرد و گرم اور عناصر میں اعتدال ہے۔ بڑی پُرسکون بل کہ ضرورت سے زیادہ پُرسکون زندگی گزر رہی ہے جس میں اُردو والوں کی تحریر تو دیکھ پاتا ہوں، آواز فون پر شاذ ہی سُننے کو ملتی ہے۔ اب میرا پانو تقریباً یعنی کوئی ۹۵% ٹھیک ہوگیا ہے۔ گھر سے باہر چلنے میں بہت خفیف لنگ کا شائبہ رہتا ہے۔ شکستہ پائی کی وجہ سے لکھنؤ میں معدودے چند حضرات سے مل سکا۔ دلّی سے کار سے علی گڑھ ہو آیا۔ ایک شبانہ روز اصغر عبّاس صدرِ شعبہ کے گھر قیام کیا۔ ۳۰ر نومبر کو شعبۂ اُردو کے تحت فیکلٹی ہال میں ''تحقیق

کے مسائل'، پر سوا گھنٹے تک تقریر کی۔ سامعین میں کئی علما تھے۔ صدارت ڈاکٹر نذیر احمد نے کی۔ سامعین میں رشید احمد صدّیقی کے صاحبزادے (غالباً احسان رشید نام) جو کراچی یونی ورسٹی کے وائس چانسلر رہ چکے ہیں، ڈاکٹر نورالحسن نقوی، لکھنؤ کے نیّر مسعود اور دوسرے لوگ تھے۔ طلبہ سے ہال کھچا کھچ بھرا تھا حالاں کہ اس سے پہلے دن طلبہ نے امتحان ملتوی کرانے کے لیے شورش کی تھی اور ان پر لاٹھی چارج ہوا تھا۔ ڈاکٹر مختارالدین احمد اور ڈاکٹر مسعود خاں سے مفصّل ملاقات ہوئی۔ یکم دسمبر کو دہلی میں جامعہ نگر جا کر سرور صاحب اور نثار احمد فاروقی سے دیر تک ملا۔ یہاں آ کر سنّاٹا ہے۔ ساتھ کا خط پڑھ کشن چند کو دے دیجیے۔

آپ کی کتاب ''اُردو رسم الخط'' ہے جو عالمانہ ہے۔ کوئی پندرہ سال پہلے میں بمبئی یونی ورسٹی میں اُردو سے متعلّق ایک سمینار میں گیا تھا۔ وہاں لسانیات کے ایک سندھی ہندو استاد نے تقریر میں کہا کہ اگر کسی زبان کا اس کے رسم الخط سے کام چلتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ صوتیات کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ اس رسم الخط میں کسی ترمیم و اصلاح کی ضرورت نہیں۔ میں ان کی بات سے متّفق ہوں۔ ماضی میں مَیں نے خواہ مخواہ موشگافان تجویز کی۔ جن اصلاحات کے قبولِ عام کا امکان نہ ہو، ان کو تجویز کرنا بھی تضیعِ اوقات ہے۔ آپ کی کتاب پر اپنے مشاہدات خاطر خواہ نہیں دے سکتا کیوں کہ اس کے لیے نہ قوت ہے نہ وقت۔ مختصراً کچھ عرض کرتا ہوں۔

ص۶ ہندستان کے آئین میں سرکاری زبان ہندی میں ہندسے انگریزی میں لکھے جائیں گے، اس لیے سرکاری کاغذات میں اُردو عبارت میں بھی ہندسے رومن میں لکھے جائیں تو اعتراض کا مقام نہیں لیکن سرکاری ادبی اشاعتوں (مثلاً تاریخِ ادب) نیز غیر سرکاری جملہ تحریروں میں اُردو عبارت میں ہندسے اُردو ہی میں لکھے جانے چاہیے۔

ص۱۴ فٹ نوٹ: میں نہیں کہہ سکتا کہ پنجابی میں کھ، دھ، گھ وغیرہ کی آوازیں ہیں کہ نہیں۔ میں نے جمّوں میں پنجابی اور ڈوگری بولنے والوں کو سُنا ہے کہ وہ ابتدائی بھ کو ''پ'' (ذرا زور دے کر) یعنی بھارت کو ''پارت''، ابتدائی ڈھ کو ٹ مثلاً ڈھابا کو ''ٹابا''، ابتدائی جھ کو ''چ'' مثلاً جاڑو کو چاڑو، ابتدائی گھ کو ''ک'' مثلاً گھر کو تقریباً ''کار'' بولتے تھے، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ لفظ کے درمیان میں ان آوازوں کو ہماری طرح بولتے تھے۔ نیز جب وہ ہندی اُردو میں بات کرتے تھے تو ان آوازوں کو ابتدائی پوزیشن میں بھی ہماری طرح بولتے تھے۔ یہ ناممکن ہے کہ اقبالؔ ان آوازوں کو نہ بول سکتے ہوں نہ سن سکتے ہوں۔

ص ۳۷ ہائیہ حروف سنسکرت کا قواعد نویس پانِنی ایک غیر معمولی نظر والا ماہرِ صوتیات تھا۔ اس نے سنسکرت/ دیوناگری کے حروف کو جس طرح ترتیب دی اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مشین کے بغیر اسے آوازوں کا صحیح مخرج کیسے معلوم ہوگیا۔ سب سے بڑی دریافت Voiced, Voice len آوازوں کی ہے جسے اس نے گھوش، اگھوش نام دیا اور اُردو میں مصیتی (سموع) اور غیر مصیتی کہتے ہیں۔ ان کا عمل حلق کے اندر ہوتا ہے، وہ کیوں کر اتنا صحیح جان گیا۔ آوازوں کے نازک فرق کو پہچاننے کے لیے ذکی الحس سامع کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ہائیہ حروف میں مصمّتے اور ہائیت کا ادغام جتنا مکمّل ہے وہ رھ، زھ (مذہب)، ڑھ، لھ، مھ، نھ میں نہیں۔ لیبو ریٹری میں مشین کے سامنے بولا جائے تو ان آوازوں کے نقشے میں دو زمرے صاف دکھائی دیں گے۔

ص ۴۰: آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ صوتیات کا آوازوں کا تجزیہ اور رسم الخط کے حروف لازماً یکساں نہیں ہوتے نہ یکسانیت ضروری ہے۔

ص ۴۲: آپ کی حروف کی فہرست۔ مجھے اس سے دو جگہ اختلاف ہے۔ ہ، ھ کو دو حروف کہنے کے بہ جاے ایک ہی کیوں نہ مان لیا جائے۔ 'ہ' اور 'ھ' کی آواز کیا ہے؟ حلق سے زائد ہوا چھوڑنا۔ آپ منہ کے آگے ہتھیلی یا ایک کاغذ سامنے رکھ کر کہ، کھ کہیے دونوں میں تنفّس کا زائد اخراج محسوس ہوگا۔ دوسرا اختلاف ی، ے کو دو حروف ماننے کا ہے۔ جب ہم واؤ معروف اور واو مجہول (نیز واو ین) کو ایک ہی حرف مانتے ہیں تو یاے معروف اور یاے مجہول (نیز یاے لین) کو دو حروف کیوں مانا جائے۔ ویسے چلن اور روایت کے پیشِ نظر اگر انھیں مختلف بھی مانا جائے تو مجھے اعتراض نہیں۔ ی، ے ایک ہی حرف کی دو شکلیں ہیں جیسے ہا اور 'ذ' کی دو شکلیں نفع، نزاع/خودی، حدی یا خدا۔

ص ۴۳: میری راے میں ہاے مختفی کی آواز محض الف کی ہے۔ اس میں ہ، ھ کی ہائیت بالکل نہیں۔ پردہ کا تلفّظ پردا اور کہ کا تلفّظ کے سے ذرا بھی مختلف نہیں۔

ص ۴۴: انگریزی میں ابتدائی تین حروف جن میں ہائیت شامل کی جاتی ہے PTK ہیں PTB نہیں۔ K کو B لکھنا سہوِ کتابت ہے۔ K کے ساتھ ابتدائی C کو بھی شامل کرنا چاہیے مثلاً car، cat۔ ان تینوں حروف کی ہائیت ہمارے پھ، ٹھ، کھ سے قدرے کم ہوتی ہے یعنی ہوا قدرے کم چھوڑی جاتی ہے۔

ص۴۵: اُردو رسم الخط میں ہائیت کے لیے دوچشمی ھ کا استعمال۔ اس کا صحیح اور قطعی تعیّن گل کرسٹ نے اپنے رسالے میں کیا تھا۔ دیکھیے رشید حسن خاں کی مرتّبہ ''باغ و بہار'' کا مقدّمہ، ص۸۶۔ معلوم نہیں آپ نے یہ مقدمہ دیکھا ہے کہ نہیں۔ اس کا ص۸۳ تا ۹۴ ضرور دیکھیے۔

ص۵۹: آپ نے اکھڑ کی مثال خوب دی لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ ان سے ان آوازوں کی دوئی ثابت ہوتی ہے کہ نہیں۔ آواز کے ادا کرنے میں دو منزلیں ہوتی ہیں، پہلی میں Artialetor (عفو تلفیظ) نقطۂ تلفیظ پر آتا ہے۔ دوسری میں اس سے جدا ہوتا ہے یعنی Releare ہوتی ہے۔ دونوں منزلوں میں اختلاف ہے۔ اکھڑ کہنے میں پہلی منزل (ک) میں سانس کی مقدار کم ہوتی ہے۔ دوسری منزل (کھ) میں قدرے زیادہ تنفّس خارج ہوتا ہے۔

ص۵۹: 'رھ' کے لیے ہندی میں مفرد حرف نہ ہونے کی مثال آپ نے اچھی تلاش کی۔ ویسے ہندی میں لھ، نھ، لھ وغیرہ کے لیے بھی مفرد حرف نہیں لیکن ان میں ایک حرف کو آدھا لکھا جاتا ہے جب کہ 'رھ' (سرھانا) میں نہیں لکھا جاتا۔ یہ ایک کمی ہے۔

ص۶۸ سے ص۸۷ تک آپ نے بہت نادر مآخذ سے مواد پیش کیا ہے۔ میں ان میں سے ۹۰% سے واقف نہ تھا۔

ص۸۸ پر حیات اللہ انصاری کا مقولہ باون تولے پاؤ رتّی درست ہے۔ ص۹۳ سطر۶ میں ایک لفظ عنب چھپا ہے غالباً جنبہ (جنبہ داری) یا جنبش ہوگا۔ ص۹۸ ہندی خط میں کہیں آدھا لکھا جاتا ہے کہیں اوپر نقطہ۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ لکھاوٹ کے دو altemate (متبادل) طریقے ہیں جیسے اُردو میں س، س کسی طرح بھی لکھیے درست ہے۔

ص۱۳۳: آخری پیرا۔ مجھے یاد نہیں کہ میرے بچپن میں حروف کے ہجّے کس طرح سکھائے گئے تھے لیکن الف بے زیر اب کہنا بالکل نامعقول ہے۔ الف زبر بے اب سکھانا چاہیے۔ اس سے کسی تحریری اُصول کی بے حرمتی نہیں ہوتی۔

مجھے خوشی ہے کہ آپ نے ص۱۴۲ تا ۱۴۴ پر رسالہ گل کرسٹ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ آپ کا باب روایتی طرزِ عمل اچھا ہے لیکن باب ''کچھ اصلاحی کوششوں کا جائزہ'' بیت الغزل ہے۔ یہ تعریف سے ماورا ہے۔ میں اس کے تقریباً تمام حوالوں سے ناواقف تھا۔ میں تنہا اس باب پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دے سکتا ہوں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میں اس کے ہر بیان اور ہر تجزیے سے متفق ہوں۔ ایک بات طے ہے کہ اُردو رسم الخط کے بارے میں اور کوئی کتاب ایسی

عالمانہ اور فاضلانہ نہیں جیسی آپ کی کتاب ''اُردو رسم الخط اور املا'' ہے۔ ایسے کام برسوں کی ریاضت کے بعد ہی ممکن ہیں۔

آپ اس خط کے جتنے حصّوں کو کہیں چھپوانا چاہیں تو چھپوا سکتے ہیں۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نے میرے دو کتابچے ''اپندر ناتھ اشک'' اور ''قاضی عبدالودود بہ حیثیت مرتّبِ متن'' شائع کر دیے ہیں۔ بہت خوب صورت اور بے حد غلط۔ میں نے انھیں لکھا ہے کہ آپ کو قاضی صاحب والی کتاب بھیج دیں۔

(۱۰۴)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

23, NEVADA

IRVINE-CA 92606-1764

USA

۲؍مئی ۲۰۰۱ء

محبّی ابومحمد صاحب، تسلیم

۱۹۹۹ء میں ہندستان سے واپسی کے بعد اپریل ۲۰۰۰ء میں آپ کو ایک خط لکھا تھا جس میں آپ کی عالمانہ کتاب کی داد دی تھی۔ آپ کے جواب سے محروم رہا۔

میں اور میری اہلیہ رہتے امریکہ میں ہیں لیکن دل ہندستان میں پڑا رہتا ہے۔ اس لیے آیندہ ستمبر اکتوبر میں پھر ہندستان آ رہے ہیں۔ اب کی بار براہِ یورپ آئیں گے اور کراچی میں چار دن کے لیے رہیں گے، جمیل جالبی کے ساتھ، پھر ہندستان آئیں گے۔ اب کی بار کم شہروں کا سفر کریں گے۔ بھوپال اکتوبر میں آ سکیں گے چار دن کے لیے۔ بھوپال سے پہلے حیدرآباد یا بمبئی جانے کا پروگرام نہیں۔

میں نے ''قاضی عبدالودود: ایک تحقیقی مطالعہ'' نام کی کتاب مکمّل کر لی۔ ہندستان میں عزیز قریشی مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی بھوپال سے اور پاکستان میں انجمن ترقّیِ اُردو شائع

کریں گی۔ میں نے آج دونوں جگہوں پر مسوّدہ بھیج دیا ہے۔ بھوپال میں تقریباً نصف کی پہلی قسط فروری میں بھیجی تھی، بقیہ آج۔ کراچی میں پورا مسوّدہ آج ہی بھیجا ہے۔ کئی مہینے پہلے جمیل الدین عالی، معتمد اعزازی انجمن ترقی اُردو پاکستان یہاں آئے تھے۔ انھوں نے ازخود پیش کش کی کہ وہ شائع کریں گے۔ کتاب بہت ضخیم ہوگئی ہے۔ میں نے طے کیا تھا کہ قاضی صاحب کی ہر تحریر، ہر مضمون پر کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ میرے ہاتھ کی تحریر سے کتاب میں ۹۴۴ صفحے پڑے ہیں۔ چھپ کر ۱۲۰۰ صفحوں میں آجائے تو غنیمت ہے۔ دیکھیے اشاعت میں کتنے سال لگتے ہیں۔ مجھے تو قطعاً کوئی امید نہیں کہ یہ میری زندگی میں شائع ہوسکے گی۔ کتاب میں مَیں نے قاضی صاحب کی بہت تحسین اور بہت تنقید کی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنے علم کے باوجود وہ بار بار بالکل سامنے کی بات نہ سمجھ سکتے تھے۔ ''تاریخ جمل'' میں غلطی کرتے تھے، شعروں کے معنی نہ سمجھتے تھے۔ دوسروں پر اعتراض کرتے وقت آدھی حقیقت بیان کرتے تھے اور آدھی کو چھپا لیتے تھے۔ دوسروں کی تحقیق شدہ باتیں لکھتے تھے لیکن کبھی ان کا اعتراف نہ کرتے تھے۔ ایسی کچھ کوتاہیوں کے باوجود وہ یقیناً اُردو کے سب سے بڑے محقّق تھے۔

۱۹۵۱ء میں ڈھاکہ یونی ورسٹی میں اُردو ریڈر کی پوسٹ ہوئی۔ وہاں کے صدرِ شعبہ عندلیب شادانی قاضی صاحب کے جگری دوست تھے۔ درخواست گزاروں میں محترمی مجنوں گورکھ پوری اور شوکت سبزواری بھی تھے۔ ماہرینِ سلیکشن میں مولوی عبدالحق تھے۔ غالبًا قاضی صاحب نے درخواست نہیں دی تھی لیکن عندلیب شادانی نے انھیں منتخب کرنا چاہا۔ مولوی صاحب نے قاضی کی شدید مخالفت کرکے شوکت سبزواری کا انتخاب کرایا۔ اس کی وجہ سے شوکت اور قاضی دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہوگئے۔ کئی سال بعد اس کا انتقام لینے کے لیے قاضی صاحب نے عبدالحق بہ حیثیت محقّق کا سلسلہ چلایا۔

میرے داماد ڈاکٹر ہیں، انھوں نے طے کیا کہ مجھے بھی Parkinson's disease ہے لیکن mild ہے۔ مجھے رعشہ بالکل نہیں لیکن چلنے کی رفتار سست ہوگئی ہے اور پانو کا توازن (Balance) کمزور ہے۔ اب عرصے سے میں صبح، دوپہر، شام گولیاں کھاتا ہوں جس سے کافی افاقہ ہے۔ اب ضرورت ہے کہ دواؤں کی طاقت اور بڑھائی جائے لیکن میں ٹال رہا ہوں۔

باقی باتیں بروقتِ ملاقات۔ آپ مجھے جوابی خط بدستِ اہلیہ کیوں نہیں لکھوا دیتے۔ امید

کرتا ہوں کہ اب منوچہ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہوگئی ہوں گی۔ انھیں کیا عارضہ تھا اس کا علم نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ اور اہلِ خانہ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

یہ لیٹر ہیڈ علی گڑھ سے مجھ سے پوچھے بغیر ڈاکٹر مختار الدین احمد نے چھپوا کر بھیج دیا۔ کچھ اس سے بڑے سائز کے لیٹر ہیں۔ اس میں سڑک کا اور شہر کا نام ملا کر ایک ہی سطر میں لکھ دیا ہے۔ فون نمبر اور ای میل نہیں دیا ہی نہیں۔

(۱۰۵)

بہ نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

23, NEVADA

IRVINE-CA 926006-1764

USA

۱۸؍ جولائی ۲۰۰۱ء

محبّی ابو محمد صاحب، تسلیم

آپ کا ۱۱؍ مئی کا کرم نامہ ملا تھا، شکریہ۔ پہلے اس خط کے ساتھ دوسرے ملحقات کے بارے میں عرض کروں۔ میری بھتیجی امریکہ سے ہندستان گئی تھی۔ اس سے کچھ پوسٹ کارڈ منگا لیے ہیں۔ ان میں کا پہلا پوسٹ کارڈ اس لفافے میں ہے۔ آپ اسے پڑھ کر سپردِ ڈاک کر دیجیے۔

امید کرتا ہوں کہ ۲۱؍ سے ۲۶؍ ستمبر کو میں بھوپال میں گزاروں گا۔ قاضی عبدالودود پر کتاب ختم کر کے اب میں نے نئی تصانیف کا سلسلہ منقطع کر دیا ہے۔ اپنی سابقہ تصانیف میں سے ''اُردو مثنوی شمالی ہند میں'' کو نئے اڈیشن کے لیے تیار کیا ہے۔ اس کا دوسرا اڈیشن ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کبھی کا ختم ہوگیا۔ اب خلیق انجم لکھتے ہیں کہ اس کی دو سو سے زیادہ جلدیں ان کے پاس رکھی ہیں۔ اگر ۱۴ سال میں صرف تین سو جلدیں بکیں تو آیندہ کے لیے کیا امید۔ میں نے نئے اڈیشن کے لیے مختصر مثنویوں کو نیز تاریخی پس منظر کے باب کو خارج کر دیا ہے۔ اب تک کی معلومات کی بنا پر ترمیم کی ہے۔ اسے پاکستان میں چھپوانے کی

کوشش کروں گا۔ اب میں کتاب کو رائلٹی کے بغیر ہی چھپوانے کو تیار رہتا ہوں۔ مثنوی کی کتاب کے آخر میں کتابیات میں کتابوں کے سنہِ طبع اور مقامِ طبع اکثر نہیں دیے ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ یہ خامی دور کر دوں گا۔

اڈیشن کا سنہِ طباعت وہی دینا ہے جو میں نے اس کتاب کے لیے دیکھا تھا۔ وہ حمیدیہ کالج کی لائبریری کا اڈیشن ہونا چاہیے۔ بھوپال آنے پر ایک دن حمیدیہ کالج جا کر یہ کام پورا کروں گا لیکن وقت بچانے کے لیے ایک فہرست آپ کو بھیج رہا ہوں۔ کسی اہل آدمی کو دیجیے کہ وہ لائبریری میں دیکھے اور ان کتابوں میں جو مل سکیں ان کا سنہ اور مقامِ طباعت لکھ دے۔ میں بیشتر صورتوں میں اِدھر اُدھر سے دیکھ کر یہ معلومات بھر سکتا تھا لیکن مجھے تو اس اڈیشن کا حوالہ دینا ہے جو میں نے بھوپال میں دیکھا ہے۔ کچھ کتابوں میں دونوں تفصیلات دینی ہیں، کچھ میں محض ایک۔ بہت سی کتابوں میں سنہِ اشاعت دیا ہی نہ ہوگا۔ ممکن ہو تو آپ خود لائبریری میں چلے جائیے اور وہاں کے کسی اُردو کے استاد یعنی اپنے شاگرد کو ساتھ لے لیجیے۔ آپ اسے بول کر لکھا سکتے ہیں۔ یکم ستمبر کو آفاق امریکہ، کنیڈا، برطانیہ کے سفر کے بعد واپس بھوپال پہنچ جائیں گے۔ ضرورت سمجھیں تو یہ کام ان کے سپرد کر دیجیے۔ میں بھوپال سے حیدرآباد جاؤں گا۔

عزیز قریشی نے کمال کر دیا ہے کہ خطوں کے جواب دینا بالکل بند کر دیا۔ پہلے تو وہ قاضی کی کتاب شائع کرنے کے اتنے مشتاق تھے کہ مجھے متعدد خطوط لکھے۔ دو بار تقاضے کے خطوط speed post سے بھیجے جن پر چار سو روپیوں سے زیادہ محصول ڈاک دیا۔ روپیا ضائع کرنا ہے۔ مجھے لکھا کہ جنوری ۲۰۰۱ء تک پورا مسوّدہ یا مجبوراً اس کا جتنا حصہ تیار ہو بھیج دیجیے تاکہ بجٹ بنانے میں سہولت ہو۔ میں نے ۲رفروری کو ۳۰۴ صفحات بیمہ کرا کے بھیجے اس کی آج تک رسید نہ آئی۔ اس کے بعد ۲رجون کو بقیہ صفحات express mail سے بھیجے۔ کُل ۹۴۴ صفحات میرے ہاتھ کی تحریر کے تھے۔ میں نے تاکید سے لکھا تھا کہ جواب دیں۔ آج تک ایک لفظ نہیں۔ آفاق نے پہلی قسط کے بعد مجھے بتایا کہ کاغذات مل گئے ہیں اور دہلی میں کتابت ہو رہی ہے۔ دوسری اور آخری قسط کے ساتھ میں نے ایک لفافہ علی گڑھ کے مختار الدین احمد کے نام کا رکھ دیا تھا۔ مختار صاحب کا جواب آ گیا جس سے معلوم ہوا کہ دوسری قسط بھی مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی کو مل گئی۔ آپ براہِ کرم عزیز کو فون کیجیے کہ مجھے لکھے کہ دہلی میں کتابت کس کی نگرانی میں ہو رہی ہے۔ آفاق نے بتایا کہ کمپیوٹر کی کتابت نہیں بل کہ کوئی کاتب کتابت کر رہا ہے۔

خیال ہے کہ میں اور اہلیہ ۲۳؍اگست کو یہاں سے نکلیں گے۔ دہلی دو تین دن قیام کر کے مظفر نگر، دہرہ دون، لکھنؤ ہو کر بھوپال آئیں گے۔ اب سیوہارہ چھوٹ گیا۔ وہاں سے میری بیوہ بھابھی، بھتیجی اور اس کا خاندان سب امریکہ منتقل ہو گئے ہیں۔ مجھ سے بہت دور مشرقی ساحل کے قریب، میری ایک اور بھتیجی کے پاس۔ دہرہ دون سے لکھنؤ آتے ہوئے سیوہارے کے اسٹیشن سے گزروں گا لیکن وہاں اتروں گا نہیں۔

مجھے یہ بالکل نہ معلوم تھا کہ آپ کو ذیابطیس بھی ہے۔ اب تو جس ساتھی کا خط آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم ہے۔

کشن چند اور منوچہ کو میری متوقع آمد سے مطلع کر دیجیے۔ یہ سب بشرطِ حیات۔ امید ہے آپ اور متعلّقین بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۶)

به نام ڈاکٹر ابو محمد سحر

۵؍جون ۲۰۰۲ء

مکرّمہ تسلیم۔

کل کسی اُردو والے کا فرید آباد ہریانہ سے خط آیا تو اس میں دل دہلا دینے والی خبر تھی کہ ''ہماری زبان'' سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ابو محمد کا انتقال ہو گیا۔ میرے تو ہوش اُڑ گئے۔ مجھے دور دور تک گمان نہ تھا کہ ان کی طبیعت اتنی خراب ہے۔ انھیں دل کا دورہ پڑا۔ ایک ڈیڑھ مہینہ پہلے آفاق نے مجھے لکھا تھا کہ سحر صاحب منوچہ کے جانے کے بعد بہت تنہائی محسوس کرتے ہیں۔ ان کی طبیعت کی طرف سے فکر رہتی ہے۔

آپ اتنے بڑے صدمے کو کیوں کر اٹھا پائیں گی۔ ہمّت کر کے اس سانحے پر صبر کرنے کی کوشش کیجیے۔

ابو محمد بہت اچھے محقّق تھے، اس لیے باوجود گوشہ نشینی کے اُردو دنیا میں ان کا اتنا نام تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک نہایت شریف آدمی تھے۔

اب ہمارا بھی چل چلاؤ کا عالم ہے۔ میں پچھلی بار جب بھوپال گیا تھا تب سے اب تک

صحّت بہت گر گئی ہے۔ پارکِن سَن کی شدّت کی وجہ سے رفتار بہت سست ہوگئی ہے۔اس کے علاوہ دماغ اور ریڑھ کی ہڈی وغیرہ کے تین cat scan ہوئے تو معلوم ہوا کہ میرے دماغ میں ایک art یعنی گُٹھلی ہے۔دماغ کا آپریشن کرانا بہت خطرناک ہے۔neuro surgeon نے مجھے دیکھنے کے لیے اگست کی تاریخ دی ہے۔اس کے بعد فیصلہ ہوگا۔ چوں کہ میں اب سفر کے قابل نہیں رہا،اس لیے ہندستان آنے کا سوال نہیں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ اس مصیبت میں نہ صرف خود ہمّت سے کام لیں گی بل کہ بچّوں کو بھی سمجھائیں گی۔

آفاق نے جب ابومحمد صاحب کی طبیعت کے بارے میں مجھے لکھا، میں ارادہ کرتا رہا کہ انھیں صرف طبیعت کے بارے میں خط لکھوں گا لیکن چِٹھی کا لکھنا ٹلتا رہا،افسوس۔

خیراندیش

گیان چند

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی

9/25، اندرا نگر، لکھنؤ
۲۲ر نومبر ۱۹۹۲ء

محبّی ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی صاحب، تسلیم

آپ کی کتاب 'مشرقی شعریات اور اُردو تنقید کی روایت' کو بہ نظرِ استفادہ دیکھا۔ میں عربی نہیں جانتا، فارسی جانتا ہوں۔ اُردو کتابوں کے ذریعے عربی فارسی تنقید کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں اور اس قلیل متاع کے سہارے حیدرآباد مرکزی یونی ورسٹی میں مشرقی شعریات کا نصاب ترتیب دیا اور لڑکھڑاتے ہوئے اسے پڑھایا گیا۔ کاش اُس وقت آپ کی بیش بہا کتاب آ گئی ہوتی تو مجھے کتنی سہولت رہتی۔ اُردو میں عربی فارسی افکارِ نقد پر آپ کی کتاب بہترین ہے۔ میں حیدرآباد سیّدہ جعفر کو لکھ رہا ہوں۔ اسے فوراً مشرقی شعریات کے پرچے میں ممتاز مقام دے دیں۔ لکھنؤ میں ایک ڈاکٹر امبیڈکر یونی ورسٹی بننے والی ہے، اس میں تین سال کا ایم اے اُردو آنرز کورس ہوگا، جس میں ۶ سمسٹر ہوں گے۔ اس کا نصاب میں نے تنِ تنہا بنایا ہے۔ اس میں بھی مشرقی شعریات کا کورس رکھا گیا ہے۔ اس میں بھی آپ کی کتاب کو شامل کرا دوں گا۔

آپ نے عربی فارسی کے مختلف اہلِ نقد کو سلسلے وار بیان کیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس میں بعض نام اور تفصیل سے ہوتے۔ مثلاً ابن معتز پر ص ۵۴ اور ۶۷ پر لکھا ہے۔ شاید اسے بھی علاحدہ عنوان دے کر اور زیادہ جگہ دی گئی ہوتی۔ ابن خلدون کے مقدمے پر جتنا لکھا ہے اس سے کچھ زیادہ ہوتا تو بہتر تھا۔ ص ۷۷ پر ابو بلال عسکری کی کتاب الصناعتین' کا اقتباس ہے۔ اسے اور جاحظ مصنب 'البیان والتبیین' کو اور زیادہ جگہ دی جا سکتی تھی۔ عبدالرحمٰن نے 'مرأۃ الشعر' میں لکھا ہے کہ بشار بن برد اور ابن ہرمہ نے رعایتِ لفظی کی طرف توجہ کی۔ میں نے ان کے بارے میں مزید جاننے کے لیے آپ کی کتاب میں تلاش کیا، نہ ملا۔ عربی میں زیادہ تر لکھنے والے الفاظ کے رسیا تھے معانی کے قدر دان کم ہی تھے۔ عبدالرحمٰن نے لکھا ہے کہ متنبّی اور ابن الرومی معانی کو الفاظ پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ نے ص ۲۵۳ پر عبدالرحمٰن کے ذیل میں ان کا نام

لیا ہے لیکن عربی نقد کے باب میں ان کے غیر معمولی رجحان کے بارے میں نہیں لکھا۔

میں نے فارسی میں حسین واعظ کاشفی کی کتاب 'بدائع الافکار فی صنائع الاشعار' کا ذکر بھی پڑھا ہے لیکن آپ نے عام طور پر صنائع پر کم ہی توجہ کی ہے لیکن آپ کی کتاب سے مجھے دو اہم نام معلوم ہوئے: ابن قتیبہ اور ہندستان میں لکھی کتاب 'دبیر العجم' کا۔

کیا اچھا ہو کہ آپ ایک کتاب یا کتابچہ عربی فارسی اور شعریات پر موضوعی ترتیب سے لکھ دیں۔ موجودہ کتاب میں آپ نے نقادوں کے اعتبار سے لکھا ہے لیکن کہیں ذیل کے موضوعات پر عربی، فارسی اور قدیم اُردو نقادوں کے خیالات سلسلہ وار یکجا لکھ دیے جاتے تو خوب ہوتا:

(۱) بڑے شاعر میں کیا خوبیوں درکار ہیں۔
(۲) لفظ و معنی کا تعلق اور ترجیح۔
(۳) شعر میں وزن کا مقام۔
(۴) شعر میں قافیے کا مقام۔
(۵) کذب، مبالغہ اور اصلیت۔
(٦) محاکات جسے غالباً عربی میں وصف نگاری کہا گیا ہے۔
(۷) تخئیل، معانی اختراعی وغیرہ۔

عربی شاعری چار موضوعات: مدح، ہجا، رثا اور نسیب ہیں۔ ان کے متعلّق مختلف عربی نقادوں کے نظریات دیے جاسکتے ہیں۔

عربی فارسی تنقیدی فکار ذیل کے علوم میں ظاہر ہوتے ہیں:

علم معانی، علمِ بیان، بدیع، عروض، قافیہ

ان میں سب سے اہم علم بیان ہے اور سب سے بیکار علم معانی ہے۔ بلاغت اور فصاحت کی تعریف کے مختلف مطالبات اور ان کی جدید دور میں افادیت اور عدمِ افادیت پر بحث کی ضرورت ہے۔

آپ کو اپنی کتاب میں عبدالرحمٰن کی 'مرآۃ الشعرا' اور مسعود حسن رضوی کی 'ہماری شاعری' پر اور زیادہ تفصیلی بحث کرنی چاہیے تھی۔

کیا عربی فارسی نقد کی بنیادی کتابوں یا ان کے متعلق اجزا کا اُردو میں ترجمہ کرنا مفید

ہوگا۔ میں ان کتابوں سے سنی سنائی واقفیت رکھتا ہوں۔ کیا اُردو میں ابنِ رشیق کی کتاب 'العمدہ'، قدامہ کی 'عقد السحر فی شرحِ نقد الشعر'، جاحظ کی 'البیان والتبیین'، ابن خلدون کا 'مقدمہ'، وطواط کی 'حدائق السحر فی دقائق الشعر'، رازی کی 'المعجم فی معاییر اشعار العجم' کے ترجمے مفید ہوں گے یا انھیں کوئی نہ پوچھے گا۔ ہم اُردو والوں کے لیے دقّت یہ ہے کہ ہم ان کتابوں کے افکار پر بحث کرتے ہیں لیکن ہم نے اصل کتاب یا ان کے لفظی ترجمے نہیں دیکھے۔ تنقیدی کتابوں میں پڑھ کر ہی اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ Original تک ہماری رسائی ہو سکے۔ اگر یہ اندیشہ ہو کہ اُردو قالب میں یہ پوری کتابیں محض تقویمِ پارینہ رہیں گی جس کا کوئی خریدار نہ ہوگا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی فارسی تنقید کی افکار کی ایک جلد تیار کی جائے جس میں مختلف کتابوں کے متعلقہ طویل اقتباسات اُردو قالب میں پیش کیے جائیں یعنی ایک ایک کتاب لے کر اس کے دو حصے اُردو ترجمے میں ڈھالے جائیں جو اُردو تنقید کے لیے کچھ معنویت رکھتے ہیں۔

موضوعاتی گروہ بندی کے ساتھ ایک کتاب کی بھی ضرورت ہے اور یہ کام کوئی عربی فارسی جاننے والا ہی کر سکتا ہے۔ آپ تو ان منازل ومناسک کا عرفان رکھتے ہیں۔ اگر اس کام کو مفید سمجھیں تو ہمت کر ڈالیے۔

اُردو کے نقاد، اساتذہ اور طلبہ نے شعریات ونقد کے مشرقی علوم کو بالکل نظر انداز کر رکھا ہے۔ آج کے کتنے اساتذہ ہوں گے جو یاے معروف، یاے مجہول اور یاے لین کا فرق نہیں جانتے، جو ترکیب بند اور ترجیع بند میں امتیاز نہیں کر سکتے، جو ایطاے جلی کو نہیں پہچان سکتے، جو بلاغت کی تعریف سے آشنا نہیں، ان سب کی کچھ نہ کچھ واقفیت ضروری ہے گو یہ ضروری نہیں کہ قدیم تنقید کی پیروی کی جائے۔ اس کا تنقیدی جائزہ لینے کی ضرورت ہے جس کے بعد قدما کے بہت سے نظریات رد سمجھے جا سکتے ہیں۔ میں اب تدریس سے دور نکل چکا ہوں اس لیے آپ کی بیش بہا کتاب سے عملی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ حیدر آباد یونی ورسٹی اور امبیڈکر یونی ورسٹی کو ضرور تجویز کروں گا کہ مشرقی شعریات پر آپ کی کتاب کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے بہت مفید کام کیا ہے۔

آپ کو نجم الغنی کی 'بحر الفصاحت' کے بارے میں بھی لکھنا چاہیے تھا۔ اس میں ان کا اپنا کوئی نظریہ، کوئی نئی فکر نہیں لیکن اس میں بلاغت کے تمام علوم پیش کر دیے گئے ہیں خصوصاً

صرف اس کتاب سے علم معانی کے معنی معلوم ہوتے ہیں اور اندازہ ہوتا ہے کہ علمِ معانی ہمارے لیے بالکل غیر مفید ہے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

نوٹ: امروز-۲۳، علی گڑھ، ص ۱۲۱ تا ۱۲۴۔ اِس خط کا عکس جناب مہر الٰہی ندیم (علیگ) نے بھیجا ہے۔ میں تہِ دل سے ان کا مشکور ہوں۔ راقم ٹی۔آر۔رینا۔

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام ڈاکٹر اسداللہ وانی

(۱)

جمّوں (جے اینڈ کے)
نمبر.73
۶ر جولائی ۱۹۷۵ء

عزیزی تسلیم

آج یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تمھارا تقرر کلچرل اکیڈمی میں ہو گیا۔ کاش تمھیں یہ توفیق ہوئی ہوتی کہ مجھے اطّلاع کر دیتے یا مل لیتے۔

بھوپال سے ایک قلمی dissertation تقریباً ایک سال پہلے تمھیں منگا کر دیا تھا۔ افسوس ہے کہ باوجود یاد دہانیوں کے تم نے اسے آج تک واپس نہ کیا۔ اب اسے فوراً ذیل کے پتے پر بھیج دو:

Dr Abu Mohd Sahar
39, Malviya Nagar,
Bhopal (M.P)

اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہاں شعبے میں بھیج دو۔ ہم بھیج دیں گے۔ دوسرے کی چیز کو اتنے عرصے تک دبا کر بیٹھے رہنا اچھی بات نہیں۔ اگر تم ریسرچ کا رجسٹریشن جاری رکھنا چاہتے ہو تو رجسٹرار جمّوں یونی ورسٹی کو لکھو کہ ریسرچ بورڈ تمھیں ملازمت کی اجازت دے دیں لیکن میری رائے میں بہتر صورت یہ ہے کہ ریسرچ سے نام کٹا لو کیوں کہ اب تم کام نہیں کر سکتے۔

دعا گو
گیان چند

(۲)

به نام ڈاکٹر اسدالله وانی
یونی ورسٹی آف حیدر آباد
حیدر آباد-۵۰۰۰۰۱
۱۶راگست شام

عزیزی تسلیم

تمھارا ۷راگست کا خط مجھے سنیچر ۱۱راگست کی شام کو ملا۔ ۱۲راگست کا اتوار تھا۔ ۱۲راگست کو خط لکھ سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ سری نگر ۱۴راگست کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ سرور صاحب نے اپنے طور پر فیصلہ کیا ہوگا۔ میرے لکھنے سے کیا متاثر ہوتے۔

میں مارچ ۷۹ء میں الٰہ آباد یونی ورسٹی چھوڑ کر مرکزی حیدرآباد یونی ورسٹی میں آ گیا ہوں۔ یہ عثمانیہ سے الگ مرکز کی نئی یونی ورسٹی ہے۔ یہاں میں نے اُردو کا نیا شعبہ شروع کیا ہے۔

صابرہ سعید کی کتاب میرے پاس ہے۔ میں نے ہی اس کی رسمِ اجرا کی۔ اس نے کافی کام کیا ہے۔ میرے خیال میں اب اس موضوع پر کام کرنا تکرار ہی ہوگا۔ جب تم پانچ سال کام نہ کر سکے تو اب کیا کرسکوگے۔ اس لیے اگر رجسٹریشن خارج ہوگیا تو اس کی تجدید بے کار ہے۔ اگر ریسرچ کرنی ہے تو کوئی اور موضوع لے کر ازسرِنو رجسٹریشن کرالو۔ دو سال میں نئے موضوع پر بھی کام ہوسکتا ہے۔

امید ہے تم بہ خیر ہوگے۔ میرا پتا وہ ہے جو اس چٹھی کے باہر درج ہے۔

خیر اندیش

گیان چند

(۳)

بہ نام ڈاکٹر اسداللہ وانی

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

۲۷راگست ۱۹۹۷ء

عزیزی تسلیم

تمھارا ۲۲راگست کا خط آج ملا۔ شکریہ۔ یہاں ریسرچ نہیں کی جاسکتی۔ یہاں بھی ایم. اے کے بعد ریسرچ ہوتی ہے صرف اس سال استثنا کیا ہے۔ اور پھر ہمہ وقتی امیدوار لیے جاتے ہیں۔ وہ بھی بہت کمی کے ساتھ۔ بہر حال اس سال کے داخلے ختم ہو چکے۔ آپ کشمیر یونی ورسٹی ہی سے پی ایچ ڈی کریں۔

مجھے افسوس ہے کہ دوری کے سبب میں آپ کی مدد نہیں کرسکتا اور نہ کرسکا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر اندیش

گیان چند

(۴)

به نام ڈاکٹر اسدالله وانی
23 NEVADA
IRVINE-CA-92606-1764
(USA)

۸؍نومبر ۲۰۰۱ء

عزیزی ڈاکٹر اسداللہ۔ تسلیم

میرے سفرِ جموّں میں تم نے جو کالج کی طرف سے بےنظیر جشنِ خوش آمدید منعقد کیا اس کی یاد ہمیشہ میرے دل کو فرحاں کرتی رہے گی۔

مجھے ذیل کے مضمون کا زیراکس عکس درکار ہے: 'فرضی شعرا اور فرضی شاعری' شیرازہ، سری نگر، ۱۹۶۳ء، از قاضی عبدالودود۔ جموّں میں یہ مضمون نہ مل سکا۔ کشمیر سے حاصل کرو۔ اس کا عکس پروفیسر ظہورالدین کو دے سکتے ہو کہ وہ مجھے بھیج دیں یا ڈاکٹر نارنگ کو ذیل کے پتے پر بھیج دو:

Dr B C Narang
D-252, Sarvodaya Enclave,
New Delhi-11009

وہ مجھے ہوائی ڈاک سے بھیج دیں گے۔

ظہورالدین کو بھی میری طرف سے شکریے کا پیغام دے دینا۔

خیر اندیش

گیان چند

(۵)

به نام ڈاکٹر اسدالله وانی
23 NEVADA
IRVINE-CA-92606-1764
(USA)

۸ر دسمبر ۲۰۰۱ء

عزیزی ڈاکٹر اسداللہ وانی، مسرور باشید۔

میں نے تمھیں قاضی عبدالودود کے مضمون 'فرضی شعرا اور فرضی شاعری' (شیرازہ، سری نگر ۱۹۶۳ء) کی نقل کے لیے لکھا تھا۔ اب مجھے یہ ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری، ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری، پٹنہ نے بھیج دیا ہے۔ تم اس سلسلے میں زحمت نہ کرو۔

قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی کا پرچہ 'اُردو دنیا' میرے پاس آتا ہے۔ اس میں الٰہ آباد اور بھوپال میں میرے استقبال کے جلسوں کی مفصل روداد آئی ہے۔ ممکن ہے 'ہماری زبان' میں بھی آئی ہو لیکن مجھے یہ پرچہ نہیں ملتا۔ تم نے میرے لیے جو جلسہ کیا تھا وہ نہایت شاندار اور یادگار قسم کا تھا، لوگوں کو اس کا علم ہونا چاہیے تا کہ تمھاری کوششوں کا اعتراف ہو۔ میری راے میں تم اپنے کالج کے جلسے کی روداد 'ہماری زبان'، 'اُردو دنیا' اور 'کتاب نما' کو بھیج دو۔

امید ہے تم بہ خیر ہو گے۔

دعا گو

گیان چند

ڈاکٹر اسداللہ وانی
صدرِ شعبۂ اُردو، ایم.اے.ایم. کالج
جموّں-۱۸۰۰۰۶

(۶)

Post Graduate Department of Urdu
Jammu Univresity, Jammu
Dated: 4-5-1974

The Principal,
S.R.M.L.H.S. School
Jammu

Dear Sir,

Shri Mohd Asadullah Wani, teacher in your school

happens to be a research scholar in our Department. We require his sevices to act as supervisor in M.A Previous Urdu Examination to be held on May 6, 10, 14 & 18. I will be thankful if you kindly spare him on these dates.

Yours faithfully
Gian Chand
(Head of the Deprt.)
Post Graduate Department of Urdu
Jammu University, Jammu

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام ڈاکٹر اطہر فاروقی

(۱)

یونی ورسٹی آف حیدر آباد
حیدر آباد-500134
۲۸/مارچ ۱۹۸۸ء

مکرمی تسلیم

استفسار ملا۔ میں ذیل کے دو نام تجویز کرتا ہوں۔

۱- تخلیقی ادب کے لیے جناب اپندر ناتھ اشک کا جو اُردو کے سب سے سینئر افسانہ، ناول اور ڈراما لکھنے والے ہیں۔ یہ کرشن چندر اور بیدی سے بھی سینئر ہیں۔ پریم چند کے علاوہ یہ تنہا ادیب ہیں جو اُردو اور ہندی دونوں میں صفِ اوّل کے اہلِ قلم ہیں۔ ان کا پتا ہے ۵، خسرو باغ روڈ، الٰہ آباد-211001

۲- تحقیق کے لیے جناب کالی داس گپتا رضا۔ یہ آج بھی اُردو کے نہایت معتبر اور محتاط محققوں میں سے ہیں۔ ان کا پتا ہے:

43 A, JALDARSHAN,
Nofcan Sea Road
Bombay-400036

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص
گیان چند

(۲)

بہ نام ڈاکٹر اطہر فاروقی
۹/۲۵، اندرا نگر،
لکھنؤ-226016
۱۷/دسمبر ۱۹۹۳ء

مکرمی تسلیم

آپ کا ۲۴؍نومبر کا کرم نامہ آج ملا۔ میں تین مہینے لکھنؤ سے باہر رہ کر ۵؍دسمبر کو واپس آیا۔ان میں سے ڈھائی ماہ امریکہ رہا۔

عرض یہ ہے کہ میرے پاس سے آپ کا پتا گم ہوگیا تھا۔ میں نے ۷-۶ ماہ قبل مضمون رشید حسن خاں کو بھیج دیا تھا۔عنوان ہے ’خدائے تدوین‘۔اس کے بارے میں ان سے تبادلۂ خیالات بھی ہوا۔انھوں نے مجھے لکھا تھا کہ انھوں نے مضمون آپ کو بھیج دیا ہے۔اب آپ ان سے معلوم کیجیے۔میرا خیال ہے کہ میں نے مضمون فروری مارچ ۱۹۹۳ء میں بھیجا تھا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر اندیش

گیان چند

(۳)

بہ نام ڈاکٹر اطہر فاروقی

۹/۲۵،اندرانگر،

لکھنؤ-226016

۲۲؍اگست ۱۹۹۵ء

عزیزی تسلیم

معلوم نہیں آپ اب بھی جواہر لال نہرو یونی ورسٹی کے طالبِ علم ہیں یا نہیں۔کئی سال پہلے آپ نے رشید حسن خاں کے بارے میں مجھ سے ایک مضمون کی فرمائش کی تھی۔ میں نے لکھ کر رشید حسن خاں ہی کو بھیج دیا تھا۔امید ہے آپ کو مل گیا ہوگا۔ان پر کتاب کب تک شائع ہونے والی ہے؟

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر اندیش

گیان چند

Mr. Ather Farouqui
246, Periyar Hostel
J. N. U, New Delhi-110067

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری

(۱)

حیدر آباد

۱۳؍ مارچ ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

۹؍ مارچ کو واپس آیا۔ آپ کا خط ملا۔ میں D.F.O (Accounts) سے ملا۔ آپ ہی کی P.F کی فائل لیے ہوئے تھا۔ وہاں سے سب کچھ پاس کرا کے D.F.O. (Bills) کے پاس کاغذات بھیجے گئے۔ وہ ایک یا دو دن میں چیک آپ کو بھیج دیں گے۔ وہاں بھی آفس کا section officer ایک نکتہ اٹھا رہا تھا کہ ''کشمیر میں DA ہمارے یہاں سے زیادہ تو نہیں؟'' میں نے کہا کہ ریاستی یونی ورسٹی میں مرکزی یونی ورسٹی سے زیادہ تو نہیں ہوسکتا۔ وہ کہنے لگا کہ ''خواہ زیادہ نہ ہو لیکن اس کی سرکاری تصدیق چاہیے۔ وہ خود کہہ رہے ہیں کہ صرف ان کے کہنے پر کیسے مان لیں''۔ بہر حال میں نے درخواست کی ہے۔ اب کوئی اعتراض نہ ہوگا اور ایک یا دو دن میں چیک بھیج دیں گے۔

مجاور صاحب عرصے سے کافی بیمار ہیں۔ میں تو ان سے ملتا نہیں۔ انور صاحب ملتے ہیں لیکن ان سے بیماری چھپاتے ہیں۔ بخار ہے، کافی کھانسی ہے۔ یا تو T.B ہے یا پھیپھڑوں کا کینسر۔ شاید تپِ دق ہی ہو۔ بہت دن سے چھٹی پر ہیں۔ الہ آباد چلے جائیں گے۔

میں ۳۰؍ مارچ کو چلنے کا پروگرام بنا رہا ہوں۔ پہلی اپریل تک لکھنؤ پہنچ جاؤں گا۔ کرایے کے مکان کا پتا میں آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اگر نہیں، تو پھر حاضر ہے:

House No. 642, Sector 12

اندرا نگر، لکھنؤ-226016

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۲)

به نام ڈاکٹر اکبر حیدری

12/642، اندرانگر،

لکھنؤ-226016

۲۴؍مئی ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۱۹؍مئی کا کرم نامہ پرسوں ۲۲؍مئی کو ملا۔ شکریہ۔ کبھی ملاقات ہونی چاہیے۔ میں بھی اُدھر آنا چاہتا ہوں۔ دانش محل کے سامنے سے اندرانگر کے لیے بس چلتی ہے جس کا نمبر غالباً ۳ ہے۔ اس کا termission اندرانگر کا آخری حصہ ہے جسے منشی کی پُلیا کہتے ہیں۔ وہاں آجائیے۔ ٹمپو سے آئیں تو امین آباد سے ٹمپو نشاط گنج آئے گا ۲ روپے میں۔ نشاط گنج کا چوراہا پار کر کے اندرانگر منشی کی پُلیا تک کا ٹمپو لیجیے جو ڈیڑھ روپے میں آئے گا۔ منشی کی پُلیا ایک چوراہے کا نام ہے۔ اس سے دائیں ہاتھ یعنی جانبِ مشرق چل دیجیے۔ اسی طرف ۱۲ اسیکٹر ہے۔ پہلے بڑے چوراہے پر ایک بورڈ لگا ہے مہارانی لکشمی بائی اسکول کا۔ یہاں ایک پلاٹ خالی پڑا ہے۔ اس کے ساتھ جنوب کی طرف ملحق میرا مکان ہے۔

اگر آپ آئیں اور اتفاق سے میں نہ ہوں تو ذرا دیر انتظار کر لیجیے۔ میں اِدھر اُدھر گیا ہوں گا آجاؤں گا۔ اور اگر آنے سے پہلے کارڈ لکھ دیں تو تین دن کی گنجایش رکھیے۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ خوب لکھ رہے ہیں۔ میں تو ابھی پڑھ ہی پا رہا ہوں، لکھ نہیں پا رہا۔ کمال احمد صدیقی کا خط آیا تھا جس میں آپ کو سلام لکھا تھا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۳)

به نام ڈاکٹر اکبر حیدری

۲۶؍جون ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

رسالہ 'معلمِ اُردو' لکھنؤ، مارچ ۱۹۹۰ء میں علی گڑھ کے ایک مراسلہ نگار نے مجھ سے پوچھا کہ ''میں نے ثمینہ شوکت کی ترقی کی امکانی مخالفت کیوں کی''۔اس پر مجھے طیش آ گیا اور میں نے ایک مفصل مراسلہ 'معلمِ اُردو' بابت مئی ۹۰ء میں شائع کر دیا ہے جس میں سلیکشن کمیٹی کی جملہ تفاصیل دے دی ہیں۔آپ یہ مراسلہ ضرور پڑھیے۔

آپ کے مضامین رسالوں میں دیکھتا رہتا ہوں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۴)

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری

12/642،اندرانگر

لکھنؤ-226016

۲/جولائی ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۲۶/جون کا کرم نامہ پرسوں ۳۰/جون کو ملا۔شکریہ۔ واقعی کشمیر کی حالت تشویش ناک ہے۔آپ کی پریشانی کو سمجھ سکتا ہوں۔

'نیا دور' کے دو شمارے ایک ساتھ ملے۔آپ کو غلط فہمی ہے، میرے پاس کلیاتِ میؔر کا نہ آسی نسخہ ہے نہ عبّاسی نسخہ۔ایک زمانے میں عبّاسی اڈیشن تھا۔کسی نے چرا لیا۔آسی اڈیشن کبھی نہ تھا۔کلیاتِ سوؔدا کا آسی اڈیشن ضرور ہے۔

فیروزا گر آ گئے ہوتے تو اچھا ہوتا۔

مجھے مجاور صاحب کی کوئی اطّلاع نہیں۔ان کی بیماری معمولی رہی ہوگی کیوں کہ وہ شروع اپریل میں حیدرآباد آ گئے ہوں گے۔اس کے بعد کسی نے ان کے بارے میں نہیں لکھا۔آپ نے معلّمِ اُردو لکھنؤ بابت اپریل ۷۴ء نہ دیکھا ہو تو دیکھ لیجیے۔میرا مراسلہ پڑھنے کے قابل ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۵)

به نام ڈاکٹر اکبر حیدری

12/642، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۲۰ رجولائی ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۱۳رجولائی کا کارڈ مجھے ۱۷رجولائی کو ملا۔ آپ نے پن کوڈ امین آباد والا 226018 لکھ دیا تھا جب کہ اندرانگر کا 226016 ہے۔ اگر صحیح نمبر ہوتا تو شاید اور پہلے مل جاتا۔

اتّفاق سے معلّمِ اُردو کا اپریل مئی ۹۰ء کا مشترکہ پرچہ میرے پاس بھی نہیں آیا۔ رام لال کے پاس تھا، انھوں نے مجھے دے دیا۔ آج ہی میں نے اڈیٹر کو لکھ دیا ہے کہ پرچہ آپ کو بھیج دیں۔ ان کا پتا یہ ہے:

معلّمِ اُردو

499/129, Gokaran Nath Road

Hasan Ganj, Lucknow-20

میں نے ۲۲رجون کے 'ہماری زبان' میں آپ کا مضمون پڑھا۔ اس کے ابتدائیہ میں آپ نے اساتذۂ اُردو کی خبر ضرور لی ہے لیکن یہ ابتدائیہ نفسِ مضمون سے غیر متعلّق ہے۔ خنجر کو ختجر چھاپنے کی غلطی میں نے نوٹ کی۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

حیدرآباد یونی ورسٹی سے جو اُردو کی پوسٹ مشتہر ہوئی ہیں اُن میں پروفیسر کی ایک جگہ جدید ادب کے لیے، دوسری کلاسکی ادب کے لیے ہے۔ ریڈر کی جگہ کھلی ہے۔

مخلص گیان چند

(۶)

به نام ڈاکٹر اکبر حیدری

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

اتوار،۱۹؍اگست ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

آپ کا خط مل ملا۔شکریہ۔آپ کا پوسٹل نمبر 226018 برحق ہے لیکن آپ نے میرے پتے میں بھی یہی پن کوڈ لکھا تھا جو غلط ہے۔اندرانگر کا پن کوڈ نمبر 226016 ہے۔

ایمریٹس فیلوشپ کے لیے نارنگ سے مدد نہ ملے گی۔وہ دو تین مہینے کے لیے یورپ اور کناڈا، امریکہ گئے تھے۔معلوم نہیں واپس آ گئے کہ نہیں۔میرے پاس تو چار پانچ مہینے سے ان کا کوئی خط نہیں آیا۔باہر جانے کی مجھے اطّلاع نہیں دی۔میرے مضامین کے دو مجموعے جنوری میں شائع ہوئے تھے جن میں سے ایک کا انتساب ان کے نام ہے۔اس کے جواب میں بھی کچھ نہیں لکھا۔گویا ۱۹۹۰ء میں ان کا کوئی خط نہیں آیا۔میں رٹائر آدمی ہوں، اب مجھے کون پوچھے گا۔میری فیلوشپ کو دلانے میں بھی انھوں نے کچھ نہیں کیا تھا، آپ کے لیے کیا کریں گے۔

میں ۲۲؍اگست کو ذاتی مکان میں منتقل ہو جاؤں گا۔یہ اندرانگر کے سیکٹر ۹ میں مکان نمبر ۲۵ ہے۔کبھی آیئے۔

'معلّم اُردو' ایک زمانے سے میرے پاس بھی نہیں آیا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

ع: کس نمی پرسد کہ بھیّا کیتی' والا عالم ہے۔یہاں کی T.V. میں اُردو اودھ پنچ کے انچارج کشمیر کے ناصر منصور ہیں۔انھیں میں نے آپ کا پتا دیا ہے۔

مخلص

گیان چند

(۷)

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۲۷؍اکتوبر ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

میں ۱۹؍اکتوبر کو ایک ہفتے کے لیے دہلی گیا تھا، خالص نجی کام سے۔ پرسوں رات واپس آیا۔ آپ کا ۱۸؍اکتوبر کا خط ملا۔ شکریہ۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ انتھک طریقے سے کام میں مصروف ہوں۔ ایک میں ہوں کہ بہت کم کام کررہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یوپی اُردو اکادمی پروجیکٹ کے لیے امداد نہیں دیتی۔

دلّی میں نارنگ سے فون پر بات ہوئی۔ وہ کہتے تھے کہ آپ کے معاملے میں حیدرآباد اور کشمیر کے وائس چانسلروں کو لکھتا ہے۔ یو.جی.سی میں کام بہت دیر میں ہوتا ہے۔ وہاں کسی چٹھی کا جواب دینے کا رواج نہیں۔ مجھے حیدرآباد سے آئے ۷ مہینے ہوگئے۔ ابھی تک یو.جی.سی سے لکھنؤ یونی ورسٹی میں روپیہ نہیں آیا اور مجھے نہیں ملا۔ فیلوشپ کی رقم ۴ ہزار روپے ماہانہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سال میں Contingency کے دس ہزار روپے ہوتے ہیں۔ یو.جی.سی سے براہِ راست روپیہ نہیں ملتا۔ کسی یونی ورسٹی کے ذریعے سے ملتا ہے یعنی آپ کو کشمیر یونی ورسٹی کے دفترِ مال سے ملے گا۔

اکادمی آنے کی تاریخ پیشگی طے نہیں کرپاتا، اس لیے آپ کو کیوں کر لکھوں۔

امید ہے بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۸)

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۱۳؍دسمبر ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۵؍دسمبر کا کرم نامہ کل ۱۲؍دسمبر کو ملا۔ آپ کی آنکھ کی تکلیف کی بات سن کر افسوس ہوا۔ یہ اطمینان ہے کہ اب آپ ٹھیک ہیں۔ مجھے یونی ورسٹی میں معلوم ہوا تھا کہ آپ کی فیلوشپ لکھنؤ یونی ورسٹی میں ہوگئی ہے۔ اس طرح آپ کا دوسال ساتھ رہے گا۔ میری حیات کے بہ شرط۔ مجھے ابھی تک فیلوشپ کی رقم یہاں نہیں ملی۔ کوئی ۹ مہینے ہوگئے۔ میرا TR بل جولائی

میں یو.جی.سی گیا تھا۔ وہاں اندھیر ہے۔ میں ۲۱؍اکتوبر کے قریب یو.جی.سی میں گیا۔ وہاں انھوں نے کہا کہ ڈرافٹ لکھنؤ یونی ورسٹی کو بھیج دیا ہے۔ میں نے پوچھا کس تاریخ کو؟ رجسٹر دیکھ کر وہ بولے کہ ابھی نہیں گیا، ڈرافٹ بننے گیا ہے۔ میں نومبر کے آخر میں یونی ورسٹی گیا تو معلوم ہوا کہ ابھی تک روپیہ نہیں آیا۔ Contingency کی رقم ان امور پر خرچ کی جا سکتی ہے جو قواعد میں دیے ہیں مثلاً زیراکس کرانا، ٹائپ کرانا، کتابیں اور رسالے خریدنا، Good Contingency، باہر جانے کا TA، Educational Assistance، ڈاک خرچ، Stationery میں بہت کم Contingency خرچ کر سکا ہوں۔ لکھنؤ میں کیا Procedure ہوگا معلوم نہیں۔ یو.جی.سی اور لکھنؤ یونی ورسٹی دونوں میں اندھیر ہے۔

میں نے آپ کا مقالہ 'تحقیقی مقالوں کی دکان' نہیں دیکھا۔ میں 'قومی آواز' نہیں دیکھتا۔ غالباً اس میں شائع ہوا تھا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

براہِ کرم خط میں اپنا پتا لکھ دیا کیجیے۔

مخلص

گیان چند

(۹)

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ-226016

۱۴؍اپریل ۱۹۹۱ء اتوار

محبّی تسلیم

ظہیر غازی پوری نے اپنے کلام کے مجموعے کی دو جلدیں میرے نام حیدرآباد کے پتے پر بھیجی تھیں جو Redirect ہو کر یہاں آ گئیں۔ ان میں سے ایک جلد آپ کے لیے تھی۔ میں نے وہ محمود الحسن رضوی کے پاس لکھنؤ یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو میں رکھ دی تھی۔ وہ آپ کو دینا بھول گئے تھے۔ امید ہے اب تک آپ کو مل چکی ہوگی۔

رسالہ 'شاعر' اقبال نمبر جلد اوّل ۱۹۸۸ء میں اقبال کے نکاح نامہ مورخہ ۴؍مئی ۱۸۹۳ء کا

عکس چھپا ہے۔ اس میں اقبال نے اپنا نام ’محمد اقبال ولد نور محمد المعروف شیخ نتھو قوم شیخ‘ لکھا ہے۔ کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ اقبؔال کے والد کا نام نور محمد ابتدا سے تھا، اقبال یا کسی اور کی اختراع نہیں؟ آپ کی کیا راے ہے؟

آپ کے پاس میری کتاب ’اقبال کی خامیاں‘ ہے۔ امید ہے اسے واپس کر دیں گے۔

مجھے ابھی تک پاکستان کی visa نہیں ملا۔ انجمن ترقیِ اُردو (ہند) کے حبیب خاں کے پاس میرے کاغذات ہیں۔ وہ کچھ جواب ہی نہیں دیتے۔ مجبوراً میں نے فی الحال جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ میری فیلوشپ ۱۸ر جولائی ۱۹۹۱ء کو ختم ہو رہی ہے۔ اور وہ تھا کہ اس کی Contingency سے پاکستان کا سفر کرلوں۔ اب یہ نہیں ہوگا۔ بہ شرطِ حیات اگلے سال اپنے پیسوں سے جاؤں گا۔

حیدر آباد میں سیّدہ جعفر صدرِ شعبہ مقرر ہو گئی ہیں ایک دن مجاور صاحب اپنے داماد کے ساتھ مجھ سے ملنے یہاں میرے مکان پر آئے۔ حیدر آباد کے شعبۂ اُردو کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں ۱۹/ اپریل کو تین ہفتے کے لیے وطن جا رہا ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۱۰)

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ-226016

یکم اگست ۱۹۹۱ء شام

محبّی تسلیم

میں ایک ہفتے کے لیے دہلی اور وطن گیا تھا۔ آج واپسی پر آپ کا کرم نامہ ملا۔ شکریہ۔

’اقبؔال کی خامیاں‘ آپ شعبۂ اُردو لکھنؤ میں دے دیجیے۔ کبھی جاؤں گا تو لے آؤں گا۔ سری نگر کا آپ کا خط نہیں ملا۔ اندرا نگر میں ڈاک کی بہت گڑبڑ ہے۔ کثرت سے مخطوطہ تلف ہو جاتے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب سے شکایت کروں گا۔

یو جی سی سے میری اپریل تا ۱۸ر جولائی کی فیلوشپ کی رقم نہیں آئی۔ مکان بھتّے کا تو کیا

سوال ہے۔ Contingency کی بھی کافی رقم بقایا ہے۔ میں نے متعدد خطوط لکھے۔ یو.جی سی سے جواب نہ آیا۔ اب دہلی میں خود یو.جی سی میں ہو کر آیا ہوں۔ کہتے ہیں کہ اب تک کی رقم کا حساب بھیج دیجیے تو بقایا بھیج دیں گے۔ اب بیٹھ کر لکھوں گا اور رجسٹرار کی معرفت بھیجوں گا۔

میں ۱۸/اگست کو اہلیہ کے ساتھ نجی خرچ پر امریکہ جا رہا ہوں۔ میری فیلوشپ ۱۸/جولائی کو ختم ہو گئی ہے۔

آپ نے اپنے پتے میں نیا گانو کے آگے قوسین میں کیا لفظ لکھا ہے، پڑھا نہیں جاتا۔ آپ نے اپنا پن کوڈ بھی نہیں لکھا۔ میں انداز سے امین آباد کا کوڈ لکھ رہا ہوں۔ آپ سری نگر کی مہم سر کر آئے بڑی بہادری کی بات ہے۔

مخلص

گیان چند

(۱۱)

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری
مکان نمبر ۲۵، سیکٹر ۹، اندرا نگر
لکھنؤ-206016

۲۲/نومبر ۱۹۹۱ء

محبّی تسلیم

حسنِ اتفاق سے میرے پاس حکیم احمد شجاع کی کتابیات شائع کردہ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء مل گئی۔ مولف ہیں ڈاکٹر اے. بی. اشرف۔ اس کے ص ۵ پر سوانحی خاکے میں درج ہے کہ حکیم احمد شجاع ۷/اکتوبر ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے اور ۴/جنوری ۱۹۶۹ء کو انتقال کیا۔ ان کا اصل نام احمد شجاع ایوبی انصاری تھا، تخلص ساحر۔

میں نے امبیڈکر یونی ورسٹی، لکھنؤ کے لیے تین سال اور ۶ سمسٹر کا ایم اے اُردو کا نصاب بنالیا ہے۔ دیکھیے وہ ایم اے ۹۲ء میں کھول پائیں گے یا ۹۳ء میں؟

یہ بات واضح نہیں کہ آپ کا پن کوڈ 226001 ہے یا 226018؟

مخلص

گیان چند

(۱۲)

به نام ڈاکٹر اکبر حیدری
مکان نمبر ۲۵، سیکٹر ۹، اندرا نگر
لکھنؤ-206016

۲۸ر نومبر ۱۹۹۱ء

محبّی تسلیم

آپ کا خط مورخہ ۲۲ر نومبر کا کل ۲۷ر نومبر کو ملا۔ اس پر ڈاک خانے کی ۲۳ر نومبر کی مہر ہے یعنی آپ کے یہاں سے ۲۳ کو نکلا۔ مجھے آپ کا مصرع: 'یورپ میں جس گھڑی...' سنا ہوا تو معلوم ہوتا تھا لیکن صحیح یاد نہ تھا۔ اب باقیاتِ اقبالؔ میں ۳۷۰ پر 'محاصرۂ ادرنہ' کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا پہلا نام 'اسلامی رواداری' تھا۔ اس میں ایک نہیں، ۶ شعر حذف کیے گئے ہیں جو یہ ہیں:

تھا امتیاز کچھ نہ ہلال و صلیب میں
مقصود فوج خانۂ معمور ہوگیا

اقبالؔ اس پیمبرِ امّی کے ہیں خدا — ایثار جس کی قوم کا دستور ہوگیا
دنیا میں جس کی مشعلِ خلقِ عظیم سے — ہر ذرّہ شرحِ سورۂ والنّور ہوگیا
امّت کا جس نبی کی حروفِ جلی میں نام — قرطاسِ روزگار پہ مسطور ہوگیا
مرہونِ پیچ وتاب وہ امّت ہے اب تو کیا — کیا غم جو اس کا دن شبِ دیجور ہوگیا

دنیا میں پیچ و تاب ہے شرطِ ثمر کہ تاک
کھا کھا کے پیچ صاحبِ انگور ہوگیا

شعروں کی ترتیب متداول اشعار کے ساتھ کیا تھی معلوم نہیں۔ حیدرآبادی کلّیاتِ اقبالؔ مرتّبۂ عبدالرزاق میں یہ نظم نہیں۔

کبھی اِدھر تشریف لائیے۔ 'خواب باقی ہیں' پر میں بھی آج کل تبصرہ لکھ رہا ہوں۔ آپ اس میں کشمیر کے معاملات پر گہرائی سے لکھ سکیں گے۔ کبھی لکھنؤ کے وائس چانسلر سے کہیے کہ Local Contingency کا بل اسی طرح ادا کریں جیسے حیدرآباد یونی ورسٹی کرتی تھی۔ یہاں کلرکوں کو زیادتی ہے کہ اس کی اجازت نہیں دیتے۔ حوالے کی کتابوں کی دشواری کا مجھے بھی اندازہ ہے۔ میں تو آہستہ آہستہ اُردو کی ادبی تاریخوں کا جائزہ لے رہا ہوں۔ آپ کشمیر سے اپنی

کتابیں لے آیئے۔

میں نے آپ کو لکھا تھا حکیم احمد شجاع کی تاریخِ وفات ۴؍جنوری ۱۹۶۹ ہے۔حوالہ: کتابیاتِ احمد شجاع،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،۲؍جنوری ۱۹۶۹ء۔

مخلص

گیان چند

(۱۳)

به نام ڈاکٹر اکبر حیدری

9/25،اندرانگر

لکھنؤ-226016

۲۷؍مارچ ۱۹۹۲ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۲۵؍مارچ کا کرم نامہ ملا۔شکریہ۔آپ کو تہِ دل سے پُر زور مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ کو نقوش ایوارڈ ملا۔آپ اس کے مستحق تھے۔کاش ہندستان میں بھی آپ کا کوئی اعتراف ہو۔کم سے کم غالب انسٹی ٹیوٹ کا ایوارڈ تو ملنا ہی چاہیے۔

آپ کا مضمون دل چسپ ہے۔آپ نے آخر میں تقریباً نام لکھ کر کہہ دیا ہے کہ فلاں صدر لائبریری کتب کی خرید پر کمیشن لیتی تھیں۔

آپ کی اور باتیں تو درست ہیں لیکن اس میں مبالغہ ہے کہ اساتذہ کے تقرر میں سلیکشن کمیٹی کے ماہرین کمیشن لیتے ہیں۔پبلک سروس کمیشنوں میں یہ ہوتا ہوگا لیکن میرے علم کی حد تک کسی یونی ورسٹی میں لکچرر کے انتخاب میں کسی نے کوئی پیسہ نہیں لیا۔اپنے آدمیوں کا تقرر کیا یہ دوسری بات ہے۔

سنا تھا کہ بعض اصحاب فیس لے کر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ دیتے ہیں۔آپ نے خلیق انجم کے حوالے سے ایک نئی بات لکھی ہے کہ کسی نے یہ پیش کش کی کہ وہ دس ہزار روپیہ دیں تو ان پر مقالہ لکھ سکتے ہیں۔یہ بالکل نئی بات ہے۔

اپنا مضمون حیدرآباد کے کسی پرچے میں بھی شائع کرائیے۔

حکم چند نیّر کسی بیماری کی تشخیص کرانے اپنی اہلیہ، بیٹے اور بہو کے ساتھ بمبئی گئے تھے۔

انھوں نے ناامیدی بھرا جو خط لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کینسر ہو گیا ہے اور آج کل Chemotherapy کے کورس چل رہے ہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔ میں آج ایک ماہ کے لیے بجنور، سیوہارہ وغیرہ جا رہا ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۱۴)

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۱۷رنومبر ۱۹۹۲ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۱۲ونمبر کا خط کل ۱۶رنومبر کو ملا۔ شکریہ۔ اکتوبر میں تین بار میرا فون اس طرح خراب ہوا کہ گھنٹی آتی تھی تو ریسور اٹھانے پر بھی نہیں کٹتی تھی اور dial tone بھی نہیں تھا کہ میں کسی کو فون کر سکوں۔ ایک بار خراب ہو کر تین چار دن خراب رہتا تھا۔ ممکن ہے آپ نے ایسے دنوں ہی میں فون کیا ہو، یا پھر یہ کہ ہم لوگ گھر سے کہیں گئے ہوں۔

پاکستان جانے کا پروگرام فی الحال کھٹائی میں پڑ گیا ہے۔ میرے ویزا کا معاملہ اسلام آباد کی وزارتِ داخلہ کو بھیجا گیا ہے۔ وہاں سے اجازت آئے تبھی ویزا دیا جائے گا۔ اس لیے لکچر کی تاریخیں ملتوی۔

میں وہاں ناشروں سے کیوں کر بات کر سکتا ہوں۔ وہاں کا کوئی باشندہ ہی کر سکتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہندستان کے ناشروں سے بات کر کے میرا معاملہ طے کرا دیجیے تو بھی میں نہیں کر سکتا۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ فخرالدین کمیٹی سے مالی امداد لیجیے، وہ ۷۵% دیتے ہیں۔ ۲۵% آپ کو لگانی ہوگی۔ مجھے یو جی سی سے Contingency کا بقیہ سوا چار ہزار روپیہ نہیں ملا۔ رجسٹرڈ خط بھیجا۔ بار ہا مختلف لوگوں کو لکھا۔ جواب ندارد۔ میں بھی ہار کر چُپ بیٹھ گیا ہوں۔ اب نہ ملے گا۔

مخلص گیان چند

(۱۵)

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۱۹؍فروری ۱۹۹۳ء

محبّی تسلیم

۱۱؍فروری کا خط پرسوں ملا۔ شکریہ۔ میرا فون آٹھ دس دن پہلے خراب ہوا تھا، دو دن میں ٹھیک ہو گیا۔ اس کے تین چار دن بعد پھر خراب ہو گیا اور اب کوئی ۵ دن سے خراب ہے اور ابھی کئی دن خراب رہے گا۔ میں ۲۶؍ کی شام کو باہر جاؤں گا اور تقریباً ۶-۵ مارچ کو واپس آؤں گا۔

میرے پاس بھی 'ہماری زبان' کے بعض شمارے نہیں پہنچ پاتے۔ مرثیہ نمبر پر میں نے آپ کا تبصرہ نہیں دیکھا۔

میرا خیال ہے کہ اب آپ کی فیلوشپ بھی ختم ہو گئی ہو گی۔ میرے تو سوا چار ہزار روپے یو.جی.سی نے مار لیے۔ چیئر مین تک کو خط لکھا، جواب نہ دارد۔ میں نے بھی صبر کر لیا۔

۱۳؍فروری کو حیدرآباد یونی ورسٹی میں لکچرر اور ریڈر کا سلیکشن تھا۔ پتا نہیں کون کون امیدوار تھے، کون ماہرین، کون منتخب ہوا۔ دو چار دن میں کسی کی چٹھی آئے گی تو معلوم ہو گا۔ اب کی بار میں نے کسی کو اس سلسلے میں نہیں لکھا۔ مجاور صاحب ۳۱؍دسمبر کو سبک دوش ہو گئے۔ سنا ہے اس کے بعد بھی سیاسی سطح پر کوشش کر رہے ہیں کہ دوبارہ لگا لیے جائیں۔

۳؍فروری کو لکھنؤ یونی ورسٹی میں لکچرر، ریڈر کا سلیکشن ہوا۔ ریڈر کی پوسٹ پر جو صاحب ہوئے ہیں وہ کشمیر یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے ہیں گو کشمیری نہیں۔ آپ انھیں جانتے ہیں۔ مجھے نام یاد نہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

میرا خیال ہے کہ نیا گانو کو ماڈل ہاؤسز (Model Houses) بھی کہتے ہیں۔

مخلص

گیان چند

(۱۶)

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۸؍جون۱۹۹۳ء شام

محبّی تسلیم

آپ کا ۳۰؍مئی کا کرم نامہ کل ملا۔ شکریہ۔ میرا فون ۲۷؍مئی کو خراب ہوا تھا، کل شام ٹھیک ہوا۔ میں وطن نہیں گیا۔ ۸ دن حیدرآباد رہا ۱۳؍اپریل سے ۳۱؍اپریل کی صبح تک بشیرالنسا کا پی ایچ ڈی کا امتحان کیا۔ شارب ردولوی آئے تھے۔ لکھنؤ میں ڈاک بہت غائب ہوتی ہے۔ اندازاً ایک تہائی خطوط اور رسالے غائب ہوجاتے ہیں۔ خلیق انجم 'ہماری زبان' کے تمام شمارے بھیجتے ہیں لیکن مجھے بہت کم ملتے ہیں۔ ایک دن کچھ پرچے رام لعل کے یہاں سے لایا، کچھ میرے پاس آئے تھے۔ اب میرے پاس مارچ تا یکم جون کے سب پرچے ہوگئے ہیں بجز یکم اپریل کے پرچے کے۔ میرے پاس بہت کم آئے، رام لعل کے پاس سے زیادہ ملے۔ آپ کے ذیل کے مضامین شائع ہوئے ہیں:

— ۲۲؍مارچ ۹۳ء: سرسیّد احمد خاں بہادر اور اودھ اخبار ۱۸۷۰ء
— ۱۵؍اپریل: ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری
— ۱۵؍اپریل اور یکم مئی: کل تین قسطیں
— ۱۵؍مئی: نواب ذوالفقار علی خاں اور ڈاکٹر اقبال ہزار داستان
— ۲۲؍مئی: کے 'آئینے' میں دو قسطیں۔
— یکم جون: خواجہ حسن نظامی اور ڈاکٹر اقبال

رام لعل کو دائیں گردے کے اوپر بہت بڑا اور بہت بڑھا ہوا کینسر ہے۔ دو تین مہینے سنجے گاندھی میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں داخل رہے۔ بہت test ہوئے۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپریشن کیا تو میز ہی پر ختم ہوسکتے ہیں۔ پھر دل کا ایک volve بھی خراب ہے۔ ایک دن اس کی اصلاح کے لیے آپریشن کی سوجھی۔ شاید angiography کرنی تھی۔ سوئی یا تار ڈالا۔ آگے نہ لے جاسکے۔ ڈاکٹروں کی ہمت نہ ہوئی۔ آخر رام لعل گھر آ گئے۔ اب مجبوراً ہومیوپیتھی کا علاج

کر رہے ہیں۔ سخت نومیدی کا عالم ہے۔ علاج میں بہت خرچہ ہوا ہے۔ دیکھیے تین چار ماہ بھی نکال سکتے ہیں کہ نہیں۔

میرا خیال ہے کہ لکھنؤ یونی ورسٹی میں آپ کی فیلوشپ ختم ہوگئی۔ مجھے تو Contingency کے تقریباً سوا چار ہزار روپے نہیں ملے۔ یو جی سی کو کتنا لکھا۔ انھوں نے بھیجے ہی نہیں۔ معلوم نہیں آپ کو لکھنؤ یونی ورسٹی اور یو جی سی سے سب کچھ مل گیا کہ نہیں۔ مجاور اکثر لکھنؤ میں رہتے ہیں لیکن ملنا نہیں ہوتا۔

ڈاک خانے والوں کا کچھ کیجیے نا بہت خطوط گم کر دیتے ہیں۔ میں نے حیدرآباد میں حبیب نثار کی بیوی بشیر النسا کا زبانی امتحان کیا۔ اب میری ایک شاگردہ سعید النسا بچی ہے۔ یہاں بھائی کے ساتھ ساتھ آئی تھی اور دو تین دن میرے یہاں ٹھری۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۱۷)

بہ نام ڈاکٹر اکبر حیدری

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ-226016

۱۵ر فروری ۱۹۹۵ء

محبّی تسلیم

کل آپ کی بیش بہا تصنیف 'باقیاتِ دبیر' ملی۔ اس لطفِ خاص کے لیے ممنون ہوں۔ چوں کہ میں اس میدان کا ماہر نہیں اس لیے اس پر کچھ نہ لکھ سکوں گا۔

چار پانچ دن میں مَیں تقریباً دو ہفتے کے لیے وطن جا رہا ہوں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص گیان چند

Dr. Akbar Hyderi
121. Naya Gaon (East)
Lucknow-226001

~~~~~~
~~~~~~

بہ نام ڈاکٹر بیدار بخت

(۱)

23 Naveda, IRVIN
CA 92606-1764
USA

۱۳/مارچ ۲۰۰۱ء

محبّی ڈاکٹر بیدار بخت صاحب تسلیم

میں چند روز کے لیے اپنی دختر کے یہاں آیا ہوں۔ چار پانچ دن پہلے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی نے مجھے چودھری نسیم کی مرتّبہ انگریزی 'ذکرِ میر' کی کاپی ہوائی ڈاک سے بھیجی۔ بک پوسٹ میں کوئی چٹھّی نہ تھی۔ خیال ہوتا ہے کہ یہ آپ ہی کا کرم ہوگا۔ توثیق کیجیے۔

لڑکی کے فیکس نمبر یہ ہیں: 559-784-5961۔ فیکس سے جواب دیجیے یا میرے email: gianchand@ool.com سے۔

آپ کی نوازش کا شکریہ کن الفاظ میں کروں۔ میں خوش ہوں گا اگر آپ اس کا بار میری طرف منتقل کر دیں یعنی کتاب کی قیمت اور ڈاک کے مصارف مجھے لکھ کر قبول کریں۔ کتاب آپ نے بھیجنے کا انتظام کر دیا یہ کم کرم تو نہیں۔ میں ۱۸/مارچ کو یہاں سے اروانت واپس جاؤں گا۔ یہاں کے دو فون نمبر ہیں:

محض فون: 559-784-8161
فون اور فیکس: 559-784-5961

یہ letter-head اور اس سے بڑے سائز کے دو مزید پیڈ مجھ سے پوچھے بغیر علی گڑھ کے رٹائرڈ پروفیسر عربی ڈاکٹر مختار الدین احمد نے تیّار کرا کے ہوائی ڈاک سے مجھے بھیج دیے۔ سڑک اور شہر کا نام ایک لائن میں لکھ دیا۔ فون نمبر اور ای میل کا پتا نہ لکھا۔

بہر حال، امید کرتا ہوں آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص
گیان چند

To fax 416-292-7374

بہ نام شری پریم پال آسیب، ایم. کیو

(۱)

پروفیسرس کالونی
بھوپال
۷ر دسمبر ۱۹۵۸ء

مشفقی تسلیم

تعارف کی کیا ضرورت تھی۔ میں آپ سے پہلے ہی سے واقف ہوں۔ پچھلے 'ہماری زبان' میں آپ کا نہایت اہم اور مفید مضمون دیکھا تھا۔ اس ایک مضمون کے لیے آپ کو کتنی محنت کرنی پڑی ہوگی۔

۱- آگرہ یونی ورسٹی سے اس سال سیّد لطیف حسین ادیب نے سرشار پر ڈگری لی۔ آگرہ یونی ورسٹی میں اب محض بریلی کالج میں ایم.اے اُردو ہے اس لیے انھوں نے بریلی کالج ہی میں کام کیا ہوگا۔ مجھے یہ تو بالتحقیق معلوم ہے کہ وہ اس موضوع پر کام کر رہے تھے لیکن میں سو فی صدی وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ انھیں ڈگری مل گئی۔ میرا خیال ہے کہ یہ خبر صحیح ہے۔

۲- الٰہ آباد یونی ورسٹی میں ۵۶ء یا ۵۷ء میں وِشنو گوپال صاحب نے رتن ناتھ سرشار پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ وہ تقریباً پندرہ سولہ سال تک اس موضوع کو گھیرے رہے۔ ذہین شخص ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بڑا مقالہ لکھا ہوگا۔ رام بابو سکسینہ، مسعود حسن رضوی اور اعجاز حسین ان کے ممتحن تھے۔ وشنو گوپال الٰہ آباد ہی کے رہنے والے ہیں۔ ان کا پتا اعجاز صاحب سے پوچھیے۔

۳- پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں آمنہ عنایت سرشار پر پی ایچ ڈی کے لیے کام کر رہی ہیں۔ وقار عظیم نگراں ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ اب آپ اپنا مقالہ جلد شائع کر دیں۔ سندھ یونی ورسٹی حیدرآباد میں منظر حسین کاظمی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی نگرانی میں 'اُردو صحافت کا ارتقا' پر کام کر رہے ہیں۔ اگر لطیف صاحب کو ڈگری مل گئی ہے تو ان کا مقالہ آگرہ میں ضرور دیکھنے کو مل سکے گا۔ مجھے بری مسرت ہوئی کہ آپ سے مکتوبی ملاقات ہوگئی۔

مخلص گیان چند

Shri Prem Pal Aseb M.Q
1865, Vazir Singh Street
Choona Mandi Pahar Ganj, New Delhi

بہ نام تارا چرن رستوگی

(۱)

9/25، اندرا نگر
لکھنؤ-226016
۱۳رمئی ۱۹۹۳ء

محبّی تسلیم

رام لال بیمار ہیں۔ کچھ دن پہلے ان کے گردے کے اوپر ایک بڑا لمبا سا Turnour اندر کی طرف محسوس ہوا۔ وہ سنجے گاندھی میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں داخل ہیں۔ قریب ایک ہفتے کے بعد آپریشن کر کے ایک گردہ نکال دیں گے۔ اندیشہ ہے کہ یہ کہیں malignant نہ ہو۔ میں تو ابھی تک انھیں دیکھنے بھی نہ جا سکا۔ بہت دور ہے۔

ایک بات بتایئے۔ جگن ناتھ آزادؔ کی کتاب 'محمد اقبال: ایک ادبی سوانح حیات' ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کے ص ۱۰۱-۱۰۰ پر لکھا ہے کہ ایک دفعہ پٹنہ ہائی کورٹ میں ایک مقدمے میں ایک لفظ متنازعہ فیہ تھا۔ اقبالؔ کو اس کی تشریح کے لیے بلایا گیا۔ انھیں ایک ہزار روپیہ روزانہ فیس ملتی تھی۔ سی. آر. داس نے ان سے کہا کہ وہ چاہیں تو دو ماہ تک یہاں قیام کر سکتے ہیں لیکن اقبالؔ نے ایک ہی دن میں عدالت میں اپنا بیان دے دیا اور چلے آئے۔

مجھے یہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ اس زمانے میں اقبالؔ جیسے وکیل کو ہزار روپے روز کیوں کر دیا جا سکتا تھا۔ ایک لفظ کے معنی بتانے کے لیے دو مہینے تک کیوں کر رُک سکتے تھے اور اقبالؔ روپے سے اس قدر بے نیاز کب تک تھے۔ وہ تو اسکولی درجوں کی کتابیں مرتّب کرتے تھے اور چھوٹے امتحانوں کی کاپیاں جانچتے تھے۔ آپ نے پٹنے کی اس فیس کے بارے میں کوئی تحقیق کی ہو تو لکھیے۔ م یں اُردو کی ادبی تاریخوں پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ لاہور سے ڈاکٹر ملک حسن اختر نے ۱۹۷۹ء میں ایک جلد میں تاریخِ ادبِ اُردو شائع کی، ۱۲۱۲ صفحوں کی ہے۔ اس میں بھی پٹنہ کا یہ واقعہ لکھا ہے۔ میں اس پر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔

رام لعل کی طرف سے مجھے بڑی تشویش ہے۔ پنجابی ہندو ادیبوں پر مصیبت آ رہی

ہے۔ستمبر۹۲ء میں حکم چند نیّر اور کمار پاشی گئے۔اپریل ۹۳ء میں مالک رام اور گوپال متّل۔

مخلص

گیان چند

(۲)

به نام تارا چرن رستوگی

9/25، اندرا نگر

لکھنؤ-226016

۱۹؍اپریل ۱۹۹۴ء

محبّی تسلیم

آپ کا طویل خط ملا تھا لیکن اس میں جواب طلب کچھ نہ تھا۔ دو دن پہلے یکم اپریل کا کرم نامہ ملا۔ میں مصروفیت کے سبب جواب نہ دے سکا۔

میرے بڑے بھائی ٹھیک ہیں۔ انھیں پروسٹیٹ کا کینسر ہے۔ اس کے علاج کے لیے جے پور کے ڈاکٹر نے ان کے دونوں فوطے نکال دیے ہیں۔ اس سے male hormones پیدا نہیں ہوں گے اور پروسٹیٹ کو راحت رہے گی۔ اس عمر میں زندگی کا جو سال دو سال مل جائے غنیمت ہے۔ جب وہ جے پور میں تھے تو پیچھے بجنور میں گھر میں چوری ہوگئی۔ چور نے اطمینان سے ہر کمرے کو الٹ پلٹ کیا۔ تقریباً ۵۰ ہزار کا نقصان ہوا۔

رام لعل کے یہاں آپ کا خط دیکھا تھا کہ آپ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے اسپتال میں علاج کرانے کے لیے جائیں گے۔ اگر وہاں جانا ہو تو لکھنؤ ہوتے ہوئے جائیے۔ قیام میرے یہاں کیجیے۔ رام لعل کے یہاں جگہ کم ہے۔ میں آپ کا یہاں سے علی گڑھ کا ریزرویشن کرادوں گا۔ آپ سے ملنے کو واقعی جی چاہتا ہے۔

مخلص

گیان چند

Dr. Tara Charn Rastogi
Birubari, Guahati-781016
Assam

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام جی. کے. مانک ٹالا

(۱)

یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۲۳ر دسمبر ۱۹۸۴ء

محبّی مانک ٹالا صاحب تسلیم

آپ کا ۹ر دسمبر کا کرم نامہ میرے سامنے ہے۔ کتابوں کا پارسل ملا۔ مجاور حسین، ثمینہ اور لاہوٹی کو کتاب دے دی۔ صمد یہاں سے کلکتے منتقل ہوگئے ہیں اس لیے ان کے حصّے کی کتاب میرے پاس دھری ہے۔ وہ جب کبھی آئیں گے انھیں دے دوں گا۔ امید ہے ایک آدھ ماہ میں آجائیں گے۔ اپنے حصّے کی کتاب کے لیے ممنون ہوں۔

میری ایک آنکھ میں موتیا بند پک آیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ یوں ہی آپریشن میں تو retina کے detached ہونے کا خدشہ پورا ہے۔ اس لیے پہلے ایک prenaties operation کرنا پڑا۔ یہ آپریشن ۱۱ر دسمبر کو ہوا۔ آپ کی کتاب اس کے بعد ملی۔ میں تقریباً دس گیارہ دن لکھنے پڑھنے سے معذور رہا، اس لیے آپ کو رسید نہ دے سکا۔ مجاور سے کہا تھا کہ میری طرف سے رسید لکھ دیں۔ آج میں پہلی بار کچھ چٹھیوں کا جواب لکھنے بیٹھا ہوں۔ میرا دوسرا اور بڑا آپریشن ۴ر جنوری کو ہوگا۔ اس کے بعد ایک ماہ تک لکھنا پڑھنا موقوف۔

ابھی آنکھ پر زیادہ زور نہیں ڈال سکتا۔ پھر بھی سرسری طور پر آپ کی کتاب کا مقدّمہ پڑھا۔ مانک ٹالا جیسے ٹیڑھے لفظ کے معنی معلوم ہوئے۔ موتیوں کے بیوپاری سے آپ hard ware کے سوداگر بنے۔ ایکٹروں کی بستی پالی ہل میں رہتے ہیں، اس کے معنی ہیں کہ آپ بڑے آدمی ہوں گے۔

آپ نے کالی داس پر جو مضمون لکھا ہے وہ تناظر سے پہلے ہی شائع ہوگیا۔ اُردو کے تین بل کہ چار نبیوں والی بات خوب ہے۔ گوپال متّل جین ہیں۔

ابومحمد شبلی سے معرکے کے سلسلے میں آپ کے مضامین پڑھے۔ میرے پاس ابومحمد شبلی کا ایک پوسٹ کارڈ آیا ہے۔ نومبر ۸۴ء کے 'آجکل' میں انھوں نے میرا 'من کہ' پڑھا اور میرے

بےضرر chronic leukemia کے بارے میں بایو کیمک اور ہومیوپیتھی کی دوائیں لکھی ہیں۔کوئی ادبی موضوع نہیں۔پہلی بار اس کا خط آیا ہے لیکن اس نے عجب حماقت کی ہے کہ اپنا پتا نہیں لکھا۔صرف لکھنؤ لکھا ہے۔میں ان دواؤں کے سلسلے میں اسے لکھنا چاہتا ہوں۔اگر آپ کو اس کا پتا معلوم ہو تو لکھیے۔

کتاب کی دین کے لیے شکریہ۔اس لطفِ خاص سے یادآوری خوب ہے۔افسوس کہ میں بمبئی نہ آسکا۔بمبئی یونی ورسٹی کے دکنی سمینار کا بھی افتتاح کرنا تھا۔

مخلص

گیان چند

(۲)

بہ نام جی. کے. مانک ٹالا

گولڈن تھریشولڈ

حیدرآباد-500001

۳؍جنوری۱۹۸۶ء

محبّی تسلیم

تحقیقی اعتبار سے نہایت قابلِ قدر آپ کی تصنیف 'پریم چند اور تصنیفِ پریم چند' ملی کل ۲؍جنوری کو۔ نئے سال کے اس تحفے کے لیے تہِ دل سے مشکور ہوں۔ باقی دو جلدیں ڈاکٹر ثمینہ شوکت اور ڈاکٹر مجاور حسین رضوی کو پہنچا دی گئی ہیں۔کل جس وقت میرے گھر پر یہ پارسل آیا اتّفاق سے اُس وقت میرے پاس الٰہ آباد یونی ورسٹی کے ڈاکٹر سیّد محمد عقیل رضوی بھی بیٹھے تھے۔انھوں نے دو باتیں کہیں:

۱- ص۳۹ پر پریم چند کے۲۰؍فروری ۱۹۱۵ء کے خط کا ذکر ہے۔انھوں نے مجھ سے (گیان چند سے) یہ کہا:

'مجھ سے یہ بھول ہوگئی تھی جس کا مجھے بعد میں پتا چلا۔آپ نے (گیان چند نے) پچھلی ملاقات میں مجھ سے کہا تھا کہ میں (عقیل) فوراً اس کی تصحیح فروغِ اُردو میں چھپوا دوں۔مجھ سے (عقیل سے) تساہل ہوا۔سوچتا رہا کہ لکھوں گا۔نہ لکھا اور اب مانک ٹالا صاحب نے اسی بات کو پکڑ لیا'۔

۲- ص۱۸۴ پر آپ نے پلشم کے سلسلے میں لکھا ہے کہ آپ کے ذہن میں ایک دھندلا سا خیال ہے کہ آپ نے کہیں پلشم کی صراحت پیارے لال شاکر میرٹھی پڑھی تھی۔ عقیل کہتے ہیں کہ وہ کئی سال پہلے یہ بات لکھ چکے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے یہ بات لکھی اور مانک ٹالا صاحب کو ان کا حوالہ یاد نہیں۔

میں پریم چند کا ماہر نہیں۔ آپ چاہیں تو ڈاکٹر عقیل کو اپنی بیش بہا کتاب کے ایک جلد ذیل کے پتے پر بھیج دیں:

ڈاکٹر سیّد محمد عقیل رضوی

Mohammad Manzil

Daryabad, Allahabad-211003

دریاباد الٰہ آباد کے ایک محلے کا نام ہے۔ رستوگی نے اپنے دیباچے میں پریم چند کے ماہرین میں ہندی کے ایک، اور اُردو کے تین حضرات کے نام لکھے ہیں۔ اگر وہ گوینکا کو اُردو کا محقق سمجھے تو وہ غلطی ہے، اگر وہ ہندی کے ماہرین کو بھی شامل کرنا چاہتے ہیں تو ہندی میں اُردو کے ان تینوں محققین (آپ کے بہ شمول) سے کہیں بڑے عالم پریم چند موجود ہیں۔ میرا خیال ہے رضوی نے سہواً گوینکا کو اُردو کا سمجھ کر اُردو کے چار محققین کے نام لکھے ہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ پریم چند کے اُردو محققین میں آپ کا نام ضرور بالضرور شامل کیا جائے گا۔

آپ کو نیا سال مبارک ہو۔ کتاب کے عطیے کے لیے ایک بار پھر شکریہ۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۳)

بہ نام جی. کے. مانک ٹالا

A15، سنٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس

حیدرآباد-500134

۲رفروری۱۹۸۶ء

محبّی تسلیم

کرم نامہ ملا۔ شکریہ۔ کتاب میں مَیں نے سنین کی تصحیح کر لی ہے۔ مجھے پریم چند پر ہندی کتابوں کا علم نہیں۔ آپ گوئنکا کو لکھ کر پوچھ سکتے ہیں۔ وہ دلّی کالج اجمیری گیٹ، دلّی میں ہندی کے استاد ہیں۔

میں آپ کی کتاب کو پوری طرح نہ پڑھوں گا۔ میرے پاس جو کتابیں آتی ہیں اُنھیں میں شروع میں جستہ جستہ دیکھ کر رکھ دیتا ہوں۔ پھر کبھی کسی مضمون یا تحریر کے سلسلے میں ضرورت ہوتی ہے تو ان سے استفادہ کرتا ہوں۔

کالی داس گپتا پر 'شاعر' میں جو میرا مضمون شائع ہوا تھا، 'تناظر' میں اس پر اضافہ ہے یعنی آخر میں بعض نئی کتابوں کے بارے میں کچھ بڑھایا ہے۔ مضامین کو پسند کرنے کا شکریہ۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۴)

بہ نام جی۔ کے۔ مانک ٹالا
A15، سنٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس
حیدرآباد-500134
۱۷/اپریل ۱۹۸۹ء

محبّی تسلیم

چند روز پہلے 'پریم چند کچھ نئے مباحث' کا پارسل ملا۔ شکریہ۔ ثمینہ شوکت اور مجاور صاحب کے حصّے کی کتابیں انھیں دے دیں۔ آپ نے مجھے جو کتاب دی ہے اُس کے لیے تہِ دل سے مشکور ہوں۔ آپ کی کتاب میں جو گوہر و جوہر چھپے ہیں وہ پہلی نظر ہی میں سامنے آجاتے ہیں۔ حسبِ فرصت استفادہ کروں گا۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کو ایک نذر پیش کی جاتی ہے۔ اس مجموعے کے لیے میں نے مضمون لکھا ہے: 'ڈاکٹر مسعود حسین خاں بہ حیثیت ادبی محقق'۔ اس میں پریم چند پر ان کی تحقیق کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے اور آپ کے نقطۂ نظر کی تائید کی ہے۔ اس حصے کو لکھنے کے لیے آپ کی کتاب 'پریم چند اور تصانیفِ پریم چند' سے بہ کثرت حوالے دیے ہیں۔ 'نذرِ مسعود'

چھپ جائے تو دیکھیے۔
امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۵)

به نام جی. کے. مانك ٹالا
9/25، اندرا نگر
لکھنؤ-226016
۹ر دسمبر ۱۹۹۳ء

محبِّ مکرّم تسلیم

میں ۴ر ستمبر کو یہاں سے دلّی اور وہاں سے ۱۶ر ستمبر کو اپنے بچّوں سے ملنے امریکہ گیا۔ اہلیہ ساتھ تھیں۔ دسمبر کے اوائل میں واپس آ کر ۵ر دسمبر کو لکھنؤ پہنچا۔ آپ کی بیش قیمت کتاب اور ۲۷ر ستمبر کا کرم نامہ ملا۔ آپ بھی سوچتے ہوں گے کہ میں نے کتاب کی رسید دینے کی بھی خوش اخلاقی نہیں دکھائی۔

رام لعل کو گردے کا کینسر ہے۔ آج کل ہومیوپیتھی کا علاج کرتے ہیں اور طبیعت ٹھیک ہے۔ ٦ یا ۷ر دسمبر کو کسی کے ساتھ میرے گھر آئے۔ میں انھیں ان کے حصے کی کتاب دینا بھول گیا۔ کل دے آؤں گا۔ وہ میرے پاس ہی میں ہیں۔

میں نے ڈاکٹر مسعود حسین خاں پر ایک مضمون لکھتے ہوئے آپ کی پہلی کتاب سے جگہ جگہ استناد کیا ہے۔ وہ مضمون 'نذرِ مسعود' اور میرے مجموعے 'پرکھ اور پہچان' میں شامل ہے۔ آپ کی موجودہ کتاب غیر معمولی تحقیقی کام ہے۔ اُردو میں اس تاریخ ساز کتاب کو ہمیشہ حوالے کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ آپ نے پریم چند کے ماہرین کی تصحیح کی ہے اور پریم چند کی مستند ترین حیات تشکیل کی ہے۔

میں اس تحفے کے لیے دل کی گہرائی سے آپ کا ممنون ہوں۔ کالی داس گپتا کو فون کر کے بتا دیجیے کہ میں تین مہینے کی غیر حاضری کے بعد لکھنؤ آ گیا ہوں۔

آج کل ڈاک کی ہڑتال ہے۔ ہڑتال کھلنے پر یہ چٹھی سپردِ ڈاک کروں گا۔ امید ہے

آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۲)

بہ نام جی. کے. مانک ٹالا
9/25، اندرانگر
لکھنؤ-226016
۲۲؍مارچ ۱۹۹۴ء

محبی تسلیم

آپ کا ۹؍مارچ کا کرم نامہ پرسوں ملا۔ شکریہ۔ آپ نے 'پرکھ اور پہچان' کے کئی مضامین کو پسند کیا اس کے لیے ممنون ہوں۔

میں 'ادبی نقوش' سے واقف نہیں۔ شاید یہ ابومحمد شبلی کے مضامین کا مجموعہ ہے یا پھر کسی رسالے کا نام ہے۔

میں نے کل 'اُردو کا المیہ' pack کر کے رکھ دی ہے۔ آج پوسٹ آفس جا کر رجسٹری کرادوں گا۔ 'حقائق' کی میرے پاس صرف دو کاپیاں ہیں۔ اس میں دور دور تک پریم چند کے بارے میں ایک بھی سطر نہیں۔ یہ آپ کے لیے غیر متعلق ہے۔ پھر بھی آپ دیکھنا چاہیں تو کالی داس گپتا کے پاس دیکھ لیجیے۔ 'پریم چند ادھین کی نئی دشائیں' میرے پاس نہیں ہے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ 'تحقیق کا فن' میں تحقیق کے عمل کے سلسلے میں ص ۲۸ پر لکھا ہے:

> ''منشی پریم چند کو غریبوں کا ہمدرد سمجھا جاتا ہے۔ ابومحمد شبلی ان کا ایک خط سامنے لائے جس میں انھوں نے اپنے اہلِ خانہ کو ہدایت کی تھی کہ مزدوروں سے پورے وقت کام لیں اور اجرت زیادہ نہ دیں''۔

میں اس کو نقل کرنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔

مجھے معلوم نہیں گوئنکا کی کس کتاب میں میرا کون سا مضمون شامل ہے۔ میں نے گوئنکا پر صرف ایک مضمون لکھا ہے: 'ہندی کے ماہرِ پریم چند ڈاکٹر کمل کشور گوئنکا'، یہ میرے مجموعے 'پرکھ اور پہچان' میں شامل ہے۔ گوئنکا نے اسی کا ہندی ترجمہ کرا کے شامل کیا ہوگا۔ انھوں نے

مجھے اطّلاع نہیں دی۔

میں ہندی بہ آسانی پڑھ اور سمجھ لیتا ہوں لیکن دیوناگری میں لکھ نہیں سکتا۔ لکھیے کہ کیا وہ یہی مضمون ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۷)

به نام جی. کے. مانك ٹالا

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۲۶/اپریل ۱۹۹۴ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۱۶/اپریل کا خط دو دِن پہلے ملا۔ میں نے 'اُردو کا المیہ' ۲۳/مارچ کو رجسٹری سے آپ کے پاس بھیجی تھی۔ امید ہے اب تک مل گئی ہوگی۔ لکھیے پہنچی کہ نہیں؟ آج کل ڈاک میں بہت زیادہ وقت لگتا ہے۔ رجسٹری کی رسید میرے پاس ہے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۸)

به نام جی. کے. مانك ٹالا

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۱۱/مئی ۱۹۹۴ء

محبّی تسلیم

اب کی بار بمبئی سے ڈاک جلد جلد آرہی ہے۔ آپ کی لوٹائی ہوئی کتاب 'اُردو کا المیہ'

پانچ چھے دن ہی میں مل گئی تھی۔ ۲۷؍اپریل کا کرم نامہ کوئی ایک ہفتہ پہلے ملا۔ میرے محلّے میں فوٹو کاپی کا انتظام نہیں۔ کئی دن کے بعد یعنی پرسوں دوسرے بڑے بازار میں گیا تو مضمون کا عکس بنوا کر لایا۔ دو دن ایک تحریر میں مصروف ہونے کی وجہ سے ڈاک کو تیّار نہ کر سکا۔ آج صبح لفافہ بند کر رہا ہوں، جس کے بعد ڈاک خانے میں جا کر پوسٹ کروں گا۔ اب گرہستی کے اور دوسرے تمام کام خود ہی کرنے پڑتے ہیں۔

لکھنؤ میں ہندی کے ایک جرنلسٹ گیان چند جین ہیں جو عمر میں مجھ سے کافی بڑے ہیں۔ ہندی کی ادبی تحریروں میں انھیں کا ذکر آتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ عمر میں مجھ سے چھوٹے ہوں گے۔ میں ۱۹؍ستمبر ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوا۔ سرکاری کاغذات میں عمر کافی کم لکھی ہے۔ اس کے بعد توسیع وغیرہ۔ اس طرح جب میں حیدرآباد چھوڑ کر لکھنؤ آیا تو سرکاری اعتبار سے میری عمر ۶۳ سال کی اور دراصل ساڑھے ۶۶ سال تھی۔

بمبئ میں میری بھتیجی ہے لیکن بمبئ آنے کا کوئی پروگرام نہیں۔ آپ اپنی صحیح تاریخِ ولادت نیز مقامِ ولادت لکھیے تاکہ میں 'تذکرۂ ماہ و سال' کی اپنی کاپی میں آپ کا اندراج کرلوں۔

مخلص

گیان چند

(۹)

به نام جی. کے. مانك ٹالا

23 Nevada

IRVINE, CA 92606-1464

USA

۵؍نومبر ۲۰۰۱ء شام

محبّی مانک ٹالا صاحب، نمستے

آپ کا ۲۵؍جون کا کرم نامہ بروقت ملا تھا۔ یاد نہیں کہ میں نے اس کا جواب دے دیا تھا کہ نہیں۔ شاید اس انتظار میں رہا کہ آپ کی کتاب آجائے تو لکھوں۔ میں ۲۵؍اگست سے ۲۸؍اکتوبر تک ہندستان کے دو مہینے کے دورے پر رہا۔ واپس آنے پر مامون ایمن کی معرفت

آپ کی کتاب ملی۔ تہِ دل سے مشکور ہوں۔

آپ کی اہلیہ کے کینسر میں انتقال کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ تقریباً ایک سال تک شدید بیماری۔ اب آپ کی بینائی کمزور ہے۔ اس ضعیفی میں اولاد کے ساتھ کے بغیر زندگی کیسے کاٹی جاسکتی ہے۔ ظاہراً آپ کو بلجیم منتقل ہو جانا چاہیے لیکن معلوم نہیں داماد صاحب کو پسند آئے کہ نہیں۔

کالی داس گپتا کے مرنے کا بہت دکھ ہوا۔ میرا ادبی سہارا جاتا رہا۔ ایک نجی احساس کا اظہار کرتا ہوں۔ اُردو ادب کے مطالعے اور اُردو کے مسلمان ادیبوں کے اقوال کو پڑھ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُردو ہندو مسلم اتحاد کی پیداوار نہیں بلکہ مسلم اقتدار اور علاحدگی پسندی کی پیداوار ہے۔ اُردو تحریک کے اہم سالاروں نے صاف صاف پاکستان میں پہنچ کر کہا ہے کہ اُردو تحریک کا مقصد ملک کی تقسیم اور پاکستان کا قیام تھا۔ میں جان پر کھیل کر سوڈیڑھ سو صفحوں کا ایک کتابچہ لکھنا چاہتا ہوں۔ 'اُردو، ہندی اور ہندو' جس میں بے خوف ہوکر ان کے تمام اقوال جمع کردوں گا۔ مجھے کسی سے کوئی خوف نہیں اس کے بعد تمام اہلِ اُردو میرے خلاف ہو جائیں گے۔ انھیں جو کچھ کہنا ہے کہیں۔ میرا احساس ہے کہ اُردو میں ہندو صرف اسی طرح جی سکتا ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں کی خوشنودی پر نظر رکھے، ایسا کچھ نہ کہے جس سے وہ ناراض ہوں، ہر مسلم لیگی اُردو ادیب کی تعریف کرے اور ہر محبِّ وطن کی مذمت۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ کالی داس گپتا اور میں اس معاملے میں ہم خیال تھے۔

میں آپ سے تقریباً ایک سال بڑا ہوں۔ ہندستان کا آخری سفر کر آیا۔ بغیر پروگرام کے دو دن کے لیے بمبئی بھی گیا۔ آپ کے بارے میں کچھ یاد نہیں رہا ورنہ فون ہی پر بات کر لیتا۔ اب میری اور بیوی کی صحت اجازت نہیں دیتی کہ پھر ہندستان جائیں۔ دو مہینے کے حالیہ سفر میں ۱۳ شہروں میں گئے، جمّوں سے لے کر یوپی، دلّی، بھوپال، حیدرآباد، بنگلور، بمبئی، احمدآباد، جے پور وغیرہ۔ یوپی میں مظفرنگر، دہرہ دون، لکھنؤ، الٰہ آباد۔ تین سفر ریل سے کیے، کچھ کار سے اور بقیہ سب ہوائی جہاز سے۔ بڑی ہمّت کی کہ پورا سامان لیے گھومے۔

مامون ایمن سے میری پرانی ملاقات ہے۔

اس چٹھی میں کچھ لوگوں کے نام کچھ پوسٹ کارڈ اور اِن لینڈ لکھ کر رکھ رہا ہوں۔ براہِ کرم انھیں سپردِ ڈاک کرا دیجیے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

پس نوشت: ضروری۔ براہِ کرم رسالہ 'شاعر' ممبئی، بابت نومبر ۱۹۵۱ء سے قاضی عبدالودود کے مضمون 'غالب کی شاعری میں عورت کا تصوّر' کا زیراکس حاصل کر کے مجھے ہوائی ڈاک سے بھیج دیجیے۔ مجھے اس کی جلدی اور اشد ضرورت ہے۔ 'شاعر' کے اختراع میرا حوالہ دے دیجیے۔

گیان چند

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام پروفیسر جگن ناتھ آزاد

(۱)

۱۳۲، مالویہ نگر
بھوپال
۳۰رمئی ۱۹۶۰ء

برادرم تسلیم

آپ کا الفت نامہ ۲۱رمئی کو دلّی سے چلا اور ۲۳رمئی سوموار کو مجھے ملا۔ مشاعرہ ۲۲رمئی کو ہوا۔ مشاعرے کا دعوت نامہ میرے پاس بھی آیا تھا لیکن چوں کہ ریڈیو کا مکان میرے مکان سے بہت دور ہے اس لیے میں نے گھر پر ہی مشاعرہ سنا۔ دعوت نامہ میں آپ کا نام مذکور نہ تھا۔

دل کو دل سے تعلّق ہوتا ہے۔ عرصے سے میری بھی خواہش تھی کہ آپ سے ملوں۔ مشاعرے میں آپ کا نام سن کر جی چاہتا تھا کہ آپ سے اور عرشؔ صاحب سے ملوں لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کہاں ٹھہرے ہیں۔ آپ کا خط ملنے پر گمان ہوا کہ شاید آپ مجھ سے ملنے کو غریب خانہ پر آئیں گے۔ میرے مکان کا پتا کسی بھی اُردو والے سے چل سکتا تھا۔ آپ نہ آئے۔ شکایت کی بات ہے۔

۴-۵ جون کے قریب میں دلّی آرہا ہوں۔ نارنگ کے ساتھ آپ سے ملوں گا۔

مخلص

گیان چند

(۲)

به نام پروفیسر جگن ناته آزاد
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی
جمّوں
۲۴رمئی ۱۹۶۸ء

محبّی تسلیم

آپ کا کرم نامہ کئی دن پہلے ملا تھا۔سوچتا تھا کہ غالب کمیٹی کے بارے میں کچھ قطعیت سے معلوم ہو جائے تو آپ کو لکھوں۔ابھی تک معلوم نہ ہو سکا۔

عرصہ ہوا میں نے امرت ملہوترا سے زبانی کہا تھا۔انھوں نے جواب دیا تھا کہ آپ کو رکنیت کے بارے میں لکھ دیں گے۔

اس کے بعد آپ کا کرم نامہ آیا۔تب میں نے انھیں ایک چٹّھی بھیجی۔ان کے دفتر والوں نے بتایا کہ ملہوترا صاحب سری نگر گئے ہیں۔یہ چٹّھی سری نگر میں بھیج دی جائے گی۔

معلوم نہیں سری نگر میں وہ آپ سے ملے کہ نہیں۔کل پھر میں نے انھیں ایک خط بھیجا ہے۔ان کا جواب آئے تو معلوم ہو کہ کیا کیا۔

۳۰رمئی کو بنارس یونی ورسٹی میں اُردو ریڈر کا سلیکشن ہے۔میں اور گوپی چند نارنگ ماہرین کی حیثیت سے جائیں گے۔ڈاکٹر حکم چند نیّر اور ڈاکٹر امرت لال عشرت فارسی والے امیدوار ہیں۔یہ دونوں حضرات بنارس کے شعبۂ اُردو و فارسی کے ہیں۔

امید کرتا ہوں آپ کا مزاج بہ خیر ہو گا۔

اور آپ اس خوشگوار موسم میں اہل و عیال کو لے کر آئے ہوں گے۔

نیاز کیش

گیان چند

(۳)

بہ نام پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں

۲۰رجولائی ۱۹۷۲ء

محترم آزادؔ صاحب تسلیم

کرم نامہ ملا جس کے لیے ممنون ہوں۔یونی ورسٹی ۷راگست کو کھلے گی۔اس کے بعد ہی لکچروں کی تاریخ کے بارے میں اطّلاع دوں گا لیکن ایک خیال آتا ہے کہ ستمبر کے آخر تک یونی ورسٹی کے دفتر اور جماعتیں صبح کی ہوتی ہیں۔توسیعی خطبہ شام کو ہوتا ہے۔اس صورت میں

سامعین کا میسر آنا بہت مشکل ہے۔ ستمبر کے بعد کبھی لکچر ہوں تو بہتر رہے گا۔

یہاں ۴؍اگست کو ریڈیو میں مشاعرے کی خبر سنتے ہیں۔ آپ اس وقت تشریف لائیں گے تو مفصّل بات ہوگی۔

امید ہے مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

نیاز کیش

گیان چند

جناب جگن ناتھ آزادؔ صاحب

پریس انفارمیشن بیورو، ریزیڈنسی روڈ، سری نگر

(۴)

به نام پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ

654 A، گاندھی نگر

جمّوں

فون: آفس 3735

گھر 8828

۱۳؍اکتوبر ۱۹۷۲ء

آزادؔ صاحب محترم

کیا سرکاری مکان ملنے کا کوئی امکان نظر آتا ہے۔ (’مکان‘ اور ’اِمکان‘ میں تجنیس زائد ملاحظہ ہو)

میں نے پرسوں صبح پونے آٹھ اور رات پونے دس بجے آپ کو فون کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ گھر میں نہ تھے۔ خط کے ذریعے تکلیف دے رہا ہوں۔

آج وائس چانسلر ایک عرصے کے بعد دفتر آئیں گے۔ ان سے توسیعی خطبات کے بارے میں بات کروں گا۔

مجھے لکھیے یا فون کیجیے۔ میں آج کل پرائیویٹ مکان بھی تلاش کر رہا ہوں۔ ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ اگر سرکاری مکان کی خاصی امید ہو تو پرائیویٹ مکان میں نہ پھنسوں۔

مخلص گیان چند

(۵)

به نام پروفیسر جگن ناته آزاؔد
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی
جمّوں

۱۷؍جنوری ۱۹۷۳ء

محبِّ محترم تسلیم

ہمارے ڈین اسٹوڈنٹ ویلفیئر بی.ڈی.بل شرما شکایت کررہے تھے کہ آپ کو توسیعی خطبات کے لیے لکھا گیا لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ براہِ کرم توجہ کیجیے۔ وہ کہتے تھے کہ یونی ورسٹی دو خطبات کے لیے درخواست کررہی ہے۔ حالاں کہ اس سے پہلے ڈاکٹر بھان نے مجھے تین خطبات کی منظوری دے دی تھی۔ بہرحال دو ہی سہی۔ آپ اپنی سہولت کی تاریخوں سے مطّلع کیجیے۔ یہ چٹھّی dean student welfare کے نام بھیجیے کہ توسیعی خطبات کا شعبہ انھیں سے متعلّق کردیا گیا ہے۔

خادم
گیان چند

جناب جگن ناتھ آزاؔد صاحب
پریس انفارمیشن بیورو، ریزیڈنسی روڈ، سری نگر

(۶)

به نام پروفیسر جگن ناته آزاؔد
شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی
جمّوں

۲۲؍فروری ۱۹۷۳ء

محترم آزاؔد صاحب تسلیم

کرم نامہ چند روز پہلے ملا تھا۔ شکریہ۔ رجسٹرار یا ڈین اسٹوڈنٹ ویلفیئر کو بھی آپ کا جواب مل گیا تھا۔ آپ کی تواریخ یونی ورسٹی کو راس نہیں۔ ۲۶؍تاریخ کو ایک اور لکچر ہے۔ ۲۸؍کو شام کو سنڈیکیٹ کی میٹنگ ہے۔ اس لیے آپ براہِ کرم مارچ میں یہ لکچر رکھیے۔ آپ چاہیں تو

وائس چانسلر کے سکریٹری کو 5604 پر فون کر کے پوچھ لیں۔ چٹھی لکھنے پر یہ قباحت ہے کہ آپ کوئی تاریخ لکھیں گے وہ کوئی دوسری لکھیں گے۔ فون کر لیں تو بات صاف ہو جائے۔

سنا ہے یہاں ۲۱، ۲۲؍ مارچ کو نمایش میں سردار جعفری، جاں نثار اختر، ساحر، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، راجندر سنگھ بیدی، سلمیٰ صدیقی، عصمت چغتائی، ظ. انصاری آ رہے ہیں یا انھیں مدعو کیا گیا ہے۔ وائس چانسلر نے مجھ سے کہا ہے کہ ان سب کو یونی ورسٹی میں بلاؤں اور ان میں سے نثر نگاروں اور نقّادوں سے توسیعی لکچر کراؤں۔ ان کے پتے معلوم کر کے لکھوں گا۔

توسیعی خطبے میں سامعین کی تعداد کم تو ہوگی لیکن یہ اچّھا ہے۔ اس طرح صرف وہی آئیں گے جنھیں موضوع سے دل چسپی ہے۔

امید ہے مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۷)

به نام پروفیسر جگن ناتھ آزاد

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی

جمّوں

۲۰؍ اپریل ۱۹۷۴ء

برادرم

تہِ دل سے شکریہ۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ انعام دو کتابوں پر ملا ہے: 'تفسیرِ غالب' پر ایوانِ غالب سے پانچ ہزار کا اور 'لسانی مطالعے' پر یو پی اُردو اکیڈمی سے تین ہزار کا۔ آپ جیسے دوستوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

مخلص

گیان چند

(۸)

به نام پروفیسر جگن ناتھ آزاد

شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-500001
۳؍فروری ۱۹۸۴ء
محبِّ مکرّم تسلیم

دخترِ نیک اختر کی شادی خانہ آبادی کا نوید نامہ ۳۰؍جنوری کو ملا۔ تقریبِ سعید ۲۲؍جنوری کو تھی۔ آپ نے یقیناً اس سے پہلے چٹھی ڈالی ہوگی لیکن وہ ڈاک کی نذر ہوگئی۔ فریقین کی خوشی وشادمانی کے لیے اپنی دعائیں اور نیک تمنائیں پیش کرتا ہوں۔

میں نے سنا ہے کہ آپ ۳۱؍دسمبر کو جمّوں یونی ورسٹی سے سبک دوش ہوگئے۔ ۳۱؍جنوری کو عثمانیہ یونی ورسٹی میں اُردو کے بورڈ آف اسٹڈیز کی میٹنگ تھی۔ وہاں زینت ساجدہ اور رفیعہ سلطانہ (یا شاید ان میں سے کوئی ایک) اصرار کرنے لگیں کہ ''آزاد ابھی تک جمّوں یونی ورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ ہمارے پاس جو ان کی دختر کی شادی کا دعوت نامہ آیا ہے اس پر پروفیسر وصدرِ شعبہ کی مہر لگی ہے''۔

میں نے یہی کہا کہ میری اطّلاع کی حد تک وہ پروفیسری سے رٹائر ہوگئے ہیں۔ مہر کا استعمال قطعی دلیل نہیں۔

سنا ہے آپ کوئی انوکھی چیز fellow emeritus ہوگئے ہیں۔ professor emeritus تو سنا تھا یہ fellow emeritus کیا چیز ہے میں اس سے واقف نہیں۔

بہرحال کچھ بھی ہو جمّوں یونی ورسٹی کے اُردو کے طلبہ آپ سے استفادہ تو کر سکیں گے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

گاندھی نگر کا پن کوڈ معلوم نہیں۔ اندازے سے میں لکھ رہا ہوں۔

(۹)

بہ نام پروفیسر جگن ناتھ آزاؔد
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۲۲؍فروری ۱۹۸۴ء

محبِ مکرّم تسلیم

یکم فروری کے 'ہماری زبان' میں آپ کا مراسلہ پڑھا جس میں آپ نے 'بیکراں' کے تیسرے اڈیشن کی کاپی کی تلاش کی ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ یہ ۱۹۵۴ء میں مکتبۂ شاہراہ دہلی سے شائع ہوا تھا۔

میرے پاس تیسرا اڈیشن ہے۔ یہ نومبر ۱۹۵۶ء میں دہلی کتاب گھر نیا محلّہ، پُل بنگش، دہلی سے شائع ہوا ہے۔ پہلا اڈیشن نومبر ۱۹۴۹ء میں، دوسرا جولائی ۱۹۵۴ء میں اور تیسرا نومبر ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔ براہِ کرم بہ واپسی ڈاک لکھیے کہ یہ آپ کو کہیں سے ملا کہ نہیں۔ اگر نہیں ملا ہو تو میں فوراً بھیج دوں گا۔ واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ مصنف کے پاس ہر اڈیشن کی ایک کاپی رہنی چاہیے۔ جب چوتھا اڈیشن شائع ہو جائے تو اس کی ایک کاپی بھیج دیجیے۔

عجیب بات ہے کہ کتاب میں آپ کی طرف سے پیش کش کی تحریر اور دستخط نہیں حالاں کہ مجھے یقین ہے کہ یہ آپ ہی نے عطا کیا ہوگا۔

آپ کو معلوم نہیں کہ مجھے Leukemia یعنی سرطانِ خون ہے۔ ابھی ابتدائی زمانہ ہے۔ پچھلے سال امریکہ جانے پر معلوم ہوا۔ میں اگر دوپہر کو آرام نہیں کرتا تو تھکن ہو جاتی ہے۔ ۱۵رفروری کی سلیکشن کمیٹی میں مشغول رہنے کے سبب ۱۶رفروری کی صبح سر میں درد رہا۔ میں نے درد کی گولی کھا کر آرام کیا اور اس کے بعد یونی ورسٹی آ گیا۔ عثمانیہ میں آپ سے معلوم کیا تھا تو پتا چلا تھا کہ ۱۷اور ۱۸رفروری کو دونوں دن آپ صبح کو مصروف تھے، اس لیے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ہمارے شعبے میں آپ کا لکچر نہیں ہو سکے گا۔ ۱۷رفروری کو صبح پونے گیارہ بجے ایک صاحبِ علم کو آپ کے پاس بھیجا کہ آپ سے اور وہاب اشرفی سے ہمارے یہاں آنے کا وقت اور تاریخ طے کرے۔ اس بدھّو کو آپ نہ ملے۔ میں نے طلبہ سے کہا کہ شام کو عثمانیہ یونی ورسٹی گیسٹ ہاؤس میں جا کر آپ سے آنے کی درخواست کریں۔ آپ جس وقت بھی تشریف لانا چاہیں اسی وقت جلسہ مقرر کر دیں۔ ۱۸رفروری کو سنیچر تھا۔ میں عموماً سنیچر کے دن یونی ورسٹی نہیں جاتا۔ اس دن گیا اور اپنی گھر والی سے کہہ دیا کہ آج میں شام تک واپس آؤں گا۔ ۱۸رکی صبح یونی ورسٹی پہنچا تو طلبہ نے کہا کہ ان سے ربط قائم ہونے میں ناکام رہے۔ پھر آپ کا فون آیا تو معلوم ہوا کہ آپ مصروف ہیں۔ تشریف نہیں لا سکتے۔ نقصان ہمارا ہوا۔ شعبے کو آپ کی تقریر اور کلام سننے کا اعزاز نہ ملا۔ خیر یار زندہ صحبت باقی۔

’بیکراں‘ کے بارے میں جس دن گرامی نامہ ملے گا اس سے اگلے دن رجسٹرڈ بک پوسٹ سے ارسال کر دوں گا۔ آپ کے دولت خانے کے پتے میں گورنمنٹ کوارٹر کا نمبر معلوم نہیں ہے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

نیاز کیش

گیان چند

پروفیسر جگن ناتھ آزاؔد
شعبۂ اُردو، جموّں یونی ورسٹی
جموّں-۱۸۰۰۰۱

(۱۰)

به نام پروفیسر جگن ناته آزاؔد
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۲۷ر ستمبر ۱۹۸۴ء

محبِّ مکرّم تسلیم

پرسوں آپ کی گراں قدر تصنیف ’محمد اقبال: ایک ادبی سوانح‘ ملی۔ آپ نے نہ صرف کتاب سے نوازا بل کہ اس میں پیش کش کا جو جملہ لکھا اُس میں اس کم سواد کو جو جو اعزازات دیے اُن کو میں نے اپنے خزینۂ افتخار میں گلِ سرسبد کی حیثیت سے شامل کر دیا۔

لیکن میرے کرم فرما، یہ لطفِ مکرّر کیوں۔ آپ تو مجھے یہ کتاب پہلے ہی دے چکے ہیں۔ پہلی بار کے عطیے پر ۹ر گست ۱۹۸۳ء کی تاریخ پڑی ہے جب میں جموّں میں حاضر ہوا تھا۔ اب تلاش میں رہوں گا کوئی شخص جموّں جانے والا مل جائے تو ایک جلد آپ کو واپس کر دوں۔ یا پھر حیدرآباد میں کسی دوسرے کو دینا چاہیں تو مجھے لکھیے۔ میں آپ کی جانب سے اسے دے دوں۔

نوازشِ دوآتشہ کے لیے ممنون و مشکور ہوں۔

امید ہے مزاجِ سامی و گرامی بہ خیر ہوگا۔

مخلص گیان چند

(۱۱)

به نام پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۳۱/دسمبر ۱۹۸۵ء

محبِّ محترم تسلیم

آج کل میں اقبالؔ کے ابتدائی کلام کی تاریخی ترتیب fair کر رہا ہوں۔ایک ماہ میں مبیضہ مکمل ہو جائے گا۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ نے اقبالؔ کی رومانی زندگی کے بارے میں کسی رسالے میں مضمون لکھا تھا۔ براہِ کرم لکھیے وہ کون سا رسالہ اور کون سا شمارہ تھا۔ وہ پرچہ میرے پاس ہے لیکن کون سا ہے مجھے یاد نہیں۔اقبالؔ کی دو نظموں '...کی گود میں بلّی دیکھ کر' اور 'تسلیمیٰ' کے سلسلے میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔غالباً آپ نے ان محبوباؤں کے نام بھی لکھے تھے ممکن ہے مجھے پرچہ نہ ملے۔آپ ایک بار لکھ دیجیے کہ یہ نظمیں کن کے بارے میں ہیں۔ممنون ہوں گا۔

آپ کو نیا سال مبارک ہو۔

مخلص

گیان چند

(۱۲)

به نام پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ
گھر کا پتا: A 15،
Central University P.O.
Hyderabad-500134
۲۰/جنوری ۱۹۸۶ء

محبِّ گرامی تسلیم

میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ کا ایک مضمون 'اقبال کی رومانی زندگی پر' کسی رسالے میں چھپا تھا۔ وہ کون سا رسالہ اور اس کا کون سا شمارہ تھا۔معلوم نہیں خط آپ کو ملا کہ

نہیں، آپ جمّوں میں ہیں کہ نہیں۔ اب بات کو مرکوز کر کے پہنچتا ہوں کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اقبؔال نے ذیل کی نظموں میں کن محبوباؤں کا ذکر کیا ہے۔ تمام نظمیں قیامِ یورپ کی ہیں:
حسن وعشق:...کی گود میں بلّی دیکھ کر۔ کلی۔ وصال۔ سلیمیٰ۔ بانگِ درا میں نیز پیش کش بہ...روزگارِ فقیر جلد دوم ص ۳۴۴ پر اور باقیاتِ اقبال طبع سوم ص ۵۲۹ پر۔ اگر آپ کو معلوم ہے تو حوالے کے ساتھ لکھیے۔ کم از کم تین نظموں کے بارے میں ہی معلوم ہو جائے تو غنیمت ہے۔

۱- ...کی گود میں بلّی دیکھ کر ۲- پیش کش بہ... ۳- سلیمیٰ۔

یہ نظم پہلے 'لامکاں کا مکاں' کے نام سے چھپی تھی۔

جواب سے جلد نوازیے۔ اقبؔال کی رومانی زندگی پر دو تین کتابیں بھی لکھی گئی ہیں لیکن وہ مجھے نہ مل سکیں گی۔

آپ کی فراہم کردہ معلومات سے جہاں استفادہ کروں گا وہاں مناسب اعتراف ضرور کروں گا۔

آپ کو نیا سال مبارک ہو۔

مخلص

گیان چند

میں پورے ۱۹۸۶ء میں ایک سال کی Sabbatical leave پر ہوں لیکن حیدر آباد میں رہوں گا۔ جواب مندرجہ بالا گھر کے پتے پر بھیجیں تو زیادہ سہولت ہوگی۔

گیان چند

(۱۳)

به نام پروفیسر جگن ناتھ آزاؔد
A15، سینٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس
حیدرآباد-500134
۲۷؍جون ۱۹۸۶ء

محبِّ محترم تسلیم

آپ کا کرم نامہ چند روز پہلے ملا تھا۔ تہِ دل سے مشکور ہوں۔
یہاں کے اقبال سونیر میں اقبؔال کی نظم 'ہمارا دیس' (ترانۂ ہندی) بہ خطِ اقبؔال شائع

ہوئی ہے۔اس پر ۱۰راگست ۱۹۰۴ء کی تاریخ پڑی ہے۔ یہاں بہت معلوم کرنا چاہا کہ یہ نظم کہاں سے لے کر درج کی گئی ہے۔کسی نے نہ بتایا۔اب معلوم ہوا کہ رسالہ' آجکل' ۱۹۷۷ء میں آپ کا مضمون شائع ہوا تھا، اس میں یہ متن تھا۔ رسالے کا وہ شمارہ میرے پاس نہیں۔ کہیں تلاش کروں گا۔آپ سے درخواست ہے کہ براہِ کرم جلد مجھے اس کا ماخذ لکھ کر بھیجیں کہ آپ کو یہ نظم کہاں سے ملی۔ میں اقبال پر اپنی کتاب کی کتابت شروع کرانے والا ہوں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

نیاز مند

گیان چند

Prof. Jagan Nath Azad
A-25, Govt. Quarters, Gandhi Nagar
Jammu-180004

(۱۴)

بہ نام پروفیسر جگن ناتھ آزاد

شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-500001

۳۱ر دسمبر ۱۹۸۶ء

محبِّ مکرّم تسلیم

آپ کا ۲۲ر دسمبر کا کرم نامہ دو تین دن پہلے ملا۔شکریہ۔ میں اقبال کی ان دونوں نظموں کے وزن پر غور کر چکا ہوں اور ان کے بارے میں ایک مضمون 'اقبال کی مہارتِ عروض' رسالہ 'اقبال ریویو' حیدرآباد، بابت اپریل اکتوبر ۱۹۸۰ء نیز رسالہ 'اُردو' کراچی، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۰ء، شمارہ ۳ میں شائع کر چکا ہوں۔آپ کے پاس ان میں سے ایک یا دونوں پرچے ضرور ہوں گے۔ براہِ کرم دیکھ لیجیے۔آپ کے سوالوں کا جواب مل جائے گا۔

آپ نے اُردو کی دو نظموں کے جن مصرعوں کے خلفشار کی طرف توجہ دلائی ہے اُن نظموں میں ان کے علاوہ دوسرے کئی مصرعے بھی اسی انداز کے ہیں۔فارسی غزلوں کا مجھے علم نہ تھا۔وہ آپ سے معلوم ہوا۔

میں نے اقبال کا ۱۹۱۸ء کا خط نہیں دیکھا۔ میں نے اپنی کتاب کے سلسلے میں محض

۱۹۰۸ء تک کے خطوط ہی دیکھے تھے۔ 'انوارِ اقبال' میری یونیورسٹی لائبریری میں نہیں، اقبال اکیڈمی میں ہے۔ کسی دن وہاں جا کر دیکھوں گا۔ اس خط نے مجھے دوبارہ سوچنے پر مجبور کیا ہے۔ اب اس مسئلے پر غور کرتا ہوں تو میری سٹّی گُم ہو جاتی ہے۔

میں مروّجہ قدیم عروض کی زمانی آزادی کا قائل نہیں ہوں، موزونیت اور احساسِ ترنم کو ترجیح دیتا ہوں۔ جب خلیل بن احمد نے عروض کی تدوین کی تو اس نے اسے جاہلیت کے شعرا کے کلام سے اخذ کیا۔ کہیں کہیں کسی شاعر نے کسی مصرعے میں سکتہ کر دیا تھا، کوئی عروضی لغزش کر دی تھی۔ خلیل نے ان سب کو مستند مان کر انھیں صحیح ٹھہرانے کی کوشش کی اور یہ کہہ دیا کہ فلاں وزن میں فلاں رکن کی جگہ دوسرا فلاں متبادل (alternate) رکن بھی لانا جائز ہے، حالاں کہ موخر الذکر رکن موزونیت کا خون کرتا ہو۔

بہرحال قدیم عروض کو، جیسا کہ وہ ہے، لیں۔ ایک بحرِ منسرح (مُ نْ سَ رِح) ہے۔ اُردو میں اس کا ذیل کا وزن مقبول ہے۔ منسرح مثمن مطوی مکسوف یا موقوف مفتعلن فاعلن مفتعلن فاعلن ایک دوسرا وزن ہے۔

رجز مثمن مطوی مخبون مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

میرے پاس عروض کی جو کتابیں ہیں ان میں بحرالفصاحت (نجم الغنی)، قواعد العروض (قدر بلگرامی، بہت ضخیم کتاب)، چراغِ سخن از یاس یگانہ اور جوہر العروض از مرزا احمد شاہ بیگ جوہر مرادآبادی ہیں۔ جوہر العروض میں بحرِ منسرح کے وزن کے لیے لکھا ہے کہ اس میں مفتعلن کی جگہ مستفعلن، مفاعیلن یا مفعولن لا سکتے ہیں۔ بحرِ رجز کے وزن کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔

اقبالؔ کی دونوں نظمیں بحرِ رجز میں ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ جو آزادیاں (مختلف متبادل زحافات کا اجتماع) منسرح کے مفتعلن میں جائز ہیں وہ سب رجز کے مفتعلن میں بھی ہوں گی۔ اس بنا پر اقبالؔ کی نظموں کے جملہ مصرعے کتابی عروض کے لحاظ سے موزوں ہیں لیکن اب سوال آیا کہ کسی کتاب میں رجز میں ان زحافات کو جائز ٹھہرایا گیا ہے تبھی میں انھیں جائز کہوں۔

میرے پاس محقق طوسی کی 'معیار الاشعار' نیز اوجؔ کی 'مقیاس الاشعار' تھیں۔ یہ دونوں جمّوں کے شعبے میں ہیں۔ عابدؔ [عابدؔ پیشاوری] سے کہیے کہ انھیں دیکھے۔ یاسؔ نے 'چراغِ سخن' میں لکھا ہے کہ رجز کے وزن:

مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

میں کسی بھی رکن کوحسبِ خواہش مفتعلن ،مفعولن ،مفاعلن اور فاعلن کر سکتے ہیں،لیکن اس نے مستفعلن کی اجازت نہیں دی۔مفاعلن کی جگہ فاعلن لانا غضب ہے لیکن اس نے حوالہ دیا ہے 'مقیاس الاشعار' از اوجؔ کا۔ عابدؔ اس کتاب میں دیکھ کر بتائیں گویا یاسؔ یگانہ کے مطابق ذیل کے جملہ اوزان کا اجتماع جائز ہے۔

مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

چاروں مقامات پر حسبِ خواہش کسی ایک، دو یا تین ارکان کو مفتعلن ،مفعولن، مفاعلن یا فاعلن باندھ دینا۔ اقبالؔ نے متعدد مصرعوں میں پہلے یا تیسرے رکن کو مفعولن یا مفاعلن باندھا ہے۔ اوران سے بھی زیادہ مقامات پر مفتعلن کو مستفعلن باندھا ہے جس کی سند مجھے نہیں ملی۔ بہرحال 'مقیاس الاشعار' کو دیکھنا شرط ہے۔غربت کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے۔

مستفعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

اقبالؔ شاید اسی لیے کھٹکے ہوں گے کہ مفتعلن کو مفاعلن یا مفعولن کرنے کی سند تو ملتی ہے مستفعلن کرنے کی نہیں۔ براہِ کرم یہ خط عابدؔ پیشاوری کو پڑھوا دیجیے اور کہیے کہ 'مقیاس الاشعار' نیز 'معیارالاشعار' کو دیکھ دیں۔

میری کتاب 'کلامِ اقبال بہ ترتیبِ مہ وسال ۱۹۰۸ء تک' کے پچاس صفحات کی کتابت ہوئی تھی کہ مغنی صاحب نے کاتب کو اپنے رسالہ 'شعر وحکمت' کی کتابت پر لگادیا اور میرا کام رک گیا۔شاید جنوری کے آخر میں دوبارہ شروع ہوا۔

آپ کو نیا سال مبارک ہو۔

مخلص

گیان چند

(۱۵)

بہ نام پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۲۲ راپریل ۱۹۸۸ء

محبِّ محترم تسلیم

آپ حیدرآباد آئے۔ میں فاصلے کے سبب مل نہ سکا۔ اتّفاق سے اقبال اکیڈمی نے مجھے اس سال تقریبات کا دعوت نامہ بھی نہیں بھیجا تھا۔ آپ زحمت کر کے جو پیکٹ لائے وہ مجھے مل گیا۔ آپ کا تہِ دل سے مشکور ہوں۔

میری کتاب 'ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیبِ مہ و سال' شائع ہوگئی ہے۔ یہ ۱۹۰۸ء تک کے کلام کا احاطہ کرتی ہے۔ ناشر عبدالصمد خاں مالک حیدرآباد اُردو ریسرچ سنٹر ہیں، تقسیم کار ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دلّی۔ صفحات پونے پانچ سو، قیمت ۱۲۵ر روپے۔ آفسیٹ پر اچھّی چھپی ہے۔ میں نے ایجوکیشنل کو لکھ دیا تھا کہ کتاب آپ کو ڈاک سے بھیج دیں اور مصارف ڈاک کے بارے میں مجھے لکھ دیں، میں منی آرڈر کر دوں گا۔ ان کا کوئی جواب نہیں آیا۔ معلوم نہیں کتاب آپ کو ملی کہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب کے مناسب ترین مخاطب آپ ہی ہیں کہ آپ اس میں اصلاحیں کر سکتے ہیں۔ اگر کتاب ابھی نہ ملی ہو تو کسی کے ذریعے منگا لیجیے۔ آخری صورت یہ ہے کہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دلّی کو تقریباً نو روپے کا منی آرڈر بھیجنے کا کرم کیجیے کہ وہ کتاب آپ کو ڈاک سے بھیج دیں۔

میری لڑکی اور داماد امریکہ میں ہیں۔ ۸۳ء میں انھوں نے زادِراہ دیا تھا اور میں اور اہلیہ امریکہ گھوم آئے تھے۔ اس بار پھر وہ ٹکٹ دے رہے ہیں۔ مئی جون میں ہم لوگ امریکہ جائیں گے، براہِ جاپان۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۶)

بہ نام پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-500134

۲۳ر جولائی ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

میں نے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دلّی کو لکھا تھا کہ میری کتاب 'ابتدائی کلامِ اقبال بہ

ترتیبِ مہ وسال' کی ایک جلد آپ کو بھیج دیں۔ لکھیے آپ کو ملی کہ نہیں؟

میں اور اہلیہ گرمیوں کی چھٹیوں میں امریکہ ہو آئے۔ لڑکی نے وہاں سے ٹکٹ کی رقم بھیج دی تھی۔ امریکہ میں ایک آنکھ کا موتیا بند کا آپریشن کرالیا جو بہت اچھّی طرح ہو گیا۔ جاتے دفعہ دو دن کے لیے جاپان ٹھہرے تھے۔ سنا ہے میری اقبال کی کتاب پاکستان میں بھی چھپ گئی ہے۔ مجھے کوئی علم نہیں۔ آپ کو معلوم ہو تو لکھیے۔

آپ کی کتاب 'روداد اقبال' کب تک شائع ہوگی۔ انتظار ہے۔ رستوگی نے لکھا تھا کہ وہ اس کا انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ ساتھیوں کو سلام پہنچا دیجیے۔

مخلص

گیان چند

(۱۷)

به نام پروفیسر جگن ناته آزاد

A15، سینٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-500134

۸؍جنوری ۱۹۸۹ء

محّبی تسلیم

میری آنکھ اب بہت کچھ اچھّی ہے۔ آج چھٹیوں کا جواب دینا شروع کیا ہے۔ میں نے جمّوں یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو میں آپ کا کمرہ دیکھا تھا جو کتب و مسوّدات کے سبب واقعی ایک علم خانہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا اور بطورِ خاص آپ کی زیرِ تصنیف کتاب 'روداد اقبال' کی دو جلدوں کا تلف ہونا واقعی ایسا المیہ ہے جو زندگی کو بجھا کر رکھ دیتا ہے۔ میرے پاس آپ کی حسبِ ذیل کتابیں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی درکار ہو تو میں بھیج دوں: محمد اقبال، مرقعِ اقبال، تلوک چند محروم، آنکھیں ترستیاں ہیں، جنوبی ہند میں دو ہفتے، ریڈیو فیچر، ستاروں سے ذروں تک، وطن میں اجنبی، اجنتا، اُردو، رفیع صاحب کے مزار پر، ابوالکلام آزاد، شاعر کی آواز۔

ان میں سے اگر 'محمد اقبال' اور 'مرقعِ اقبال' میرے پاس رہنے دیں تو ممنون ہوں گا۔ بقیہ کتابوں میں سے جو آپ کے پاس نہ ہوں وہ بھیج دوں۔ یہ سب کتابیں آپ کی عطا کردہ

ہیں ممکن ہے کہ کئی اور بھی کتاب ہو لیکن سرِ دست نظر نہ آئی۔

جموں آنے کا کوئی پروگرام نہیں۔ اپریل ۸۹ء کے آخر میں رٹائر ہو رہا ہوں۔ بہ شرطِ حیات لکھنؤ یا دلّی بسنے کی سوچ رہا ہوں۔ ابھی مکان کہیں بھی نہیں ہے۔

امید ہے ۱۹۸۹ء آپ کے لیے ۱۹۸۸ء سے بدرجہا بہتر ثابت ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۱۸)

به نام پروفیسر جگن ناتھ آزاؔد

A15، سینٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-500134

۲۹؍جنوری ۱۹۸۹ء

محبِّ مکرّم تسلیم

آپ کا تازہ ترین مجموعہ 'گہوارۂ علم و ہنر' بہت دن پہلے ملا تھا لیکن میں اس کی رسید نہ بھیج سکا۔ بک پوسٹ چٹھی تک پر اب ۵۰ پیسے کا ٹکٹ لگتا ہے لیکن آپ نے کتاب بھی ۳۰ پیسے کے ٹکٹ سے بھیج دی اور آپ کے خلوص کے طفیل وہ مجھے بہ حفاظت مل گئی۔ شکریہ، صد شکریہ۔

کاش انتساب کے الفاظ کے ساتھ مریم سلگنیک کا فوٹو بھی لگا ہوتا تا کہ ہم بھی دور کے جلوے سے فیض یاب ہو سکتے۔

کتاب سے معلوم ہوا کہ آپ نے خوب خوب سیر کی ہے۔

مخلص

گیان چند

(۱۹)

به نام پروفیسر جگن ناتھ آزاؔد

A15، سینٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-500134

۱۰؍نومبر ۱۹۸۹ء

محبّی تسلیم

آپ کو دودو اعزازات کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ پہلی کشمیر یونی ورسٹی سے اعزازی ڈی لٹ ملنے کی، دوسری سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ کی۔ آپ دونوں کے مستحق تھے۔ اعزازی ڈگری خاص طور سے بہت بڑا اعزاز ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۲۰)

بہ نام پروفیسر جگن ناتھ آزاؔد

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

یکم نومبر ۱۹۹۴ء

محبِّ مکرّم تسلیم

آپ کی عنایت کردہ چار کتابوں کے دو سیٹ ملے۔ ابھی آپ نے لکھا نہیں کہ دوسرا set کس کے لیے ہے، غالبًا رام لعل کے لیے ہوگا۔ ممکن ہے ایک آدھ دن میں آپ کا خط آ جائے۔

آپ کی اس عنایتِ بے غایت کے لیے بہ تہِ دل سے ممنون ہوں۔ آپ نے کتنی زحمت اور کتنا مالی بار اٹھایا، میں محجوب ہوں۔ آج کل اپنی کتاب 'اُردو کی ادبی تاریخیں' کو مکمّل کرنے میں لگا ہوں۔ اس سے فارغ ہو کر اگلے سال، بہ شرطِ حیات، آپ کی تخلیقات کے کسی پہلو پر ایک مضمون ضرور لکھوں گا۔ یہ کام ۱۹۹۵ء کے نصفِ اوّل میں کروں گا اگر زندہ رہا۔ بھوپال کے اقبال سمینار میں جانے سے میں نے معذرت کر لی ہے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۲۱)

بہ نام پروفیسر جگن ناتھ آزاؔد

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۲۳/نومبر۱۹۹۴ء، شام

محبِّ گرامی تسلیم

دونوں کرم نامے ملے۔شکریہ۔آپ کو دوسری بار اعزازی ڈی لٹ ملنا مبارک ہو۔یہ قندِ مکرّر رہے۔

رام لعل کو کتابوں کا سیٹ دے دیا ہے۔اب ان کی صحت بالکل اچھّی ہے۔وہ خطوں کا جواب خود لکھ سکتے ہیں۔

'مہرشی درشن' کا میں نے کبھی نام بھی نہیں سنا۔اگر کسی لائبریری میں دکھائی دے گئی تو آپ کو مطّلع کروں گا۔ظہور کی ترقّی پر بہت خوشی ہوئی۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۲۲)

به نام پروفیسر جگن ناته آزاد

9/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۱۰/جنوری۱۹۹۶ء

محبِّ محترم تسلیم

امید ہے آپ باہر کے سفروں سے واپس آ گئے ہوں گے۔آپ کو نیا سال صحت و کامرانی کے ساتھ مبارک ہو۔

میں نے اور سیّدہ جعفر نے شرکت میں ایک کتاب 'تاریخِ ادبِ اُردو جلد اوّل ۱۷۰۰ تک' ترقّی اُردو بیورو کے لیے لکھی تھی۔سات آٹھ سال سے ان کے پاس زیرِ طبع ہے۔میں نے انھیں لکھ دیا کہ اس میں اشاریہ بھی ہونا چاہیے اور یہ دفتر کا کام ہے کیوں کہ دونوں مصنّفین کے ابواب کا ایک ہی اشاریہ ہوگا۔اس غدر کو لے کر کتاب کی طباعت تعطّل میں پڑی معلوم ہوتی ہے۔میرا خیال ہے کہ آپ ترقّی اُردو بیورو کے نائب صدر ہیں یا اہم رکن ہیں، کبھی دہلی

جائیں تو بیورو سے کہیں کہ کتاب جلد شائع کردیں، اگر اشاریہ تیّار کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے بغیر ہی سہی۔

میں نے ایک مجموعۂ مضامین یعنی تبصروں پر مشتمل 'یہ کتاب' کے نام سے انجمن ترقّی اُردو (ہند) میں اشاعت کے لیے داخل کیا تھا۔ خلیق انجم نے اس کی موصولی کے بعد مجھے لکھا کہ وہ تین مہینے میں چھاپ دیں گے۔ بعد میں وہ ادبی کمیٹی کے کسی ممبر کے پاس گیا تو آخرالذکر نے بتایا کہ انجمن مضامین کے مجموعے شائع کرنے کے خلاف ہے اس لیے اس کتاب کو شائع نہیں کیا جا سکتا۔ خلیق انجم مجھ سے بہت شرمندہ ہوئے لیکن میں نے انھیں لکھا کہ آپ نے چشمِ عنایت سے کام لیا۔ اگر کسی وجہ سے انجمن شائع نہیں کرسکتی تو اس میں آپ خفّت محسوس نہ کریں اور مسوّدہ واپس کردیں۔ میرا خیال ہے کہ چوں کہ تمام مضامین ایک موضوع پر ہیں اس لیے ان کو شائع کرنا ممکن ہونا چاہیے۔ ذرا آپ بھی اس معاملے پر نظر ڈال لیجیے۔

میرے پاس بہت سے مضامین ہوگئے ہیں جن کے دو تین مجموعے تیّار ہوسکتے ہیں لیکن میری ہوس اس سے کہیں زیادہ ہے۔ سوچتا ہوں کہ ہلکے مضامین کو نظر انداز کرکے منتخب مضامین کا سلسلہ تیّار کروں جو اٹھ جلدوں پر مشتمل ہوگا اور اس کا نام 'مضامینِ گیان چند' ہوگا۔ اس میں مضامین کو موضوع کے اعتبار سے گروہ بند کروں گا مثلاً تخلیقی، غالبیات، لسانیات، تنقیدی وغیرہ۔ کیا انھیں چھاپنے کے لیے کسی ناشر کا انتظام ہوسکتا ہے؟ چوں کہ اب میرے لیے روپے میں کوئی دل کشی نہیں رہی اس لیے اگر اُردو کا کوئی ادارہ مثلاً انجمن ترقّی اُردو، محروم لٹریری سوسائٹی اس کے لیے تیّار ہو تو میں کسی معاوضے کے بغیر پورا کاپی رائٹ دینے کو تیّار ہوں یعنی مجھے کوئی پیسہ نہ دیا جائے صرف دس کاپیاں دے دی جائیں۔ اگر میں پرائیویٹ ناشر مثلاً ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی سے درخواست کروں تو بغیر رائلٹی کے وہ فوراً تیّار ہو جائیں گے لیکن میں اُردو کے ادارے کو تو مفت میں حقوق دے سکتا ہوں، کسی نجی ناشر کو نہیں۔ مضامین میں مَیں برائے نام ترمیم و اصلاح کروں گا۔ لکھیے کیا اس کی کوئی صورت ذہن میں آتی ہے؟ دراصل اس سلسلے کی ضرورت پاکستان میں شائع ہونے کی ہے کیوں کہ وہاں میرا کوئی مجموعۂ مضامین شائع نہیں ہوا۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج مع الخیر ہوگا۔

مخلص گیان چند

(۲۳)

به نام پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ
9/25،اندرانگر
لکھنؤ-226016
۱۹؍جون ۱۹۹۵ء

محبِّ محترم تسلیم

ایک بار میں نے آپ سے کہا تھا کہ فرصت ہونے پر آپ پر لکھوں گا۔ اب اس کی نوبت آ گئی۔ میں نے ایک مضمون لکھا ہے ’(جگن ناتھ) آزادیات کا کچھ تاثراتی، کچھ تنقیدی مطالعہ‘‘۔ اس میں آپ سے متعلّق چار کتابوں اور تین رسالوں کے مشمولات کا جائزہ لیا ہے۔ مضمون ۲۰ فُل اسکیپ صفحوں پر ہے جو کتاب کے ۳۵ صفحوں پر آئے گا۔ میں نے اس کی صاف نقل تیّار کر لی ہے۔ اس میں ۹۵%-۹۰ تحسین ہے تو ۵% یا ۱۰% اختلاف بھی ہے۔ امید ہے آپ ادبی اختلاف کو برداشت کر لیں گے۔

اسے کہاں شائع کراؤں۔ خلیق انجم کے مرتّبہ مجموعے کی جلد دوم آئے تو اس میں شامل کراؤں لیکن برسوں تک انتظار نہیں کر سکتا۔ اتنا طویل مضمون کون سا رسالہ شائع کرے گا۔ اگر ’اُردو ادب‘ کا شمارہ نکلنے کو ہو تو وہ مناسب رہے گا۔ کیا اسے کہیں پاکستان میں شائع کرانے میں مدد دیں تو میں اس کی دو کاپیاں کرا کے آپ کو بھیج دوں۔

معلوم ہوا کہ آپ کی پہلی رفیقۂ حیات شکنتلا کا ۱۹۴۶ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ آپ نے دوسری شادی کی ہوگی۔ دوسری اہلیۂ محترمہ کو پستان کا کینسر تھا۔ اب ان کی صحت کیسی ہے۔ یہ میں جان کاری کے لیے پوچھ رہا ہوں، مضمون سے اس کا کوئی تعلّق نہیں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

آپ کا مخلص
گیان چند

(۲۴)

به نام پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ
9/25،اندرانگر

لکھنؤ-226016

۵؍دسمبر۱۹۹۵ء

محبِّ گرامی قدر

کل آپ کا ۲۸؍نومبر کا والا نامہ مع ملحقات کے ملا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی۔ آپ مجھ کم سواد کی تحریر کو جس طرح اعزاز دے رہے ہیں وہ آپ کی محبت اور میری خوش بختی پر دال ہے۔

خلیق انجم کی کتاب 'جگن ناتھ آزاد: حیات اور ادبی خدمات' جلد اوّل میرے پاس ہے۔ آپ ہی کا دیا ہوا تحفہ ہے۔

یہ خط آپ کو سفر سے واپسی کے بعد ملے گا۔ چوں کہ اس میں کوئی جواب طلب بات نہیں اس لیے یہ جمّوں میں دولت کدے میں آرام کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

امید ہے مزاجِ سامی بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

بہ نام جمیل الدّین عالؔی

(۱)

23 NEVADA
IRVINE-CA-92606 (USA)

۱۸/اپریل۱۹۹۹ء اتوار

محبِّ مکرّم تسلیم

آپ کے بارے میں خبریں پڑھتا رہتا ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے آپ کو کوئی بڑا خطاب ملا نشانِ امتیاز یا ستارۂ امتیاز یا نشانِ پاکستان۔ میں تو پاکستان کے خطابات کی درجہ بندی بھی نہیں جانتا۔ چند روز پہلے خبر پڑھی کہ آپ کے نواسے سلمہٗ کی شادی ہوئی ہے۔ دونوں خبروں سے خوشی ہوئی۔ آپ کو مبارک باد دیتا ہوں، لیکن آپ کے نواسے کی شادی کی خبر سن کر حیرت ہوئی، رشک ہوا۔ آپ تو ابھی جوان دکھائی دیتے ہیں، آپ کے نواسے شادی کی عمر کے کیوں کر ہو گئے۔ آپ عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں۔ مالک رام کے 'تذکرۂ ماہ وسال' کے مطابق آپ کی تاریخِ ولادت یکم جنوری ۱۹۲۶ء ہے۔ معلوم نہیں یہ اصلی تاریخ ہے یا سرکاری تاریخ۔

میرے لڑکے نے پرانا مکان فروخت کر کے یہ بڑا نیا مکان بنوایا اور ہم دسمبر میں اس میں آ گئے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ امریکہ میں بڑے شہروں کو کن حقوق میں تقسیم کر کے علاحدہ شہر کا status دے دیا جاتا ہے۔ چنو ہلز کی طرح اَروائن بھی لاس اینجلس کی ذیلی بستی ہے۔ یہ شہر orange county یعنی جنوبی کیلی فورنیا میں۔

انجمن ترقّی اُردو پاکستان نے مجھے بہت سی بیش بہا کتابیں دان کیں۔ میں بہت متاثر ہوا۔ کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ شاید میرا ایک یا دو مجموعہ ہائے مضامین انجمن شائع کرے گی۔ میں ان کا معاوضہ نہ لوں گا۔ اپنی محسن انجمن سے کیا حساب کتاب۔ انجمن ترقّی اُردو (ہند) سے تو میں ایک بھی کتاب مفت نہیں لے سکتا۔

آپ سیاست میں بھی اعلا مدارج تک پہنچ چکے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں آپ کا تعلق کس جماعت سے ہے، غالباً متحدہ قومی محاذ سے ہے۔ میں مذہبی آدمی نہیں۔ زندگی کے آخر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندو مسلمان اور ہندستانی پاکستانی کا فرق اور امتیاز بے معنی ہے۔ حاشا اس

سے میری مراد یہ نہیں کہ یہ فرقے یا ملک اپنی علاحدہ حیثیت اور تشخص چھوڑ کر ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں۔ وہ اپنی حیثیت برقرار رکھیں لیکن ایک دوسرے سے لاگ اور کد نہ رکھیں۔ آپ سے میری درخواست ہے کہ اپنی کسی تقریر یا تحریر میں کوئی ایسا بیان نہ آنے دیں جس سے ہندو اور مسلمان یا ہندستانیوں اور پاکستانیوں کے بیچ تفرقہ بڑھے۔ ہمیشہ دونوں فریقوں کے اتحاد کی کوشش کرتے رہے۔ آخر مشفق خواجہ اور آپ جیسے مہربانوں کے ہوتے میں مسلمان یا پاکستانی کو کس طرح غیر سمجھوں، خدا (جس کے وجود کا میں نہ قائل ہوں نہ منکر) آپ کو خرّم و کامراں رکھے۔

آپ کا مخلص گیان چند

(۲)

به نام جمیل الدین عالی

23 NEVADA

IRVINE-CA-92606 (USA)

۲۳/اگست ۲۰۰۰ء

محبِّ محترم تسلیم

پچھلے مہینے لاس اینجلس میں آپ سے تجدیدِ ملاقات پر میں بہت خوش ہوں۔ حسبِ سابق آپ کو میرے حال پر مہربان پایا۔ میں نے جو اپنی غالبؔ سے رشتے داری کی بات کہی تھی وہ محض مذاق یا لطیفہ تھی۔ حمیدہ سلطان ایک بار جمّوں آ کر میرے یہاں ٹھہری تھیں۔ ان سے مراسلت میں مَیں نے اپنی اور ان کی عزیز داری ٹٹولی تھی۔ میں اسے غالبؔ کی بیوی کے بھانجے عارف کے ذریعے قائم کرتا ہوں۔ مرکزی کڑی باقر علی خاں کامل اور بگّا بیگم ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ غالبؔ کا عارف سے کوئی جدّی رشتہ بھی ہے لیکن اس کی تفصیل معلوم نہیں۔

میں جلسے میں آپ کی تحسین میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن مجھے وقت ہی نہیں دیا گیا۔ ناظمِ جلسہ کی اس بدتمیزی کی وجہ سے میں نے طے کیا ہے کہ نیّر جہاں کی تقریبوں میں حتی الامکان کچھ نہ بولوں گا۔

میں نے آپ کے جو دوہے دیکھے ہیں (دراصل بہت کم دیکھے ہیں) وہ سب سرسی کے وزن میں ہیں، دوہے کے وزن میں ایک بھی نہیں۔ آپ نے کہے ضرور ہوں گے۔ تقریب

میں گو میں نے دوہے کے وزن میں لچک کی بات کی تھی لیکن دل سے میں اس کا قائل نہیں۔ رباعی کی طرح دوہے کا وزن بھی مقرر اور کسا ہوا ہے۔ اس کے باہر جو بھی کچھ کہا جائے گا وہ دوہا نہیں کہا جا سکتا، اسے سرسی کا فرد یا کچھ اور کہہ سکتے ہیں۔ دوہے کا بنیادی وزن یہ ہے:

فعلن فعلن فاعلن فعلن فعلن فاع ۱۳+۱۱:۲۴ ماترائیں

سرسی کا وزن ہے:

فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فاع ۱۶+۱۱:۲۷ ماترائیں

دونوں میں فعلن فعلن کی جگہ ان کے متبادلات مثلاً فعل فعولن، فعلن فعلن، فعلن فعلن، فعل فاعلن، فعل فعولن بھی آ سکتے ہیں۔ میری رائے میں آپ آیندہ محض ۲۴ ماتراؤں کے دوہے لکھا کریں۔

'حرفے چند' کی جلد بھیجنا کافی زحمت طلب ہوگا۔ ہوائی ڈاک کا محصول کتاب کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہو جاتا ہے۔ اگر آپ بھیجنا ہی چاہیں تو کوئی بہتر جلد sea mail سے بھیجیں۔ محصول زیادہ نہیں ہوگا۔ تین چار ماہ میں پہنچ جائے گی۔

ایک سابق خط میں مَیں نے جو آپ کو لکھا تھا کہ اپنے قلم سے ایسا کچھ نہ لکھیے جس سے ہندو پاکستان کے بیچ فصل بڑھے، اس کا پس منظر یہ تھا کہ تقسیم کے بعد انجمن ترقّی اُردو پاکستان اور وہاں کے اُردو تحریک کے سالاروں کا یہ کہنا ہو گیا ہے کہ تقسیمِ ملک سے قبل کی اُردو تحریک کا مقصد پاکستان کو قائم کرنا تھا اور اُردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے، غیر مسلموں کا اس کے فروغ میں کوئی حصہ نہیں۔ انجمن سے ڈاکٹر معین الدین عقیل کا مقالہ 'جنگِ آزادی میں اُردو کا حصہ' شائع ہوا تو اس کے حرفے چند میں آپ نے لکھا:

> ''انھوں نے انجمن ترقّی اُردو، مولوی عبدالحق کی ان تاریخ ساز سرگرمیوں پر بہت ہی مختصر انداز میں تبصرہ کیا ہے جو ہماری جنگِ آزادی اور بطورِ خاص تقسیمِ ہند کے سلسلے میں کوئی مورّخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہمارے لیے تحریکِ آزادی آخری تجزیے میں کیا ہے؟ قیامِ پاکستان۔ اور قیامِ پاکستان کے لیے انجمن اور مولوی صاحب نے جن عظیم مشکلات میں طاقت ور عناصر کے خلاف اُردو سے جس طرح کام لیا ہے، اس کی کہانی بھی تفصیلی طور پر اس کتاب کی زینت بنتی تو اس کی

افادیت میں بڑا اضافہ ہوتا''۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب 'اُردو، قومی یک جہتی اور پاکستان' کے مقدمے میں آپ نے لکھا:

''اُردو نے تحریکِ پاکستان کی راہ میں قومی یک جہتی کے لیے جو کردار ادا کیا وہ فاضل مصنف ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی زیرِ نظر کتاب سے ثابت ہے۔ اُردو قیامِ پاکستان کا ایک اشتراکِ مذہب کے بعد غالباً سب سے بڑا محرک ثابت ہو چکی ہے''۔ (ص ۲۳)

غالباً ۱۹۷۵ء میں مَیں دس دن تک جے پور میں رہا۔ آخر دسمبر کی بات ہے۔ وہاں نواب لوہارو (غالباً امین الدین احمد خاں) سے ملاقاتیں ہوئیں۔ بعد میں انھوں نے مجھے اپنی ایک مثنوی اور ایک کتاب بھی بھیجی۔ کیا وہ بگّا بیگم کی بیٹی فاطمہ سلطان بیگم عرف بندو بیگم (زوجۂ بشیر الدین احمد خاں) کی بیٹی فخر سلطان بیگم (زوجۂ نواب امیر الدین اعظم) کے بیٹے نواب امین الدین احمد خاں شان والیِ لوہارو ہیں۔ آپ فخر سلطان بیگم کے شوہر امیر الدین اعظم مرزا کے بھائی ہیں؟ ذرا مجھے سمجھا کر لکھنے کا کرم کریں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ نے اپنے دولت خانے میں ڈرائنگ روم میں کوئی نقشہ یا چارٹ لگا رکھا ہے جس میں آپ کی اور غالبؔ کی رشتے داری سلجھا کر بیان کی ہے۔

پھر آپ کو چھیڑوں۔ شیخ اکرام نے 'غالب نامہ' یا 'آثارِ غالب' میں غالبؔ کے قیامِ زنداں کے سلسلے میں لکھا ہے:

''جب آگرے کے ایک اخبار نے مرزا کا ذکر کرتے ہوئے انھیں خاندانِ لوہارو کا رشتے دار ظاہر کیا تو یہ بات ان لوگوں پر بہت شاق گزری اور بہ اہتمام و تکلف اس کی تغلیط کرائی۔ یہ لکھوایا گیا کہ مرزا صاحب سے خاندانِ لوہارو کا کوئی سببی تعلّق نہیں، محض دور کا نسبتی تعلّق ہے''۔ (لکھنؤ اڈیشن، ص ۴۴)

غالبؔ نے شعر لکھا:

بسکہ خویشاں شدہ بیگانہ ز بدنامیِ من
غیر نشگفت، خورد گر غمِ ناکامیِ من

میں نے ۳؍اگست کو ہرنیا کا آپریشن کرایا۔ یہ میرا چھٹا آپریشن تھا ہرنیا کا۔ چار ہندستان میں ہوئے، دوامریکہ میں۔ دائیں اور بائیں دونوں طرف تین تین بار۔ میں جو قاضی عبدالودود پر کتاب لکھ رہا ہوں ایسی ہی مکروہات کی وجہ سے مکمّل نہیں ہو پارہی۔ اگلے مہینے ضرور ہوجائے گی۔ تقریباً سات سوصفحوں کی ہوگی۔ آپ نے جوازراہِ الفت اسے شائع کرنے کی پیش کش کی اس کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں۔ انجمن ترقّی اُردو پاکستان کے مجھ پر جو احسانات ہیں انھیں ع: 'دلِ من داند ومن دانم، وداند دلِ من'۔ جیسا کہ میں نے مشفق خواجہ سے فون پر کہا میں انجمن سے اس کی اشاعت کی کوئی رائلٹی نہ لوں گا۔ اپنے محسن سے روپیہ کیسے لوں۔

اتّفاق سے میرے پاس 'بادبان' کراچی کا شمارہ نمبر۶ آ گیا، اس میں ص ۲۸ پر 'مشفق خواجہ اور عالی صاحب' کا نام لے کر لکھا ہے کہ ادبی سیاست کے ان دو آزمودہ کار پنڈتوں کی رضا کے بغیر تو انجمن میں میں کسی محبوس پرندے کو بھی پھڑ پھڑانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس میں دو اور ترکیبیں ہیں 'سادیت پرست بگلا بھگتوں'، 'ادب مافیا'۔ میں نے رسالے کو اصرار کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ آیندہ مجھے پرچہ نہ بھیجیں کیوں کہ میں اس کی نہ قلمی معاونت کرسکوں گا نہ مالی معاونت۔ اگر میری فنی کتاب چھاپنے پر کوئی اعتراض کرے کہ ایک شخص کی کتابیں کیوں شائع کررہے ہیں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی مالی معاوضہ لینے کو تیّار نہیں۔ میری تو یہ کیفیت ہے کہ آپ، مشفق خواجہ اور آپ کے تقریباً ہم نام جمیل جالبی کی وجہ سے میں نے اپنے سینے کے ایک حصّے میں پاکستان کو اور دوسرے میں ہندستان کو چھپایا ہوا ہے۔ جس ملک اور قوم کے آپ جیسے شہری ہیں میں اُس ملک، قوم اور ملّت کے لیے دل میں عناد کو جگہ نہیں دے سکتا۔

میں نے خط میں مزخرفات کا دفتر کھول دیا ہے۔ کوئی جواب طلب بات نہیں۔ آپ مصروف آدمی ہیں، فوری جواب کی ضرورت نہیں۔ جب آپ کو بہت فرصت ہوگی تو چاہیں تو دو چار حرف لکھ دیجیے۔

امید ہے آپ کا مزاج مع الخیر ہوگا۔

آپ کا مخلصِ نیازمند
گیان چند

بہ نام حبیب الرحمٰن
(ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری، پٹنہ)

23 NEVADA
IRVINE-CA-92606 (USA)

۱۰/مارچ ۲۰۰۱ء

مکرّمی تسلیم

چند مہینے پہلے میں نے قاضی عبدالودود کے مضامین کے متعلّق کئی استفسارات آپ کو بھیجے تھے۔ یکم نومبر ۲۰۰۰ء کو آپ کے اسسٹنٹ لائبریرین صاحب نے جواب لکھا کہ استفسارات بہت ہیں، ان کے جواب قسطوں میں بھیجیں گے۔ میں نے لکھا کہ سب کے جواب ایک ساتھ ہی لکھ دیجیے تاکہ ڈاک کا صرفہ بار بار نہ ہو۔ اس کے بعد ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ خیر، میں نے قاضی صاحب پر اپنی ضخیم کتاب کبھی کی مکمّل کر لی ہے۔ کئی ماہ سے اس کی تبییض کر رہا ہوں۔ اگلے مہینے ہندستان اور پاکستان کے ناشرین کو بھیج دوں گا۔

میری راے میں میرے جملہ استفسارات کا جواب، المِاریوں میں معاصر اور خدا بخش جرنل کے شماروں کو دیکھ کر دیا جاتا تو دو گھنٹے سے زیادہ وقت نہ لیتا۔

اس وقت یہ رقعہ میں نے اس کے لیے نہیں لکھا۔ ڈاکٹر مختارالدین احمد نے مجھے لکھا ہے کہ میں ادارۂ تحقیقاتِ اُردو، پٹنہ کے بارے میں بھی کچھ لکھوں۔ میں اس کے بارے میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اس کی طرف سے قاضی صاحب کی کچھ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اگر ادارے کی کوئی رپورٹ ایسی ہو جس میں اس کا تعارف اور کاموں کی تفصیل ہو تو بھیجنے کی زحمت کریں۔ میں اس پر صرف ایک دو صفحے ہی لکھنا چاہوں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

نیاز مند

گیان چند

یہ letter-head اور اس کے بڑے سائز کے دو مزید pad علی گڑھ سے ڈاکٹر مختارالدین احمد نے مجھ سے پوچھے بغیر غلط چھپوا کر ہوائی ڈاک سے مجھے بھیج دیے۔ سڑک اور شہر کا نام ملا کر لکھ دیا۔ فون نمبر اور ای میل کا پتا نہ دیا۔ (گ۔چ)

بہ نام حمیدہ سلطان

یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۶؍اکتوبر ۱۹۸۳ء

محترمہ تسلیم

علی منزل کوچہ پنڈت دہلی سے کسی نے ۸؍مئی کو مجھے خط لکھ کر نہال چند لاہوری کی مذہبِ عشق کے بارے میں کچھ استفسار کیا۔ خط washable royal blue روشنائی سے لکھا تھا جس کا نصف حصہ پانی سے دُھل گیا۔ اب نہ یہ معلوم ہو پاتا ہے کہ خط کس نے لکھا تھا نہ یہ کہ وہ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

ممکن ہے یہ خط آپ کا ہو۔ براہِ کرم لکھیے کہ آپ کو (یا خط کے اصل مکتوب نگار کو) کیا مقصود ہے۔

میں اپنی اہلیہ کے ساتھ ۱۴؍مئی تا ۱۴؍جولائی لندن، امریکہ اور کناڈا گیا تھا۔ واپسی پر یہ خط ملا۔ چوں کہ مکتوب نگار کا پتا نہ تھا اس لیے میں پیشتر نہ لکھ سکا۔

اندور کے جو ہندو حضرات میرے دور کے عزیز ہیں اور جنھوں نے آپ کی کسی عزیزہ سے شادی کی ہے اُن سے لے کر غالب تک کے واسطے مجھے لکھ بھیجیں تو کرم ہوگا۔

امید ہے مزاجِ گرامی بہ خیر ہوں گا۔

مخلص

گیان چند

Ms. Hamida Sultana
President, Anjuman Taraqqi Urdu, Delhi
Ali Manzil, 4503, Kucha Pandit, Delh-110006

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام پروفیسر حنیف نقوی

Professor's Colony, Bhopal
۲۶؍مئی ۱۹۵۶ء☆

عزیزی نقوی صاحب، دعاہا۔

مثنوی 'ترانۂ غریب' اور 'ضوابط عشّاق عرف دلآویز' میری دیکھی ہوئی تھیں۔ ان کے notes میرے پاس ہیں۔ 'ترانۂ غریب' کا نام میرے پاس 'ترانۂ غیب' لکھا تھا۔ آپ اپنے نسخے میں ایک بار اور دیکھ لیجیے۔ غالباً 'ترانۂ غریب' ہی زیادہ موزوں نام ہے۔

آپ کے تحریر شدہ اُردو تذکرے بھوپال میں سب موجود ہیں۔ کیا آپ ان میں سے 'گلشنِ بے خار' اور 'انتخابِ یادگار' کو فروخت کرنا پسند کریں گے۔

(۱) کلیاتِ انؔشا میں دیکھیے۔ چھوٹی بڑی کُل کتنی مثنویاں ہیں۔ کیا آٹھ ہیں یا زیادہ ہیں۔ ان میں سے 'مثنوی شکایتِ زمانہ' کے کچھ اچھے اشعار نقل کر دیجیے۔ کیا اس کے علاوہ کوئی اور عشقیہ مثنوی بھی ہے۔ سب مثنویوں کے نام لکھ دیجیے۔ کیا 'شکایتِ زمانہ' میں کچھ اشعار فحش ہیں۔ کیا مثنوی فیل، یا چنچل پیاری ہتھنی کی داستان میں نر اور مادہ فیل کی جفتی کا بیان ہے۔ بھوپال جب آئیں 'کلیاتِ انؔشا' اور مثنوی 'کیدِ فرنگ' لیتے آئیے۔

(۲) 'اودھ پنچ' کے کتنے پرچے آپ کے پاس ہیں اور کس کس سال کے ہیں۔ ہمارے اُردو کے لکچرر ابو محمد صاحب 'اودھ پنچ' پر کام کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے یہ معلومات درکار ہے۔

(۳) کیا آپ کے پاس مصؔحفی کے شاگرد ہوسؔ لکھنوی کا دیوان ہے۔ یہ ہوسؔ وہی ہیں جنھوں نے 'لیلیٰ مجنوں' لکھی۔

منؔیر کی 'معراج المضامین' میرے ایم.اے کے کورس میں تھی۔ یہ مثنوی اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ اس کا انتخاب کورس میں تھا۔ انتخاب بھی کئی ہزار اشعار کا ہے۔ اس کے علاوہ

☆ لفافے پر ۲؍مئی کی مہر ہے جب کہ پروفیسر صاحب نے ۲۶؍مئی، بہ قلم خود لکھا ہے، لیکن سال نہیں لکھا ہے۔ نقوی صاحب نے اس خط پر نمبر شمار (ایک) درج کیا ہے۔ (عباس)

رام پور میں مَیں نے 'معراج المضامین' کا وہ قلمی نسخہ دیکھا جو خود منؔیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور جس پر خود انھوں نے جا بہ جا اشعار اور مصرعوں کو کاٹ کر اصلاح کی ہے۔

دکنی مثنویاں میرے موضوع سے خارج ہیں۔ ضمناً ان کا ذکر کر دیا ہے۔ لیکن جب بھوپال آؤ تو وہ مقالہ یعنی 'علی گڑھ میگزین' بھی ساتھ لے آنا۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر طلب

گیان چند

ایس. حنیف احمد نقوی

قاضی محلّہ، سہسوان، ضلع بدایوں (یوپی)

(۲)

بہ نام پروفیسر حنیف نقوی

Professor's Colony, Bhopal

۲۷؍مئی ۱۹۵۶ء

عزیزی نقوی صاحب، دعاہا۔

مجھے آپ کے خط کا انتظار تھا۔ آج ۱۵؍تاریخ کا مکتوبہ نہایت خوش خط رقعہ ملا۔ آپ کا ذوقِ تحقیق دیکھ کر نہایت مسرّت ہوتی ہے۔ میں نے کوئی بی. اے. کا طالبِ علم بھی ایسا نہیں دیکھا کہ جسے تحقیق سے شوق ہو۔ آپ انٹرمیڈیٹ میں ہی اتنی معلومات فراہم کر رہے ہیں۔

(۱) ذیل کی مثنویوں کے بارے میں یہ لکھیے کہ ان کا مصنف کون ہے اور یہ کس تاریخ میں تصنیف ہوئیں۔ جن کی تاریخِ تصنیف نہ معلوم ہو سکے اُن کی تاریخِ طباعت لکھ دیجیے۔ تاریخِ تصنیف یا تو مثنوی کے اختتام پر دی ہوئی ہوتی ہے یا ابتدا میں حمد و نعت وغیرہ کے بعد۔ 'سببِ تالیف' کے عنوان سے بعض اوقات کچھ اشعار ہوتے ہیں، اُن میں مادۂ تاریخ درج کر دیتے ہیں۔ اگر تاریخ معلوم نہ ہو سکے تو ان کا زمانہ قیاس کرنا چاہیے۔ بعض اوقات حمد و نعت کے بعد حاکمِ وقت کی مدح ہوتی ہے۔ اس سے تاریخ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ذیل کی مثنویوں میں سے دو تین کے بارے میں مجھے شبہ ہے کہ یہ بھی میری دیکھی ہوئی ہیں لیکن اس وقت اپنے notes میں انھیں پا نہ سکا۔ ہاں تو ذیل کی مثنویوں کا مصنف اور سال تحریر کیجیے۔

گلزارِ عشق، فرہنگِ عشق، شگوفۂ عشق، دل ستاں، جاں ستاں، مثنوی دلآویز، ترانۂ

غریب، نامۂ عشاق، کیدِ فرنگ۔

ان کے موضوع کے بارے میں بھی ایک لفظ لکھیے کہ یہ عشقیہ قصّہ ہے یا سوانح ہے یا محض عشق کے جذبات کا بیان ہے۔

(۲) ’گلشنِ عشق‘ نام کی تین مثنویاں دو مختلف اشخاص نے لکھی ہیں: خواجہ بادشاہ سفیر، امام اور عنایت اللہ روشنؔ۔ آپ کے پاس کون سی مثنوی ہے۔ ’گلزارِ عشق‘ عشرت کی مصنفہ تو نہیں۔

(۳) ’لیلیٰ مجنوں‘ بہت سی مثنویوں کا نام ہے۔ آپ کے پاس کس کی مصنفہ ہے۔ غالباً ہوسؔ کی ہوگی۔ یہ میرے پاس ہے۔ باقی مثنویاں یا میرے پاس ہیں یا بھوپال میں کسی دوسری جگہ موجود ہیں۔

(۴) دکنی مثنویوں کے بارے میں کئی اچھّی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہ میرے موضوع کے احاطے میں نہیں۔ میں نے محض شمالی ہند کی مثنویوں سے علاقہ رکھا ہے، لیکن ایک باب میں دکنی مثنویوں کا بھی مفصّل ذکر کیا ہے۔ آپ لکھیے کہ آپ کے پاس جو تحقیقی مقالہ ہے وہ کس رسالے میں شائع ہوا یا علاحدہ کتابی صورت میں۔ اس کا مصنف کون ہے۔ مقالہ کہاں سے شائع ہوگا۔

(۵) اگر آپ کے پاس اُردو شعرا کے قلمی کلیات یا دیوان ہوں تو اُن کی تفصیل لکھیے۔

(۶) کیا آپ کے پاس ذیل کی کتابیں ہیں:

۱- کلیاتِ انشا
۲- کلیاتِ محسنؔ کاکوروی
۳- کاشف الحقائق، دو جلد (تنقید) از امداد امام اثرؔ
۴- مشرقی تمدن کا آخری نمونہ یعنی ’گذشتہ لکھنؤ‘ از شررؔ یہ مضامینِ شررؔ کی کسی جلد کا نام ہے۔
۵- ’اودھ پنچ‘ کے کچھ پرچے
۶- کیا آپ کے پاس اُردو شعرا کے تذکرے ہیں۔ یہ تذکرے اکثر فارسی میں ہوتے ہیں۔ آپ کے پاس جو تذکرے ہوں اُن کے نام لکھیے۔

ذیل کے اشعار کے مصنف معلوم ہو سکے:

رستم رہا زمین پہ نہ سام رہ گیا مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند　　　کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
(قائمؔ چاند پوری شاگردِ سودا)

ناسخؔ کا یہ مہمل شعر تو آپ نے پڑھا ہوگا:

آدمی مخمل میں دیکھے مورچے بادام میں　　　ٹوٹی دریا کی کلائی زلف الجھی بام میں
(ناسخؔ)

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو...الخ

یہ شعر ناسخؔ اور وزیرؔ دونوں کے نام سے ملتا ہے۔ آپ ناسخؔ اور وزیرؔ کے کلیات میں دیکھیے۔ غالباً کالج میں بھی وزیرؔ کا کلیات ہے۔ میں بھی دیکھوں گا۔ اوپر لکھے ہوئے تمام استفسارات کا جواب لکھیے۔ اس میں آپ کا بہت سا وقت صرف ہوگا۔

آپ کے خط کے لیے مشکور ہوں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

دعاگو

گیان چند

میرے پتے میں کالج کا نام نہ لکھیے محض مندرجہ بالا پتا کافی ہے۔

(۳)

بہ نام پروفیسر حنیف نقوی

جموں

۲۱/نومبر ۱۹۶۸ء

عزیزی،

ایک زحمت دے رہا ہوں۔ نسخۂ عرشی میں ص ۱۰۹ پر عرشی صاحب نے مروّجہ نسخۂ حمیدیہ کے سرورق کی عبارت یوں درج کی ہے، یہ عبارت اندر کے سرورق پر بھی ہے:

باسمہٖ تعالیٰ

دیوانِ غالبؔ جدید

المعروف بہ

نسخۂ حمیدیہ

مع مقدمۂ دیوان

فخرِ قوم جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب بجنوری مرحوم

بی.اے، ایل.ایل.بی، بیرسٹرایٹ لا، ڈی جے

مرتّبہ

خاکسار ضیاء العلوم مفتی محمد انور الحق، ایم.اے، منشی فاضل

ڈائرکٹر تعلیمات ریاستِ بھوپال

مفید عام اسٹیم پریس، آگرہ میں باہتمام محمد قادر علی خاں صوفی طبع ہوا

قیمت مجلّد ۵/روپے   منتظر امروہوی تحریر نمود   غیر مجلّد ۴/روپے

رام پور میں نسخۂ حمیدیہ کی ایک اور جلد ہے جس پر صرف نیلا سرورق ہے اندر کا سفید سرورق نہیں۔ اس پر یہی عبارت درج ہے لیکن کاتب کا نام نصیر الدین ہو گیا ہے اور یہ صراحت ہے کہ ٹائٹل پیج بھوپال میں طبع ہوا۔

میں نے رائٹرس ایمپوریم، بمبئی سے نسخۂ حمیدیہ کی ایک جلد حاصل کی ہے جس کا سرورق نیلا ہے اور اس کے اوپر کی عبارت میں کئی اختلافات ہیں۔ وہ عبارت یہ ہے:

باسمہٖ تعالیٰ

دیوانِ غالبؔ جدید

المعروف بہ

نسخۂ حمیدیہ

بہ تدوین

احقر العباد ضیاء العلوم مفتی محمد انوار الحق، ایم.اے، منشی فاضل

بی.اے، ایل.ایل.بی، بیرسٹرایٹ لا، ڈی جے

ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم

بھوپال

مفید عام اسٹیم پریس، آگرہ میں محمد قادر علی خاں صوفی کے اہتمام سے چھپا

قیمت مجلّد ۴/روپے   منتظر امروہوی کتابت نمود   غیر مجلّد ۸/

اس سرورق کی عبارت میں تین نکتے اہم ہیں: ایک تو یہ کہ اس پر یہ نہیں لکھا کہ اس میں بجنوریؔ کا

مقدمہ ہے۔ دوسرے یہ کہ طغرے میں لکھے ہوئے مفید عام اسٹیم پریس...میں اسٹیم کے اوپر باریک سا ۱۹۲۱ء لکھا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کی قیمت کم ہے۔ میرے اس نسخے میں نہ بجنوری کا مقدمہ ہے نہ انوارالحق کے قلم سے لکھا ہوا بجنوری کا تعارف جو دوسرے نسخے میں صفحہ ۲۵ سے صفحہ ۳۱ تک عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم کے نام سے ملتا ہے، نہ بجنوری اور غالبؔ کی تصویر ہے۔

عرشی صاحب نے ۸/ اگست ۶۱ء کے 'ہماری زبان' میں ایک مراسلہ لکھا ہے 'دیوانِ غالبؔ' (نسخۂ حمیدہ) کی اشاعت کا سال اور اس میں آزاد لائبریری علی گڑھ میں مخزونہ نسخۂ حمیدیہ کے اس سرورق والے نسخے کی خبر دی ہے جو میرے پاس رائٹرس ایمپوریم سے آیا ہے۔ عرشی ہی نے اطلاع دی ہے کہ اس میں اسٹیم پریس کے اوپر ۱۹۲۱ء لکھا ہے۔ میرے پاس یہ جلد کچھ عرصے سے ہے لیکن مجھے اسٹیم پریس نظر نہ آیا تھا۔ میرے نسخے میں انوارالحق کا دیباچہ صرف ۲۴ صفحے کا ہے لیکن اس میں انھوں نے ص ۱۲ پر تیسری سطر میں لکھا ہے کہ اس کتاب میں بجنوری مرحوم کا مقدمہ شائع ہو رہا ہے۔ کتاب میں بجنوری کا مقدمہ نہیں ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے جلد توڑ کر نکال لیا ہے کیوں کہ اس میں پہلی جلد کے خالی سوراخ موجود ہیں۔ دوبارہ جلد دوسری جگہ بندھی ہے، لیکن دو باتوں سے شبہ ہوتا ہے کہ ۱۹۲۱ء کے اڈیشن میں بجنوری کا مقدمہ نہیں تھا۔ (۱) سرورق پر یہ تصریح نہیں کہ مقدمہ شامل ہے۔ (۲) اس اڈیشن کی قیمت صرف ۴/ اور ۸/ روپے ہے جب کہ دوسرے اڈیشنوں کی پانچ روپے اور ۴/ روپے ہے۔

بعد کے اڈیشنوں کے سرورق پر بجنوری کو مرحوم لکھا ہے۔ میری جلد میں ص ۱۲ پر بجنوری کو مرحوم لکھا ہے۔ اب تم ذیل کی معلومات فراہم کرو:

(۱) آزاد لائبریری میں نسخۂ حمیدیہ کی یہ جلد نکالو جس کی عبارت میری جلد والی ہے یعنی جس کے سرورق پر بجنوری کا ذکر نہیں اور باریک سا سنہ ۱۹۲۱ء درج ہے۔ دیکھ کر لکھو کہ اس میں انوارالحق کا تعارفِ بجنوری، عبدالرحمٰن کا محاسنِ کلامِ غالبؔ اور غالبؔ اور بجنوری کی تصویریں ہیں کہ نہیں۔

(۲) بجنوری کی تاریخِ وفات کا پتا چلاؤ۔ لائبریری میں 'باقیاتِ بجنوری' ہوگی۔ نکال کر دیکھو کہ اس میں بجنوری کی تاریخ وفات دی ہے کہ نہیں۔ رسالہ 'اُردو' میں تو بجنوری کے مضامین ۲۷ء تک چھپتے رہے۔ سلیم صاحب نے اپنے مقالے میں غیر ذمے داری کے ساتھ بجنوری کی وفات کی تاریخ ۱۹۱۸ء لکھ دی ہے۔ سلیم صاحب نے بجنوری کے

بارے میں ڈاکٹر زوؔر کے ایک بیان کا اقتباس 'آجکل' سے دیا ہے جس میں زوؔر نے لکھا ہے کہ بجنوری کی وفات کو ۳۶ سال ہوگئے ہیں۔ سلیم صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ یہ بیان 'آجکل' کے کس شمارے سے لیا ہے۔

(۳) یہ تو طے شدہ ہے کہ نسخۂ حمیدیہ کے سرورق تین دفعہ چھپے ہیں اور اس کے اوراق کی کئی بار جلد بندی ہوئی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اوراق کی عبارت کی کتابت وطباعت ایک ہی بار ہوئی یا ایک سے زیادہ بار۔ آزاد لائبریری میں نسخۂ حمیدیہ کی جتنی جلدیں ہوں انھیں نکال کر مقابلہ کر کے دیکھو کہ مختلف صفحوں پر سواد پہلے لفظ سے آخر تک identical ہے کہ نہیں۔ عرشی صاحب نے نسخۂ عرشی صفحہ ۱۱۱، ۱۱۲ پر نسخۂ حمیدیہ کے پونے دوصفحات کی نقل دی ہے۔ یہ نسخۂ حمیدیہ میں انوارالحق کے مقدمے میں صفحہ ۱۰ کی پہلی سطر سے صفحہ ۱۱ تک (آخری دوسطر چھوڑ کر) محیط ہے۔ نسخۂ عرشی کے اقتباس اور میرے نسخۂ حمیدیہ کی عبارت میں ذیل کے معمولی سے اختلافات ملے۔ تم بھی آزاد لائبریری کا ۱۹۲۱ء کا نسخۂ حمیدیہ نکال کر دیکھو کہ اس میں بھی یہ اختلافات ہیں:

نسخۂ حمیدیہ ۱۹۲۱ء	نسخۂ عرشی کے اقتباس کے الفاظ
۱- 'م' کے اشارہ سے ممتاز کر دیا ہے (صفحہ ۱۰ سطر ۱۳ دیکھو اشارہ ہے کہ اشارے)	'م' کے اشارے سے ممتاز کر دیا ہے
۲- شعر تو دونوں دیوانوں میں موجود ہے (ص ۱۰ آخری سطر)	شعر تو دونوں دیوانوں میں موجود ہیں
۳- خدا کرے کہ یہ مساعی مشکور ہوں (دیکھو 'کہ' کا لفظ ہے کہ نہیں)	خدا کرے یہ مساعی مشکور ہوں

یہ اختلافات نہایت غیراہم ہیں لیکن اگر ایک لفظ کا بھی فرق ہے تو اس کے معنی یہ کہ کتابت و طباعت ایک سے زیادہ بار ہوئی ہے۔ ان امور کا جلد از جلد مطالعہ کر کے مجھے لکھو۔ میں ایک مضمون لکھنا چاہتا ہوں۔ اہم بات یہ ہے کہ ابھی ان کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ میں 'ہماری زبان' میں مراسلہ بھیج کر انکشاف کروں گا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ بجنوری ۱۹۲۱ء میں مرحوم ہوگئے تھے۔ بس تمھارے خط کا انتظار کروں گا۔ مجھے یو۔جی۔سی کی میٹنگ میں نہیں بلایا گیا۔ معلوم نہیں میٹنگ ہوگئی کہ نہیں۔ تمھیں کچھ معلوم ہو تو لکھو کہ تمھارے وظیفے کا کیا ہوا۔

میں نے 'فکر ونظر' کے لیے نسخۂ عرشی سے متعلق ایک طویل تحقیقی مضمون ۳۲ فل اسکیپ صفحات کا ۲۳؍ستمبر کو رجسٹری سے بھیجا تھا۔ آج تک اس کی رسید نہیں ملی۔ اُردو کانفرنس کے دوران سرورؔ صاحب سے پوچھا تو انھیں علم نہ تھا۔ 'فکر ونظر' کے دفتر کو میں نے ایک خط لکھ کر بھی دریافت کیا۔ کوئی جواب نہیں۔ تم ان کے دفتر میں جا کر پوچھو کہ کم بختو! یہ مضمون تمھیں ملا ہے کہ نہیں۔ اگر ملا ہے تو چپ کیوں سادھ کر بیٹھ گئے ہو۔ مجھے اس مضمون کے بارے میں تشویش ہے۔

نسخۂ حمیدیہ کا قصیہ ابھی صیغۂ راز میں رکھنا۔

دعا گو

گیان چند

پس نوشت: 'فکر ونظر' کو میں نے جو مضمون بھیجا ہے اُس میں غالباً (۳): ۸؍نمبر دے کر لکھا ہے۔ 'عرشی صاحب نے نسخۂ حمیدیہ ۲۷ کی اشاعت کی تاریخ ۱۹۲۸ء دی ہے۔ مالک رام صاحب ۲۸ نے ۱۹۲۱ء۔

نول کشور میں لکھنؤ سے جون ۱۹۲۵ء میں دیوانِ غالب ۲۹ کا جو اڈیشن...سے پہلے شائع ہو چکا تھا'۔

اب اس عبارت میں 'نول کشور' پریس سے...ہو چکا تھا' کا جز وکاٹ دو اور اس کی جگہ یہ لکھ دو:

> ''چوں کہ نسخۂ حمیدیہ کے ایک سرورق پر اس کا سنہ طباعت ۱۹۲۱ء درج ہے اور عرشی صاحب ۲۹ نے اس کی اطلاع دی ہے اس لیے نسخۂ عرشی میں تصحیح کر لی جائے''۔

۲۹ کے فٹ نوٹ میں نادمؔ سیتاپوری کی کتاب 'غالبؔ کے کلام میں الحاقی عناصر' کا حوالہ ہے۔ اب اسے کاٹ کر یہ حوالہ درج کر دو:

> '۲۹ دیوانِ غالبؔ (نسخۂ حمیدیہ) کی اشاعت کا سال مراسلۂ عرشی، ہماری زبان، ۸؍اگست ۶۱ء،

ان تمام بکھیڑوں میں تمھیں بہت پریشانی ہوگی لیکن تمھارے ہوتے کسی اور کو کیا لکھوں۔

گیان چند

(۴)

بہ نام پروفیسر حنیف نقوی
شعبۂ اُردو، جموں یونی ورسٹی
جموں-۱۸۰۰۰۱
۲۰/اپریل ۱۹۷۴ء

عزیزی گرامی قدر، تسلیم۔

۱۱/اپریل کا سعادت نامہ ملا۔ مجھے 'تفسیرِ غالبؔ' اور 'لسانی مطالعے' پر جو اعزاز ملا ہے اُس میں یقیناً میرے شاگردوں بالخصوص تم جیسے ممتاز اور اہل شاگرد کا ضرور حصّہ ہے۔

میری کتابوں میں 'اُردو کی نثری داستانیں' طبعِ دوم بہترین ہے لیکن وہ ملتی نہیں۔ پاکستان سے تعلّق بہتر ہو جائیں تو کتابیں آنے لگیں۔ 'تفسیرِ غالبؔ' میں غلطیاں نہیں لیکن 'لسانی مطالعے' میں کتابت کی بہت غلطیاں ہیں۔

تمھاری اہلیہ کی طویل علالت کی تفصیلات میں نے سنی تھیں۔ بے چاری گرم دودھ سے صدمہ پا گئیں۔ امید کرتا ہوں کہ اب وہ پوری طرح شفایاب ہو گئی ہوں گی۔

یہ کیا بات ہے کہ تم کچھ بھی شائع نہیں کر رہے ہو۔ تم میں بے نہایت صلاحیت ہے پھر کیوں رسالوں میں تمھارا نام نظر نہیں آتا۔ اپنی Thesis کا مقدمہ یو. پی اُردو اکادمی کو اشاعت کے لیے بھیج دو اور مجھے لکھ دو۔ میں کوشش کروں گا۔ ہاں! میں نے لکھنؤ میں درخواست دی ہے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

دعا گو
گیان چند

(۵)

بہ نام پروفیسر حنیف نقوی
۱۸/فروری ۱۹۷۶ء

عزیزی، تسلیم

تمھارا سعادت نامہ کل ملا اور موجبِ خوش دلی ہوا۔ مجھے تمھاری پریشانیوں کا علم ہے۔ 'مطالعۂ داغؔ' نے ضرور 'دلّی کے دبستانِ شاعری' سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ بڑی بات ہے اگر تم نے

سراغ لگالیا۔ اپریل کے 'نوائے ادب' میں تمھارا مضمون دل چسپی سے دیکھوں گا۔

میرے پاس ۵۷ء سے بعد کے 'نوائے ادب' محفوظ ہیں۔ اس میں دیکھا، محمد حسن کا یا کسی اور کا مضمون 'بہارِ بےخزاں' کے بارے میں نہیں۔ ۶۱ء کے 'نوائے ادب' میں پچھلے دس سال کے مضمون نگاروں کی فہرست ہے، اس میں محمد حسن کا کوئی مضمون شامل نہیں۔ مجھے یاد تھا کہ رسالہ 'اُردو' میں محمد حسن کا مضمون 'خوش معرکۂ زیبا' کے بارے میں آیا تھا۔ میں نے ۶۷ء کے 'اُردو' میں مضامین کا اشاریہ دیکھا، اس سے معلوم ہوا کہ ۵۲ء میں محمد حسن کا مضمون 'خوش معرکۂ زیبا' پر آیا تھا۔ اس کے علاوہ محمد حسن کا کوئی مضمون سنہ ۶۲ء سے ۶۷ء تک رسالہ 'اُردو' میں نہیں چھپا۔

تمھیں محمد حسن کے مضمون کے بارے میں غلط خیال ہے۔ کسی اور پرچے میں کسی اور کا مضمون رہا ہوگا۔

حفیظ عباسی کا مرتّبہ تذکرہ 'بہارِ بےخزاں' تمھارے پاس ہوگا۔ میں نے اسے آج ہی دیکھا۔ اس نے مقدمے میں تمھارا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس میں تذکرہ نگار کے بارے میں کوئی ذکر نہیں۔

امید ہے کہ تم بہ خیر ہوگے۔

خیر اندیش
گیان چند

(۶)

به نام پروفیسر حنیف نقوی
شعبۂ اُردو، الٰہ آباد یونی ورسٹی
الٰہ آباد-211002
۲؍دسمبر ۱۹۷۷ء

عزیزی، تسلیم

تمھارا سعادت نامہ ملا۔ ممنون ہوں۔ بڑی دقّت یہ ہے کہ تم نے یہ سب بہت دیر سے لکھا ہے۔ کتاب ۷۰-۶۹ء میں شائع ہوئی۔ دو تین سال پہلے اس کا اڈیشن ختم ہوگیا۔ میں نے دوسرے اڈیشن کے لیے ترمیم کر کے ان کی جلد انجمن کو دے دی۔ مئی میں پہلے سوا دو سو صفحوں

کی کتابت ہوکر آ گئی جو میں نے دیکھ کر بھیج دی۔ اب اور بہت سے صفحوں کی کتابت ہوگئی ہوگی۔ اب ترمیم کرنا مشکل ہے، لیکن کچھ کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرے پاس کتاب کا ایک نسخہ بھی نہیں، اس لیے تمھاری تجاویز کو اصل سے ملا کر نہیں دیکھ سکتا۔ لائبریری میں سے کتاب لے کر دیکھوں گا۔

میری پکّی رائے یہ ہے کہ تم مضمون ضرور شائع کراؤ۔ اختلاف کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن احترام کے ساتھ کیا جائے۔ میں نے اس قسم کے چند مضامین لکھے:

۱- نسخۂ عرشی طبعِ ثانی کے لیے کچھ معروضات، مشمولۂ 'رموزِ غالب'۔
۲- مسعود حسن رضوی بہ حیثیت مرتّبِ متن، مشمولۂ تحریر، مسعود حسن رضوی نمبر۔
۳- 'بُت شکن محقق'، مشمولۂ قاضی عبدالودود نمبر۔
۴- 'اُردو اور فنِ داستان گوئی پر ایک نظر' مشمولۂ 'حیاتِ کلیم'۔

میں نے ان سب میں اُن لوگوں پر بھرپور اعتراضات کیے ہیں لیکن بہت احترام کے ساتھ۔ تم بھی وہی کرو اور مضمون شائع کرادو۔ چاہو تو اس میں لکھ دینا کہ مضمون میری اجازت سے شائع کرایا جا رہا ہے۔

ان اصلاحات کے لیے مشکور ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۷)

بہ نام پروفیسر حنیف نقوی

۲۱/نومبر ۱۹۷۸ء

عزیزی، تسلیم

ایک ماہ قبل میرے پاس کناڈا سے معاشیات کے ایک لکچرر سیّد احمد کا استفسار آیا کہ کیا تاریخ نکالتے ہوئے ہمزہ کو شمار نہیں کیا جاتا؟

وہ چاہتا ہے کہ یا تو کسی استاد یا محقق کی سند دی جائے یا مشہور اساتذہ کے ایسے مصرعِ تاریخ لکھے جائیں جن میں ہمزہ ہے لیکن اس کے اعداد نہیں لیے گئے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ اُردو میں فنِ تاریخ گوئی پر کوئی رسالہ ہے لیکن مصنف کا نام یاد

نہیں۔لائبریری میں کیوں کر تلاش کروں۔شاید 'گنج شائگاں' میں مل سکے۔

تم اس فن میں دخل رکھتے ہو۔کسی کتاب کے حوالے سے لکھو کہ تاریخ نکالتے وقت ہمزہ کی کیا پوزیشن رہتی ہے۔زیادہ تر تو اس کے اعداد شمار نہیں کیے جاتے لیکن شاید کوئی کوئی اس کے دس عدد ('ی' مان کر) لے لیتا ہے۔

کتاب کا حوالہ نہ مل سکے تو کچھ مصارعِ تاریخ ہی لکھ دو جن میں کسی لفظ میں ہمزہ آیا ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ناظم جعفری کی تقریب میں نہ آسکا۔کھانسی اب بھی ہے۔سفر سے مضاعف ہو جاتی ہے۔

مخلص

گیان چند

(۸)

به نام پروفیسر حنیف نقوی
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-001 500
۲۸/اپریل ۱۹۷۹ء

عزیزی، تسلیم

تم نے اپنے خط میں معلوم نہیں عربی کے کیا آداب لکھے ہیں جنھیں میں نہ صحیح پڑھ نہ سمجھ سکا۔یہاں لغت سامنے نہیں۔

'اُردو مثنوی' کی کتابت شدہ کاپیاں میں نے پھر منگا لی تھیں اور انھیں دیکھ کر انجمن کو واپس کر دیا۔شاید آخری پچاس صفحات کی کتابت ابھی باقی ہے۔انجمن والے لکھتے تھے کہ مئی میں یہ کتاب چھاپ دیں گے۔

میں خاص طور سے تجلّی کی 'لیلیٰ مجنوں' کی تاریخ کو ازسرِ نو لکھنا چاہتا تھا۔انھیں سال بھر پہلے ترمیم شدہ عبارت لکھ کر بھیج دی تھی لیکن کتابت پہلی عبارت ہی کی ہوگئی ہے۔انھیں گڑگڑا کر لکھا ہے کہ اس صفحے کی دوبارہ کتابت کرا دیجیے۔

تو اب تمھارا مضمون بعد از وقت ہے۔اب تمھارے مضمون سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔بہتر یہ ہے کہ مضمون کو روک لو اور جب کتاب کا دوسرا اڈیشن آجائے تو اس پر مفصّل

بے لاگ تبصرہ کر کے اس مضمون کو اس میں شامل کر دو۔

اگر مضمون ابھی چھپوانا چاہتے ہو تو اسے براہِ راست 'شاعر' کو بھیج دو۔ میرے پاس بھیجنے کا اب کوئی مصرف نہیں کیوں کہ میں اس کی روشنی میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتا۔

یہاں کے حالات ٹھیک ہیں۔ شعبے میں ابھی ایک ثمینہ شوکت ریڈر ہے۔ ایک لکچرر کا تقرر ہونا ہے۔ اگلے سال ہم ایم.اے کھولیں گے۔ مزید اسٹاف کے لیے کوشش کریں گے۔

یہاں اُردو کا ماحول بہت شدید ہے۔ میری پذیرائی ہوئی۔ روز روز ادبی انجمنوں میں جانا اور بولنا ہوتا ہے۔ کل اُردو مجلس میں مضمون پڑھوں گا 'اُردو کی ادبی تحقیق آزادی سے پہلے'۔ کتابوں کی عدمِ موجودگی میں یہ طویل مضمون لکھ مارا ہے۔ امید ہے تم بہ خیر ہو گے۔

مخلص

گیان چند

میں ۱۰ رمئی کو یہاں سے چل کر ۱۱ رمئی کو الٰہ آباد پہنچوں گا... تک الٰہ آباد رہوں گا۔ چاہو تو شعبۂ اُردو کی معروفت لکھ دو یا 846، یونی ورسٹی، الٰہ آباد۔

(۹)

بہ نام پروفیسر حنیف نقوی

۲۸ رجنوری ۱۹۸۲ء

عزیزی، تسلیم

معلوم ہوا ہے کہ تم ریڈر ہو گئے ہو۔ مبارک ہو۔ دیر آید درست آید۔ کل نیّر کے خط سے یہ مژدہ ملا۔

مخلص

گیان چند

(۱۰)

بہ نام پروفیسر حنیف نقوی

۲۹ ردسمبر ۱۹۸۲ء

عزیزی، تسلیم

تمھارا سعادت آمیز مبارک باد کا تار ملا۔ شکریہ۔ کتاب 'ذکر و فکر' اس انعام کے لائق نہ

تھی لیکن منتخب کرنے والے شاید میرے دوست رہے ہوں گے اس لیے انھوں نے اس ناقص کام پر قرعۂ فال ڈال دیا۔
امید ہے تم ٹھیک ہو گے۔

مخلص
گیان چند

(۱۱)

به نام پروفیسر حنیف نقوی
۶رنومبر ۱۹۸۳ء

عزیزی حنیف، تسلیم

میری کتاب 'نثری داستانیں' کے تیسرے اڈیشن کی کتابت بنارس میں ہو رہی ہے۔ میں دوسری قسط بھیج رہا ہوں جس میں زبردست ترمیم و اضافے ہیں۔ تم اس کام کو سنبھال لو۔ غالبًا کہیں کہیں کاتب کو سمجھانا پڑے گا۔ مسوّدے کو کھول کر ایک نظر ڈال لو اور کاتب کے حوالے کرتے رہنا۔

اگر بادی النظر میں تمھیں کہیں کوئی تصحیح یا اضافہ کرنے کی ضرورت آئے تو پہلے مجھے لکھنا اور میرا جواب ملنے پر ترمیم کرنا۔ کتاب کے پروف میں خود دیکھوں گا۔

کاتب کی رہبری کر دینا کہ ابواب کے بیچ میں کہاں عنوانات یا سرخیاں جلی لکھی جائیں اور صفحے کے دائیں گوشے ہی میں لکھی جائیں یا وسط میں۔ کہیں کوئی بات صاف نہ ہو تو حکم چند سے 'نثری داستانیں' طبعِ دوم لے کر دیکھ لو۔ امید ہے تم بہ خیر ہو گے۔ کاتب کے نام میرا خط پڑھ لو۔

خیر اندیش
گیان چند

(۱۲)

به نام پروفیسر حنیف نقوی
۶ردسمبر ۱۹۸۳ء

عزیزی، تسلیم

۲۲/نومبر کا خط چند روز پہلے ملا۔ آج کل ہماری یونی ورسٹی طلبہ کی شورش کی وجہ سے بند ہے، اس لیے یونی ورسٹی کی ڈاک دیر میں ملتی ہے۔

'نقوش' میں تمھارے دونوں مضمون پڑھے۔ حسبِ معمول عالمانہ ہیں۔ اگر میؔر کے نسخۂ دیوانِ سوم میں شکار نامۂ دیگر کو واضح طور پر شکار نامۂ سوم لکھا ہے تو صحیح ہوگا کہ شکار ناموں کی کُل تعداد تین تھی۔ معلوم نہیں دوسرے علمی مضمون کے بیچ ص ۲۵۰ کے مقابل ایک عورت کی تصویر کیوں بنا دی ہے۔

'نکات الشعرا' کے نسخے والا مضمون بھی خوب ہے۔ علی گڑھ کے منتشر اوراق کے بارے میں تم پہلے بھی لکھ چکے ہو۔ اب اپنے مضامین کے دو تین مجموعے مرتّب کرو اور اشاعت کی فکر کرو۔

فضلؔی کے بارے میں تمھارے مضمون کو دیکھ کر رائے قائم کروں گا۔ حیدرآباد کے مخطوطے کی بنا پر فضلؔی کا بنارس سے تعلّق ثابت نہیں ہوتا۔

غلام عمر خاں ۳۱/اکتوبر کو عثمانیہ یونی ورسٹی سے رٹائر ہو گئے۔ آج کل ڈاکٹر زینت ساجدہ ریڈر، صدر شعبہ ہیں۔ 'کدم راؤ پدم راؤ' کو سمجھانے کے لیے موزوں ترین ڈاکٹر شری رام شرما رٹائرڈ پروفیسر ہندی عثمانیہ یونی ورسٹی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ وہ اس مثنوی کو بہ خوبی سمجھ لیتے ہیں۔ وہ دکنی ہندی کے عالم ہیں۔

'سب رس' کو شمالی ہند کی زبان نہ کہہ دینا۔ یہ ہمالیائی غلطی ہوگی۔ اس دعوے کے ساتھ تم انصار اللہ نظر کی صف میں جا بیٹھو گے جو 'بکٹ کہانی' والے افضل کو مشرقی یوپی کا باشندہ قرار دیتا تھا۔ دکنی کی جو امتیازی خصوصیات ہیں وہ سب 'سب رس' میں شدت کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ اگر تم نے اسے شمالی اُردو کہا تو پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاؤ گے۔ میری طبیعت ظاہراً بالکل ٹھیک ہے۔ ابھی عارضہ نہفتہ ہے۔

'غالب نامہ' کے مضمون میں تم نے مجھ سے جو اختلاف کیے ہوں گے، میں اُن سے خوش ہوں گا۔

مخلص

گیان چند

(۱۳)

به نام پروفیسر حنیف نقوی

یکم مارچ ۱۹۸۴ء

عزیزی، تسلیم

بہت اچھا مضمون ہے۔ پڑھ کر جی خوش ہوا۔ پرسوں ملا تھا۔ میں نے زندگی میں کسی کو اتنا لمبا خط نہیں لکھا نہ میرے پاس کبھی اتنا لمبا خط آیا، لیکن یہ خط کے پردے میں ایک مضمون ہے۔ اسے ضائع کرنے کا سوال ہی نہ تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اپنے خطوط میں محفوظ کرلوں گا۔ میرے پاس مشاہیر کے جو خط آتے ہیں ان میں سے میں ان کو ضائع کرتا ہوں جن میں کوئی ادبی سیاست، کسی سلیکشن کی بات، کسی کی برائی ہو یعنی میں کوئی ایسا خط محفوظ نہیں رکھتا جس کی اشاعت سے کسی کو تکلیف پہنچے یا کسی کو بلیک میل کیا جا سکے۔ علمی خطوط خواہ مشاہیر کے ہوں یا مبتدی کے، سب محفوظ رکھتا ہوں۔

میرے یہاں ایک ریسرچ اسکالر دکنی کے دوسری ہندستانی زبانوں سے لسانی رشتوں پر کام کر رہی ہے۔ اسے اس خط سے استفادہ کروالوں تب تمھیں واپس بھیج دوں گا۔ اس خط میں تقریباً آدھے الفاظ کی توجیہ تم نہیں کر سکے۔ یاد رہے کہ لسانی اعتبار سے اُردو اور ہندی اب بھی ایک زبان ہیں۔ فرق صرف لفظیات اور رسمِ خط کا ہے لیکن بنیادی الفاظ اور اصول قواعد بالخصوص صرفی اصول مشترک ہیں۔ اس لیے شمالی ہند کی کسی بھی دور کی زبان کے لیے ہندی نمونوں سے فعل، حروف، تصریف کے قاعدوں وغیرہ کے لیے سند لی جاسکتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ دکنی، شمالی اُردو سے الگ زبان نہیں بلکہ کھڑی بولی کی ایک ذیلی بولی ہے جس میں مقامی اثرات سے کچھ نئے الفاظ شامل ہوگئے ہیں اور صرف ونحو میں کچھ تبدیلیاں آگئی ہیں۔ انھیں امتیازی خصوصیات کی بنا پر اسے ایک مختلف علاقائی بولی کہا گیا ہے۔ یہ کیفیت آج بھی دکنی بولی میں ہے۔ حیدرآباد میں 'ہی' کے لیے 'چ' کا لاحقہ لگا کر بولنا عام ہے جسے اہلِ اُردو کے علاوہ تیلگو نژاد بھی اپنی اُردو میں بولتے ہیں۔

تمھارا مضمون اچھا ہے، لیکن میں اس سے قائل نہیں ہوا۔ تفصیل سے بعد میں لکھوں گا۔ تم نے بہت محنت کی ہے۔ شاباش۔

مخلص گیان چند

(۱۴)

به نام پروفیسر حنیف نقوی

۱۶راگست۱۹۸۴ء

عزیزی، تسلیم

'انتخابِ کربل کتھا' کئی دن پہلے ملی۔ شکریہ۔ بڑی بور (bore) کتاب ہے۔ اس کا انتخاب کرنے میں بڑی محنت کرنی پڑی ہوگی۔

تم نے 'سوگند' اور 'کمر' کی تذکیر کی مثالیں اچھّی تلاش کیں۔ میں بھول چکا ہوں کہ 'کربل کتھا' پر اپنے مضمون میں مَیں نے کیا لکھا تھا۔ چناں چہ یہ پڑھ کر میں چونک گیا کہ میں نے لکھا تھا کہ فضلی کبھی دکن میں رہ چکا ہے۔

تم نے یہ دعوا کیا ہے کہ فضلِ علی بنارس کے خاندان سے تعلّق رکھتے تھے۔ ہوں گے، لیکن اس دعوے کی دلیل دیے بغیر گزر گئے۔ صرف یہ لکھنا کافی نہیں کہ ذاتی طور پر معلوم کیا ہے۔ کس سے، کہاں سے معلوم کیا۔ واضح کرنا چاہیے تھا۔ اسی طرح اُس بیاض کے بارے میں تفصیل دینی تھی کہ اس کا مرتّب کون ہے، کب تیّار ہوئی، اس کے مشمولات کے پیشِ نظر اس کا پایۂ استناد کیا ہے؟ ص۲۳ کی آخری سطر میں 'اہلِ پورب' اچھّی ترکیب نہیں۔

فاعل کے ساتھ ان صورتوں میں بھی 'نے' لانا جہاں کا محل نہیں، پورب میں ہو تو ہو، اس سے کہیں زیادہ دکن میں ملتا ہے۔ ڈاکٹر عندلیب ضیا کی کتاب 'دکنی زبان کی قواعد' میں اس کی دسیوں مثالیں ہیں۔ میں دو تین لکھتا ہوں:

۱- زہرہ نے جلوہ گائی، وجہی، 'سب رس' ص۲۹۶۔
۲- چنچل نے ہنس کے یوں بولی ترا انجام ہوتا ہے، دیوانِ ہاشمی، ص۲۷۱۔
۳- خدا کے دوستاں نے بولے ہیں، 'سب رس' ص۲۱۔
۴- رقیب نے، روسیاہ نے، بے نصیب نے بولیا توں کہاں کا ہے... 'سب رس' ص۱۷۔
۵- وہ عاشق نے ہمت سوں تس درکوں ڈاٹ چلیا پیش اندر دونوں کھول بانصرتی، گلشنِ عشق، ص۱۵۶۔

میرے نزدیک تمھارے موجودہ مقدمے سے یہ ثابت نہیں ہو پایا کہ فضلی دلّی یا اُس

کے آس پاس کے رہنے والے نہیں تھے بل کہ پوربیے تھے۔
بہر حال کام محنت سے کیا ہے۔

خیر اندیش
گیان چند

(۱۵)

به نام پروفیسر حنیف نقوی
۶ راگست ۱۹۸۵ء

عزیزی، تسلیم

تمھارا ۳۰ رجولائی کا خط ملا، شکریہ۔ مصروفیت کے سبب میں بروقت جواب نہ دے سکا۔ مصروفیت اب بھی ہے اور آیندہ بھی رہے گی۔ اس لیے اس کے مشمولات کے بارے میں مختصراً لکھوں گا۔

تم نے بڑے مہذب الفاظ میں لکھا ہے کہ میں تحقیقی فیصلے کرنے میں عجلت سے کام لیتا ہوں۔ اس سے تمھارا مطلب یہ ہے کہ 'آپ کی تحقیق غلط ہوتی ہے'۔ مجھے یہ اعتراف ہے کہ مجھ سے تحقیق میں فاحش غلطیاں ہوتی ہیں، بعد میں تازہ مواد یا دوسروں کی فراہم کردہ معلومات سے اصلاح ہوتی ہے تو میں آیندہ اصلاح کر لیتا ہوں۔ تحریر میں مَیں عجلت نہیں کرتا۔ مطالعے کے بعد جو کچھ میری سمجھ میں آتا ہے وہ قارئین کے سامنے پیش کر دیتا ہوں۔ وہ اسے قبول کریں یا اس کی غلط بیانی کی تصحیح کر دیں۔ تحقیق میں مختلف محقق مختلف نتیجوں پر پہنچ سکتے ہیں۔ کسی کو یہ دعوا کرنا مناسب نہیں کہ جو اس کا موقف ہے وہی ٹھیک ہے۔ قارئین کے سامنے سب کچھ آجاتا ہے۔ بعد میں وہ اور زمانہ جو کچھ فیصلہ کریں، وہی بہتر ہوگا۔

تم نے بنی نرائن جہاں کے شاعر ہونے سے ہی انکار کیا ہے۔ 'نوائے ادب' اپریل ۱۹۷۷ء میں ص ۱۶ پر لکھتے ہو:

''ایک اور غلط فہمی جو قبولیتِ اسلام کی روایت سے بھی زیادہ عام اور مقبول ہے، یہ ہے کہ کہ بنی نرائن شاعر بھی تھے اور جہاں تخلص کرتے تھے''۔

گویا تمھیں ان کے شاعر ہونے سے ہی سرے سے انکار ہے۔ کہیں کہیں تم نے لکھا ہے کہ وہ

با قاعدہ شاعر نہیں تھے۔ خود ہی ان کی کتابوں کے منظوم دیباچوں کے اشعار نقل کرتے ہو۔ شاعر کہلانے کے لیے کلام کی مقدار کب سے شرط ہوگئی۔ رام نرائن موزوںؔ کو ایک شعر کی بدولت ہی شاعر کہا جاتا ہے۔ میر امّن لطفؔ کے کتنے اشعار ملتے ہیں۔ اگر بینی نرائن نے ایک بھی منظوم دیباچہ لکھا ہے تو وہ کس طرح شاعر نہیں ہوئے۔

سوال تحقیق کا ہے۔ میرے لیے سب سے زیادہ بولتی ہوئی دلیل 'دیوانِ جہاں' کا نام ہے۔ اس ترکیب میں 'جہاں' کے کیا معنی ہیں! میرے نزدیک یہاں 'دیوان' بہ معنی بیاض یا 'دیوانِ منتخبات' یا 'مجموعۂ منتخبات' آیا ہے۔ 'بیاضِ جہاں' یا 'دیوانِ جہاں' میں جہاں کے معنی دنیا لیے جائیں تو یہ ترکیب دوراز کار معلوم ہوتی ہے۔ میری رائے میں اس کتاب کا نام ہی مصنف کے تخلص کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

'چار گلشن' کے دیباچے میں 'جہاں' کے لفظ کے لیے تم نے لکھا ہے:

''یہ بہ ظاہر اضافۂ کاتب معلوم ہوتا ہے'' (ص ۱۷)۔

اس جملے سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ تم نے کلکتے جا کر 'چار گلشن' کا نسخہ دیکھا ہے یا محض قیاساً لکھ رہے ہو۔ اگر دیکھا ہے تو 'بظاہر' کی تشریح ہونی چاہیے کہ یہ دوسرے کے خط میں ہے یا دوسری روشنائی سے لکھا ہے یا سطر میں جملے یا مصرعے کے تسلسل سے ہٹ کر کہیں اور لکھا گیا ہے۔ 'چار گلشن' کا دوسرا نسخہ برٹش میوزیم (میں) ہے جسے ڈاکٹر عبادت بریلوی نے ۱۹۶۷ء میں شائع کر دیا ہے۔ میں نے یہ اڈیشن نہیں دیکھا۔ دیکھا جائے کہ اس میں 'جہاں' لکھا ہے کہ نہیں۔

اپنے مضمون کی پہلی قسط میں ص ۲۱ پر یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے 'نثری داستانیں' میں ص ۲۰۷ پر لکھا ہے کہ بینی نرائن نے 'چار گلشن' کا قصہ امام بخش صہبائی کو سنایا تھا۔ پھر تم نے تردید کی ہے کہ یہ امام بخش صہبائی نہیں، بالکل درست ہے۔ میرے پاس فی الوقت 'نثری داستانیں' کا پہلا اڈیشن نہیں، کوئی لے گیا ہے، لیکن میں نے صہبائی ضرور لکھا ہوگا۔ تم نے یہ مضمون ۱۹۷۷ء میں لکھا ہے۔ 'نثری داستانیں' کا دوسرا اڈیشن ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس کے صفحہ ۲۳۸ پر میں نے فٹ نوٹ دے کر لکھا ہے: ''چار گلشن' اور 'گل صنوبر' کے فرمایش کنندہ دلّی کے مشہور مولوی امام بخش صہبائی نہیں۔ یہ امام بخش کلکتے میں رہتے تھے''۔

اب 'فسانۂ عجائب' کے بنیادی متون کو لو۔ سوے اتفاق سے یہ کتاب میری یونی ورسٹی کی

لائبریری میں موجود نہیں۔ کہیں سے حاصل کرنے کی کوشش میں ہوں۔ الٰہ آباد میں مَیں نے اس کا متداول متن سے مقابلہ کیا تھا اور دونوں کے اختلافات نوٹ کیے تھے۔ مجھے یہ بہت دوراز کار معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے متداول متن کو دوبارہ اس انداز سے لکھا ہے۔ بہر حال تمھارا مضمون سامنے آ جائے تو کوئی آخری رائے قائم کروں۔ دوسرا نسخہ منشی فضل رسول کا ہے۔ نورالحسن ہاشمی نے یہ خدا بخش لائبریری کو دے دیا، لیکن اس کی دو زیراکس نقلیں تیّار کرائیں۔ جون ۱۹۸۵ء میں جب میں ان سے ملا تو انھوں نے کمالِ لطف سے ایک کاپی مجھے تحفتاً دے دی۔ میں نے کہا کہ میں اسے حیدرآباد یونی ورسٹی لائبریری میں دے کر آپ کو اس کی قیمت دلا دوں گا۔

آج کل وہ عکس میری میز پر ہے۔ میں نے اس کا مطبوعہ 'فسانۂ عجائب' سے صفحہ بہ صفحہ مقابلہ کیا ہے۔ یہ عکس مختصر ہے۔ حیرت یہ ہے کہ اس میں اور متداول متن میں وہی اختلافات ہیں جو بنیادی متن اور متداول متن میں ہیں۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بنیادی متن نقشِ اوّل ہے۔ فضلِ رسول کا متن نقشِ ثانی اور مطبوعہ متن نقشِ ثالث۔ بنیادی متن کا مطبوعہ نسخہ مل جائے تو اس کا اور فضلِ رسول کے متن کا تفصیلی مقابلہ کروں۔

معلوم ہوتا ہے 'نثری داستانیں' کی کتابت شدہ کاپیاں حکم چند نیّر کو واپس مل گئی ہیں۔ اگر آ گئی ہیں اور ان کے ساتھ میرا مفصّل ہدایت نامہ ہے تو کسی کاتب سے اس کے مطابق بنوا دو۔ عبیدہ بیگم کی کتاب دیکھنے کے بعد خاص طور سے لطائفِ ہندی اور نقلیاتِ ہندی وغیرہ کے بیانات میں ترمیم کی ہے، وہ آ جائے تو اچھّا ہے۔

تحقیق کا مقصد صحیح حقائق کو پیش کرنا ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ اب تک کی تحقیق میں کوئی سہو ہو تو اس کی اصلاح کی جائے۔ وہ کوئی غیر کرے یا شاگرد۔ چوں کہ میرا اور تمھارا دونوں کا مقصد آخری حقیقت تک پہنچنا ہے اس لیے میری غلطیوں کی (یعنی وہ جو تمھاری نظر میں غلطی ہیں) مضامین اور کتابوں کی نشان دہی کرنے سے قطعاً پس و پیش نہ کرو۔ مجھے یہ ذرا بھی ناگوار نہیں ہوتا۔ خوش ہوتا ہوں کہ میرا کوئی شاگرد اس لائق تو ہے۔

امید ہے کہ تم بہ خیر ہو گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۶)

به نام پروفیسر حنیف نقوی

۸؍مارچ ۱۹۸۷ء

عزیزی حنیف، تسلیم

تمھارا خط کئی دن پہلے ملا تھا۔ چوں کہ میرے یہاں تمھارے سلیکشن کے کئی ماہرین آنے والے تھے، اس لیے میں نے ان کا انتظار کیا۔ ایم فل کے ایک امتحان کے لیے عتیق احمد صدیقی آئے۔ انھوں نے محض یہ بتایا کہ 'سرورؔ صاحب یونی ورسٹیوں میں پروفیسروں کے گرتے ہوئے معیار سے بہت ناخوش ہیں۔ وہ پہلے زمانے کا معیار چاہتے ہیں، اس لیے انھوں نے اصرار سے کہا تھا کہ کوئی امیدوار پروفیسری کے لائق نہیں'۔

پی ایچ ڈی کے ایک امتحان کے سلسلے میں عنوان چشتی آئے۔ انھوں نے تفصیلات بتائیں۔ انٹرویو کے شروع ہی میں وائس چانسلر نے کہا کہ 'یہ ثریا حسین والی جمالیات کی پوسٹ ہے۔ اگر کوئی امیدوار جمالیات کا ماہر ہو تو لیجیے ورنہ کسی کو نہ لیجیے'۔ نورالحسن نقوی نے یہ تو کہا کہ جمالیات اس کا موضوع نہیں لیکن وہ تیّاری کر کے آیا تھا۔ اس نے جمالیات بالخصوص ہندستانی جمالیات پر سوالوں کے اچھّے جواب دیے یعنی 90% مطمئن کر دیا۔ انصاراللہ نظر نے کہا کہ 'میں تو جمالیات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اس سے ہٹ کر میرے یہ تحقیقی کام ہیں۔ تم نے بھی یہی کہا کہ تم جمالیات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ چوں کہ بھوپال سے آ رہے ہو اس لیے اپنی کتابیں ساتھ نہیں لا سکے۔ شہریار نے کہا کہ میں تو شاعر ہوں، نقاد یا محقّق نہیں۔

انٹرویو کے بعد وائس چانسلر نے سب سے پہلے عنوان چشتی سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ تین امیدوار اچھّے ہیں: نورالحسن، حنیف اور انصاراللہ۔ ان میں نورالحسن ڈی لٹ بھی ہے، ایم. اے انگریزی بھی ہے۔ اس کی ۱۱ کتابیں ہیں۔ اس نے جمالیات کے بارے میں سوالوں کے جواب ٹھیک دیے ہیں، اس لیے اسے منتخب کیا جائے۔

قمر رئیس نے شہریار کے حق میں رائے دی۔ سرور صاحب نے کہا: 'کسی کو نہیں لینا چاہیے'۔ وائس چانسلر کے nominee کوئی صاحب حیدرآباد کے تھے، انھوں نے بھی کہا کہ گو نورالحسن نقوی بہترین ہے لیکن مجھے سرور صاحب کی رائے سے اتفاق ہے کہ کسی کو نہ لیا جائے۔ ماہرین کے علاوہ دوسروں نے بھی یہی کہا، اس لیے وائس چانسلر نے کہا کہ ٹھیک ہے پوسٹ

دوبارہ مشتہر کی جائے۔

مزید تفصیلات سے کوئی فائدہ نہیں۔عنوان نے یہ بھی کہا تھا کہ نورالحسن نقوی کے علاوہ دوسرا کوئی امیدوار تین سال سے زیادہ پرانا ریڈر نہیں۔نقوی شاید چھے سال سے ریڈر ہے۔

چوں کہ یہ جمالیات سے مخصوص پوسٹ تھی اس لیے اس پر تمھارے انتخاب کے نہ ہونے پر تمھیں مایوس نہ ہونا چاہیے۔نقوی نے تو جمالیات کا مطالعہ کیا تھا اس کے باوجود نہیں لیا گیا۔

تحقیق میں تمھارا اور نقوی کا کوئی مقابلہ نہیں، یعنی تم اس سے بہت بہتر محقق ہو لیکن نقوی کی paper qualification زیادہ ہیں۔اب اگر کبھی علی گڑھ میں پروفیسر کی جنرل پوسٹ اشتہار ہو تو بھی تم وہاں نہ جانا۔کبھی اپنی یونی ورسٹی ہی میں موقع مل جائے گا۔

ہاں مضامین کے مجموعوں کی اشاعت بہت مشکل ہے۔میرے پاس بھی آٹھ سو صفحات تیّار ہیں یعنی دو مجموعوں کا سامان، لیکن اشاعت کی کوئی سبیل نہیں۔پھر بھی متفرق مضامین کے بہ جائے مجموعوں کی قدر زیادہ ہوتی ہے۔اگر نصرت پبلشرز سے ایک مجموعہ اور غالبؔ سے متعلّق دوسرا مجموعہ شائع ہو رہا ہے تو بڑی بات ہے۔

'شانِ ہند' میرے پاس نہیں آتا۔حیدرآباد میں کہیں بھی نہ آتا ہوگا۔میں نے نہیں دیکھا نہ کسی اور نے مجھ سے اس کا ذکر کیا۔معلوم نہیں کس نے لکھا ہوگا۔اگر تبصرے کے جواب میں یہ مضمون لکھا گیا ہے تو افسوس ناک ہے۔

'نثری داستانیں' کی اشاعت کی مجھے تاحال کوئی اطّلاع نہیں۔اب بھی یقین نہیں آتا کہ چھپ گئی ہوگی۔تم نے شاید چھپے ہوئے فارم دیکھے ہوں گے۔معلوم نہیں کسی نے اشاریہ تیّار کیا کہ نہیں۔میں نے ان لوگوں کو لکھا تھا کہ محض اشخاص اور کتب کا اشاریہ بنادیں۔نہ بنا سکیں تو پروف میرے پاس بھیج دیں میں بنادوں گا۔

میری ملازمت فروری ۱۹۸۷ء کے آخر میں ختم ہو رہی تھی۔سوا دو سال کی توسیع ہوگئی ہے، جون ۱۹۸۹ء کے آخر تک کے لیے۔مزید توسیع نہ ہوگی نہ میں چاہوں گا۔حکم چند نیّر کو بتا دو۔میں اس اثنا میں لکھنؤ میں مکان بنانا چاہوں گا۔

خیر اندیش

گیان چند

(۱۷)

به نام پروفیسر حنیف نقوی
۲۶ مارچ ۱۹۸۷ء

عزیزی، تسلیم
تمھاری چٹھی کئی دن پہلے ملی تھی۔ معلوم نہیں سرورؔ صاحب، شہریارؔ کو چاہتے تھے کہ نہیں لیکن انھوں نے اس کا نام نہیں لیا۔ اس کا نام قمر رئیس نے پیش کیا جس پر عنوان نے کہا کہ کوئی تحقیقی انعام کا سوال ہوتا تو ضرور ان کی تائید کی جاتی لیکن پروفیسری کے لیے نہیں۔
سلیکشن کمیٹی میں ہمیشہ انصاف سے کون کام لے سکا ہے۔ مجھے پہلی بار ۱۹۵۹ء میں سروری صاحب میسور یونی ورسٹی کی پروفیسری کے لیے بہ طورِ ماہر لے گئے۔ میں اُس وقت کالج پروفیسر تھا جو یونی ورسٹی کی ریڈر شپ کے برابر ہے۔ وہاں دو امیدوار آمنہ خاتون اور حبیب النساء بیگم تھیں۔ میں ریل میں راستے بھر سروری صاحب سے کہتا رہا کہ آمنہ بہتر ہیں۔ حبیب النساء بالکل گم نام ہیں۔ سروری صاحب مجھے سمجھاتے، پھسلاتے رہے۔ میسور میں معلوم ہوا کہ وائس چانسلر پہلے ہی سے حبیب النساء بیگم کے حق میں فیصلہ کیے بیٹھا تھا۔ مجھے اُس وقت یہ تمیز بھی نہ تھی کہ یہ کہتا کہ حبیب النساء کو پروفیسر نہ بنایا جائے۔ اس کے علاوہ میں نے کسی اور سلیکشن میں کم اہل کو ترجیح نہیں دی۔
جب سے میرٹ پرموشن اسکیم چلی ہے ہر نااہل پروفیسر ہو گیا ہے۔ اب پروفیسر اور لکچرر میں کوئی امتیاز نہیں رہا۔ ہر لکچرر پروفیسر بنایا جاسکتا ہے۔ ایسی کئی مثالیں ہیں کہ اسی شعبے میں لکچرر، پروفیسر سے زیادہ قابل ہے۔ ریڈر، پروفیسر سے بہتر ہو، اس کی مثالیں متعدد ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم کہیں نہ کہیں جلد پروفیسر ہو جاؤ گے۔
ہم اپنے یہاں ایم. فل میں تمام مقامی پروفیسروں اور ریڈروں کو ممتحن بناتے ہیں۔ عثمانیہ کا کوئی ریڈر ایسا نہیں جو ممتحن نہ بنا ہو۔ پچھلی بار میں چھٹی پر تھا۔ دو ممتحنوں کی فہرست دی جاتی ہے جس میں ایک مقامی ہوتا ہے، دوسرا بیرونی ہو کہ مقامی۔ پہلا وائس چانسلر ایم. فل کے لیے TA خرچ کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے زور دیتا تھا کہ مقامی ممتحن ہوں۔ موجودہ وائس چانسلر نے مقامی ریڈروں کے ساتھ دوسرے نام باہر کے پروفیسر کو منتخب کیا۔ میں اب صدرِ شعبہ نہیں ہوں۔ کوشش کروں گا کہ تمھیں کبھی یہاں بلوا سکوں۔

سرؔور صاحب نے سلیکشن کمیٹی میں ممکن ہے بارہا غلط انتخاب کیے ہوں لیکن ان کی اہلیت اور تنقید میں اعلا مقام کے بارے میں کوئی شک نہیں۔

تم اگر 'خطوطِ غالب' پر اعتراضات خلیق انجم سے کسی پُرخاش کی وجہ سے لکھ رہے تو مناسب نہیں۔ محض علمی وجہ ہو تو ایک بات ہے۔ میں نے خلیق انجم کو لکھا ہے کہ تم نے 'شانِ ہند' میں حنیف احمد نقوی پر کوئی مضمون لکھا ہے یا کسی دوسرے کے نام سے لکھایا ہے، مجھے اس کی نقل بھیج دو۔

وہ کل یہاں آنے والے ہیں۔ ممکن ہے ان سے ملنا ہو جائے۔

'نثری داستانیں' ابھی میرے پاس نہیں آئی۔ دو چار دن میں آ جائے گی۔ افسوس کہ اکیڈمی نے اس کے آخر میں اشاریہ نہیں لگایا۔

تمھارا خط میں نے چاک کر دیا ہے۔

خیر اندیش

گیان چند

(۱۸)

به نام پروفیسر حنیف نقوی

حیدرآباد

۸-۷/فروری ۱۹۸۸ء

عزیزی، تسلیم

دو دن پہلے تمھاری قابلِ قدر کتاب 'تلاش و تعارف' ملی۔ جی خوش ہوا۔ تم نے حسبِ معمول تحقیق کی داد دی ہے۔ جن اشخاص کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوتا یا مواد نہیں ملتا اُن کے بارے میں بھی تم نے کچھ نہ کچھ بل کہ بہت کچھ معلوم کر لیا ہے مثلاً منشی احمد حسین سحرؔ کے بارے میں۔

اِدھر خلیق انجم نے لکھا کہ 'اُردو ادب' کا آزادی کے بعد کے ۴۰ سالہ ادب کے بارے میں بھی خاص نمبر نکال رہے ہیں۔ مجھے 'اُردو تحقیق ۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۷ء تک: معیار و اقدار' کا موضوع دیا۔ میں نے لکھ کر بھیج دیا۔ اس میں دو جگہ تمھارا ذکر نمایاں طور پر کیا ہے۔ ابتدا میں لکھا ہے کہ جو حضرات پی ایچ ڈی کے مقالوں پر طنز کرتے ہیں ان کے (۱۳) منتخب مقالوں کے

نام پیش کرتا ہوں:

(۱) حسینی شاہد: امین الدین علی اعلیٰ، (۲) حنیف: شعرائے اُردو کے تذکرے،

(۳) عابد: انشاءاللہ خاں انشا۔

اس کے بعد میں نے لکھا ہے 'پی ایچ ڈی کے مقالوں کے ہجونویس بارے چند غیر سندی تحقیقی کتابوں کو سامنے لائیں جن میں اِن سے زیادہ دادِ تحقیق دی گئی ہو۔ واضح ہو کہ حنیف نقوی نے جب مقالہ لکھا وہ نئے طالبِ علم تھے، بقیہ دو حضرات لکچرر سے زیادہ نہ تھے'۔

آخری پیراگراف میں تحقیق کے عناصرِ خمسہ (محمود شیرانی + چار ستون) کے بعد دس پندرہ محققین کی فہرست دی ہے اور اس کے (بعد) نوجوان محققین کا جن کے نام نہیں دیے؟ تمھارا نام پہلی فہرست میں ہے۔ اس کے بعد بالکل آخری سطروں میں لکھا ہے: اگر قاضی عبدالودود کی طرح محتاط، دقیق و عمیق تحقیق کی تلاش ہو تو رشید حسن خاں، کالی داس گپتا رضاؔ، عابدؔ پیشاوری اور حنیف احمد نقوی وغیرہ کی سطح دیکھ کر نومیدی کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

امید ہے تم بہ خیر ہو گے۔

مخلص

گیان چند

ایک بات تو لکھو۔ تمھاری یہ کتاب لیتھو پر چھپی ہے یا وینڈ ائک سے۔ میں اپنے دو مجموعے چھپوانا چاہتا ہوں۔ دونوں میں کُل ملا کر آٹھ سو صفحات تک ہو سکتے ہیں۔ میری یونی ورسٹی نے مجھے پانچ ہزار روپے کی امداد دی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ کسی ناشر کو یہ رقم دے کر اس سے شائع کرالو۔ میں نہیں جانتا کہ اُردو کا کوئی ناشر معتبر ہے کہ نہیں۔ اگر تمھاری کتاب لیتھو میں ہے تو بہت اچھّی ہے۔ حیدرآباد میں یوپی کی بہ نسبت کتابت گراں ہے۔ گیان چند

(۱۹)

به نام پروفیسر حنیف نقوی

23 Nevada

Irvine CA 92606-1764

USA

۲۹؍ستمبر ۲۰۰۴ء

عزیزی پروفیسر حنیف نقوی، تسلیم

آج کی دوپہر میں ۸۱ سال کا ہوگیا ہوں۔ معلوم نہیں کہ اسے ۸۱واں جنم دن کہا جائے یا ۸۲واں۔ میں کاموں کی کثرت اور بیماری کی افراط سے گھبرا گیا تو یہ طے کیا کہ جب تک اپنے تصنیفی کاموں کو پورا نہ کرلوں گا نہ کوئی مضمون لکھوں گا نہ کسی سے خط و کتابت کروں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے تقریباً دو ڈھائی برس میں مَیں اپنے کرم فرماؤں اور اُردو دنیا سے کٹ گیا۔ اپنے خطوط کا جواب نہ پانے پر وہ لوگ خفا ہوئے۔ ظاہر ہے میرا یہ فیصلہ غلط تھا۔ میں اس بداخلاقی کے لیے اپنے بڑوں اور چھوٹوں سب سے دست بستہ معافی کا خواستگار ہوں۔

میں اپنی بیماریوں کی تفصیل دوں تو بھور ہوجائے گی اور آپ منغّض بھی ہوں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ۲۰۰۲ء میں میرے جسم کا توازن ختم ہونے لگا۔ میں یکم دسمبر ۲۰۰۲ء کو گر پڑا اور داہنے شانے (کندھا) میں ہڈّیاں ٹوٹ گئیں۔ یہ کیفیت دائیں بازو اور شانے میں رہی۔ میں اکثر گرنے لگا۔ بدن میں دو طرح کے خم آئے۔ گردن اور کمر آگے کو اِس حد تک جھک گئیں کہ زمین کے متوازی ہوگئیں۔ میں آئینے میں اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ گردن کے اوپر کا حصہ غائب رہتا ہے۔ کوئی مجھ سے بات کرتا ہے تو میں اس کے چہرے کو نہیں دیکھ پاتا اور اس سے اس کا نام پوچھتا ہوں۔ کتابوں کی الماریوں میں اوپر اور سب سے نیچے کے خانے کی کتابیں نہیں پڑھ سکتا۔ میری بیماری کا نام ہے: MULTIPLE SYSTEM ATROPHY (مختصراً MSA)۔ سائنس اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ اس کا کوئی علاج نہیں، بجز موت کے۔ یہ پارکن سن گروپ کی بیماری ہے۔ فرق یہ ہے کہ پارکن سن میں دواؤں سے 85% آرام مل جاتا ہے اور مریض عام زندگی گزارتا ہے لیکن MSA کو ان دواؤں سے محض 15% فائدہ ہوتا ہے۔

اس بیماری میں انسان اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے۔ ہر پانچ گھنٹے بعد دوا کی ایک گولی کھانی پڑتی ہے۔ وہ نہ کھائی جائے تو مریض مفلوج ہوجاتا ہے اور ہاتھ پانْو نہیں اٹھا سکتا۔ مثلاً آج رات میں کسی وقت جاگا۔ بستر کے ساتھ دوا کی گولی اور پیشاب کرنے کی بوتل رکھی رہتی ہے۔ اِدھر پیشاب، اُدھر جسم کا مفلوج ہونا۔ میں اٹھ نہ سکا، پورے ہوش میں لیٹے ہوئے بستر کے اندر پیشاب کو خارج کرنا پڑا۔ اس کے بعد زندگی... کا آپ قیاس کرسکتے ہیں۔ کچھ اور مسائل: میں 50% مفلوج ہوں، ۲- سخت قبض، ۳- پیشاب پر قابو نہ ہونا، ۴- حلق سے نگلنے اور چوسنے میں دقت، ۵- دستی تحریر کا اتنا... ہوجانا کہ اپنی تحریر کو بھی نہ پڑھ سکیں، ۶- بہت سستی و کاہلی

وغیرہ۔اس کو یہیں چھوڑ کر ادبیات پر آ ئیں۔

میری کتاب ' قاضی عبدالودود: ایک تحقیقی مطالعہ' کی کمپیوٹر کتابت کراچی اور بھوپال میں مکمّل ہوگئی ہے۔میری لسانیات کی کتاب 'ایک بھاشا، دو لکھاوٹ، دو ادب' ساہتیہ اکادمی سے اکتوبر میں متوقع ہے۔ میں نے اپنی مثنوی کی کتاب میں سے مختصر مثنویوں کو خارج کر دیا۔ بقیہ کتاب اُردو کونسل دہلی سے شائع ہوگی۔اس کی کمپیوٹر کتابت مجھے کوئی دو سال پہلے پروف ریڈنگ کے لیے بھیجی گئی۔ میں پروف نہ دیکھ سکا۔ بہت غلطیاں تھیں۔ میں نے پونے دو سال اپنے پاس رکھ کر کتاب واپس کر دی۔

پاکستان سے میری بعض کتابوں کے پاکستانی اڈیشن شائع ہوئے۔ میں بیٹھ کر نہیں لکھ سکتا۔ کھڑے ہو کر ہی لکھ سکتا ہوں، اس لیے رفتار بہت سست ہے۔اب لکھنے کا کام ترک کر رہا ہوں۔

تم نے بھوپال کے قیام پر بنارس کو ترجیح دی۔

خیر اندیش

گیان چند

(۲۰)

به نام پروفیسر حنیف نقوی

۵ جولائی ۲۰۰۵ء

عزیزی حنیف نقوی، تسلیم

تمھارا ۱۵/نومبر ۲۰۰۵ء کا سعادت نامہ بر وقت ملا۔ میں نے دو ڈھائی (برس) سے کتابوں کی تکمیل کے لیے زیادہ (وقت) دینے کے لیے مراسلت کو کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ بعض لوگوں کے خطوط کے جواب دو ڈھائی سال کے بعد گئے، بعض کے بالکل گئے ہی نہیں۔تمھیں اتنے دنوں تک جواب نہ دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ چوں کہ میں زیادہ دیر تک نہیں لکھ سکتا اس لیے اشاروں میں بات کرتا ہوں۔

بنارس ہندو یونی ورسٹی میں شعبۂ ہندی کے ایک امریکی ریسرچ اسکالر نے ایک کتاب لکھ کر شائع کی: One Language Two Script-The Hindi Movement in Nineteenthe Century in North India۔مصنف کا نام کرسٹوفر کنگ، آکسفورڈ

میں۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی، ہندستان میں ۱۹۹۹ء میں۔ اس کتاب کے اعداد وشمار اور جدولوں، چارٹوں وغیرہ کی بڑی شہرت ہے۔ میں نے اسی کا نام لے لیا ہے۔ موزوں مصرع بنانے کے لیے یہ نام رکھا۔ مجھے اس کی کمزوری کا احساس ہے۔ لکھاوٹ چوں کہ مونث ہے اس لیے جمع کا صیغہ لکھاوٹیں چاہیے۔ ادب کا ترجمہ نہیں کیا جائے گا۔ میں نے ہندی پرستی کی وجہ سے نہیں کیا۔

تمھاری آنکھ میں موتیابند کے ہونے کی خبر پر افسوس ہوا۔ ویسے ضعیفی میں زیادہ تر اشخاص کو موتیا ہوجاتا ہے۔ اس کا آپریشن بچوں کا کھیل ہے۔ out door آپریشن کر کے اسی دن چھٹی دے دیتے ہیں۔ میری ایک آنکھ کا آپریشن حیدرآباد ہوا، دوسری کا امریکہ میں... آپریشن کے بعد مجھے کہا گیا کہ باہر آرام سے دو گھنٹے لیٹے رہو۔ میں نے آدھ گھنٹے بعد ہی شور مچانا شروع کر دیا کہ میں تو ٹھیک ہوں، میں لیٹوں گا نہیں، مجھے گھر جانے دو۔ وجہ (یہ) تھی کہ میں اپنے ڈاکٹر داماد کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے گھر جانے کی اجازت مل گئی۔ یہ بھی لکھو کہ آپریشن کے بعد تمھاری آنکھ کے اندر Lance فٹ کیا گیا کہ نہیں؟

تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں نے کبیدہ خاطری کی وجہ سے تمھارے خط کا جواب نہیں دیا۔ اب یہ صورتِ حال ہے کہ میں کسی (سے) ناراض نہیں۔ میرے دو شاگرد ہی تو قابلِ ... ہیں، لیکن ان میں عابدؔ پیشاوری نے ایسا نام ڈبویا ہے کہ خدا کی پناہ۔ تین سال پہلے میں جمّوں گیا تھا، وہاں ظہورالدین نے تفصیل بتائی۔ میرے تو ہوش اُڑے ہوئے ہیں کہ ایسا کھرا (آدمی) کیسے ایسا چور ہوگیا۔ انھوں نے لائبریری کے مخطوطات ہی نہیں، مطبوعہ کتابیں بھی چرائیں۔ مجھے یقین ہے کہ انھوں نے رام پور کی لائبریری سے یکّتا کی کتاب کا غیر مطبوعہ حصہ بھی اُڑایا ہوگا، لیکن کیسے؟

میں نے ایک چھوٹی سی کتاب مرتّب کی ہے، باقیاتِ قاضی عبدالودود۔ اس میں قاضی صاحب کی وہ تحریر(یں) ہیں جو قاضی صاحب کے نام کے کسی مجموعے یا رسالوں کے خاص نمبر میں نہیں چھپیں۔ میری تم سے درخواست ہے کہ تم میرے ساتھ اس کتاب کے شریک مرتّب بن جاؤ۔ میرا خیال یہ ہے کہ... تمھیں کتاب کا مسودہ بھیج دوں، اگر تم پسند کرو تو۔ کمپیوٹر سے لکھوانے کے بعد اس کے بعض حصوں کو پڑھنا پڑے گا۔ تم فوراً اپنا ٹیلی فون نمبر لکھو۔ میرا ٹیلی فون نمبر لگاؤ اور مجھے نمبر بتانے (کے) بعد فون رکھ دو۔ میں اِدھر سے فون لگا کر بات کرلوں گا۔

میری بیماری قدرے بڑھ گئی تھی۔ روزانہ ایک دو بار گرتا تھا اور بستر میں رات کو پیشاب

نکلتا تھا۔ مجبوراً اب لڑکے کا گھر چھوڑا اور لڑکی کے شہر میں آ گئے۔ داماد ڈاکٹر ہے۔ وہ وہاں کے بڑے اسپتال کا چیف... ہے۔ مجھے پارکنسن قسم کی بیماری ہے۔ میری بیوی کو دماغی بیماری الزائمر ہے جس میں رفتہ رفتہ یادداشت اور پہچان کم ہو جاتی ہے۔ میں اسپتال میں رہتا ہوں اور بیوی ہماری بیٹی کے ساتھ ہے لیکن اسپتال سے یہ تین چار میل دور ہے اس لیے مجھے عمر کے آخر تک اسپتال کے کمرے میں رہنا ہوگا۔

مشفق خواجہ کے مرنے کا جو غم مجھے ہے، وہ کیوں کر بتاؤں۔ مجھے کسی ہندو مثلاً کالی داس گپتا، حکم چند نیّر وغیرہ کے مرنے کا وہ غم نہیں ہوا۔ اپنا فون نمبر ضرور لکھو، اگر میری کتاب میں شرکت نہ کرو تو بھی۔ مجبور نہ کروں گا۔ کتاب کو دلّی کے غالبؔ انسٹی ٹیوٹ سے چھپوانا چاہتا ہوں۔ اب دستی تحریر کے... ہونے کے کچھ کام کروں۔ اسپتال میں ادب کا ماحول بالکل نہیں۔
امید ہے تم سرشار ہو گے۔

مخلص

گیان چند

۲۳؍ جولائی کی صبح ٹیلی فون پر گفتگو ہو گئی، اس لیے جواب نہیں دیا گیا۔ حنیف نقوی۔

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

(۱)

شعبۂ اُردو، جمّوں یونی ورسٹی
جمّوں-۱۸۰۰۰۱
۱۳راگست ۱۹۷۴ء

محبّی۔ تسلیم

کرم نامہ ۲ دن پہلے ملا۔ میں نے مکان بدل لیا ہے۔ ۱۲رجولائی کو گاندھی نگر چھوڑ کر یونی ورسٹی کے سامنے کرشانگر میں آ گیا۔ مکان بہت اچھّا ہے لیکن گاندھی نگر کی طرح کھلی ہوا نہیں۔ آج کل مکان بدلنے کے معنی یہ ہیں کہ میں لکھنؤ میں تقرر سے پُر امید نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کو مزید ایک سال کی توسیع مل جائے گی۔

ابھی تک میرے نئے مکان پر فون نہیں لگا ہے۔ روزانہ امید کرتا رہتا ہوں۔ یہاں نمبر بدل کر ملے گا۔ آپ نے جو 8828 پر فون کیا تو وہ تو کٹ چکا ہے۔ اسے کون اٹھاتا۔

میری کتابوں کی اشاعت آپ کی ذاتی غرض نہیں میری ذاتی غرض ہے یعنی مجھ پر کرم۔ 'اُردو مثنوی' میں تقریباً کوئی تبدیلی نہیں کرنی۔ جو کرنی ہوگی وہ دیکھ کر آپ کو لکھ دوں گا۔ 'اُردو کی نثری داستانیں' کا کوئی مسوّدہ نہیں صرف ایک جلد میرے پاس ہے۔ اگر انجمن اسے چھاپنے پر تیّار ہو تو میں ایک مہینہ لگا کر اس میں معمولی سی ترمیم کر دوں گا۔ ادبی کمیٹی کا میں بھی ممبر ہوں۔ میٹنگ ہوئی تو آنے کی کوشش کروں گا۔ اسی وقت ساتھ میں جلد بھی لے آؤں گا۔

سنا ہے گجرال کمیٹی کی دستخطوں کی میٹنگ ۲۳راگست کو ہے۔ اس میں آپ سے ملاقات ہوگی۔

ہاں میرا ابھی خیال ہے کہ ملاّ جی کے معاملے میں سرؔور صاحب کی رائے ہمدردانہ نہیں معلوم ہوتی۔ میں تو پوری کوشش کروں گا لیکن بقیہ دونوں ممبروں نے مخالفت کی تو بات نہ بن سکے گی۔ دو نام بھیجنے کا کوئی قاعدہ نہیں۔ کسی طرح ملاّ صاحب، سرؔور صاحب سے کسی سے کہلا دیں تو کتنا اچھّا ہو۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۲)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

270، کرشنا نگر

جمّوں-۱۸۰۰۰۱

۱۰/ جولائی ۱۹۷۵ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، آداب عرض۔

آپ کے دولت خانے کا صحیح پتا اور فون نمبر میرے پاس نہیں۔ براہِ کرم دونوں لکھیے۔ میرے موجودہ مکان کا فون نمبر 4209 ہے۔ کہیں لکھ چھوڑا ہے۔

آپ کو 'غالب اور شاہانِ تیموریہ' پر انعام ملا اس کے لیے بدیر مبارک باد دیتا ہوں۔ دو تین دن قبل یہ کتاب دیکھنے کو ملی۔

یہ تو لکھیے کہ کیا آپ کے لیے میری دونوں thesis کے نئے اڈیشن چھاپنا ممکن ہوگا۔ میں عام لسانیات کا ضخیم پلندہ مکمّل کر کے ترقّیِ اُردو بورڈ کو بھیج چکا ہوں۔ آج کل خالی ہوں اس لیے سوچتا ہوں کہ 'اُردو مثنوی' اور 'اُردو کی نثری داستانیں' پر نظرِ ثانی کرلوں لیکن یہ اس صورت ہی میں ممکن ہے جب انجمن انھیں شائع کرنے کی حالت میں ہو۔ آج عابد پیشاوری کا خط آیا جس میں اس نے آپ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انجمن اب ڈھائی سو صفحات سے زیادہ کی کتاب شائع نہیں کرسکتی۔

اگر 'اُردو مثنوی' کا اڈیشن نکالنا ہو تو میں کم از کم اس پر نظرِ ثانی کردوں۔ معمولی سی ترمیم کرنی ہے۔

میرے بڑے بھائی ڈاکٹر پرکاش مونس کی thesis 'اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر' کئی سال سے مہاتما گاندھی انسٹی ٹیوٹ بمبئی میں دلوی کے پاس پڑی ہے۔ عاجز آکر میں نے اسے لکھا ہے کہ اگر شائع نہ کرسکو تو واپس کردو۔ غالباً وہاں سے مسوّدہ جلد واپس آجائے گا۔ کیا

آپ اس کو شائع نہیں کر سکتے۔ اس کی ضخامت بھی پانچ چھے سو صفحات ہوگی اور ہم اسے کم کرنے کو تیّار نہیں۔

آپ کے بلوں کا تقاضا ملا تھا۔ میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ ان کی ادائیگی ہوگئی۔ لائبریری سے معلوم کیا تو پتا چلا کہ ایک چیک تیّار رہے بقیہ جلد بھیج دیے جائیں گے۔ پھر معلوم کروں گا۔ بڑی بدنظمی ہے۔

امید ہے آپ انجمن کی جنرل سکریٹری شپ کے مزے لے رہے ہوں گے۔ جس طرح فخرالدین ہندستان کے شہری نمبرا ہیں اسی طرح آپ اُردو دنیا کے شہری نمبرا ہیں یعنی اُردو کے ایورسٹ کی چوٹی پر بلا شرکتِ غیرے قبضہ کیے ہیں۔ بڑے آدمی ہیں۔

امید ہے مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

آپ نے مجھے میرے فوٹو کی جو نقل بھیجی تھی وہ میں نے کہیں اشاعت کے لیے بھیج دی تھی۔ اب میرے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں۔ آپ کبھی اس کا negative تلاش کر سکیں تو ممنون کیجیے۔

گیان چند

(۳)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
شعبۂ اُردو، الٰہ آباد یونی ورسٹی
الٰہ آباد-۲۱۱۰۰۲
۶ ردسمبر ۱۹۷۶ء

مکرّمی۔ تسلیم

میری کتاب 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' انجمن نے ۶۹ء میں شائع کی۔ ایک ہزار کاپیوں کی رائلٹی ملنی تھی۔ مجھے ۱۰رمئی ۱۹۷۱ء Rs. 358.55 رائلٹی کے ملے اور بس۔ میرے کاغذات میں اس کے علاوہ کوئی اور اندراج نہیں۔ آپ کا پانچ سو کا اڈیشن کئی سال پیشتر ختم ہوگیا اور بقیہ پانچ سو کی ادائیگی بھی آپ نے تسلیم کی ہوئی ہے۔ معاوضے کی یہ عدمِ ادائیگی کسی تاجرانہ

ادارے کی طرف سے ہوتی تو بات سمجھ میں آتی لیکن ایک معزّز ادارے کی جانب سے یہ صورتِ حال افسوس ناک ہے۔ میں انجمن کی مالی مشکلات سے واقف ہوں لیکن اب بھی ہر سال کتابیں شائع ہوتی ہیں اور ادائیگیاں ہوتی ہیں۔ اگر زر کی بے نہایت قلّت ہو تو نئے کام روک کر پہلے پرانے کاموں کا حساب بے باق کرنا چاہیے۔

امید ہے آپ جلد پوری رائلٹی ادا کرنے پر فوری توجّہ کریں گے۔

نیاز مند

گیان چند

(۴)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

846، یونی ورسٹی روڈ،

الہٰ آباد-۲۱۱۰۰۲

۱۰رمئی ۱۹۷۷ء

محبّی۔ تسلیم

آج 'اُردو مثنوی' کی کاپیاں مل گئیں۔ دیکھ کر سہم گیا۔ کچھ دنوں میں پروف دیکھ کر بھیجوں گا۔ کاتب نے پیش لفظ کی بھی کتابت کر دی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ نیا پیش لفظ لکھوں۔ اب طبعِ اوّل کا پیش لفظ بھی برقرار رکھنا ہوگا اور ایک مختصر سا پیش لفظ طبعِ دوم کے لیے لکھا جائے گا۔

دلّی آنے سے میں احتراز کرتا ہوں۔ بہت کم آنا ہوتا ہے۔ سال میں ایک دو بار سے زیادہ نہیں۔ آئندہ جب کبھی آؤں گا آپ سے ضرور ملوں گا۔

مخلص

گیان چند

(۵)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

۸۴۶، یونی ورسٹی روڈ

الہٰ آباد-۲۱۱۰۰۲

۵رمارچ ۱۹۷۸ء

محبّی ۔تسلیم

آسام کے ڈاکٹر تاراچرن رستوگی کا مضمون اقبالؔ سے متعلّق یکم و۸؍جنوری ۸۷ء کے 'ہماری زبان' میں شائع ہوا تھا۔ انھیں یہ پرچہ نہیں ملا۔ وہ لکھتے ہیں کہ حالاں کہ وہ 'ہماری زبان' کو چندہ بھیجتے ہیں اس کے باوجود انھیں پرچہ نہیں بھیجا جاتا۔ وہ مجھ سے پرچے کا تراشہ مانگتے تھے۔ میں نے کہا کہ 'میں فائل رکھتا ہوں اس لیے نہیں دے سکتا'۔ انھوں نے لکھا ہے کہ میں کوشش کر کے پرچہ ان کے پاس بھجوادوں۔ وہ آپ کو اور ایم. حبیب خاں کو کئی خطوط لکھ چکے ہیں۔ ان کا پتا یہ ہے:

Dr. T.C. Rastogi

Principal, S.S. College

HAILAKANDI-788151 (Assam)

براہِ کرم ۸۷ء کے تمام 'ہماری زبان' بالخصوص یکم و۸؍جنوری والا پرچہ ان کے پاس بھجوادیجیے۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۲)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

شعبۂ اُردو، الٰہ آباد یونی ورسٹی

الٰہ آباد-۲۱۱۰۰۲

۲؍نومبر ۱۹۷۸ء

محبّی ۔تسلیم

اُردو کانفرنس کا دعوت نامہ ملا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں شرکت نہیں کر رہا ہوں۔ اگر اتّفاقیہ میں نے ارادہ کیا تو میں دو وضاحتیں کیے دیتا ہوں:

۱- میں کسی دوست کے یہاں قیام نہیں کروں گا بل کہ میرا انتظام انجمن کو کرنا ہوگا۔

۲- میں گوشت نہیں کھاتا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اُردو کے جانے پہچانے لوگوں میں صرف میں اور جاوید وشسٹ سبزی خور ہیں باقی سب ہندو گوشت خور ہیں۔

بہر حال میں کانفرنس کی شرکت سے محروم رہوں گا۔ اگر دوستوں نے زیادہ اصرار کیا تو حاضر ہوسکتا ہوں۔ فی الحال کوئی ارادہ نہیں۔

نیازمند

گیان چند

گزارش تھی کہ 'اُردو مثنوی' کی جملہ کاپیاں میرے پاس بھیج دی جائیں تو پروف ایک بار میں بھی دیکھ لیتا۔ اجازت چاہتا ہوں کہ تجلّی کی لیلیٰ مجنوں کی کاپی میں ایک صفحے پر کچھ ترمیم کرسکوں۔ کاتب صاحب کو دوبارہ لکھنے کی زحمت کرنا ہوگی لیکن ہوسکے تو صحت کا حق ادا ہوسکے گا۔

گیان چند

(۷)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

شعبۂ اُردو، الٰہ آباد یونی ورسٹی

الٰہ آباد-۲۱۱۰۰۲

۲۷/فروری ۱۹۷۹ء

جنرل سکریٹری، انجمن ترقّیِ اُردو ہند

مکرّمی۔ تسلیم

الٰہ آباد یونی ورسٹی میں تحقیق کی تفصیل بھیجتا ہوں۔ شائع فرمادیجیے۔ 'اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر' کی جلدیں تبصرے کے لیے نہ بھیجیے میں نے کئی حضرات کو دی ہیں اور کئی کو دینی ہیں۔ انھیں سے تبصرے کے لیے کہہ دوں گا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ میری کتاب 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کی کاپیوں سے تجلّی کی لیلیٰ مجنوں سے متعلّق کتابت شدہ حصّہ میرے پاس بھیج دیا جائے، میں اُس میں قدرے ترمیم کرنا چاہوں گا۔ انتساب کے الفاظ بھی بدلنا چاہوں گا۔ اس سلسلے میں کچھ لکھیے کہ کیا ہورہا ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۸)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
حیدرآباد یونی ورسٹی گولڈن تھریشولڈ
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۳۱؍مارچ۱۹۷۹ء
مکرّمی۔تسلیم

اب میں الٰہ آباد یونی ورسٹی کو خیر باد کہہ کر حیدرآباد کی نئی یونی ورسٹی میں آ گیا ہوں۔ براہِ کرم ساتھ کے صفحے پر دی ہوئی خبر 'ہماری زبان' کے اگلے شمارے میں چھاپ دیجیے اور آپ بھی 'ہماری زبان' مندرجہ بالا پتے پر عنایت کیا کیجیے۔

'اُردو مثنوی' کے پروف میرے پاس ہیں۔ دیکھ کر واپس کر دوں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

نیاز مند
گیان چند

(۹)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۲۳؍نومبر۱۹۷۹ء
محبّی۔تسلیم

آپ کو دو زحمتیں دے رہا ہوں:

۱- اقبالؔ کے دو اشعار سے متعلّق ایک مراسلہ یا تحریر 'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے ہے۔ اس سے قبل میں ایک اور مضمون 'میری تعریف کرو: ایک مذموم مطالبہ' 'ہماری زبان' کے لیے بھیج چکا ہوں۔ براہِ کرم اسے بھی چھاپ دیجیے۔

دوسری انگریزی تحریر حیدرآباد یونی ورسٹی میں شعبۂ اُردو کی ترقی سے متعلّق ہے، اس یونی ورسٹی میں ایک Center for Regional Studies قائم کیا گیا تھا، اُردو یا تیلگو کا

علاحدہ شعبہ نہیں۔ تجویز یہ تھی کہ ایک مشترکہ ایم اے کا کورس چلایا جائے جس میں پہلے سال میں سات مضامین ہو جائیں۔ اُردو، تیلگو، علاقائی معاشیات، علاقائی تاریخ، علاقائی موسیقی، علاقائی فنِ تعمیر، فلسفہ۔

دوسرے سال میں ان میں سے کسی ایک کو ۷۵% وقت دیا جائے گا اس کے نام پر ایم اے کی ڈگری دے دی جائے گی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس مرکز سے سات مضامین کے ایم اے نکلتے۔ یہ ملغوبہ inter-disciplinarian کو خبط کی حد تک پہنچا دینا ہے۔ اس کورس میں کوئی لڑکا داخلہ نہ لیتا اور اگر لیتا تو اسے کہیں نوکری نہ ملتی۔

میں نے اور تیلگو والے پروفیسر نے اصرار کر کے اُردو اور تیلگو کے جدا جدا ایم اے کھلوا دیے۔ میں نے نصاب کو بہت جدید اور inter-disciplinary بنایا ہے۔ ہماری اگلی منزل یہ تھی کہ اُردو اور تیلگو کے جدا شعبے قائم کیے جائیں۔ اس وقت تیلگو والے صاحب علاقائی زبانوں کے مرکز کے ڈائرکٹر ہیں۔ مرکز برابر ہے شعبے کے اور ڈائرکٹر برابر ہے صدرِ شعبہ کے۔ یونی ورسٹی کی اکیڈمک کونسل اور اکزکٹو کونسل نے پاس کر دیا ہے کہ اُردو اور تیلگو کے جدا شعبے قائم کر دیے جائیں۔ چوں کہ یہ ordinance کی تبدیلی ہے اس لیے منظوری کے لیے مرکزی حکومت کے پاس گیا ہے۔

اب ہمارا مطالبہ ہے کہ ہمیں کم از کم سات استاد دیے جائیں۔ فی الوقت صرف تین ہیں۔ ایک پروفیسر، ایک ریڈر اور ایک لکچرر۔ اُردو، ہندی، تیلگو کے سوا یہاں ہر شعبے میں سات سے لے کر ۱۴ تک اساتذہ ہیں۔ اُردو میں بھی میں چار مزید اساتذہ چاہتا ہوں۔

آپ نے ایک دفعہ 'ہماری زبان' میں لکھا تھا کہ کسی سیاسی جماعت کے نمائندے آپ کے پاس آئے تھے کہ اُردو کے لیے جو جو مطالبات ہوں لکھ دیے جائیں۔ میں آپ کو ایک memorandum کا انگریزی میں مسودہ بھیج رہا ہوں۔ آپ اس میں کچھ ترمیمات کرنا چاہیں تو کر لیں اور اس کی نقلیں ٹائپ کرا کے مرکزی انجمن ترقّی اُردو کی جانب سے وزیرِ اعظم، وزیرِ تعلیم، صدرِ جمہوریہ (جو ہمارے visitor ہیں) کو دے دیں اور اس کی نقل کسی اور مسلمان وزیر کو دینا چاہیں تو دے دیں۔ یہ انتخاب کا موسم ہے۔ آپ کی طرف سے مطالبہ ہوگا تو شاید کچھ مل جائے۔ طلبہ کی تعداد کی اہمیت نہیں کیوں کہ اس یونی ورسٹی میں تعداد محدود رکھی جاتی ہے یعنی کسی مضمون میں ۱۵ سے زیادہ نہیں لیتے۔ ہم نے ۱۵ کو منتخب کیا۔ ان میں سے دس نے داخلہ

لیا۔ دوسرے مضامین میں بھی ایسی ہی تعداد ہے۔ آپ میرا یہ کام کر دیں گے تو مشکور ہوں گا۔
ساتھ ہی اُردو کی خدمت بھی ہوگی۔ وزیرِ تعلیم یا وزیرِ اعظم یو.جی سی کو حکم دے سکتے ہیں۔
چوں کہ اُردو کے ساتھ تیلگو بھی نتھّی ہے اس لیے کامیابی کی زیادہ امید ہے۔ مجھے لکھیے کہ آپ
اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں۔ کسی بھی محضر یا وفد میں میرا نام نہیں آنا چاہیے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
یکم نومبر ۱۹۷۹ء

مکرّمی۔ تسلیم

مجھے افسوس ہے کہ میں طویل فاصلے کی وجہ سے چنڈی گڑھ میں منعقد ہونے والی مجلسِ
عام کی میٹنگ میں شرکت نہ کر سکوں گا۔

میری کتاب 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کون سی کھٹائی میں پڑ گئی؟

نیاز مند

گیان چند

(۱۱)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۱۰ر دسمبر ۱۹۷۹ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب تسلیم مع التکریم

آپ نے میرا بھیجا ہوا مسوّدہ صدرِ جمہوریہ وغیرہ کو بھیج دیا اس کے لیے مشکور ہوں لیکن
اس کے سلسلے میں ذیل کی عرض داشت کرنی ہیں:

۱-صدرِ جمہوریہ کے نام محضر بہت صاف ستھرا ٹائپ ہونا چاہیے تھا۔آپ نے single space پر کھچ پچ لکھایا ہے اور آخر میں تو سطروں کی بہت تنگی ہوگئی ہے۔

۲- آپ نے صدر کو ریڈی صاحب کر کے نام سے مخاطب کیا۔ یہ نامناسب تھا۔... لکھنے کے لیے آپ کو Respected Rashtrapati ji لکھنا چاہیے تھا۔

۳- آپ نے اس محضر کی نقل وزیرِ اعظم کو نہیں بھیجی۔اب میں آپ سے پُر زور طریقے سے کہتا ہوں کہ اسی مضمون کو پھر سے ٹائپ کرائیے اور وزیرِ اعظم کو مخاطب کیجیے۔اس کی نقل کسی کو نہ بھیجیے۔ یہ چٹھی وزیرِ اعظم کے نام ہوگی تو اس زمانے میں مفید ہوگی۔ ممکن وہ کچھ سفارش کر دیں۔وزیرِ تعلیم کرن سنگھ ایک بے جان کانگریس سے تعلّق رکھتے ہیں۔وزیرِ اعظم کا گروپ لوک دل اہم تر ہے۔آپ یہ ضرور کیجیے کہ اس مضمون کو وزیرِ اعظم کے پاس بھیج دیجیے۔ پہلا کاغذ آپ کے مطبوعہ letter-head پر اور دوسرا سادہ کاغذ پر۔

آپ نے یہ مناسب نہیں کیا کہ اس کی نقل میری یونی ورسٹی کے وائس چانسلر کو بھیج دی۔ اس کے مضمون سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس کا مواد میرا دیا ہوا ہے کیوں کہ یونی ورسٹی کے باہر والے کو یہ معلومات میسّر نہیں ہو سکتیں۔مجھ سے وہ خواہ مخواہ شاکی ہوں گے۔

بہرحال،اب آپ چرن سنگھ کو مخاطب کر کے یہ مضمون داغنے کی نوازش کیجیے۔

آپ نے میرا مضمون اقبالؔ کے دو اشعار چھاپنے کا وعدہ کیا،عنایت کی۔لیکن میرے نزدیک اہم تر مضمون 'میری تعریف کرو ایک مذموم مطالبہ' ہے۔ یہ میں پہلے بھیج چکا ہوں۔اب کیا چھپاؤں یہ مضمون میں نے مقامی روزنامے 'سیاست' میں بھی چھپوا دیا ('ہماری زبان' کو بھیجنے کے بعد)۔اور اس سے اہلِ حیدرآباد خفا ہیں۔میرے مخاطب حیدرآبادی ہی نہیں تھے، پورے ملک کے تبصرہ خواہ،مقدمہ خواہ، رائے خواہ تھے۔ یہ غلط رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔میرا مضمون اس پر ضرب کاری لگائے گا۔اس کی اہمیت کے پیشِ نظر آپ اسے 'ہماری زبان' میں ضرور چھاپ دیجیے اور یہ بھول جائیے کہ یہ 'سیاست' کے کسی مجہول شمارے میں چھپ چکا ہے۔

آخر میں لیجیے لائبریری کی بات۔اس سال .U.G.C کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ وہاں سے ہماری یونی ورسٹی کو نہیں ملتا۔ پیسے کی بہت کمی ہے۔over-draft لے کر خرچ چلایا جا رہا

ہے۔ ہر مد کے لیے ہمیشہ یہی تقاضا ہے کہ صرفہ کم کرو۔ لائبریری کے لیے صرف کورس سے متعلّق کتابیں منگاؤ۔

اس سال Political Science کے کچھ بل Accounts office سے اس اعتراض کے ساتھ واپس کیے گئے کہ کتابوں کا آرڈر باہر کیوں دیا گیا۔ ان کا مناسب جواب دے دیا گیا۔

میں نے اُردو کتابوں کی ایک بڑی فہرست بنائی یعنی ایم اے اور ایم فل کے نصاب کی جملہ کتابوں کی کئی کاپیوں کی۔ میں نے اوّل ایک مقامی بک سیلر کا نام لکھا۔ لائبریرین (اسسٹنٹ لائبریرین) سوا مہینے تک فہرست اپنے پاس رکھّے رہا۔ ایک دن میں لائبریری گیا اور پوچھا کہ آرڈر اب تک کیوں نہیں بھیجا۔ مجھے جواب ملا کہ وہ کتب فروش ان کے پاس نہیں آیا اس لیے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے اس کتب فروش سے کوئی لگاؤ نہیں، آپ کہیں سے بھی خرید لیجیے اور بہتر ہے کہ دلّی سے لیجیے تا کہ کتابیں جلد آئیں۔ میں نے اپنی چٹّھی میں سے اس مقامی کتب فروش کا نام کاٹ کر آپ کے ادارے کا نام یعنی انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)، اُردو گھر، راؤز ایونیو، دلّی لکھ دیا۔ وہ لوگ پھر بھی ایک ہفتے تک اِسے اپنے پاس رکھّے رہے۔ کچھ عرصے کے بعد میں پھر معلوم کرنے گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بڑا آرڈر دلّی بھیجنے کے بہ جاے ایک اور مقامی کتب فروش کو دے دیا ہے اور اُس نے اس میں سے کچھ کتابیں سپلائی بھی کر دی ہیں۔

تو صاحب، اس سال روپیہ کم ہے۔ لائبریری میں کوئی یہ بتاتا بھی نہیں کہ کتابوں کی خرید کے لیے بالخصوص اُردو کے لیے کتنا روپیہ ہے یا کوئی روپیہ ہے بھی کہ نہیں؟ پھر کتابیں لیتے ہیں تو مقامی منظورِ نظر مخصوص کتب فروشوں سے، جو شاید انھیں کمیشن دیتا ہو۔ اگر ہم کسی اور کتب فروش کا نام بالخصوص باہر کی فرم کا نام لکھتے ہیں تو آرڈر جاتا ہی نہیں، لائبریری میں دبا رہتا ہے۔

آج کل ہمارے یہاں وائس چانسلر نہیں ہیں۔ سابق وائس چانسلر ۳۱/اکتوبر کو سبک دوش ہو گئے۔ نئے کا تقرر نہیں ہوا۔ سب سے سینئر پروفیسر شِوکمار Acting vice chancellor ہیں۔ وہ ڈرپوک ہیں، کہتے ہیں ایم اے اُردو کے پرچوں کے لیے جن کتابوں کی ضرورت ہے صرف وہی خریدو۔ ریسرچ کے لیے نہ خریدو یونی ورسٹی کے پاس بالکل پیسہ نہیں ہے۔

اگر آپ کے پاس کتابوں کی کوئی فہرست ہو اور بھیج دیں تو ان میں سے کچھ کا آرڈر بھجوا

دوں۔

شعبے سے متعلق محضر کو وزیرِ اعظم کے نام ضرور بھیج دیجیے اور کُھلا کُھلا ٹائپ کرا کر۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۱۲)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

۱۳ر نومبر ۱۹۸۰ء

مکرّمی۔ تسلیم

دیوالی کا تہنیت نامہ ملا۔ تہِ دل سے مشکور ہوں۔ براہِ کرم اپنی اہلیۂ محترمہ تک بھی میرا شکریہ پہنچا دیجیے۔ کارڈ بہت خوب صورت ہے۔

میں بھی آئندہ ایک سال میں آنے والے جملہ اسلامی تہواروں یعنی محرم، عید، بقرعید، شبِ برات اور شبِ قدر وغیرہ کے لیے آپ کو مبارک باد بھیجتا ہوں۔

میری کتاب 'اُردو مثنوی' کا دوسرا اڈیشن چھپوانے کی کوشش کیجیے۔ بہت انتظار کر چکا۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۳)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

۶ر جنوری ۱۹۸۱ء

محبّی۔ تسلیم

نئے سال کا خوب صورت تہنیت نامہ ملا۔ تہِ دل سے مشکور ہوں۔ خدا کرے آپ کے لیے بھی یہ سال مسرتوں کا خزینہ ثابت ہو۔

دسمبر میں مَیں وطن گیا تھا پورے ماہ یو پی میں رہا۔ میرے بڑے بھائی مونس صاحب کہتے تھے کہ ان کی کتاب 'اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر' کا نہ 'ہماری زبان' میں اشتہار آتا ہے نہ کبھی اس پر تبصرہ کیا گیا۔ آپ کو یہ کتاب پیش کرتے وقت درخواست کی گئی تھی کہ اس پر تبصرہ کر دیں۔

میرا ایک مجموعہ 'ذکر و فکر' کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔ آپ کے پاس سو جلدیں بھیج دوں گا نیز کچھ جلدیں لوگوں کو پیش کرنے کے لیے آپ کے پارسل میں رکھ دوں گا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۴)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

A15، اسٹاف کوارٹرس

سنٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس

حیدر آباد-۵۰۰۱۳۴

۲۸؍جون ۱۹۸۱ء اتوار

محبّی۔ تسلیم

مندرجہ بالا میرے گھر کا پتا ہے۔ آپ کا کرم نامہ کل ملا حالاں کہ یونی ورسٹی میں پرسوں آ گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میرے بہت سے خطوط گُم بھی ہو جاتے ہیں۔

اوم پرکاش بجاج سے ایک زمانے سے مراسلت نہیں۔ میں نے آج ہی انھیں لکھا ہے کہ کتابت فوراً واپس دیں۔ ساتھ ہی مالک رام کو لکھا ہے کہ وہ بھی بجاج پر تقاضا کریں۔ اگر کاپیاں ملنے میں دیر ہو تو آپ بھی مالک رام کو فون کر کے تقاضا کرائیے۔

'اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر' کے تبصرے کا شکریہ۔ میں نے اسے نہیں سُنا۔ ریڈیو کم لوگ سنتے ہیں۔ آپ 'ہماری زبان' میں چھاپیں تو کہ و مہ تک پہنچ جائے۔ آپ اس کی نقل مجھے

نہ بھیجیے میرے بھائی کو بھیج دیجیے۔ اس کتاب کی رائلٹی کا چیک بھی مجھے نہ بھیجیے براہِ راست میرے بھائی کو بھیجیے۔ مجھے ان کے پاس بھیجنا پڑے گا۔ آپ انھیں بھیجیں گے تو رسید بھی وہ بھیج دیں گے۔ ان کا پتا ایک بار پھر:

ڈاکٹر پرکاش مونس

ایڈووکیٹ

سول لائنز، بجنور (Bijnor) یوپی

246701

تو رقم کا چیک اور تبصرے کی نقل دونوں انھیں۔ انجمن کی مالی حالت کے خراب ہونے کا افسوس ہوا۔ آج کل کس کی مالی حالت (میرے سوا) خراب نہیں ہوتی۔ میں نے تو سفر ترک کر دیا ہے اس لیے میٹنگ نہ ہونے سے کوئی محرومی نہیں۔

'اُردو ادب' کے آخری شمارے پر آپ نے تو سنہ لکھا نہ مہینہ، نہ جلد نہ شمارہ۔ بالکل لنڈھورا نکلا۔

میں نے ایک بڑا زوردار طنزیہ مضمون لکھا ہے 'یونی ورسٹی پروفیسر: ایک شہر آشوب'، 'سب رس' حیدرآباد میں زیرِ طبع ہے۔ آپ کو اس کی کاپی بھجواؤں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۱۵)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

۱۸ر اگست ۱۹۸۱ء

مکرّمی۔ تسلیم

میں مجلسِ عام کے لیے کوئی نام تجویز نہیں کروں گا۔ دوسروں کے تجویز شدہ ناموں میں سے کسی ایک کا انتخاب کروں گا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

نیازمند

گیان چند

(۱۶)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

حیدرآباد

۸؍نومبر ۱۹۸۱ء

مکرّمی آداب عرض

کرم نامہ ملا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، میرے نام ڈاکٹر عابد حسین کا صرف ایک خط آیا تھا۔ معلوم نہیں وہ کہیں ہے کہ نہیں؟ میرے پاس تو نہیں ہے۔ میرے نام کے پرانے خطوط میرے ایک شاگرد کے پاس بھوپال میں جمع ہیں۔ ان سے پوچھوں گا کہ کیا اس پلندے میں ڈاکٹر عابد حسین کا لکھا ہوا پوسٹ کارڈ ہے؟ اگر مل گیا تو میں آپ کو بھیج دوں گا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

میں نے اپنے لڑکے کی شادی ۲۲؍نومبر کا دعوت نامہ آپ کو بھیجا ہے۔ شریک ہو کر ممنون کیجیے۔

مخلص

گیان چند

(۱۷)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

۲۱؍مئی ۱۹۸۲ء

تسلیم

کان فرنس سے متعلّق گشتی چٹھّی ملی۔ جب یہ قراردادیں بڑے اجلاس میں منظور ہو گئیں تو اب ان پر رائے دینے کے کیا معنی۔ کسی کے اختلافی نوٹ کے باوجود یہ منظور شدہ قراردادیں ہیں۔ بہرحال میں اپنا تبصرہ دوں گا، لیکن اس سے پہلے یہ عرض کروں کہ ص ۴ کے

پہلے کالم میں تیسرے اجلاس کی مجلسِ صدارت میں کچھ لوگوں کے نام ہیں لیکن میرا نہیں۔ چلیے کوئی ایسی بات نہیں۔ پچھلے سال حیدرآباد میں ایک بڑی فانی تقریب ہوئی تھی۔ بہتوں نے مقالے پڑھے۔ میں نے بھی پڑھا۔ جگہ جگہ رپوٹیں آئیں۔ سب کے مقالوں کا ذکر تھا صرف میرے مقالے کا کوئی ذکر نہ تھا۔

'ہماری زبان' کا کانفرنس نمبر مجھے نہیں ملا۔ آپ شعبے کے نام جو پرچہ بھیجتے ہیں وہ مل گیا ہے۔ اب سفارشوں پر نظر ڈال کر کچھ لکھتا ہوں۔

اعلا سطح کی تعلیم سے متعلّق قرارداد سے مجھے اتّفاق نہیں۔ لکھا ہے کہ اُردو مادری زبان والے طلبہ جن یونی ورسٹیوں میں غیر لسانی پرچوں کے جواب اُردو میں لکھنا چاہیں اس کی اجازت ہو۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ گوہاٹی یا پونا یونی ورسٹی میں کوئی لڑکا کیمسٹری یا Sociology پرچوں کے جواب اُردو میں لکھنا چاہے اسے اجازت ہو۔ آپ نے یونی ورسٹی کی انتظامی دقتوں کا خیال کیا۔ تجویز نمبر ۱۲ انجمن میں شعبۂ صحافت کی بات درست ہے لیکن انجمن کی اتنی ذمے داریاں ہیں ان میں مزید کا اضافہ کیا جائے تو اس سے عہدہ برآ ہوا جا سکے گا کہ نہیں۔

تجویز ۱۳ صحافتی کورس۔ یہ ان یونی ورسٹیوں تک محدود رکھنا چاہیے جو اُردو کے علاقے میں ہیں۔ اگر غیر اُردو علاقے کی یونی ورسٹی صحافت کا کورس شروع کرتی ہے تو وہاں اُردو صحافت کے کورس کی غالباً زیادہ مانگ نہ ہوگی۔

تجویز ۱۴: صحافتی اصطلاحات، اصطلاحات کی ٹکسال ترقّیِ اُردو بورڈ میں سے تھیں۔ متوجہ کیا جائے کہ صحافت کی ایک panel بنا دیں اگر پہلے سے نہ ہو۔

مجھے مزید کچھ عرض نہیں کرنا ہے۔

نیازمند

گیان چند

(۱۸)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد–۵۰۰۰۰۱

۲ر جون ۱۹۸۲ء

مکرّمی۔ تسلیم

کرم نامہ ملا۔ شکریہ۔ اس بات کا مزید شکریہ کہ آپ مثنوی کے دوسرے اڈیشن کی اشاعت کی کوشش کررہے ہیں۔ یہاں میرے پاس ٹائٹل بنوانے کا انتظام نہیں۔ آپ سادہ سا سرورق بنوا لیجیے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

نیاز مند

گیان چند

(۱۹)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

۹؍نومبر۱۹۸۳ء

محبّی۔ تسلیم

۱۴؍اکتوبر کا کرم نامہ بروقت ملا تھا۔ مضمون کی رسید ہے۔ شکریہ۔ میرے مضمون سے فراقؔ کے یہ الفاظ سامنے آتے ہیں: ''اسلام نابدان کا کیڑا، مسلمان بینگن کا ٹھیلا ڈھکیلنے والے''۔ آپ کے سر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فراقؔ نے یہ الفاظ کہے تھے۔

میں نے فراقؔ کے بیٹے کی خودکشی کی سنی سنائی وجہ لکھی تو ہے کہ فراقؔ نے اس کے کسی کلاس فیلو کے ساتھ اغلام کرنا چاہا تھا۔ جہاں خودکشی کا ذکر ہے وہیں یہ بات لکھی ہے۔ ذرا مضمون نکال کر دیکھ لیجیے کہیں میں لکھنے سے تو نہیں رہ گیا۔

مضمون کے دوسرے پیراگراف میں جس لطیفے کا ذکر ہے وہ یہ ہے: ''الٰہ آباد کے چوک میں گھنٹا گھر کے پاس ایک ہاتھی دُم اٹھائے کھڑا تھا۔ کسی طرح دُم نیچے کرتا ہی نہ تھا۔ لوگ اس کی دُم پکڑ کر لٹک جاتے تھے پھر بھی دُم نیچے کو نہ ہوتی تھی۔ اتنے میں یونی ورسٹی کا ایک لڑکا آیا، اس نے ہاتھی کے کان میں کچھ کہا، ہاتھی نے فوراً دُم نیچے کو کرلی۔ لوگوں نے لڑکے سے پوچھا کہ تم نے ہاتھی سے کیا کہا تھا۔ لڑکے نے کہا میں نے کہا تھا ''سالے! فراقؔ آرہا ہے''۔

مضمون میں ایک اضافہ کردیجیے۔ جب میں الٰہ آباد یونی ورسٹی میں بہ حیثیت استاد کے

پہنچا تو فراقؔ نے شکوہ کیا کہ مسلمانوں نے اس ہندو شاعر (راجا رام نراین موزوں) کا محض ایک شعر برقرار رکھا ہے۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانا مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

پانچ شعر سے پہلے فراقؔ کے الفاظ ہیں: ''جس کا صرف ایک شعر باقی رکھا ہے''۔ آپ اس پرا لکھ دیجیے اور نیچے فٹ نوٹ میں یہ نوٹ لکھ دیجیے:

''معاصر کے شمارہ ۳۸ میں عطا کاکوی اپنے مضمون 'غلطی ہائے مضامین' میں دعوا کرتے ہیں کہ یہ شعر موزوں کا نہیں ہے۔ فراقؔ زندہ ہوتے تو آزردہ ہوتے کہ ایک مسلمان نے موزوں کا اکلوتا شعر بھی چھین لیا''۔

امید ہے آپ نے لندن و برمنگھم میں خوب دادِ عیش دی ہوگی کہ آپ وہاں تنہا گئے تھے۔

مخلص

گیان چند

(۲۰)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
گولڈن تھریشولڈ، ناملی اسٹیشن روڈ
حیدر آباد-۵۰۰۰۰۱
۲۰؍جولائی ۱۹۸۳ء

محبی۔ تسلیم

میں ۱۴؍جولائی کو سفرِ مغرب سے واپس آیا۔ اس سفر میں کسی ادارے سے کوئی مالی مدد نہ لی۔ امریکہ میں میری لڑکی اور داماد رہتے ہیں۔ داماد ڈاکٹر ہیں اور بے تحاشا روپیہ کماتے ہیں۔ انھوں نے ہمیں (مجھے اور میری بیوی کو) ٹکٹ بھیجا اور سفرِ امریکہ کے جملہ اخراجات اٹھائے۔ اس کے باوجود میرے ساتھ سفر کی اطلاع کے طور پر ایک خبر ارسال کر رہا ہوں۔ 'ہماری زبان' میں شائع کر دیجیے اور ممنون کیجیے۔

مجھے بی بی سی لندن میں انٹرویو ریکارڈ کرانے کا معاوضہ ۲۰ پونڈ ملا۔ اس کے علاوہ امریکہ میں کہیں سے ایک پیسے کی یافت نہ ہوئی۔ میں نے آپ کا بیلٹ پیپر ملنے کے فوراً بعد واپسیِ

ڈاک سے بھیج دیا تھا۔
امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہو گا۔

مخلص
گیان چند

(۲۱)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد
۱۱رنومبر۱۹۸۳ء
محبّی ۔تسلیم

دیوالی کی تہنیت کے لیے شکریہ۔ میری صحت کو کیا ہوا ابھی میں مرنے والا نہیں۔ خون کے کینسر کو عابد پیشاوری کی ہومیوپیتھی کی دوا Nat mue دبائے رکھّے گی۔ ایک ہفتے تک دوبار 200 طاقت کی دوا کھائی۔ پھر سات آٹھ ہفتوں تک ہفتے میں ایک بار ایک ہزار طاقت کی دوا کھائی۔ پھر دس ہزار طاقت کی خوراک کھائی اور ایک مہینے تک کچھ نہیں کھاؤں گا۔

دوسرے لوگوں کا اصرار ہے کہ Nat Solph بہتر ہو گی لیکن عابدؔ کی رائے ہے کہ Nat Mue ہی مناسب ہے۔ آپ بھی ماہر ہومیوپیتھیات ہیں، کچھ غور کیجیے۔

مخلص
گیان چند

(۲۲)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۶رجولائی۱۹۸۴ء

'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے مراسلہ

مکرّمی تسلیم۔ ۱-'ہماری زبان' کی نئی طباعت بہت دیدہ زیب اور رنگینیاں دل فریب

ہیں۔ شہ پارہ اور فوٹو دل چسپ ہوتے ہیں لیکن عکس اور آ ثار نیز بھولے بسرے اشعار غیر ضروری ہیں۔ اگر کوئی غیر معمولی اہمیت کی تحریر ہو تو اس کا عکس دینے کا جواز ہے، غالبؔ کے خطوط کے عکس کی کیا ضرورت ہے۔ پرتھوی چند کے 'مرقعِ غالب' میں بہت سے عکس ہیں۔

۲- یکم اگست ۱۹۸۴ء کے مراسلے میں احمد رشید شیروانی صاحب کا مضمون 'یوپی میں اُردو کے مسائل' اس موضوع پر بہترین تحریر ہے۔ وہ تمام اُردو دانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ اپنے بچّوں کی تعلیم اُردو میڈیم سے کرائیں لیکن انھوں نے یہ پہلو نظر انداز کر دیا کہ موجودہ ماحول میں ہر کھاتا پیتا آدمی اپنے بچّوں کو انگریزی میڈیم پبلک اسکولوں میں پڑھاتا ہے کیوں کہ وہاں تعلیم کا معیار اچھّا ہوتا ہے۔ ان اسکولوں میں بالعموم اُردو کی تدریس نہیں کی جاتی۔

۳- آپ نے ۸/جولائی ۱۹۸۴ء کے 'ہماری زبان' میں مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی پر اداریہ لکھّا۔ میری ناقص رائے میں یہ نامناسب تھا۔ اس سے پہلے بھوپال کے اخباروں میں اس موضوع پر لکھّا جا رہا تھا۔ 'ہماری زبان' اس سلسلے میں کسی کا مراسلہ چھاپ دیتی تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ ادبی سیاست کے اس قضیے میں خود 'ہماری زبان' کو نہ کود جانا چاہیے تھا۔ یوپی اُردو اکیڈمی میں یہ قاعدہ ہے کہ انعامی کمیٹی کے ارکان کی کسی کتاب پر انعام نہیں دیا جا سکتا لیکن مجلس عاملہ کے بقیہ ارکان کی کتابوں پر انعام دیا جا سکتا ہے۔ اگر مدھیہ پردیش اکیڈمی میں اس قسم کا کوئی امتناع ہو اور قاعدے کی خلاف ورزی کر کے کسی رکن کی کتاب پر انعام دیا گیا ہو تو اعتراض کی بات ہے۔ اگر ایسا امتناع نہیں تو اعتراض بے موقع ہے۔ یوپی اکیڈمی میں مسوّدات کی اشاعت کے لیے مالی امداد کسی بھی رکن یا غیر رکن کو دی جا سکتی ہے۔ مدھیہ پردیش اکیڈمی کے سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ کیا انعام دیتے وقت قواعد کی خلاف ورزی کی گئی؟

گیان چند

(۲۳)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

گولڈن تھریشولڈ، نامپلی اسٹیشن روڈ
حیدر آباد-۵۰۰۰۰۱
۲۳/اگست ۱۹۸۴ء

محبّی۔ تسلیم

انگریزی اخبار سے معلوم ہوا کہ آپ کو غالب انسٹی ٹیوٹ کا انعام ملا ہے۔ تفصیل معلوم نہ ہوئی۔ شاید غالبؔ کے خطوں والی کتاب پر تحقیق کا انعام ملا ہوگا۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ انجمن ترقیِ اُردو (ہند) کی ڈاک کے ذریعے مجھے اس کتاب کی ایک جلد دان کر دیں۔

اور اس انعام کے طفیل میں مجھے یہ انعام دیں کہ ۸۴ء کے آخر تک میری ناکارہ کتاب 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کا دوسرا اڈیشن مع اشاریے کے چھاپ دیں اور پہلے اڈیشن ۱۹۶۹ء کی بقیہ رائلٹی جو محض آٹھ سو روپے کے قریب ہے، ادا کر دیں۔ آپ کی درازیِ عمر کے لیے دعا کروں گا۔

مخلص

گیان چند

Dr. Khaliq Anjum
General Secretary
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Rose Avenue, New Delh-110002

(۲۴)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۲۶ر ستمبر ۱۹۸۴ء

بہ خدمت جناب جنرل سکریٹری صاحب
انجمن ترقیِ اُردو (ہند)
نئی دہلی

مکرّمی تسلیم

مجلسِ عام کی کچھ خالی نشستوں کے لیے الیکشن ہونے والے ہیں۔ میرے پاس اس کثرت سے سفارشی چٹھیاں آ رہی ہیں کہ جان ضیق میں آ گئی۔ اس مخمصے سے نکلنا چاہتا ہوں۔ مجھے لینا ایک نہ دینا دو۔ انجمن ترقیِ اُردو کے لیے میری افادیت صرف الیکشن میں ووٹ دینے

کی رہ گئی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ جب اتنے سارے شائقین کی بھیڑ لگی ہے تو کیوں نہ ان کے لیے ایک جگہ خالی کر دوں۔

میں انجمن کی مجلسِ عام کی حیاتی رکنیت سے استعفا دیتا ہوں۔ آپ سے پُر زور درخواست ہے کہ اسے قبول کرلیا جائے اور میرے نام بیلٹ پیپر جاری نہ کیا جائے۔

ہو سکے تو الیکشن کو کچھ عرصے کے لیے روک کر میری خالی جگہ کے لیے بھی اسی بیلٹ میں ووٹ ڈلوا لیجیے۔

استعفا دینے کے بعد میں سفارشیوں سے محفوظ ہو جاؤں گا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

انجمن میں آپ، جنابِ صدر اور دوسرے تمام عہدے داروں نے میرے ساتھ جس لطفِ خاص کا برتاؤ کیا اس کے لیے میں ممنون ہوں۔

نیاز مند

گیان چند

(۲۵)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

۹/اکتوبر۱۹۸۴ء

بخدمت جناب جنرل سکریٹری

انجمن ترقیِ اُردو (ہند)

نئی دہلی

مکرّمی تسلیم

آئین میں ترمیم سے متعلّق آپ کی چٹھی مورخہ ۳/ستمبر۱۹۸۴ء کل ۸/اکتوبر کو ملی۔ مجھے جملہ ترمیمات منظور ہیں۔

انجمن سے میرے پتے میں Central Regional Studies لکھّا رہتا ہے جو غلط ہے۔ دفتر کو ہدایت کر دیجیے کہ 'ہماری زبان' بھیجنے کے لیے نیز دوسری مراسلت کے لیے میرا پتا

یوں لکھا جائے:

Dr. Gian Chand Jain
Prof. of Urdu
University of Hyderabad
Nampally Station Road
Hyderabad-500 001

ایک دفعہ کو نام پلی اسٹیشن روڈ نہ بھی لکھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پن کوڈ ضروری ہے۔
امید ہے مزاج بہ خیر ہوگا۔ خطوطِ غالبؔ پر رائے لکھ کر جلد بھیجوں گا۔

نیازمند
گیان چند

(۲۶)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۲۷/نومبر ۱۹۸۴ء
محبّی۔ تسلیم

الیکشن ہونے والے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ بہتی گنگا میں ہاتھ دھولوں شاید کوئی گوہر مل جائے۔ اپنے شعبے کے لیے ایک مزید پروفیسر کی جگہ کا مطالبہ کرنا ہے۔ آپ انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) کی طرف سے ایک چٹھی وزیرِ اعظم کو لکھ دیجیے اور اس کی نقل شیلا کول اور ارون نہرو کو بھیج دیں۔ شیلا کول کو چٹھی نہ لکھیں۔ جنوری میں آنند نرائن ملاّ اور نارنگ اس محترمہ سے ملے تھے اور میرے شعبے کی ترقّی کے بارے میں کہا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ ہاں تو خط کا مضمون حسبِ ذیل ہو:

۱- سنٹرل یونی ورسٹی حیدرآباد کا شعبۂ اُردو کم التفاتی کا شکار ہے۔ جب کہ دوسرے شعبوں میں اساتذہ کی تعداد ۱۷ تک ہے، شعبۂ اُردو میں کُل ملا کر محض ۵ ہیں۔ یو جی سی کا قاعدہ ہے کہ جن شعبوں میں ایم فل کی جماعتیں ہوں وہاں کم از کم چھے اساتذہ ہونے چاہئیں اُردو کا شعبہ برسوں سے ایم فل پڑھا رہا ہے لیکن وہاں اب بھی محض ۵ جگہیں منظور کی گئی ہیں۔

۲- دوسرے شعبوں میں دو سے لے کر ۵ تک پروفیسروں کی پوسٹ ہیں۔ شعبۂ اُردو میں محض ایک ہے۔ عثمانیہ یونی ورسٹی میں ۴ پروفیسر ہیں۔ اس لیے درخواست ہے کہ مرکزی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے لیے فوراً ایک مزید پروفیسر کی اسامی منظور کر دی جائے تا کہ وہاں اساتذہ کی تعداد چھے اور پروفیسروں کی دو ہو جائے۔ اس کے بعد بھی یہ سب سے چھوٹا شعبہ رہے گا۔ دوسرے شعبوں کی اسامیوں کا اشتہار ہونے والا ہے۔ اگر اُردو کو پروفیسر کی ایک جگہ فوراً دے دی جائے تو اس کا اشتہار بھی ساتھ میں ہو جائے۔ یو.جی.سی کو ہدایت دے دی جائے۔

۳- حیدرآباد کے اُردو بولنے والے عوام شعبۂ اُردو کی ناانصافی پر مغموم ہیں۔

آپ اس خط کے لیے صدرِ انجمن کو زحمت نہ دیں۔ خود ایک چٹھی لکھ کر فوراً بھیج دیں۔ اگر مزید پروفیسر کی پوسٹ مل گئی تو ایک اچھے آدمی کا تقرر کر دیا جائے گا۔ نہیں ملی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ محض ایک چٹھی ہی کا تو خرچ ہے۔

فوراً لکھ دیجیے مشکور ہوں گا۔

مثنوی کی کتاب پر سنہ طباعت ۱۹۸۵ء لکھائے۔ اشاریہ ضرور بنوایئے۔

مخلص

گیان چند

Dr. Khaliq Anjum
General Secretary
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Rose Avenue, New Delh-110002

(۲۷)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
سینٹرل یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۱۹ر دسمبر ۱۹۸۴ء

محبّی۔ تسلیم

میری دائیں آنکھ کا موتیابند کا آپریشن دو منزلوں میں ہونا ہے۔ ایک ۱۱ر دسمبر کو ہوا، دوسرا اس ماہ کے آخر میں ہوگا۔ لکھنا پڑھنا بند ہے لیکن ایک ضروری کام ہے جس کی وجہ سے میں

آپ کو براہِ راست لکھ رہا ہوں۔

میرے شعبے سے اُردو کے ایک ریڈر اور لکچرر کی جگہ کا اشتہار ہوا ہے نیز ایک ریڈر تقابلی ادب (اُردو) کا۔ میں نے نارنگ کو لکھا تھا کہ آپ کو مطّلع کریں کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو ریڈر کی جگہ کے لیے درخواست دے دیں۔ معلوم نہیں آپ کو خبر ملی کہ نہیں۔ درخواست کی آخری تاریخ ۲۸ر دسمبر ہے۔ اگر آپ درخواست دینا چاہیں تو ایسا کیجیے:

Deputy Registrar (Development)
Central University P.O.
Hyderabad-500 134

کے نام بھیج دیجیے نیز ایک پوسٹل آرڈر Rs 7.50 کا Finance Affair Univresity of Hyderabad کے نام کراس کر کے لگا دیجیے۔ اس کے علاوہ ڈپٹی رجسٹرار کو لکھیے کہ درخواست کا مقررہ فارم آپ کو بھیج دیں۔ احتیاطاً وائس چانسلر سنٹرل یونی ورسٹی حیدرآباد–134 500 کو ایک درخواست لکھیے کہ مجھے پہلے سے معلوم نہ ہو سکا۔ اب معلوم ہوا کہ آپ کے یہاں سے ریڈر کی ایک جگہ کا اشتہار ہوا ہے۔ میں سادہ کاغذ پر درخواست بھیج رہا ہوں وہ قبول کر لی جائے نیز دفتر کو ہدایت دی جائے کہ مجھے درخواست کا فارم بھیج دیں۔

فارم کے لیے مجھے نہ لکھیے۔ براہِ راست کارروائی کیجیے۔ یہ واضح ہو کہ میری طرف سے کسی قسم کا کوئی Commitment نہیں ہے۔ فیصلہ سلیکشن کمیٹی کے ہاتھوں ہے۔ میں ایک مشورہ دے رہا ہوں۔ آپ چاہیں تو کسی قدر Start higher بھی مانگ سکتے ہیں۔

یہ رقعہ راز میں رکھیے

مخلص

گیان چند

(۲۸)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد–۵۰۰۰۰۱
۲۴ر دسمبر ۱۹۸۴ء شام

محبّی تسلیم

۱- ۱۹۸۴ء قریب الختم ہے لیکن میری کتاب 'اُردو مثنوی' کی اشاعت کی کوئی خبر نہیں۔ اب جلدی چھاپ دیجیے۔ اشاریہ ضرور شامل کیجیے۔ لکھیے کیا وجہ ہے کہ اشاعت نہیں ہو رہی۔ کتاب پر سنہِ اشاعت ۱۹۸۵ء لکھیے، ۱۹۸۴ء نہیں۔

۲- ۶۹ء میں اس کتاب کا جو پہلا اڈیشن نکلا تھا اُس کی رائلٹی کے سات سو آٹھ سو روپے واجب الادا ہیں۔ کیا آپ یہ رقم تب دیں گے جب اس کی قیمت گھٹ کر سو روپیوں کے برابر رہ جائے گی۔ کیا انجمن کے بجٹ میں اتنی سی رقم بھی نہیں نکال سکتے۔ ابھی تک مجھے اس کتاب کے محض ساڑھے تین سو روپیوں کے قریب ملے ہیں۔

۳- 'اُردو ادب' کا فراقؔ نمبر کب شائع ہوگا۔

۴- کیا آپ کے بک ڈپو میں میرے بھائی کی کتاب 'اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر' نہیں ہے۔ اگر نہ ہو تو مجھے لکھیے کہ میں پچاس جلدیں بھجوادوں۔ اگر ہے تو 'ہماری زبان' میں کبھی کبھی اس کا اشتہار دے دیا کیجیے۔ تفصیل یہ ہے:

ڈاکٹر پرکاش مونس:

اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر

قیمت: ۴۵/روپیہ

اپنی نئی فہرست میں اسے ضرور شامل کر دیجیے۔ ملحقہ خبر 'ہماری زبان' میں شائع کر دیجیے۔

۵- میری دائیں آنکھ کا موتیا بند کا آپریشن دو منزلوں میں ہوگا۔ پہلا آپریشن ۱۱ردسمبر کو ہوا۔ اس کے بعد میں آٹھ نو دن بعد قدرے لکھنے پڑھنے لگا۔ اصلی آپریشن ۴رجنوری کو ہوگا جس کے بعد میں ایک ماہ تک لکھ پڑھ نہ سکوں گا یعنی دورِ جاہلی میں گزاروں گا۔

نئے سال کی مبارکباد پیشگی پیش کردوں۔

مخلص

گیان چند

Dr. Khaliq Anjum
General Secretary
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Rose Avenue, New Delh-110002

(۲۹)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۳/جنوری ۱۹۸۵ء

محبی۔ تسلیم

براہِ کرم یہ فوٹو 'ہماری زبان' میں چھاپ کر اصل فوٹو مجھے واپس کر دیجیے۔
'اُردو ادب' فراق نمبر ملا۔ شکریہ۔
میری آنکھ کا موتیابند کا آپریشن کل ہوگا۔ اس کے بعد میں تین ہفتے تک لکھ پڑھ نہ سکوں گا۔

مخلص
گیان چند

Dr. Khaliq Anjum
General Secretary
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar
Rose Avenue, New Delh-110002

(۳۰)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۲۹/فروری ۱۹۸۵ء

محبی تسلیم

میری آنکھ کا آپریشن ۴/جنوری کو ہوا۔ شفا کی رفتار بہت سُست ہے۔ فروری کے آخر تک لکھ پڑھ نہ سکوں گا، یہ خط اپنے ایک شاگرد سے لکھوا رہا ہوں۔ عیادت کے لیے شکریہ۔
پروفیسری کی تجویز پر جواب آنا تھا نہ آیا۔
امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص
گیان چند

(۳۱)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۲۰/اپریل۱۹۸۵ء
محبّی تسلیم
تین عرض داشتیں:

۱- 'نیادور' اکتوبر ۸۴ء میں میرا ایک مضمون 'اسلوبیاتی تنقید پر ایک نظر' شائع ہوا ہے۔ اس میں چار صفحات کی غلط ترتیب نے سب کچھ چوپٹ کر دیا ہے۔ میں نے 'نیادور' کو تصحیح بھیجی ہے لیکن وہ دسمبر کے شمارے میں یعنی دو ماہ بعد آئے گی۔ جلد تصحیح کی غرض سے 'ہماری زبان' کی فراخ دلی سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ تصحیح ساتھ میں دی ہے۔ آپ چھاپ دیں تو ممنون ہوں گا۔

۲- نامرادُ 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کا دوسرا اڈیشن میری زندگی میں شائع ہو سکے گا کہ نہیں؟

۳- اور اس کتاب کے پہلے اڈیشن کی جو حقیر......سات سو روپے کی رائلٹی ۴۹ء سے واجب الادا ہے، وہ آپ کے دورِ سکریٹری میں ملے گی یا آپ کے بعد اکیسویں صدی میں جو جنرل سکریٹری مقرر ہوں گے وہ تفویض کریں گے؟ اگر آپ اس رقم پر ۴۹ء سے اب تک کا سود بھی شامل کر دیں تو میرا نقصان قدرے کم ہو جائے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص
گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم
جنرل سکریٹری
انجمن ترقّی اُردو (ہند)
اُردو گھر، Rouse Avenue
نئی دہلی-110002

(۳۲)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
۱۶رمئی ۱۹۸۵ء

مکرّمی آداب عرض۔

میں نے مالک رام صاحب کی معرفت آپ کو ڈاکٹر زور سمینار کے لیے مضمون 'ڈاکٹر زور کی افسانہ نگاری' روانہ کر دیا تھا۔ براہِ کرم مجھے لکھیے کہ کیا سمینار حسبِ پروگرام جون کے پہلے ہفتے میں ہو رہا ہے۔ اگر نہیں تو پھر کب ہوگا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

جواب ذیل کے پتے پر جلد عنایت کیجیے:

C/o Dr. Prakash Moonis
Advocate
Civil Lines, Bijnor-246701 (U.P)

(۳۳)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۱۹رجولائی ۱۹۸۵ء

محبّی تسلیم

آج شب فون سے معلوم ہوا کہ آپ کو مغربی بنگال اکیڈمی کا دس ہزار روپے کا پروفیسر شاہدی ایوارڈ ملا ہے۔ مبارک ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس کا اعلان پہلے ہی ہو چکا تھا اور میں آپ کو مبارک باد کا خط بھی لک چکا تھا۔

'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کبھی چھپے گی یا نہیں؟ اگر کچھ کاپیاں خراب ہو گئی ہیں تو انھیں دوبارہ لکھوا لیجیے۔ اگر اس میں کوئی اغلاط بننے سے رہ گئی ہیں تو مجھے وہ سب قبول ہیں۔ اغلاط کے ساتھ ہی چھاپ دیجیے۔ اگر اشاریہ نہ بنوا سکیں تو میں اس پر بھی قناعت کرلوں گا۔ مزید صبر

کی تاب نہیں۔

مخلص

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم
جنرل سکریٹری
انجمن ترقّی اُردو (ہند)
اُردو گھر، Rouse Avenue
N. Delhi-110002

(۳۴)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۶ ستمبر ۱۹۸۵ء

محبّی خلیق صاحب تسلیم

چٹھیوں کی رسید ملی۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایک ہزار تو نہ ہوں گے۔ میرے پاس بھی بہت سے خطوط جمع ہیں۔ کسی دن ان کو دیکھ بھال کر آپ کو بھیج دوں گا۔ بات قدرے غیر اخلاقی ہے۔ مکتوب نگار کہے گا کہ اس کے اور میرے درمیان تیسرا شخص کیوں آئے اور اس کے مکاتیب کو کیوں پڑھے۔ زیادہ مخدوش خطوط کو چھوڑ کر بقیہ سب آپ کو بھیج دوں گا۔

میری رائے میں ایک ایک خط کو الگ پلاسٹک کے لفافے میں رکھنا بار دہ اور صرفہ طلب ہے۔ آپ خطوں کی گروہ بندی مکتوب نگار کے لحاظ سے کیجیے مکتوب الیہ کے نام سے نہیں۔ اس طرح مثلاً مالک رام صاحب کے جملہ خطوط ایک جگہ جمع ہوں اور انھیں اس طرح علاحدہ دھاگوں سے باندھ دیا جائے

۱- مالک رام کے خط گیان چند کے نام، ۲- مالک رام کے خط سرور صاحب کے نام۔ علیٰ ہذا القیاس جن کے خطوط زیادہ تعداد میں ہوں انھیں علاحدہ ڈبّوں میں رکھ دیا جائے۔ جن کے کم ہوں انھیں لفافوں میں رکھ سکتے ہیں۔ بہر حال یہ نہ کیجیے کہ گیان چند کے نام کے تمام

خطوط ایک جگہ ہوں بل کہ مکتوب نگار کے لکھے ہوئے تمام خطوط ایک جگہ ہوں تا کہ جو شخص اس مکتوب نگار پر کام کرنا چاہے انھیں یک جا دیکھ لے۔

مشاہیر کی تعریف کیا ہے۔ آپ کو اگر بعض خطوط غیر اہم لوگوں کے نام کے ملیں تو انھیں مکتوب نگار کو لوٹا دیجیے کہ انجمن جگہ کی قلّت کی وجہ سے انھیں محفوظ نہیں کر سکتی۔

آپ نے یہ نہیں لکھا کہ میری کتاب 'مثنوی' کا کیا کر رہے ہیں۔ اگر ۲۵-۲۰ صفحات کی کتابت خراب ہو گئی ہے تو اس کی credit آپ ہی کو جاتی ہے۔ ان صفحات کو دوبارہ لکھا کر کتاب کو جلدی چھاپیے۔ کوئی سات سال سے آپ کے پاس پڑی ہے۔ پہلی قسط آپ ۱۹۷۵ء میں لے گئے تھے۔

ساتھ میں ایک خبر بھیج رہا ہوں، 'ہماری زبان' میں چھاپ کر ممنون کیجیے۔ خط کا جواب میرے خطوط کا بنڈل پہنچنے کے بعد دیجیے۔ میں جلد ہی بھیجوں گا۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم

جنرل سکریٹری

انجمن ترقّی اُردو (ہند)

212, Rouse Avenue

New Delhi-110002

(۳۵)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

۲۸/۲۷/نومبر ۱۹۸۵ء

بہ خدمت جناب جنرل سکریٹری

انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)، اُردو گھر

راؤز ایونیو، نئی دلّی
Rouse Avenu, N. Delhi-110002

مکرّمی تسلیم

فراقؔ پر مضمون کے سلسلے میں 210 روپے کا چیک ملا۔ تہِ دل سے شکریہ۔ مجھے چیک ملنے پر حیرت ہوئی۔ مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ انجمن معاوضہ دے گی۔ انجمن کے سقیم مالی حالات کے پیشِ نظر آپ کو معاوضہ دینا بھی نہ چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ آپ مجلسِ عام کے ارکان سے بھی 'ہماری زبان' اور 'اُردو ادب' کا چندہ لیتے ہیں۔ اس صورت میں بہتر یہ ہوگا کہ ان دونوں کی مد میں میرے ذمے جو کچھ بقایا تھا وہ منہا کر لیا جاتا۔

میری تجویز ہے کہ آئندہ 'ہماری زبان' اور 'اُردو ادب' میں مضمون چھپوانے والوں کو معاوضہ ہرگز نہ دیجیے۔

حضرت ایم. حبیب خاں صاحب سے کہیے کہ اُردو مثنوی کا دوسرا اڈیشن میری حیاتِ مستعار و مختصر میں شائع ہوگا کہ نہیں۔ معلوم نہیں آپ نے اشاریہ ساتھ لگایا ہے کہ نہیں۔ اگر یہ ۱۹۸۶ء میں شائع ہوگی تو اس اڈیشن پر سنہِ اشاعت ۱۹۸۶ء ہی لکھا جائے تا کہ تحقیقی صحت کا حق ادا ہو سکے۔

سنہ ۱۹۶۹ء میں جو پہلا اڈیشن شائع ہوا تھا، ۱۵رمئی ۱۹۷۱ء کو اس کے معاوضے کے محض Rs. 358.55 ملے تھے۔ اس کے بعد سے چھٹّی ہے۔ کتاب کے چھپنے کے ۱۶ سال بعد بھی محض ساڑھے تین سو روپیوں پر ٹرخانا انجمن کے شایانِ شان نہیں ہے۔ ایسا تو پرائیویٹ ناشر کرتے ہیں۔ دوسرے اڈیشن کی اشاعت سے قبل پہلے اڈیشن کی رائلٹی دے کر بے باق کر دیجیے۔ ۱۶ سال میں رقم تین گنا ہو سکتی ہے لیکن مجھے اگر بغیر سود کے رائلٹی مل جائے تو بھی میں شکر کروں گا۔ توجہ کی ضرورت ہے۔

اختر الزماں نے خواہ مخواہ مجھ پر تحقیق کا موضوع لیا۔ ابھی میں مزید کام کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ اگر وہ دلّی میں ہوں اور میرے نام کے موصولہ خطوط دیکھنا چاہیں تو سارے خطوط دکھا دیجیے۔

امید ہے آپ سب بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۳۶)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۴؍اپریل ۱۹۸۶ء

Edirot Hamari Zaban
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar
Rouse Avenue, New Delhi-110002

مکرّمی تسلیم

'ہماری زبان' کے صفحہ۳ پر شائع ہونے کے لیے کچھ مطائبات بھیج رہا ہوں۔ شائع کر کے ممنون کیجیے۔

میرے بائیں پانو کے پنجے میں ہڈی میں فریکچر ہوگیا ہے۔ ابھی عرصے تک کہیں نہیں جاسکتا۔ گرمیوں کی چھٹّیوں میں وطن بھی نہیں جاؤں گا۔ اس لیے انجمن کی مجلسِ عام ۲۸؍اپریل ۸۶ء میں شرکت نہ کرسکوں گا۔ معذرت چاہتا ہوں۔

نیازمند
گیان چند

(۳۷)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
سنٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۹
۸؍مئی ۱۹۸۶ء

محبّی خلیق انجم صاحب تسلیم

آپ نے کرم کر کے ۱۱؍اپریل ۸۶ء کو مجھے عیادت کے لیے خط لکھا۔ وہ کسی اور شعبے میں پہنچ گیا۔ بہت عرصے کے بعد شعبۂ اُردو میں پہنچا اور پرسوں ۶؍مئی کو مجھے دیا گیا۔ آپ نے مجھے یاد رکھا اس کے لیے ممنون ہوں۔

جس دن آپ شعبۂ اُردو میں آئے تھے، میں کچھ دیر کے بعد پہنچا۔ معلوم ہوا کہ آپ

تھوڑا پہلے ہی گئے ہیں۔

میں ۱۱؍مارچ ۸۶ء کو شہر گولڈن تھریشولڈ کے لیے یونی ورسٹی بس سے گیا۔ اترتے وقت سڑک کی سطح کا صحیح اندازہ نہ کر سکا۔ گر پڑا۔ میں سمجھا پاؤں میں موچ آئی ہے لیکن بعد میں ایکس رے سے معلوم ہوا کہ پنجے کی ہڈی کا ایک سرا ٹوٹ گیا ہے۔ اب بہت کچھ ٹھیک ہوں۔ لنگڑا کر چلتا ہوں۔ امید ہے ایک مہینے میں ٹھیک چلنے لگوں گا۔ پلاسٹر کی پٹّی ۱۱؍اپریل کو اتار دی گئی تھی۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

Dr. Khaliq Anjum
General Secretary
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar
Rose Avenue, New Delh-110002

(۳۸)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

A15، یونی ورسٹی پوسٹ آفس

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۸؍جون ۱۹۸۶ء

محبّی تسلیم

مجھے ایسا خیال ہے کہ چار پانچ مہینے پہلے 'ہماری زبان' میں پاکستان کی املا کمیٹی کی سفارشات شائع ہوئی تھیں۔ یہ کمیٹی ارمان فتح پوری کی صدارت میں بیٹھی تھی۔ میرے پاس 'ہماری زبان' کی ۱۹۸۴ء نیز ۸۵ء کی جو فائل ہے اُس میں اور ۸۶ء کے پرچوں میں دیکھ لیا۔ مضمون کہیں نہ ملا۔ واضح ہو کہ میرے پاس بعض شمارے نہیں پہنچتے۔ میں ان کے بغیر ہی جلد بندھوا لیتا ہوں۔ اگر آپ کو یاد ہو کہ املا کمیٹی کی سفارشات 'ہماری زبان' کے کس شمارے میں چھپی تھیں (یا کسی اور پرچے میں چھپی تھیں) تو مجھے مطّلع کیجیے۔ اگر 'ہماری زبان' میں نہ چھپی ہوں تو خاموش ہو جائیے۔ جواب نہ دیجیے۔

'ہماری زبان' کا ۱۵/اپریل ۸۶ء کا پرچہ مجھے نہیں ملا۔ اس میں نثار احمد فاروقی کا مضمون مولانا آزاد پر شائع ہوا ہے۔ پرچہ دیکھنے کا مشتاق ہوں۔ اگر پورا پرچہ نہیں تو مضمون کا تراشہ ہی بھیج دیجیے۔ ممنون ہوں گا۔

مخلص

گیان چند

Dr. Khaliq Anjum
General Secretary
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar
Rose Avenue, New Delh-110002

(۳۹)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

سنٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۴/جولائی ۱۹۸۶ء

محبّی تسلیم

'اُردو ادب' کے جوش نمبر سے متعلّق آپ کا دعوت نامہ ملا۔ شکریہ۔

میں نے ریڈیو سے ایک تقریر میں جوشؔ کی نثری کتاب 'مقالاتِ جوش' پر تبصرہ کیا تھا۔ یہ رسالہ 'ادب نکھار' مئو میں ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا تھا۔ 'اُردو ادب' کے ڈھائی تین صفحات کے برابر ہے۔ ظاہر ہے آپ کے خصوصی نمبر میں اس کا چھاپنا تو مناسب نہیں ہوگا۔

افسوس کہ میں فی الوقت کوئی اور مضمون نہیں لکھ سکتا۔

میرا خیال ہے کہ پچھلی فروری مارچ میں جمّوں یونی ورسٹی میں جوشؔ پر ایک سمینار رہا تھا۔ وہاں سے کچھ اچھّے مضامین لے لیجیے۔

میں نے آپ کو اُردو کی جعلی کتابوں کے بارے میں ایک مفصّل خط لکھا تھا۔ امید ہے کہ مل گیا ہوگا۔

مخلص گیان چند

(۴۰)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

میرے مضمون پر پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا مراسلہ

یکم جون ۱۹۸۶ء کے 'ہماری زبان' میں اقبالؔ سے متعلّق میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس پر محبِّ محترم جگن ناتھ آزادؔ صاحب کا مراسلہ ۸؍جولائی کے پرچے میں شائع ہوا۔ ممنون ہوں کہ انھوں نے میرے تسامحات کی تصحیح کی۔ اس سلسلے میں میرے معروضات یہ ہیں:

۱- سرورؔ سے متعلّق اطّلاع اس بیاض سے لی گئی ہے جسے عبدالصمد خاں نے عماد الملک سیّد حسین بلگرامی کے ذخیرے سے خریدا۔ مالکِ بیاض عبدالصمد خاں صاحب کا کہنا ہے کہ اسی ذخیرے سے انھوں نے ایک اور مخطوطہ خریدا ہے جس میں صراحت ہے کہ وہ عماد الملک کے ہاتھ کی تحریر ہے۔ چوں کہ بیاضِ اقبالؔ کا خط بھی وہی ہے اس لیے صمد صاحب کا قیاس ہے کہ یہ ضخیم بیاض خود عماد الملک کے خط میں ہے۔ چوں کہ میں نے عماد الملک کے ہاتھ کا دوسرا مخطوطہ نہیں دیکھا اس لیے میں بیاضِ اقبالؔ کے کاتب کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ بہرحال اس بیاض میں مجھے کوئی غلط اندراج نہیں ملا۔ سرورؔ کی غزل 'دیدارِ یار ہوگا' کے اشعار ص۹۱ پر دیے ہیں۔ اوپر بائیں سرے پر لکھا ہے:

['مژدہ' عنوان ذیل کے اشعار کا معارفِ ملّت جلد اول میں لکھا گیا ہے]

غزل کے آخر میں لکھا ہے (اقبالؔ از کیمبرج)۔ اس کے نیچے ذیل کا نثری نوٹ ہے جسے مستطیل نما لکیروں سے محصور کیا ہے:

> ''ہمارے مکرم منشی درگا سہاے صاحب سرورؔ جہان آبادی کی تحریک بے سود ثابت نہ ہوئی۔ آخر شیخ محمد اقبالؔ صاحب سے ایک غزل لکھوا کے ہی رہی۔ شیخ صاحب لکھتے ہیں' کہ گو مصروفیت کار بھی وہی عالم ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ حضرت سرورؔ جنھوں نے میری خاموشی کو توڑنا چاہا لیکن ناراض نہ ہو جائیں۔ اس لیے ان کی نظم کے شکریہ میں سرِ دست یہ غزل بھیجتا ہوں۔ امید ہے کہ عنقریب کچھ اور بھی بھیجوں گا''۔

اس کے بعد اگلے صفحے پر سرورؔ کی نظم 'فضاے برشگال اور پروفیسر اقبال' دی ہوئی ہے۔ ابتدائی کلامِ اقبالؔ کی تاریخی ترتیب کے سلسلے میں مجھے معلوم ہے کہ مندرجہ بالا غزل 'مخزن' مارچ

۱۹۰۷ء میں اور 'شرارے' میں 'مخزن' دسمبر ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئیں۔ حیدرآباد میں 'مخزن' کے یہ شمارے دستیاب نہیں۔ بیاض کے نثری نوٹ میں یہ نہیں لکھا کہ یہ نوٹ اس کے اوپر مکتوب غزل سے متعلّق ہے۔ نوٹ میں اڈیٹر اور رسالے کا ذکر بھی نہیں۔ چوں کہ نوٹ سے پہلے غزل دی ہے اور بعد میں سرؔور کی نظم، اس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ یہ نوٹ اور سرؔور کی نظم دونوں اسی غزل سے متعلّق ہیں۔ اب آزاد صاحب نے میری تصحیح کر دی۔ میں مرتّبِ بیاض کو الزام نہیں دیتا کیوں کہ اس نے صریحاً نہیں لکھا کہ یہ نوٹ رسالے میں 'دیدارِ یار ہوگا' والی غزل کے ساتھ تھا۔ اس کی اپنی پرائیویٹ بیاض ہے۔ اس نے کہیں سے لے کر ایک غزل نقل کر لی۔ اُس کے بعد اپنے استفادے کے لیے کسی دوسری غزل سے متعلّق نثری نوٹ درج کر دیا۔

میرے پاس درگا سہائے سرور کے کلام کا انتخاب 'نوائے سرور' مرتّبہٗ ڈاکٹر حکم چند نیّر ہے۔ 'ہماری زبان' میں مضمون بھیجنے سے قبل اس مجموعے کو دیکھا۔ اس میں مندرجہ بالا نظم نہ ملی۔ ڈاکٹر نیّر کی کتاب 'سرؔور جہان آبادی: حیات اور شاعری' الٰہ آباد ۱۹۶۸ء نہیں دیکھی۔ یہ بھی میرے ذخیرے میں ہے۔ اتّفاق سے یہ تحقیقی مقالہ میری نگرانی میں ۱۹۶۱ء کے لگ بھگ لکھا گیا تھا۔ اس زمانے میں مَیں نے اسے پورا پڑھا تھا۔ ۲۵ سال گزرنے پر میں اس کے مشمولات کو بالکل بھول گیا۔ اس میں ص ۱۳۹ پر اس نظم کی اشاعت 'مخزن' اگست ۱۹۰۶ء میں دکھائی ہے۔ ص ۱۱۸-۱۱۷ پر لکھا ہے کہ سرؔور نے اقبؔال کو دعوتِ شعر وسخن دینے کے لیے 'فضائے برشگال اور پروفیسر اقبؔال' لکھی جس کے جواب میں 'مخزن' دسمبر ۱۹۰۶ء میں اقبؔال نے غزل 'شرارے میں' چھپوائی۔ مجھے اِن دِنوں اس اندراج[۱] کے بارے میں دھندلا سا خیال بھی نہ تھا۔ آزاد صاحب نے نظم کا عنوان 'سرؔور کا پیغام اقبؔال کے نام' لکھا ہے جب کہ ڈاکٹر نیّر کے مقالے نیز 'بیاضِ عمادؔ' میں 'فضائے برشگال اور پروفیسر اقبؔال' لکھا ہے۔ یہ نظم عبدالرزاق حیدرآبادی کی مرتّبہ 'کلماتِ اقبؔال' کے دیباچے، ص ۸۳ پر بھی دی ہے لیکن وہاں کوئی عنوان نہیں دیا۔

۲- 'رموزِ بےخودی' کے سلسلے میں میری تحریر کو سمجھنے میں آزؔاد صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ میں نے اپنے مضمون میں اس بات کو نمایاں نہیں کیا کہ 'رموزِ بے خودی' کا انتساب نظام حیدرآباد کے نام تھا۔ یہ بات واقعی پیشِ پا افتادہ ہے۔ عبدالرزاق کی 'کلیاتِ اقبال' نیز

۱۔ ڈاکٹر سیّد مجاور حسین رضوی نے مجھے بتایا کہ نیّر صاحب کی کتاب میں اس نظم کا اور اقبؔال کی غزل کا ذکر ہے۔ اس پر میں نے حوالہ تلاش کر لیا۔

عبدالواحد معینی کی 'باقیاتِ اقبال' طبع سوم دونوں میں دی ہے۔ یہ دونوں کتابیں میرے پاس ہیں۔ میرا مقصد اس نثری نوٹ کے سامنے لانا تھا جو 'بیاضِ عماد' میں دیا ہے۔ اس نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ ایک جلسے میں مسٹر اختر علی نے اقبال کے انتسابیہ مدحیہ اشعار پڑھ کر سنائے۔ یہ نوٹ حیدرآباد کے کسی معاصر اقبال سے نقل کیا گیا ہوگا۔ علامہ اقبال سے متعلق جو تحریر بھی کہیں سے دستیاب ہو جائے اسے سامنے لانا ضروری ہے کیوں کہ اس سے ان کی حیات و تخلیقات پر کچھ نہ کچھ مزید روشنی پڑتی ہے۔

مجھے گمان ہے کہ میرے یکم جون کے مضمون میں کچھ نئی باتیں بھی رہی ہوں گی لیکن اس کے آخر میں میرا جو اعتراف درج ہے اسے ایک بار پھر یاد کر لیجیے، وہ یہ ہے:

> ''چوں کہ راقم الحروف کا اقبالیات کا مطالعہ بہت محدود ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ مندرجہ بالا معلومات دوسری کتابوں میں پہلے سے موجود ہوں بل کہ زیادہ تفصیل اور صحت سے ہوں''۔

۳- آزاد صاحب کی تیسری تصحیح 'ہماری زبان' کے میرے مضمون سے متعلّق نہیں بل کہ سیّد شکیل احمد کی کتاب 'اقبال، نئی تحقیق' حیدرآباد، مارچ ۱۹۸۵ء پر میرے مقدّمے کے ایک اندراج کے بارے میں ہے۔ اس میں اقبال کی 'تاریخِ ہند' کو شکیل احمد صاحب کی دریافت سمجھا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے:

اقبال اکیڈمی حیدرآباد سے رسالے 'اقبال ریویو' کے اڈیٹر مصلح الدین سعدی بڑے اقبال پرست اور پختہ کار ادیب ہیں۔ ہماری الفت میں حیدرآباد یونی ورسٹی میں ایم اے اُردو میں داخلہ لے لیا لیکن غمِ روزگار کے سبب ایم اے فائنل کے درمیان میں چھوڑ کر سعودی عرب چلے گئے۔ کئی سال پہلے کی بات ہے، انھوں نے مجھے شکیل احمد کے زیرِ طبع کتابچے کے اوراق لا کر دیے اور مجھ سے اس پر مقدّمہ لکھنے کی فرمایش کی۔ میں نے بہت کہا کہ میں ماہرِ اقبال نہیں، کسی اور سے لکھوائیے۔ لیکن وہ نہ مانے اور مجھ سے لکھوا کر رہے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ شکیل صاحب نے اقبال کی ایک تاریخ کی کتاب کا پتا چلایا ہے۔ شکیل صاحب کی تحریر سے بھی کچھ ایسا ہی تاثر ملتا ہے۔ میں نے ان حضرات اور عبدالصمد خاں کے اصرار پر اقبال کے اُردو کلام کی تاریخی ترتیب کا کام ہاتھ میں لیا تو 'نقوش' اقبال نمبر حصّۂ اوّل، شمارہ ۱۲۱، بابت ستمبر ۱۹۷۷ء میں رفیع الدین ہاشمی کا مضمون 'حیات نامۂ اقبال' نظر سے گزرا۔ اس کے ص ۱۴ پر ۱۹۱۳ء کے

ذیل میں یہ اندراج ملا:

''لالہ رام پرشاد پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کے اشتراک سے مرتّبہ 'تاریخ ہند' کی اشاعت''

یہ دیکھ کر مجھے الجھن ہوئی کہ میں نے دوسروں کے کہنے پر اس دریافت کا سہرا سیّد شکیل احمد کے سر باندھ دیا۔ اب کیا کرسکتا تھا؟ رسالے میں شائع شدہ اپنے مضمون میں کوئی غلطی دکھائی دے جائے تو اس کی تصحیح رسالے کے آیندہ شمارے میں کی جاسکتی ہے۔ کتاب میں اپنے غلط اندراج کی تصحیح کے لیے دوسرے اڈیشن کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح ہم دوسروں کی تحقیق میں غلطیاں دیکھ لیتے ہیں اسی طرح مجھے اپنی کتابوں میں بھی کبھی کبھی کوئی غلطی دکھائی دے جاتی ہے۔ انھیں نوٹ کرلیتا ہوں تاکہ کبھی کتاب کا دوسرا اڈیشن نکلے تو تصحیح کردی جائے۔ 'تاریخِ ہند' کا حوالہ 'نقوش' میں کوئی دو سال پہلے دیکھ لیا تھا، ذہن میں نوٹ کرلیا تھا اور چپ بیٹھا تھا اس دن کے انتظار میں جب شکیل صاحب کی کتاب کا دوسرا اڈیشن نکلے۔ آزاد صاحب نے اس کی تصحیح کردی، میرا مقصد پورا ہوگیا جو تحقیق میں غلطیوں کی اصلاح کے سوا کچھ نہیں۔

میں نے آزاد صاحب کے معمولی سے سہو کی نشان دہی کی، انھوں نے میری غلطیوں کی تصحیح کردی۔ حساب برابر ہوگیا۔ انھوں نے میرے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مجھے حافظ محمود شیرانی اور قاضی عبدالودود کے خاندان کا فرد سمجھتے ہیں۔ میں یہ پڑھ کر کانپ گیا۔ یہ زمانہ اپنی قدر پہچانتا ہے۔ کوئی امید نہیں کہ اس زندگی میں مَیں ان زعمائے تحقیق کے آس پاس بھی پہنچ سکوں گا۔ بہرحال میں آزاد صاحب کا مشکور ہوں کہ انھوں نے کمالِ لطف سے میری ایک تعریف کی ہے۔ میں ان کی دو تعریفیں کرتا ہوں۔ اوّل تو یہ کہ وہ ہمارے ملک میں یکہ ناز ماہرِ اقبال ہیں کہ وہ اقبال کی تحقیق اور تنقید دونوں پر عبور رکھتے ہیں۔ دوسرے فاضل حضرات کسی ایک شعبے پر حاوی ہوتے ہیں دوسرے میں اتنی رسائی نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال کی تاریخی تدوین کے سلسلے میں میں نے آزاد صاحب سے کئی بار استفسار کیے ہیں۔

ماہر کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ جو کم سے کم کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانے، لیکن آزاد صاحب اقبال کے علاوہ بھی بہت کچھ جانتے ہیں۔ 'اُردو ادب' کے فراق نمبر میں انھوں نے فراق کے مرتبے کا جو تنقیدی جائزہ لیا اُسے پڑھ کر میں نے انھیں لکھا تھا کہ میں اس کے ہر لفظ سے متّفق ہوں اور انھوں نے فراق کی صحیح ترین قدر بندی کی ہے۔ اس پر انھوں نے مجھے

لکھا کہ آپ یہ مجھے لکھنے کے بہ جاے 'اُردو ادب' کے مدیر کو لکھتے تو مناسب ہوتا۔ 'اُردو ادب' میں مراسلے نہیں چھپتے۔ 'ہماری زبان' اور 'اُردو ادب' کے مدیر مشترک ہیں اس لیے میں نے اس مضمون کے بارے میں یہاں لکھ کر اپنا فرض اور قرض ادا کر دیا۔

مخلص

۲۰ر جولائی ۱۹۸۶ء

گیان چند

(۴۱)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
A15، سنٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۲۹ر اگست ۱۹۸۶ء

مکرّمی تسلیم

محفوظ رکھنے کے لیے کچھ خطوط بھیج رہا ہوں۔

جگن ناتھ آزاد کے مراسلے کے جواب میں میرا مراسلہ چھاپ دیجیے۔ جعلی کتابوں سے متعلّق آپ کے نام میرا خط جو ہے اسے نہ چھاپیں تو مضائقہ نہیں۔

کالی داس کے 'دیوانِ غالب' پر تبصرہ چھاپ سکتے ہیں۔

نیازمند

گیان چند

جنرل سکریٹری انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)
اُردو گھر، دلّی

(۴۲)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
A15، سنٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۴ر ستمبر ۱۹۸۶ء

محبّی تسلیم

'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے ایک مراسلہ بھیج رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں یہ بات پہلے ہی آپ کو بھیج چکا تھا۔ میرے پہلے مراسلے میں شامل ہونے سے رہ گئی لیکن آپ نے لکھا ہے کہ آپ نے خود یہ ترمیم اپنے ہاتھ سے کی ہے۔ شاید میں نے ہی نہ بھیجی ہوگی۔

کالی داس گپتا کے مرتّبہ 'دیوانِ غالب' پر میرا تبصرہ چھاپ دیجیے۔ ان کی معرفت آپ کو مل گیا ہوگا۔ جعلی کتابوں سے متعلّق خط چھاپنا ضروری نہیں۔

آپ دلّی اکیڈمی کے شعبۂ اشاعت و تحقیق کے نڈھ ہیں۔ مجھے اس سے کیا فائدہ پہنچائیں گے؟ سنا ہے کہ اکیڈمی کوئی رسالہ نکالتی ہے۔ میں نے نہیں دیکھا۔ اسے بالکل مفت میرے نام پر کیوں نہ جاری کر دیں۔

یہ آپ اچھا کر رہے ہیں کہ متنی تنقید کو ازسرِ نو لکھ رہے ہیں۔

مزاج بہ خیر!

مخلص

گیان چند

Dr. Khaliq Anjum
General Secretary
Urdu Ghar
Rose Avenue, New Delh-110002

(۴۳)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۰/مارچ ۱۹۸۷ء

محبّی تسلیم

کل 'ہماری زبان' کا طفیل نمبر ملا۔ اس میں میرا مضمون نہیں۔ کیا وجہ ہے۔ میں نے 'کتاب نما' کے لیے بھی لکھا تھا۔ مجھے علم نہیں کہ وہاں چھپا کہ نہیں۔ میرے پاس 'کتاب نما' کے جنوری اور فروری کے پرچے نہیں آئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس میں چھپا ہو اور آپ نے وہ وہاں کی تحریر اور 'ہماری زبان' کے لیے مضمون میں اشتراک دیکھ کر میرے مضمون کو قطع کر دیا ہو۔

آپ نے 'شاعر' میں میرا مضمون 'غلطی ہائے مضامین پر ایک نظر' دیکھا کہ نہیں۔ 'شاعر' شمارہ ۸، ۱۹۸۶ء میں ص ۱۳ پر تصحیحِ اغلاط سے متعلّق پیرا دیکھ لیجیے جس میں مَیں نے محض معترضین کو گندی نالی کا انسپکٹر کہا ہے۔

رسالہ 'سنبھل' میں آپ نے میرا مضمون 'قاضی عبدالودود اور میں' دیکھا:

حنیف نقوی آپ کی کتاب پر تبصرہ لکھ رہا ہے۔ مزید قسطیں آئی ہیں۔ سنا ہے 'شانِ ہند' میں اس کے خلاف بہت سخت مضمون آیا ہے۔ یہاں 'شانِ ہند' نہیں ملتا۔ اس مضمون کا تراشہ بھیج سکیں تو ممنون ہوں گا۔

مجھے دو سال کی توسیع مل گئی ہے یعنی جون ۸۹ء کے آخر تک۔ ابھی بقیہ لوگوں کے پانچ سال ملتی تھی۔ بہر حال میں قانع ہوں۔ مزید نہ ملے گی نہ میں چاہوں گا۔

اُردو مثنوی چھپوا بھی دیجیے۔ اشاریہ نہیں بنا تو اس کے بغیر ہی سہی۔

مخلص گیان چند

(۴۴)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدر آباد-۵۰۰۱۳۴

۱۱؍ مارچ ۱۹۸۷ء

محبّی تسلیم

کل آپ کو جس غرض سے خط لکھنا تھا وہ بھول گیا اور فالتو باتیں لکھتا رہا۔ عرض یہ کرنا ہے کہ دلّی اُردو اکادمی کا رسالہ نکلنے والا ہے۔ میں نے بمبئی سمینار کا مضمون اُردو کی 'ہکاری آواز میں اُردو حروف' از سرِ نو لکھا ہے۔ سمینار میں جو مشاہدات ہوئے انھیں شامل کیا ہے۔ البر محمد، نارنگ اور رشید حسن خاں سے کئی بار مراسلت کر کے ان کے صحیح خیالات معلوم کیے اور مضمون میں شامل کیے۔ مضمون مجھ جز رس کے ہاتھ کے ۱۳ صفحات پر ہے۔ کیا آپ اسے اکادمی کے رسالے میں چھاپ سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ۲۰ صفحات پر آئے گا۔ فوراً جواب دیجیے ورنہ میں اسے اور کہیں چھپواؤں۔

لکھ چکا ہوں کہ مجھے سوا دو سال کی توسیع مل گئی ہے یعنی جون ۸۹ء کے آخر تک

کے لیے۔

مخلص

گیان چند

(۴۵)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۶راپریل ۱۹۸۷ء

مکرّمی تسلیم

میں نے مولوی عبدالحق پر مضمون نہیں لکھا ہے۔ڈاکٹر زور سمینار میں شریک ہوں گا بہ شرطِ کہ یہ جون کے پہلے ہفتے ہی میں رہے۔ بدلے نہیں کیوں کہ میں انھیں دنوں دلّی آ سکتا ہوں۔ مضمون لکھنے کے بعد آپ کو عنوان سے مطّلع کروں گا۔

نیازمند

گیان چند

(۴۶)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱

۱۵رجون ۱۹۸۷ء

محبّی تسلیم

میں ۶رمئی تا ۱۲رجون باہر رہا۔ واپسی پر آپ کا ۹رجون کا کرم نامہ ملا۔ میں ۳رجون سے ۱۱رجون تک دلّی میں رہا۔ بڑی گرمی تھی۔ ایک دن درجۂ حرارت 45.6 ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں دلّی میں سمینار نہیں ہوسکتا۔ میں ایک بار مالک رام صاحب سے ملا۔ میں نے زور سمینار کے لیے مضمون 'ڈاکٹر زور کی افسانہ نگاری' جو آپ کے لیے بھیجا تھا وہ ابھی تک انھیں کے پاس رکھا ہے۔ براہِ کرم اُن سے لے لیجیے۔

مجلسِ عام سے میرا استعفا منظور کرادیجیے۔ میں اس کی نقل بعض ارکان کو بھیج رہا ہوں

تاکہ آپ لوگ مجھے استعفا واپس لینے کے لیے مجبور نہ کرسکیں۔

دلّی کے فسادات پر قلق ہوا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ محفوظ و مامون رہے ہوں گے۔ مجھے قیامِ دلّی میں کوئی فون نہ مل سکا جس سے آپ سے بات چیت کرسکتا۔ مالک رام صاحب کا فون خراب تھا۔

مخلص

گیان چند

(۴۷)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۰۰۱
۷/اگست ۱۹۸۷ء

مکرّمی تسلیم

۱۶/اگست کی مجلسِ عام کا دعوت نامہ ملا۔ شکریہ۔ لیکن میں نے تو رکنیت سے استعفا دے دیا ہے۔ اب میں خود کو مجلس کا ممبر نہیں مانتا۔ امید ہے کمبل بھی مجھے چھوڑ دے گا۔

'اُردو مثنوی' کی طبعِ ثانی کا انتظار ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

نیازمند

گیان چند

(۴۸)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۹/ستمبر ۱۹۸۷ء

بہ خدمت جناب جنرل سکریٹری
انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)، اُردو گھر، Rouse Avenue، نئی دلّی-۱۱۰۰۰۲

مکرّمی آداب عرض۔

مجلسِ عام کی خالی جگہ کے لیے نام تجویز کرنے سے متعلق چِٹھی ملی۔ نہایت حیرت ہوئی۔ میں مجلسِ عام کا رکن نہیں ہوں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں میں خود کو آزاد تصور کرتا ہوں۔ کوئی زبردستی تو ہے نہیں۔ براہِ کرم ایک کے بہ جاے دو خالی جگہوں کے لیے نام زدگیاں مانگیے اور میرے نام بیلٹ بھیجنے کی زحمت نہ کیجیے۔ اگر آپ نے بھیجا تو میں اسے لیے بغیر واپس کر دوں گا۔

ساتھ کا رقعہ حبیب خاں صاحب کو دے دیجیے۔ ایک بار پھر درخواست ہے کہ مجلسِ عام کی دو جگہوں کے لیے نامزدگیاں مانگیے۔

میں نے خطوط کا پارسل بھیجا تھا، مل گیا ہوگا۔

نیازمند
گیان چند

(۴۹)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۳۰/نومبر ۱۹۸۷ء

محبّی تسلیم

کئی دن سے آپ کو لکھنے کی سوچ رہا تھا۔ اِدھر 'کتاب نما' میں اپنی کتاب 'اُردو مثنوی' کا اشتہار دیکھا۔ معلوم نہیں کیا صورتِ حال ہے۔ مجھے تو نہ اس کی اشاعت کی اطّلاع ملی ہے نہ کتابیں ملی ہیں۔ یہ بھی واضح نہیں کہ دونوں جلدیں چھپ گئی ہیں کہ محض ایک جلد۔ چھپنے پر ایک جلد ڈاکٹر نارنگ کو ضرور دے دیجیے میرے حصّے میں سے۔

اڈیشن کی رائلٹی کا جو حساب میرے پاس تھا وہ میں نے لکھ کر بھیج دیا تھا۔ فیس کی رقم باقی ہے۔ یہ چکتا کیوں نہیں کر دیتے۔

رسالہ 'اُردو ادب' میں تحقیق و تدوین پر آپ کا مفصّل مضمون دیکھا۔ اس کا مواد جمع کرنے میں بہت محنت کرنی ہوئی ہوگی گو اب بھی جامع نہیں مثلاً غالبؔ کے سلسلے میں ص ۲۵-۲۴

پر یا ص ۳۷-۳۶ پر میری کتابوں 'رموزِ غالب' (مضامین کا مجموعہ) مکتبۂ جامعہ دلّی، ۱۹۷۶ء اور 'تفسیرِ غالب' (منسوخ کلام کی شرح) ۱۹۷۱ء کا نام نہیں۔ اسی طرح ہندستان میں کی ہوئی میری تحقیق 'اُردو کی نثری داستانیں' کا ذکر ص ۴۶ پر نہیں۔ یہ کتاب پاکستان میں چھپی ہے لیکن ص ۳۳ پر آپ نے کراچی سے چھپی ہوئی بعض کتابوں کے نام درج کیے ہیں۔ اب تو 'نثری داستانیں' یوپی اکادمی سے بھی چھپ گئی ہے۔

میرے پاس 'اُردو ادب' کا جو پرچہ آیا ہے اس میں ص ۲۰ کی آخری سطر کے چند الفاظ ہی چھپے ہیں۔ براہِ کرم وہ سطر لکھ کر بھیج دیجیے تاکہ میں لکھ لوں۔ اسی طرح ص ۲۹ پر نیچے سے پانچویں سطر چھوٹ گئی ہے۔ وہ بھی لکھ دیجیے۔

تذکروں میں آپ نے نہایت ضخیم کتاب 'نذرِ مقبول' کا ذکر نہیں کیا جو مقبول احمد لاری کو پیش کی گئی تھی۔ 'ارمغانِ فاروقی' بعد میں آئی ہوگی لیکن 'تحفۃ السرور' کا ذکر تو کرنا تھا۔ مضمون میں بہت سی خالص تنقیدی کتابوں کا ذکر شامل ہے۔ جونکتہ عنوان محض تحقیق وتدوین تک محدود تھا اس لیے تنقیدی کتابوں کو نظر انداز کردینا چاہیے تھا۔

آپ نے ترقّیِ اُردو بیورو کی رائلٹی سے متعلّق میرا مراسلہ شائع نہیں کیا۔ کوئی بات نہیں۔ اب میرا کام کرادیجیے۔ ۱- عام لسانیات کی رائلٹی کے تقریباً ڈھائی ہزار روپیوں کی پیشگی رسید اپریل ۸۷ء میں ٹکٹ لگا کر بھیج چکا ہوں۔ رقم دیتے ہی نہیں۔ معلوم نہیں کسی نے وصول کر کے تو نہیں کھالی۔ ابوالفیض سحر سے کہیے۔ ۲- مجھے اور سیّدہ جعفر کو شرکت میں 'تاریخِ ادبِ اُردو جلد اوّل ۱۷۰۰ تک لکھنے کو ملی۔ میں نے اپنا حصّہ لکھ کر تین سال قبل انھیں بھیج دیا۔ سیّدہ جعفر نے بھی ۸۷ء کے شروع میں مکمّل کرلیا۔ اب میں بیورو کو ایک ہزار خط لکھ چکا ہوں گا کہ میرے مسوّدے کا حصہ واپس کردیجیے تاکہ میں اس میں قدرے ترمیم کرلوں اور سیّدہ جعفر کے اوراق کو ملا کر ایک کتاب کی شکل دے دوں۔ کتنا ہی لکھا واپس نہیں بھیجتے گو واپس کرنے کا ارادہ ضرور ہے۔ عام لسانیات کی پوری رائلٹی ملنے پر پہلے اڈیشن کی قیمتِ فروخت کا محض ۱۲% ہوگی اور اس میں دوری حقوق مار رہے ہیں۔ میرا خط چھپتا تو انھیں کچھ تنبیہ ہوتی۔

آپ کے 'خطوطِ غالب' کی پہلی جلد آپ نے دی تھی۔ تیسری جلد غالب انسٹی ٹیوٹ نے بھیج دی۔ اب میں نے انسٹی ٹیوٹ کو لکھا ہے کہ دی ہے تو دوسری جلد بھی دیجیے۔

میری حسبِ ذیل کتابیں زیرِ طبع ہیں:

۱- 'ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیبِ مہ و سال ۱۹۰۸ء تک'۔ اسے عبدالصمد خاں مالک اُردو ریسرچ سنٹر، حیدرآباد، حال مقیم کلکتہ اپنے مصارف سے چھاپ رہے ہیں۔ آفیسٹ کی کتابت کرا کے لے گئے ہیں اور ایجوکیشنل بک ہاؤس، دلّی، مجتبیٰ خاں کو چھاپنے کو دی ہے۔

۲- 'ادبی اصناف' تقریباً پونے دوسو صفحے کا کتابچہ وارث علوی کی معرفت گجرات اُردو اکادمی چھاپے گی۔

۳- 'تحقیق کا فن' ضخیم کتاب ہے۔ یوپی اُردو اکادمی کو بھیجی ہے۔ ابھی تک رسید ہی نہیں آئی۔ محمود الٰہی نے اسے چھاپنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ بہت جامع کام ہے۔ اس میں تدوینِ متن کا جو طویل باب ہے وہ ایک مختصر کتاب سمجھیے۔ کاش متنی تنقید کا نیا اڈیشن چھپنے سے پہلے وہ آپ کی نظر سے گزر جائے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ بہ خیر ہوں گے اور اس خط کے جملہ نکات کا جواب دیں گے۔ آپ نے 'ہماری زبان' میں یہ اطّلاع بے کار شائع کی کہ میں نے ذخیرے کے لیے کچھ خطوط دیے ہیں۔ مکتوب الیہم بُرا مانتے ہیں۔ آپ نے تو آٹھ ہزار سے زیادہ خطوط دیے ہیں۔

میں ۱۰ر دسمبر سے ۲۵ر دسمبر تک شمالی ہند میں اعزا کے پاس رہوں گا۔

مخلص

گیان چند

(۵۰)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۴ر دسمبر ۱۹۸۷ء

بہ خدمت جناب اڈیٹر 'ہماری زبان'

دلّی

مکرّمی تسلیم

آج 'ہماری زبان' مورخہ ۸ر دسمبر ملا۔ اس میں میرا مضمون 'قاضی عبدالودود اور میں' چھپا

ہے۔ یہ مضمون اصلاً 'آہنگ' گیا میں شاید نومبر ۸۶ء میں چھپا تھا۔ آپ نے اسے وہیں سے نقل کیا ہوگا۔ اس سے قاضی عبدالودود کے پرستار ناراض ہوتے ہیں۔ میں احتجاج کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر مضمون چھاپا۔ لوگ یہ سمجھیں گے کہ میں مطبوعہ پرانے مضمون دوبارہ اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں۔ براہِ کرم دوسری قسط کے آخر میں یا کہیں اور یہ صراحت چھاپ دیجیے کہ آپ نے یہ مضمون 'آہنگ' نومبر ۸۶ء سے لیا ہے۔ 'آہنگ' کا مہینہ دیکھ لیجیے، نومبر ہے کہ دسمبر۔

صباح الدین عبدالرحمٰن کا خط جہاں تک مجھے خیال ہے مجھے کبھی نہیں ملا۔ یہ شاید اعظم گڑھ سے آپ کو ملا ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۵۱)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
سنٹرل یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۱۵/دسمبر ۱۹۸۷ء
محبّی تسلیم

مجھے ۸/دسمبر کا 'ہماری زبان' ملا ہے، یکم دسمبر کا نہیں۔ براہِ کرم دوبارہ بھجوا دیجیے۔ معلوم نہیں آپ نے مضمون 'قاضی عبدالودود اور میں' کیوں چھاپا۔ اس مضمون کی اشاعت پر مناظر عاشق ہرگانوی بہت چراغ پا ہو رہے تھے۔ بہار کے دوسرے حضرات اور رشید حسن خاں نے بھی بُرا مانا ہوگا۔ آپ ایک مطبوعہ مضمون کو چھاپ رہے ہیں تو اس کے آخر میں لکھ دیتے (بشکریہ 'آہنگ' گیا، نومبر ۸۶ء)۔ میں مضمون کو disown نہیں کرتا۔ اپنے کسی آئندہ مجموعے میں بھی شامل کروں گا لیکن 'ہماری زبان' میں صراحت کے بغیر اشاعت سے قاری یہ نتیجہ نکالیں گے کہ میں نے ایک پُرانے شائع شدہ مضمون کو 'ہماری زبان' میں چھپوایا ہے۔ میں دو مراسلے بھیج رہا ہوں۔ پہلا مراسلہ تو آپ شائع کر ہی دیں گے۔ دوسرے مراسلے کے تعلّق سے یہ عرض کرنا ہے کہ یا تو آپ اپنی طرف سے صراحت چھاپ دیں ورنہ میرا مراسلہ چھاپ

دیں۔

مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے مسلمان ہونے سے انکار کیا تھا۔ اس پر بھی قارئین بھڑیں گے۔ آپ نے یہ مضمون قاضی عبدالودود کو معتوب کرنے کے لیے چھاپا ہے یا مجھے معتوب کرنے کے لیے؟

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔ کیا کتاب 'مثنوی' کی دونوں جلدیں چھپ گئیں۔ مراسلہ ساتھ کے ورق پر ہے۔

نیازمند
گیان چند

مراسلہ

املا اور بچّے کی جنس

اُردو کے اہلِ زبان میں علاقائی فرق کی وجہ سے متعدد الفاظ کی تذکیر و تانیث پر اتّفاق نہیں۔ اس طرح اُردو میں جنس سماعی ہے، قیاسی نہیں۔ ڈاکٹر فضلِ امام نے 'ہماری زبان' بابت ۸/دسمبر ۸۷ء کے مراسلے میں املا کی تذکیر کے لیے 'فرہنگِ آصفیہ' اور پلیٹس کی سند پیش کی لیکن معلوم نہیں کیوں، وہ بچّے کی جنس کے سلسلے میں ان کتابوں کو گول کر گئے۔ دونوں میں بچّے کو بھی مذکر لکھا ہے۔ پلیٹس میں مذکر کا مخفف انگریزی حرف m ہے جو 'بچّہ' کے سلسلے میں دیا ہے۔ میں املا اور بچّہ دونوں کو مذکر بولتا ہوں۔ رشید حسن خاں نے بھی ذیل کے جملے میں املا کو مذکر استعمال کیا ہے:

''ہمارے اکثر سینئر اساتذہ کمیٹیوں کے ممبر بننے اور ترقّی کے بچّے کرنے میں اس قدر مصروف رہتے ہیں کہ لکھنے پڑھنے کے 'فالتو' کاموں کے لیے ان کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا''۔

('ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ' ص ۶۲)

فضلِ امام کہتے ہیں کہ اُردو کا مزاج یہ ہے کہ جس لفظ کے آخر میں 'ا' ہوتا ہے اس کو مذکر اور جس لفظ کے آخر میں 'ی' اسے مونث بولتے ہیں۔ اس اعتبار سے املا مذکر اور بچّے مونث ہے۔

یہ پوری طرح صحیح نہیں۔ اُردو میں دیسی الفاظ میں آخری 'ا' تذکیر کی نشانی ہے لیکن بہت سے عربی فارسی الفاظ میں نہیں، مثلاً دعا، قضا، فضا، فنا، سزا، التجا وغیرہ مونث ہیں۔ جہاں تک 'ی' کا سوال ہے 'بچّے' کے آخر میں 'ی' (یائے معروف) نہیں بلکہ یائے مجہول 'ے' ہے جو عموماً جمع

مذکر کی نقالی ہے۔ ہائے معروف کے بعض الفاظ بھی مذکر ہوتے ہیں مثلاً نائی، دھوبی، درزی، موچی، قاضی۔ غرض یہ ہے کہ جو شخص جس لفظ کی جنس جس طرح بولتا لکھتا ہے، اسے قبول کر لیجیے۔ اپنا اختلافی استعمال ظاہر کر دیجیے لیکن دوسرے کے استعمال کو غلط نہ ٹھہرائیے۔

۱۵ر دسمبر ۸۷ء گیان چند

دوسرا مراسلہ

ایک صراحت

میرا مضمون 'قاضی عبدالودود اور میں' اصلاً رسالہ 'آہنگ' گیا بابت نومبر ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا تھا۔ 'ہماری زبان' نے وہیں سے ڈائجسٹ کیا ہوگا۔ میں اس کے لیے مشکور ہوں۔ اگر جنابِ مدیر مجھے بتا دیتے تو میں مضمون میں خفیف سی ترمیم اور اضافہ کرنا پسند کرتا۔

۱۵ر دسمبر ۸۷ء گیان چند

(۵۲)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۲۱ر دسمبر ۱۹۸۷ء

مکرّمی آداب عرض۔

'ہماری زبان' کے ۱۵ر دسمبر ۸۷ء کے شمارے میں 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کے نئے اڈیشن کا اشتہار ہے۔ اِس کے یہ معنی ہیں کہ کتاب واقعی شائع ہوگئی ہے۔ درخواست ہے کہ اس کی پانچ کاپیاں مجھے بھیج دی جائیں اور پانچ کاپیوں کو حسبِ موقع ذیل کے افراد کو پہنچا دیا جائے:

۱- ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، نئی دلّی
۲- ڈاکٹر سیّد محمد عقیل، پروفیسر و صدرِ شعبۂ اُردو الہ آباد یونی ورسٹی، الہ آباد-۲۱۱۰۰۲
۳- کالی داس گپتا رضا

43 A, gol dershe Nepean Sea Road Mumbai-400036

مندرجہ بالا دونوں حضرات کو ڈاک کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہے۔ ذیل کے دو حضرات پاکستان میں ہیں۔ خلیق انجم صاحب سے درخواست ہے کہ تلاش میں رہیں اور کسی آتے جاتے کے

ہاتھ وہاں بھیج دیں۔ان دو اصحاب کے پتے یہ ہیں:

۴۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، صدر مقتدرہ قومی زبان، شمائلہ اعوان پلازہ،
16-D (West) Blue Area, F 1/6، اسلام آباد، پاکستان

۵۔ جناب مشفق خواجہ
III D, 9/26, Nazimabad, Karachi

مجھے امید ہے کہ نمبر۲ و نمبر۳ کے لیے آپ ڈاک کا صرفہ برداشت کرنے کو تیار رہوں گے۔۴، ۵ کے لیے کوئی دستی نامہ بر مل جائے تبھی بھیجی جائیں۔ بقیہ پانچ کاپیاں مجھے رجسٹرڈ بک پوسٹ سے بھیج دی جائیں۔

پہلے اڈیشن کی رائلٹی کا حساب اب ضرور صاف کر دیجیے۔

مجھے یکم دسمبر ۱۹۸۷ء کا 'ہماری زبان' نہیں ملا جس میں میرا مضمون شائع ہوا ہوگا۔

مالک رام صاحب نے ایک خط میں مجھے اس مضمون پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ میں نے انھیں لکھا ہے کہ اپنے ادارے سے پوچھیے کہ انھوں نے ایک پرانے مطبوعہ مضمون کو کیوں شائع کیا۔ جہاں تک مضمون کی تصنیف کا سوال ہے مجھے اس پر کوئی پشیمانی نہیں۔ میں اسے اپنے آیندہ کسی مجموعے میں شامل کروں گا۔

نیازمند
گیان چند

۲۲ر دسمبر ۸۷ء

میں نے یہ خط لکھا تھا کہ بعد میں مثنوی کی دس کاپیاں موصول ہو گئیں۔ شکریہ۔ میں نے اس اِن لینڈ لیٹر کو کھولا اور تصحیح کی۔

نیازمند گیان چند

(۵۴)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
ورسٹی آف حیدر آباد
حیدر آباد-۵۰۰۱۳۴
۲۹ر دسمبر ۱۹۸۷ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۱۹؍دسمبر کا کرم نامہ ملا۔ شکریہ۔ آپ نے مضمون 'قاضی عبدالودوداور میں' ایک سال بعد ڈائجسٹ کیا اور اس امر کا 'ہماری زبان' میں اظہار نہیں کیا۔ واضح ہو کہ مجھے یکم دسمبر کا 'ہماری زبان' نہیں ملا۔ براہِ کرم بھجوا دیجیے۔ شاید اس میں بھی آپ نے مضمون سے پہلے نوٹ نہیں دیا ہوگا کہ اسے 'سہیل' سے نقل کیا جارہا ہے۔ اب اس امر کی صراحت میں دو سطریں چھاپ دیجیے یا پھر اس سے متعلّق میرا مراسلہ چھاپ دیجیے۔ اگر آپ میرا مراسلہ نہیں چھاپنا چاہتے تو اس مضمون سے متعلّق کسی دوسرے کے معترضانہ مراسلہ کو بھی نہیں چھاپیے۔

آپ بہت خوش فہم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مثنوی کی کتاب کی نکاسی ایک سال میں ہو جائے گی۔ اگر تیسرا اڈیشن چھپنے کی نوبت آئے اور میں اُس وقت تک زندہ رہوں تو پھر کچھ خفیف ترمیمات کرنا چاہوں گا۔ آپ نے اس کتاب کو آفسیٹ سے چھاپنے کی پیش کش کی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ از سرِ نو کتابت اور طباعت کے مصارف اٹھائیں گے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ آپ ان پیسوں میں اسی ضخامت کے میرے دو مجموعۂ مضامین چھاپ دیں اور مجھے محض پانسات فی صدی رائلٹی دے دیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کے لیے یہ ممکن نہیں۔ آپ مضامین کے مجموعے نہیں چھاپ سکتے۔

پچھلے اڈیشن کی رائلٹی میں جو دو چار پیسے مل سکیں وہ بھجوا دیجیے۔ 'ہماری زبان' کا یکم دسمبر ۸۷ء کا شمارہ ضرور بھیج دیجیے۔

کتاب کی دس جلدیں موصول ہو گئی تھیں۔ شکریہ۔

آپ کو نئے سال کی نیک خواہشات بھیجتا ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۵۴)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۵؍جنوری ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

کرم نامہ ملا۔ میں حسب الحکم 'اُردو تحقیق: اقدار و معیار ۱۹۴۷ء تا ۱۹۸۷ء' پر مضمون ضرور لکھوں گا اور دو ہفتوں کے اندر بھیج دوں گا۔ چوں کہ بات معیار کی ہے اس لیے مفصّل فہرست سازی کی ضرورت نہ ہوگی۔

نئے سال کی مبارک باد کا شکریہ۔ آپ کو بھی مبارک ہو۔

یکم دسمبر ۸۷ء کا 'ہماری زبان' بجھوا دیجیے۔

مخلص

گیان چند

(۵۵)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۹؍جنوری ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

۱- مضمون بھیج رہا ہوں۔ اس میں کہیں کہیں حنیف احمد نقوی کا ذکر اچھے الفاظ میں آ گیا ہے۔ اس کا خیال نہ کیجیے اور اسے بدلیے نہیں۔ آپ کی کتاب 'خطوطِ غالب' کا تذکرہ ص۸ آخری سے پہلے پیرا میں ہے۔

۲- میں نے مجموعے کی اشاعت کی بات مزاحاً لکھ دی تھی۔ آپ سچ مچ تیّار ہو گئے۔ یہ مناسب ہے کہ انجمن مضامین کے مجموعہ نہ چھاپے تاوقتیکہ وہ ایک موضوع پر نہ ہوں۔ میں ایک فہرست ملفوف کر رہا ہوں۔ کیا آپ اسے پسند کریں گے۔ 'مُقدّموں اور تبصروں' کی مزید یک جائی کرنی ہو تو عنوان 'کتابیں دوسروں کی' کیا جا سکتا ہے۔ جن دو مجموعوں کے مقدّمے زیرِ طبع ہیں اُن کے بارے میں یقینی ہے کہ وہ جلد چھپ جائیں گے۔ لکھیے کہ آپ کو اس عنوان کا مجموعہ منظور ہے کہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ۳۰۰ سے زیادہ صفحات نہ ہوں گے۔ اگر ہوئے تو آخری دو مضامین کم کر دیں گے۔

۳- میں نے لکھا تھا کہ مجھے اپنے مضمون کی پہلی قسط والا 'ہماری زبان' بابت یکم دسمبر

نہیں ملا۔ آپ نے اس کے بہ جاے ۸؍دسمبر ۸۷ء کا پرچہ دوبارہ بھجوا دیا۔ وہ تو میرے پاس پہلے ہی سے ہے۔ اسی طرح ۸؍جنوری کا پرچہ نہیں ملا جس میں سنا ہے کہ میرا مراسلہ آیا ہے۔ معلوم نہیں ڈاک میں کیا ہو جاتا ہے۔ اب براہِ کرم یکم دسمبر ۱۹۸۷ء اور ۸؍جنوری ۱۹۸۸ء کے 'ہماری زبان' بھیج دیجیے۔ ۱۵؍جنوری کا پرچہ مجھے مل گیا ہے۔

میرے گھر کے پتے کے بہ جاے شعبۂ اُردو کے پتے پر ڈاک بھیجی جائے تو دن میں جلدی مل جاتی ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

نیازمند

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم

جنرل سکریٹری انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)

'مقدّمے اور تبصرے' از گیان چند

مُقدّمے

۱-	اشک	انجو باجی
۲-	اشک	ٹیریس پر بیٹھی شام (زیرِ طبع افسانوی مجموعہ)
۳-	ڈاکٹر محمد حسن	ضحّاک
۴-	ستیش بترا	بے لباس لمحے (زیرِ طبع افسانوی مجموعہ)
۵-	ڈاکٹر اشرف رفیع (مرتّب)	مقالاتِ طباطبائی
۶-	ڈاکٹر سمیع اللہ اشرفی	اُردو اور ہندی کی مشترک بحریں

تبصرے

مُقدّمے

۷-	اشک	گرتی دیواریں
۸-	اطہر علی فاروقی	اتر پردیش کے لوک گیت
۹-	نقوش کا ادبی معرکہ نمبر	
۱۰-	عطا کاکوی	غلطی ہاے مضامین

۱۱- عابدؔ پیشاوری	انشاءاللہ خاں انشاؔ
۱۲- مالک رام	گفتارِ غالب
۱۳- نگارشاتِ کالی داس گپتا رضا	
۱۴- آغا حیدر حسن	پسِ پردہ
۱۵- جلیل مانک پوری	مسائلِ زبانِ اُردو
۱۶- علی عبّاس امید	لبِ گویا
۱۷- وقار خلیل	ورثہ

(۵۶)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۲۵ر فروری ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

'مُقدّمے اور تبصرے' نام کا مسوّدہ اس درخواست کے ساتھ بھیج رہا ہوں کہ اسے انجمن اپنی طرف سے شائع کردے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی ضخامت تین سو صفحے سے کم رہے گی۔

اشاعت کا فیصلہ ہو جائے تو پیش لفظ کی آخری سطور میں شکریے کی بات اور پھیلا کر لکھ دوں گا۔ جوں ہی کچھ فیصلہ ہو مجھے مطّلع کرنے کا کرم کیجیے۔ مثبت فیصلے کے لیے تہِ دل سے ممنون ہوں گا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص
گیان چند

جناب جنرل سکریٹری
انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)، اُردو گھر
راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002

(۵۷)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد
۲۸/مارچ ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

براہِ کرم مجھے مطّلع کیجیے کہ ادبی کمیٹی نے میرے مسوّدے کی اشاعت کے بارے میں کیا فیصلہ کیا۔

پچھلے ۴۰ سال کی تحقیق سے متعلّق میرا مضمون 'اُردو ادب' میں کب آئے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مضمون کو پاکستان میں بھی چھپوادوں، لیکن 'اُردو ادب' میں اشاعت کے بعد۔ 'اُردو ادب' کی وہ اشاعت کب تک متوقّع ہے؟

مخلص
گیان چند

(۵۸)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۲۰/اپریل ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

'مُقدّمے اور تبصرے' کی اشاعت کے بارے میں کیا فیصلہ ہوا؟
مئی جون میں مَیں اہلیہ کے ساتھ امریکہ جارہا ہوں۔
امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۵۹)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۶رجولائی ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

میں امریکہ سے ۲۷رجون کو واپس آیا۔ راستے میں جاتے ہوئے دو دن جاپان ٹھہرا تھا۔ ۲۹راور ۳۰رجون کو دلّی میں آپ کو فون کیا۔ ۲۹رکو معلوم ہوا کہ آپ بمبئی گئے تھے۔ ۳۰رجون کی دوپہر کو معلوم ہوا کہ آپ ابھی دفتر نہیں آئے۔

'مُقدّمے اور تبصرے' کے بارے میں حبیب خاں اور خاتون لائبریرین سے پوچھا۔ دونوں میں سے کوئی واقف نہیں۔ لکھیے کیا ہو رہا ہے؟ عالم فاضل مبصّر صاحب کے پاس مسوّدہ گیا کہ نہیں اور انھوں نے کیا جواب لکھا۔ جلد جواب کی توقّع کر رہا ہوں۔

کیا آزادی کے بعد کے ۴۰ سالہ ادب سے متعلّق 'اُردو ادب' کا شمارہ اس سال میں شائع نہ ہو سکے گا۔ یہاں میرے ایک مجموعۂ مضامین کی کتابت پوری ہو گئی ہے، دوسرے کی شروع ہونے والی ہے۔ نیز یو پی اُردو اکادمی کے لیے 'تحقیق کا فن' کی کتابت بھی آج کل یہیں چل رہی ہے۔

مخلص گیان چند

معلوم نہیں کیوں مئی جون کے دو مہینوں میں مجھے 'ہماری زبان' کا محض ایک شمارہ ملا۔ شاید چھٹیوں میں یہاں کوئی غائب کر دیتا ہے۔

(۶۰)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴
۳۰رجولائی ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

آپ کا کرم نامہ ملا۔ شکریہ۔ جناب مبصّر صاحب کو میری طرف سے پیغام پہنچایئے کہ اپنا فیصلہ، وہ جو بھی کچھ ہو، جلد سنانے کی زحمت کریں۔

'ہماری زبان' کے پرچے کہاں تک بھجوائیں گے۔ آپ کے یہاں سے ہمیشہ بھیجے جاتے ہوں گے۔ ڈاک میں تلف ہو جاتے ہیں۔ اب ۱۹۸۸ء کے ذیل کے پرچے نہیں ملے۔ اگر کوئی صاحب تکلیف کر کے تلاش کر سکیں تو حسبِ معمول میرے گھر کے پتے:

A15, Central University P.O. Hyderabad-500134

پر بھجوا دیجیے۔

۸؍، ۱۵؍، ۲۲؍ اپریل	یکم، ۸، ۲۲؍ مئی
جون کے چاروں پرچے	۸؍ جولائی کا پرچہ

اس کے بعد یکم اگست تک کا پرچہ پیشگی ہی مل گیا ہے۔

میری کتابوں کی کتابت چل رہی ہے۔ ایک کتاب 'ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیبِ مہ و سال' ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ چوں کہ میں تصنیف کے کام کے بغیر نہیں رہ سکتا، اس لیے سوچ رہا ہوں کہ ایک مختصر سی کتاب 'اُردو کا اپنا عروض' لکھ دوں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

نیازمند

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، جنرل سکریٹری

(۶۱)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۲؍ اکتوبر ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

بنگلور سے آپ کا سلامِ شوق ملا۔ شکریہ۔ لیکن مجھے اس سے زیادہ ضرورت پیغام کی ہے۔ لکھیے 'مُقدّمے اور تبصرے' کا معاملہ بھی کیا 'اُردو مثنوی' کا سا ہونے والا ہے؟ کیا ہو رہا ہے۔ کیا مبصّر کی رائے آئی کہ نہیں؟ آپ کچھ جلدی کیجیے۔ آپ نے اس مجموعے کی اشاعت کی بات اسی لیے چھیڑی تھی کہ 'اُردو مثنوی' کی اشاعت کی غیر معمولی دیری کی تلافی کر کے دکھا سکیں۔

'اُردو مثنوی' کی سابق اشاعت کی بقیہ رائلٹی (جو آپ کے رِکارڈ کے مطابق جو کچھ بھی نکلتی ہو) اور موجودہ اڈیشن کی رائلٹی کی ادائیگی کی طرف توجّہ کیجیے۔

مخلص

گیان چند

(٦٢)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

A15، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۹/نومبر ۱۹۸۸ء

اگر مجھے 'ہماری زبان' کے حسبِ ذیل پرچے عنایت کردیے جائیں تو میری فائل مکمّل ہوجائے گی:

۸/مارچ، ۲۲/مارچ

۸/اپریل، ۱۵، ۲۲/اپریل

یکم مئی، ۸/مئی، ۲۲/مئی

جون کے جملہ پرچے

۸/جولائی

آخری پرچہ ۸/نومبر کا ہے۔ امید ہے ابھی ۱۵/نومبر کا نہیں بھیجا گیا ہوگا۔

خط اندر کے صفحے پر دیکھیے۔

A15، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۹/نومبر ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

رشید حسن خاں سے بات ہوگئی تھی۔ امید ہے انھوں نے مسودہ واپس کردیا ہوگا۔ اشاعت کا بندوبست کیجیے۔

گرمیوں کی چھٹّیوں میں 'ہماری زبان' کے پرچے نہیں ملتے۔ دوسری طرف کے صفحے پر

ان شماروں کی فہرست درج کررہا ہوں جو مجھے نہیں ملے۔ اگر آپ براہِ کرم دوبارہ بھجوادیں تو میری فائل مکمّل ہوجائے۔ میں 'ہماری زبان' کی فائل مجلّد کراکے رکھتا ہوں۔ ساتھ کا ورق کاٹ کر 'ہماری زبان' کے انچارج کو دے دیجیے۔

ہمارے شعبے میں اکبر حیدری بہ حیثیت پروفیسر کے اور ڈاکٹر فیروز احمد بہ طور ریڈر کے آگئے ہیں۔

خطوط پھر بڑی تعداد میں جمع ہوگئے ہیں۔ کبھی بھیجوں گا۔ ۲۶ر نومبر سے ۲۵ر دسمبر تک میری یونی ورسٹی کی چھٹّی ہے۔ میں دو ہفتے کے لیے جنوب کی سیر کو جاؤں گا کنیا کماری تک۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۶۳)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۲۵ر اپریل ۱۹۸۹ء

محبّی تسلیم

۱۹ر کا کرم نامہ ملا جس سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ آپ پھر سے دلّی آگئے ہیں۔

میں دو مسوّدے بھیج رہا ہوں۔ ا- 'اُردو کا اپنا عروض'۔ اسے دیکھ کر علاحدہ کاغذ پر اپنے مشاہدات لکھ لیجیے۔ میں نے اس کی ایک کاپی مالک رام صاحب کو بھی بھیجی ہے کہ سفارش کرکے مکتبۂ جامعہ سے چھپوادیں۔ آپ کے تبصرے کی روشنی میں ترمیم کردوں گا۔ ۱۷ر اپریل کو میرے ایک شاگرد پاکستان گئے ہیں۔ میں اس کتاب کو پاکستان میں بھی چھپوانا چاہتا ہوں لیکن میں نے مسوّدہ اس لیے نہیں بھیجا کہ آپ کی نظروں سے گزار کر ہی چھپواؤں گا۔

دوسرا مسوّدہ میرا مجموعۂ کلام 'کچّے بول' ہے۔ یہ پورے ایک سال ڈاکٹر مغنی تبسّم کے پاس رہا۔ انھوں نے رورعایت سے کام لیا اور اس میں سے بہت کم منسوخ کیا۔ آپ ذرا سختی سے دیکھ کر کثرت سے منسوخ کردیجیے۔ پنسل سے نشان × کرتے جائیے۔ شروع میں ص ا سے ۱۶ تک جو نئی غزلیات ہیں وہ تو انتخاب میں شریک ہو ہی جائیں گی۔ آپ ان پر سرسری نظر ڈال

لیجیے، بقیہ کو پڑھنا ہوگا۔ آپ کو بہت زحمت ہوگی۔

میں نے آج تک اشاعت سے پہلے اپنی کوئی کتاب یا مضمون کسی سے Chech نہیں کرائی لیکن ان دونوں کتابوں میں اس کی ضرورت ہے۔

میں ۳۰؍اپریل کو ملازمت سے رٹائر ہو رہا ہوں۔ ۴؍مئی کی صبح دہلی پہنچوں گا۔ میرے لڑکے کا پتا ہے:

Ashu Jain

J-27, Lajpat Nagar II, New Delhi-110024

اس کے یہاں فون بھی لگ گیا ہے جو کسی دوسرے کے نام سے ہے۔ فون نمبر ہے: 637347۔

میں ۴؍کی رات یا پانچ کو آپ کو فون کروں گا۔ ۶؍مئی کی صبح ہوائی جہاز سے بنارس جاؤں گا ایک زبانی امتحان پی ایچ ڈی کا کرنے۔ ۸؍مئی کی صبح واپس آؤں گا۔ پھر چند روز دلّی رہوں گا۔ اس کے بعد مغربی یو پی میں اپنے کئی رشتے داروں کے پاس جاؤں گا۔ مئی کے تیسرے ہفتے میں بھی دلّی رہوں گا۔

جون میں لکھنؤ جاؤں گا۔ کوشش کروں گا کہ کوئی مناسب مکان خرید سکوں۔ اگر نہ ملا تو تعمیر کروں گا۔ اندرانگر، لکھنؤ میں میرا قطعۂ زمین ہے۔ کوئی ڈھنگ کا ٹھیکیدار مل جائے تو بنوا لوں گا۔ بہرصورت جولائی میں حیدرآباد آکر اپنا سامان لے جاؤں گا۔ مکان تعمیر کرانے کی صورت میں لکھنؤ میں کرایے کا مکان لے کر رہوں گا۔

یہ ہے میرا پروگرام۔ دلّی میں آکر آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔ آپ دونوں مسوّدے جون کے آخر تک دیکھ لیجیے۔ ممنون ہوں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۶۴)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

A15، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۴/اکتوبر۱۹۸۹ء

مکرّمی تسلیم

میں نے آپ کو لکھا تھا کہ میرا طویل مضمون 'اُردو تحقیق ہندوستان میں ۴۷ء تا ۸۷ء' 'ہماری زبان' میں تحقیقی مضامین پر مسئلۂ زبان کے مضامین کو ترجیح دی جائے گی۔ آپ کا فیصلہ مناسب ہے۔ میں اپنی درخواست واپس لیتا ہوں۔ تحقیق کا مضمون 'ہماری زبان' میں نہ چھاپا جائے۔ اگر اسے آپ میری طرف سے کسی رسالے میں چھپوا سکیں تو بھیج دیجیے ورنہ مجھے واپس کر دیجیے۔ میں دیکھوں گا کہ کہاں چھپواؤں۔

مراسلے کی اشاعت کے لیے ممنون ہوں۔

نیاز مند

گیان چند

(۶۵)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

A15، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۱۲/اکتوبر۱۹۸۹ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب تسلیم

کل شمیم جہاں صاحبہ کا خط ملا جس میں لکھا ہے کہ میری کتاب 'مُقدّمے اور تبصرے' کی ضخامت **۲۷۲** صفحات ہو رہی ہے جب کہ حال میں ادبی کمیٹی نے طے کیا ہے کہ کوئی کتاب **۲۰۰** صفحات سے زیادہ کی شائع نہ کی جائے۔ اس لیے شمیم جی نے لکھا ہے کہ میں لکھوں کہ کون سے **۷۲** صفحے خارج کر دیے جائیں۔

مجھے یہ خط پا کر بڑی حیرت ہوئی۔ ادبی کمیٹی کا فیصلہ آیندہ منظور کیے جانے والے مسوّدوں پر لاگو ہوگا۔ جو مسوّدہ تقریباً ڈیڑھ دو سال پہلے وصول ہوا تھا اور جس کی اشاعت کا فیصلہ کر لیا گیا تھا اس میں ترمیم کیوں کر کی جا سکتی ہے۔ آپ نے اصلاً مجھے لکھا تھا کہ مجموعہ تین سو صفحات سے زیادہ کا نہ ہو۔ میں نے ایسا ہی مجموعہ دیا اور ادبی کمیٹی نے اس کی اشاعت منظور کی۔ یو پی اکادمی اور ترقّی اُردو بیورو کتاب کی اشاعت سے پہلے ایک اقرار نامہ تیّار کرتے ہیں

جس پر مُصنّف اور ناشر دونوں کے دستخط ہوتے ہیں۔ اگر انجمن میں بھی اقرارنامہ بھرا ہوتا تو انجمن قانوناً مجبور تھی کہ ماضی کے اقرارنامے کی پابند رہے۔ اقرارنامے کی عدمِ موجودگی کی صورت میں بھی انجمن پر اخلاقی ذمّے داری تو عائد ہوتی ہی ہے کہ اپنے ماضی کے عہد کی ایفا کرے۔ نئی پابندیاں آیندہ شائع کیے جانے والے مسوّدوں کی وصولی پر چسپاں ہونی چاہئیں۔

اُن ۲۷ صفحات کی کتابت ہوچکی ہے۔ اب سوال ہے طباعت اور کاغذ کے اخراجات کا۔ اگر کاغذ گراں ہوگیا ہے تو میں اس کے لیے تیّار ہوں کہ آپ پانسو کے بہ جائے محض ۳۰۰ جلدیں ہی چھاپیے۔ اگر آپ کٹوتی پر قائم ہی رہنا چاہتے ہیں تو بدرجۂ مجبوری میں عرض کروں گا کہ کتابت شدہ پورے اوراق چھاپ دیجیے، ۲۷ صفحات کی طباعت اور کاغذ کے دام میرے ذمے لگا دیجیے اور انھیں 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' پہلے اڈیشن کی بقیہ رائلٹی میں adjust کردیجیے۔ اس منزل پر صفحات کم کرنے میں نہ صرف یہ کہ کتاب کی ترتیب اور مُقدّمے کے اندراجات مجروح ہوں گے بل کہ ۲۷ صفحات کے کتابت کے مصارف بھی ضائع ہوں گے۔ یہ بھی کوئی اچھّی بات نہیں کہ انجمن ڈیڑھ دوسال پہلے کی طے کردہ شرائط سے پیچھے ہٹنا چاہیے۔

اپنے مراسلے کی اشاعت کے لیے ممنون ہوں۔ میں نے ایک اور گشتی مراسلہ 'محققین سے التماس' بھی آپ کو بھیجا تھا۔ براہِ کرم شائع کردیجیے۔ ہندستان میں اُردو تحقیق کے ۴۰ سال کسی رسالے کو بھیج سکیں تو میری طرف سے بھیج دیجیے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۶۶)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

A15، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۲۴؍دسمبر ۱۹۸۹ء

محبّی تسلیم

میں دلّی اور لکھنؤ کے سفر سے کل واپس آیا۔ دلّی میں طبیعت اتنی خراب رہی کہ میں نہ

یو۔جی سی جا سکا، نہ انجمن میں گیا۔ حد یہ ہے کہ پاس میں مالک رام صاحب کے پاس بھی نہ گیا۔

میرے دو مجموعے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دلّی سے چھپنے والے ہیں۔ جب آپ نے پیش کش کی کہ ۳۰۰ صفحات تک کا مجموعہ آپ شائع کر سکتے ہیں تو میں نے ایجوکیشنل کے مجموعوں میں سے مضامین نکال کر انجمن کو 'مُقدّمے اور تبصرے' کے نام سے ایک نیا مجموعہ دے دیا۔ ایجوکیشنل سے ایک مجموعہ اِس ماہ میں اور دوسرا غالباً جنوری میں چھپ جائے گا۔ آپ جو مضامین قطع کر رہے ہیں انھیں اب ایجوکیشنل کے مجموعوں میں شامل کرنا بھی ممکن نہیں۔ چوں کہ یہ یقینی ہے کہ اب زندگی میں میرا اور کوئی مجموعۂ مضامین تیّار نہیں ہوگا، اس لیے منسوخ مضامین اوراقِ نثر ہی کی صورت میں رہیں گے۔ ممنون ہوں کہ آپ کو میری ساکھ کا خیال ہے کہ ان مضامین کے چھپنے سے میرا مرتبہ مجروح ہوگا لیکن مہربان! یہ مضمون تو پہلے ہی کہیں نہ کہیں چھپ چکے ہیں۔ اب ان کی اشاعت سے مجھے کیا مزید نقصان پہنچتا۔ میں اب بھی یہ مانتا ہوں کہ ایک دفعہ فیصلہ کر لینے کے بعد انجمن کو ماضی کے فیصلے کو بدلنے کا اختیار نہ تھا لیکن انجمن کے بدلے ہوئے نظام میں جو کچھ بھی کیا جائے اس پر احتجاج سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں ساتھ کے تراشے میں ان مضامین کی فہرست دے رہا ہوں جو قطع کیے جا سکتے ہیں۔

مخلص گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب

'مُقدّمے اور تبصرے' میں سے گردن زدنی مضامین کی تجویز

مجھے جو کتابت شدہ فہرست بھیجی گئی ہے اس میں نمبر ۱۹ پر اشک کی 'ٹیریس پر بیٹھی شام' درج ہے لیکن یا یہ مُقدّمہ فہرست میں نمبر ۲ پر ہے۔ اسے وہیں درج کیا جائے۔

آخر کے تبصروں: ۱۲، تا ۱۸ کو خارج کر دیا جائے۔ وہ یہ ہیں:

۱۳- مالک رام کا: گفتارِ غالب
۱۴- کالی داس گپتا رضا: دیوانِ غالب کامل
۱۵- آغا حیدر حسن دہلوی: پسِ پردہ
۱۶- جلیل مانک پوری: مسائلِ زبانِ اُردو
۱۷- وقار خلیل کا: نا قابلِ تقسیم ورثہ
۱۸- علی عبّاس امید: لبِ گویا

اگران سے مطلوبہ صفحات پورے نہ ہوں تو مُقدّ مہ نمبر ۴ ستیش بترا: 'بےلباس لمحے' بھی قطع کر دیا جائے۔ ان کے علاوہ میں کسی اور مضمون کو حذف کرنے کے حق میں نہیں۔ اپنے فیصلے سے مجھے فوراً مطّلع کیجیے تاکہ میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس سے پوچھوں کہ کیا وہ ان قطع شدہ مضامین کو میرے مجموعے میں شامل کر سکتے ہیں۔

گیان چند

(٦٧)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
A15، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

٦/جنوری ۱۹۹۰ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب تسلیم

آپ کو یہ نیا سال ۱۹۹۰ء مبارک ہو۔ انجمن نے رشید حسن خاں کی کتاب 'فسانۂ عجائب' بے نظیر انداز سے شائع کی ہے۔ بالیقین یہ اُردو نثر کی بہترین تدوین ہے۔ آپ نے ص ۱۳ پر محمود شیرانی، قاضی عبدالودود اور عرشی صاحب کو تحقیق کی آبرو قرار دیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ مسعود حسن رضوی اور مالک رام صاحبان کو اس کتابِ زرّیں میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔

فی الوقت یہ خط لکھنے کی غایت یہ ہے کہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس کے مجتبیٰ خاں نے مجھے لکھا ہے کہ انجمن میرے مجموعے میں سے جو مضامین قطع کرنا چاہے وہ میرے دوسرے مجموعے 'پرکھ اور پہچان' میں شامل کر لیں گے۔

اب آپ جو جو مضامین خارج کرنا چاہیں براہِ کرم ایجوکیشنل کو بھیج دیجیے۔ پہلے ان سے فون پر بات کر لیجیے تاکہ ضروری ہو تو وہ اپنے آدمی کے ہاتھ اوراق منگا لیں۔ بہر حال یہ کام جلد کر دیجیے۔

'اُردو کا اپنا عروض' کی کچھ جلدیں ابھی نہ بندھی ہوں تو ان میں سے اغیار کے دو مضمون خارج کر دیجیے۔ شکریہ۔

مخلص

گیان چند

(۶۸)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/642، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۹/اپریل ۱۹۹۰ء

مکرّمی حبیب خاں صاحب تسلیم

میں نے 'ہماری زبان' میں اپنا نیا پتا چھپوانے کو ایک خبر بھیجی ہے۔ اس میں پتے کو یوں مفصّل لکھا تھا: مکان نمبر ۶۴۲، سیکٹر ۱۲، اندرانگر، لکھنؤ-226016۔

اگر ابھی وہ خبر شائع نہ ہوئی ہو تو پتے کو یوں مختصر کر کے چھاپ دیجیے:

12/642، اندرانگر، لکھنؤ-226016

اس میں زیادہ آسانی رہے گی۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

پس نوشت: شمیم صاحبہ سے (غالبًا ان کا یہی نام ہے) کہیے کہ مجھے لکھیں کہ 'مُقدّمے اور تبصرے' کب تک شائع ہو رہی ہے۔ کیا 'اُردو کا اپنا عروض' کی بقیہ جلدوں میں سے دوسروں کے دو مضامین خارج کر دیے ہیں۔

(۶۹)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/642، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۱۵/اکتوبر ۱۹۹۰ء

مُحبّی تسلیم

میرے استاد کے استاد امر ناتھ بیجل کا ۵/اکتوبر ۹۰ء کو لکھنؤ میں انتقال ہو گیا۔ ان سے متعلّق ایک خبر بھیج رہا ہوں جسے 'ہماری زبان' میں شائع کر دیجیے۔

میں ۲۰؍اکتوبر کو ایک ہفتے کے لیے دلّی آؤں گا۔ وہاں پر مقیم میرا لڑکا دلّی چھوڑ کر مستقلاً امریکہ چلا گیا ہے۔ اس کا اثاثہ فروخت کرنا ہے تا کہ مکان خالی کر سکوں۔

شاید میری کتاب 'تحقیق کا فن' آپ کی نظر سے گزری ہو۔ کل خبر ملی ہے کہ گجرات اُردو اکادمی سے میری پتلی کتاب 'ادبی اصناف' بھی شائع ہوگئی ہے۔

اب میری یہ حیثیت ہوگئی ہے کہ آپ میرے خطوط کا جواب بھی نہیں دیتے۔ 'مُقدّمے اور تبصرے' کی کاپیاں آپ کے پاس برسوں سے پڑی ہیں لیکن ان کی طباعت پر دھیان نہیں دیتے۔ دہلی میں کسی طرح وقت نکال کر آپ کے پاس حاضر ہوں گا اور التماس کروں گا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب

(۷۰)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/642، اندرا نگر

لکھنؤ-226016

۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۰ء

محبّی خلیق انجم صاحب تسلیم

ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے خطوط شائع کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے انجمن کو اپنے نام کے جو خطوط دیے ہیں اُن میں چار پانچ خط مسعود صاحب کے بھی ہوں گے۔ براہِ کرم خلیل صاحب کو ان کی نقل یا عکس لینے دیجیے۔ مشکور ہوں گا۔

مخلص

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب

انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)

اُردو گھر

راؤز ایونیو
نئی دہلی-110002

(۷۱)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
12/25،اندرانگر
لکھنؤ-226016
۱۲/دسمبر ۱۹۹۰ء

مکرّمی آداب عرض

کل 'مُقدّ مے اور تبصرے' کی دس جلدیں موصول ہوئیں۔ تہِ دل سے مشکور ہوں۔ میں نے اصلاً جو مضامین دیے تھے ان میں سے چند خارج کر دیے گئے۔ میرے پیش لفظ میں ان میں سے کئی کا ذکر موجود ہے جس کی وجہ سے میں نکّو بنا ہوں۔ کاش آپ نے مضامین کو خارج کرنے کے بعد پیش لفظ میں سے بھی ان کا ذکر محذوف کر دیا ہوتا۔

مخلص

گیان چند

۱۳/دسمبر۔ کل دن میں حبیب خاں صاحب کا خط بھی ملا۔ اس کے لیے مشکور ہوں۔

(۷۲)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
9/25،اندرانگر
لکھنؤ-226016
۱۷/دسمبر ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

دلّی دو بار جانا ہوا جولائی اور اکتوبر میں۔ انجمن کے دفتر میں بھی گیا لیکن آپ سے ملاقات نہ ہو سکی کہ دونوں مرتبہ آپ باہر گئے تھے۔

مجھے دو سال کے لیے یو.جی.سی سے Emeritus Fellowship ملی ہے جس کے تحت ۴ ہزار روپیہ ماہانہ اور سال بھر کے لیے دس ہزار روپے متفرّق اخراجات کے ملتے ہیں۔ نو دس

مہینے حیدرآباد میں رہ کر میں نے اپنی فیلوشپ لکھنؤ یونی ورسٹی کو منتقل کرالی۔ یو.جی.سی اور لکھنؤ یونی ورسٹی میں اتنی بدنظمی ہے کہ آج نو مہینے گزرنے پر بھی مجھے لکھنؤ یونی ورسٹی سے فیلوشپ کا یا contingency کا ایک پیسہ بھی ادا نہیں ہوا۔ حیدرآباد میں contingency کی فیس کی تقریباً آدھی رقم خرچ کر سکا، ساڑھے چار ہزار روپے یو.جی.سی کو واپس ہو گئے۔

اس contingency میں منجملہ اور اخراجات کے باہر کے سفر کے اخراجات بھی ملتے ہیں۔ میں جولائی اور اکتوبر میں جو دہلی گیا اس کا .T.A وصول کرنا چاہتا ہوں۔ لکھنؤ یونی ورسٹی کے دفتر حساب والے چاہتے ہیں کہ اس کے لیے دہلی سے کسی کا سرٹی فکٹ چاہیے کہ میں نے وہاں لائبریری سے استفادہ کیا۔ حیدرآباد والے تو ایسا مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ بہرحال آپ سے گزارش ہے کہ آپ مجھے دو سرٹی فکٹ دے دیں جن میں آپ لکھ دیں کہ میں نے انجمن کے کتب خانے میں مطالعہ کیا۔ حسبِ ذیل تاریخیں لکھیے:

۷/ جولائی ۱۹۹۰ء (سنیچر) تا ۹/ جولائی ۱۹۹۰ء (سوموار) کُل تین دن۔

۲۰/ اکتوبر ۱۹۹۰ء (سنیچر) تا ۲۵/ اکتوبر ۱۹۹۰ء (جمعرات) کُل ۶ دن۔

سرٹی فکٹ انگریزی میں لکھیں۔ اس پر آپ دستخط کریں یا لائبریرین کے دستخط کرا دیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے دستخط ہی کافی ہوں گے۔ اس عنایت کے لیے مشکور ہوں گا۔

میری کتاب 'تحقیق کا فن' شائع ہو گئی۔ میں آپ کو پیش نہ کر سکا۔ آپ نے انجمن کے کتب خانے میں منگائی ہوگی اور دیکھ لی ہوگی۔ ۶۸۳ صفحات کی قیمت محض پچاس روپے ہے۔ براہِ کرم اس کا ضخیم باب تدوینِ متن دیکھ لیجیے۔ کیا آپ کو کتاب 'متنی تنقید' کا نیا اڈیشن آیا؟ اگر نہیں آیا تو میرے باب تدوینِ متن کا بھی اس میں ذکر کر دیجیے۔

مصروفیت کے سبب آپ میرے خطوں کا جواب نہیں دے پائے۔ اس بار سرٹی فکٹ کے ساتھ آپ کا جواب چاہوں گا بالخصوص 'تحقیق کا فن' کے سلسلے میں۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

ایک سرٹی فکٹ پر ۹/ جولائی کی تاریخ میں دستخط کیجیے، دوسرے پر ۲۵/ اکتوبر کی تاریخ میں۔ اگر آپ ان دنوں دہلی نہ تھے تو حبیب خاں کے (یا جو بھی لائبریرین ہو) دستخط کرا سکتے ہیں۔ بعد کی تاریخ میں بھی سرٹی فکٹ دیا جا سکتا ہے۔

مخلص گیان چند

(۷۳)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25،اندرانگر

لکھنؤ-226016

۱۵؍فروری۱۹۹۱ء

محبّی تسلیم

آپ کا کرم نامہ ملا۔ آپ نے جن الفاظ میں میری قدرافزائی کی ہے ان کے لیے کیوں کر شکریہ ادا کروں۔ میں نے اپنی کتاب میں آپ کا جہاں ذکر کیا ہے وہاں اعترافِ ماخذ کے سوا کچھ نہیں۔ یہی تحقیق کے بارے میں ابتدا آپ کے ایک قول سے کی ہے۔

میں اُردو محقّقین کی تاریخ میں اس بے طرح الجھا ہوں کہ اور کوئی کام نہیں کرسکتا اور اس کام کو بھی پورا کرنے کی امید نہیں۔ آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے میری کسی مستقل موضوع کی کتاب کو شائع کرنے کی پیش کش کی ہے۔

ڈاکٹر رفیق حسین کا انتقال ۳۱؍دسمبر کو ہوا۔ میرا خیال ہے کہ 'ہماری زبان' میں اس کی اطّلاع نہیں آئی۔ کم از کم میری نظر سے نہیں گزری۔ میرا خیال تھا کہ ڈاکٹر عقیل رضوی اطّلاع بھیج دیں گے۔ اب میں رفیق صاحب کے چہلم کے دعوت نامے کی پشت پر خبر بھیج رہا ہوں۔ ملفوف ہے۔ براہِ کرم اسے 'ہماری زبان' میں شائع کردیجیے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب

(۷۴)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25،اندرانگر

لکھنؤ-226016

۲۸؍اکتوبر۱۹۹۱ء

محبّی خلیق انجم صاحب تسلیم

میں ۱۹/اگست کو یہاں سے امریکہ کے نجی دورے پر گیا تھا۔ واپسی میں تین دن جاپان اور ایک دن سنگاپور ٹھہرا۔ دو تین دن پہلے لکھنؤ آیا ہوں۔ آنے پر آپ کا خط مورخہ ۱۲/اگست ملا۔ میں پہلے بھی آپ کو لکھ چکا تھا کہ میں سرؔور صاحب پر کوئی نیا مضمون نہیں لکھ سکتا۔ میں نے ان کی شخصیت پر ایک مضمون 'تحفۃ السرور' میں لکھّا تھا جس میں بہت معمولی ترمیم کے ساتھ اپنے مجموعے 'پرکھ اور پہچان' میں شامل کر لیا۔ آپ چاہیں تو اسی کو لے لیجیے پرکھ میں سے۔ نیا مضمون لکھنا میرے لیے ممکن نہیں۔ معذرت خواہ ہوں۔

ٹوکیو یونی ورسٹی برائے مطالعاتِ خارجہ میں ہندو پاک کے مطالعے کا شعبہ ہے جس کی دو شاخیں اُردو اور ہندی کی ہیں۔ شعبۂ اُردو کے اساتذہ نے میری بڑی مدارات کی۔ میں نے ان کے دیے ہوئے موضوع 'بھارت میں اُردو ہندی کے تعلّقات' پر لکچر دیا۔

براہِ کرم 'اُردو ادب' میں شائع شدے میرے مضمون 'اُردو کا اپنا عروض' نیز 'اُردو مثنوی' طبعِ دوم کی رائلٹی کے اجرا کا حکم جاری کر دیجیے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

گیان چند　　مخلص

(۷۵)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرا نگر

لکھنؤ-226016

۲۰/نومبر ۱۹۹۱ء

محبّی خلیق صاحب تسلیم

چند روز پہلے آپ کا کرم نامہ ملا۔ شکریہ۔ آپ متنی تنقید کا نیا اڈیشن مرتّب کر رہے تھے۔ کیا وہ شائع ہو گیا کہ نہیں؟ آپ نے میری کم ارز کتاب 'تحقیق کا فن' میں تدوینِ متن کا باب ملاحظہ کیا ہوگا۔ اس کے مشاہدات اور سفارشات سے آپ کو جو اختلافات ہوں ان سے مجھے مطّلع کیجیے۔

آپ اس مصروف عہدے کے باوجود تصنیف و تالیف کے اتنے بڑے بڑے کام

کر رہے ہیں کہ دیکھ کر رشک ہوتا ہے۔
امید آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا

آپ کا مخلص گیان چند

(۷۶)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
12/25، اندرانگر
لکھنؤ-226016
۱۰ رفروری ۱۹۹۲ء سوم وار
محبّی تسلیم

۳۱ رجنوری کا کرم نامہ دو تین دن پہلے ملا۔ آپ سے صرف یہ درخواست ہے کہ متنی تنقید کو مختصر نہ کیجیے۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہوگا وہ نہایت مفید اور معلومات افروز ہوگا۔ مختصر کر کے شائقین اور قارئین پر ظلم نہ کیجیے۔

خطوطِ غالبؔ کی تاریخی ترتیب بہت مفید ہوگی۔

مخلص گیان چند

(۷۷)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
12/25، اندرانگر
لکھنؤ-226016
۴ر مارچ ۱۹۹۲ء
محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب تسلیم

ڈاکٹر حسینی شاہد نمبر کے لیے مضمون بھیج رہا ہوں۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے مجھ سے تاکیداً فرمایش کی تھی۔ 'ہماری زبان' کے لیے دس صفحوں پر مضمون شاید میں پاگل ہو گیا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے پڑھا، محنت کی۔ اسے کیوں کر ضائع کرتا۔ آپ حسینی شاہد نمبر میں اس کا ابتدائی حصہ لے لیجیے اور بقیہ مضمون بعد کے کسی شمارے میں چھاپ دیجیے۔ لکھیے کہ کیا کر رہے ہیں۔
میری اس درخواست پر غور کیجیے کہ متنی تنقید کو مختصر نہ کیجیے۔ چار پانسو صفحے ہو جائیں تو کیا

مضائقہ ہے۔ زیادہ بھرپور ہوگی تو بہتر ہے۔

مخلص

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب

(۷۸)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرا نگر

لکھنؤ-226016

۳؍ جون ۱۹۹۲ء

محبّی تسلیم

میں نے دو مضامین آپ کی خدمت میں اشاعت کے لیے بھیجے تھے۔ براہِ کرم لکھیے کہ ان کی اشاعت کب تک متوقّع ہے۔

۱- سرؔور صاحب کی خودنوشت 'خواب باقی ہیں' سرؔور صاحب سے متعلّق مجموعے کو مکتبۂ جامعہ شائع کرنے والی تھی۔

۲- 'دکنیات کا معتبر ترین محقّق حسینی شاہد' اب آپ 'ہماری زبان' کا حسینی شاہد نمبر تو نہیں نکال رہے، میرے طویل مضمون کو تین قسطوں میں 'ہماری زبان' میں چھاپ دیجیے۔ حسینی شاہد نمبر کا حق بھی ادا ہو جائے گا۔ اگر ایک ہی شمارے میں چھاپ دیں تو اسے حسینی شاہد نمبر کہہ سکتے ہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۷۹)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرا نگر

لکھنؤ-226016

۴؍اپریل۱۹۹۲ء
محبّی تسلیم
آپ کو ٹال سکتا ہوں، خود نثار احمد صاحب کی فرمایش کو نہیں ٹھکرا سکتا۔ مضمون حاضرِ خدمت ہے۔

پاکستان کے ڈاکٹر ملک حسن اختر نے ۱۹۷۹ء میں لاہور سے 'تاریخ ادبِ اُردو' شائع کی ہے جو ۱۲۱۲ صفحات کی ہے۔ حیرت ہے کہ لوگ اس کے وجود سے بھی آشنا نہیں۔ میں اپریل کے وسط میں ۸ دن کے لیے حیدرآباد گیا تھا۔ وہاں سے چند روز کے لیے یہ کتاب یونیورسل لائبریری سے کسی کے نام پر لایا۔ جلدی جلدی اس کے notes لیے۔ اس کے بعد نثار صاحب پر مضمون لکھا۔ اب اس تاریخِ ادب پر لکھوں گا جس کے بعد میرا تاریخِ ادب کا کام پورا ہو جانا چاہیے۔ پھر اس کا مبیضہ تیّار کروں گا۔

ساتھ کا خط 'ہماری زبان' میں شائع کر دیجیے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۸۰)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
12/25، اندرا نگر
لکھنؤ-226016
۲۳؍اپریل ۱۹۹۳ء
مکرّمی خلیق انجم صاحب تسلیم
میں نجی سفروں کے علاوہ دوسرے علمی و ادبی، سرکاری سفر نہیں کرتا۔ صرف حیدرآباد ہو آتا ہوں۔ ۱۲؍اپریل کو حیدرآباد گیا تھا میرے تحت پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے والی ایک لڑکی کا زبانی امتحان تھا۔ جانا پڑا۔ کل واپس آیا ہوں۔ اب طے کیا ہے کہ حیدرآباد بھی نہ جایا کروں گا۔

حالاں کہ دہلی میں میرا لڑکا رہتا ہے لیکن وہاں کا سفر بھی نہیں کرنا چاہتا۔ یہ جان کر حیرت ہوئی کہ میں انجمن کی بعض کمیٹیوں کا رکن ہوں۔ براہِ کرم مجلسِ عام اور دوسری تمام

کمیٹیوں سے میرا استعفا قبول فرمائیے۔ جب میں حاضر ہی نہیں ہوسکتا تو کیوں رکنیت کو گھیرے رہوں۔

علامہ اقبال پر بہت سمینار ہو چکے۔ آپ پھر ان پر ایک اور سمینار کر رہے ہیں، ان کے بہ جاے وجہی، ابنِ نشاطی، یقین، فغاں، حسرت، رجب علی بیگ سرور، محمد حسین جاہ وغیرہ پر سمینار کرتے تو کوئی جدّت ہوتی۔

بہر حال میں شرمندہ ہوں کہ کسی جلسے میں شریک نہ ہوسکوں گا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۸۱)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرا نگر

لکھنؤ–226016

۱۳؍جنوری ۱۹۹۴ء

محبّی تسلیم

تبصرہ بہت دیر سے بھیج رہا ہوں۔ دسمبر کے دوسرے ہفتے میں لکھنے کی تیاری کر لی تھی کہ ۱۷؍دسمبر کو بجنور سے فون آیا کہ میرے بڑے بھائی ڈاکٹر پرکاش مونس بہت بیمار ہیں اور انھیں اسپتال میں آکسیجن دی جا رہی ہے۔ میں اہلیہ کے ساتھ افتاں و خیزاں بجنور گیا۔ وہ اب خطرے سے باہر ہیں۔ انھیں گھر لے آئے ہیں۔ دہلی میں ان کے انتقال کی جو خبر اُڑ گئی ہے وہ غلط ہے۔ ان کی عمر ۸۲ سال سے اوپر ہے۔

میں ۶؍جنوری کی شام کو لکھنؤ واپس آیا۔ از سرِ نو کتاب کو دیکھ کر تبصرہ لکھا۔ عجیب بات ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اختلافی حصّہ بہت بڑھ گیا لیکن وہ چنداں اہم امور سے متعلّق نہیں۔ میں نے تدوین کی داد دینے میں کوئی کمی نہیں کی۔ پھر بھی، اگر آپ میرے کسی مشاہدے کو حذف کرانا چاہیں تو مجھے لکھیے۔

میں 'ہماری زبان' کے لیے ایک مفصّل مراسلہ 'مالک رام کا مذہب' لکھنا چاہتا ہوں۔ کیا

آپ اسے چھاپیں گے۔ اس موضوع پر اپنی معلومات دے کر دوسروں سے رہبری چاہوں گا۔ کیا آپ کے اس بیان کو شامل کر دیا جائے جس میں آپ نے ان کے سامنے قادیانیت کی ہجو کی تھی اور وہ برہم ہوئے تھے۔ میری رائے میں آپ کو اس کی اجازت دے دینی چاہیے۔ اس سے گرمیِ بازار رہے گی۔ اس اہم مسئلے کا کچھ فیصلہ ہونا چاہیے۔ کیا آپ نے مالک رام کی کتاب اسلامیات دیکھی۔ ۱۹۸۴ء میں اسے شائع کرنے والا اپنے عقیدے کے لحاظ سے ضرور مسلمان تھا، خواہ مصلحتاً اس نے اعلان نہ کیا ہو۔ ساتھ میں لکھا رقعہ شمیم جہاں صاحبہ کو دے دیجیے۔

میرے پاس ۸؍دسمبر ۹۴ء کے 'ہماری زبان' کے بعد کوئی پرچہ نہیں آیا۔ بھجوا دیجیے اگر ابھی نہ بھیجا ہو۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔ اگر انجمن نے کتابوں کی دکنی فہرست چھاپی ہو تو وہ بھی بھیج دیجیے تا کہ میری معلومات میں اضافہ ہو، خریدوں گا نہیں۔

مخلص

گیان چند

رام لعل، جنھیں کینسر ہے، اب بظاہر پہلے سے بدتر حالت میں ہیں۔ پرسوں شام میں ان کے یہاں گیا۔ غنودگی میں لیٹے تھے۔ سانس لینے اور بولنے میں قدرے دقّت ہوتی تھی۔ بعد میں اُٹھ کر بیٹھ گئے اور بہتر طریقے سے باتیں کرنے لگے۔ کہتے تھے بولنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے میں اٹھ کر چلا آیا۔ گ۔ چ

(۸۲)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرا نگر

لکھنؤ-226016

۲۷؍مئی ۱۹۹۵ء

محبّی خلیق انجم صاحب تسلیم

۱- 'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے ایک مضمون بھیج رہا ہوں۔ شائع کر دیں تو ممنون ہوں گا۔

۲- میں ایک ضخیم کتاب 'اُردو کی ادبی تاریخیں' لکھ کر ناشر یو پی اُردو اکیڈمی کے سپرد

کر چکا ہوں۔ اب وقت گزاری کے لیے مضامین لکھ رہا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ اپنی مطبوعہ کتابوں اور مضامین پر نظرِ ثانی کر رکھوں۔ شاید کبھی ان کے نئے اڈیشن کی نوبت آ جائے۔ 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کے متعلّق میرا خیال ہے کہ اس میں سے تمام مختصر مثنویوں کا ذکر نکال دیا جائے۔ اگر سال دو سال میں آپ اس کتاب کا نیا اڈیشن چھاپنے کی سوچیں تو میں نظرِ ثانی کر دوں۔ اس طرح کتاب مختصر بھی ہو جائے گی۔ مقامی طور پر کتاب کی طبعِ دوم کی ایک کاپی خرید کر اس میں حذف و ترمیم کر دوں گا۔

۳- رام لعل نابھوی مر گئے۔ آپ نے 'ہماری زبان' میں ان کے انتقال کی خبر نہ دی۔ سنا ہے آپ سے تعلّقات کشیدہ تھے لیکن موت کے بعد تو تمام اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔ براہِ کرم اتنی دیر کے بعد ہی سہی، 'ہماری زبان' میں ان کے انتقال کی صحیح خبر درج کر دیجیے۔

۴- 'اُردو ادب' تو مجھے کئی سال سے ملا نہیں۔ معلوم نہیں شائع ہوتا ہے کہ نہیں۔ مجھے ۱۹۸۹ء کا شمارہ ۱، ۲ 'اُردو کا اپنا عروض' ملا اور بس۔ ایک دفعہ دہلی سے ۱۹۹۴ء کا شمارہ ۲ تا ۴ راج بہادر گوڑ نمبر ملا تھا۔ اس کے علاوہ گذشتہ چھے سال میں دو نمبروں کے علاوہ اور کوئی نمبر نہیں ملا۔

امید کرتا ہوں آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۸۳)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرا نگر

لکھنؤ-226016

۲۲ ؍نومبر ۱۹۹۵ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب تسلیم

آپ کا ۱۳؍نومبر کا کرم نامہ دو تین دن پہلے ملا۔ آپ نے بیماریوں کا رِکارڈ توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ ملیریا، ٹائفائڈ اور یرقان جیسی تین موذی بیماریوں کو ایک ساتھ لاحق کر کے three in one کی منفی مثال قائم کی۔ ٹائفائڈ اور یرقان دونوں پانی کی خرابی سے ہوتے ہیں۔ یرقان میں جگر تو متاثر ہوتا ہی ہے۔ آپ ایک ہفتہ اسپتال میں بھرتی رہے یہ اچھا تجربہ نہیں۔ سنِ ضعیف آٹھ مرتبہ آپریشن کرانے کے لیے اسپتالوں میں داخل ہوا ہے لیکن physician والی

کسی بیماری کے سلسلے میں اسپتال میں شریک نہیں ہوا۔ امید کرتا ہوں کہ اب آپ بالکل چاق و چوبند ہو گئے ہوں گے۔

آپ نے یہ مژدہ دے کر کہ میری کتاب شائع کر دیں گے اور وہ بھی تین ماہ کے بھیتر، میرا دل موہ لیا۔ ع: جاں نذر کرنا بھول گیا اضطراب میں خدا (جس کے وجود میں جین ہونے کے سبب میں عقیدہ نہیں رکھتا) آپ کو تندرستی کے ساتھ عمرِ دراز عطا کرے۔

میں نے جو خطوط آپ کو بھیجے ہیں ان میں ایک خط مولانا عرشؔی کا بھی ہے۔ یہ سب سے قیمتی یافت ہے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۸۴)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۳/دسمبر ۱۹۹۶ء شام

محبّی تسلیم

رشید حسن خاں کی مرتّبہ 'گلزارِ نسیم' پر ایک مختصر تبصرہ بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ اسے 'ہماری زبان' میں شائع کر دیں تو مجھ پر احسان ہوگا۔

نیاز مند

گیان چند

بہ خدمت اڈیٹر 'ہماری زبان'

(۸۵)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۱۲/دسمبر ۱۹۹۵ء

محبّی تسلیم

۷/دسمبر کا کرم نامہ مل ملا۔ شکریہ۔ میں نے 'گلزارِنسیم' کا تبصرہ اس لیے مختصر لکھا تھا کہ 'ہماری زبان' میں عموماً بہت مختصر تبصرے ہی شائع ہوتے ہیں۔

اگر انجمن کے قواعد کی وجہ سے مضامین کا مجموعہ شائع نہیں کیا جاسکتا تو آپ اس کے لیے شرمندہ نہ ہوں۔ آپ نے اس کی اشاعت کی آمادگی دکھا کر جس چشمِ کرم کا ثبوت دیا میں اس کا ممنون ہوں۔ مسوّدے کی عدمِ اشاعت پر آپ ذرا بھی محجوب نہ ہوں۔ اطمینان سے اسے واپس کردیجیے۔

یہ صحیح نہیں کہ آپ نے فرمایش کر کے تبصرے منگوائے تھے۔ میں نے درخواست کی تھی جسے آپ نے شرفِ قبول بخشا تھا۔ ایک بات اور کہوں۔ اپنے لیے 'فرمایش' کا لفظ استعمال کرنا اسی طرح خلافِ آداب ہے جیسے اپنے لیے 'فرمانا' کا استعمال۔ کہہ سکتے ہیں 'میں نے ہی درخواست کر کے...''۔

نیازمند

گیان چند

میں نے 'ہندی سرکاری زبان' کے بارے میں ایک مراسلہ بھیجا تھا۔ امید ہے مل گیا ہوگا اور 'ہماری زبان' میں شائع کردیں گے۔

گیان چند

(۸٦)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۱۰/جنوری ۱۹۹٦ء

محبِّ مکرّم تسلیم

۱- لکھنؤ میں ڈاک کا انتظام بہت ناقص ہے۔ ۲۲/دسمبر ۱۹۹۵ء کے 'ہماری زبان' میں میرا مراسلہ 'ہندی سرکاری زبان' چھپا ہوگا۔ مجھے یہ پرچہ نہیں ملا۔ یکم، ۸، ۱۵/دسمبر کے پرچے

ملے،کل یکم جنوری کا پرچہ بھی ملا۔اگر کسی طرح ۲۲؍دسمبر کا پرچہ دوبارہ بھیج سکیں تو کیا کہنا، ورنہ اس میں سے صرف میرے مطبوعہ مراسلے کا تراشہ بھیج دیجیے۔

۲- ایک بات اور جاننا چاہتا ہوں۔کیا میں اور رام لعل اقبالؔ سمّان کی جیوری کے رکن تھے؟ رام لعل کے پاس بھوپال سے کبھی فون آیا تھا کہ میٹنگ ۸؍جنوری کو دہلی میں ہوگی۔اس کے بعد کوئی خط نہ آیا۔ مجھے آفاق احمد نے بھوپال سے لکھا تھا کہ ''آپ کو یہاں کے شعبۂ کلچر کی چٹھّی ملی ہوگی۔ضرور بھوپال تشریف لائیے۔لوگ ملنے کے بہت مشتاق ہیں''۔ بعد میں پس نوشت کے طور پر لکھا تھا کہ اب میٹنگ غالباً ۸؍جنوری کو دہلی میں ہوگی۔اس کے بعد سے میرے پاس بھوپال سے کوئی سرکاری چٹھی یا فون نہیں آیا۔ میں نے آفاق کو لکھ دیا کہ ''میں جاڑوں میں سفر نہیں کرتا۔ایک دفعہ کو بھوپال میں میٹنگ ہوتی تو میں کسی طرح آجاتا، دہلی نہ جاؤں گا۔وہاں کے کلچر ڈپارٹمنٹ کو میری معذرت پہنچا دو''۔اگر میں کمیٹی کا رکن تھا تو مجھے کیوں نہیں لکھا گیا۔

اگر یہ خبر صحیح ہے کہ اپندر ناتھ اشک کو انعام ملا ہے تو میں بہت زیادہ خوش ہوں۔

۳- اگر میرے مسودے 'یہ کتاب' کو شائع نہ کرنے کا آخری فیصلہ کر لیا گیا ہو تو مسودہ مجھے واپس کر دیجیے۔اس سلسلے میں آپ کے ہمدردانہ نقطۂ نظر کے لیے ممنون ہوں۔

لکھنؤ آیا کریں تو ممکن ہو تو فون پر مجھ سے کچھ بات کر لیا کیجیے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

پس نوشت: جگن ناتھ آزادؔ صاحب نے میرا مضمون ''(جگن ناتھ) آزادیات کا مطالعہ'' آپ کی زیرِ ترتیب کتاب کی جلد دوم کے لیے بھیجا ہوگا۔

(۸۷)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۶؍اگست ۱۹۹۶ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم تسلیم

میں تین مہینے ملک سے باہر رہا۔ جاتی دفعہ ۳؍مئی کو دہلی میں تھا۔ سبرتو پارک میں ایرفورس کے ایک سینئر افسر کے یہاں ٹھہرا تھا۔ اتّفاق سے اس دن ان کا فون خراب تھا اس لیے آپ کو یا کسی اور کو فون نہ کر سکا۔ واپسی میں ۳۱؍جولائی کو دن بھر دہلی میں تھا۔ آپ کے گھر کا فون نمبر مجھے معلوم ہی نہیں۔ صبح آٹھ بجے کے قریب حبیب خاں کے گھر پر فون گیا۔ گھنٹی جاتی رہی، کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر ساڑھے دس یا گیارہ بجے انجمن کے دفتر میں فون کیا۔ کسی خاتون نے بتایا کہ حبیب خاں عدالت میں گئے ہیں اور آپ (خلیق انجم) ابھی آئے ہی نہیں ہیں۔ شام کو ساڑھے پانچ بجے انجمن کے دفتر میں فون کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ گھنٹی جاتی رہی، کوئی جواب نہ آیا جس کے معنی ہیں کہ سب دفتر سے جا چکے تھے۔

براہِ کرم لکھیے کہ میرے مجموعۂ مضامین کا کیا ہوا۔ غالباً انجمن شائع نہ کر سکے گی۔ میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا، اب بھی درخواست کرتا ہوں کہ شائع نہ کر سکیں تو مسوّدہ فوراً واپس کر دیجیے۔ حیدرآباد میں میرے ایک شاگرد نے اشاعت کا کام شروع کیا ہے، اسے مسوّدہ دے دوں گا۔

میرے بڑے بھائی ڈاکٹر پرکاش مونس کا ۱۱؍جولائی ۱۹۹۶ء کو جے پور میں انتقال ہوگیا۔ میں نے بنکاک (تھائی لینڈ) سے 'ہماری زبان' کے لیے ایک خط بھیجا تھا۔ معلوم نہیں وہ آپ کو ملا کہ نہیں۔ اگر نہ ملا ہو تو ذیل کی معلومات کے مطابق ایک خبر بنوا کر لکھ دیجیے۔

میرے بھائی ۷؍ستمبر ۱۹۱۱ء کو سیوہارہ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں عرصے تک شاعری کی۔ ساغر سیوہاروی اور باغ سنبھلی (شاگردِ داغ) سے تلمّذ کیا۔ بعد میں شاعری ترک کر دی۔ اُردو میں پی ایچ ڈی اور ایل ایل بی تک تعلیم حاصل کی۔ وکالت کرتے تھے لیکن بعد میں بینائی بہت خراب ہونے کی وجہ سے وکالت کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ عرصے سے پروسٹیٹ کے کینسر میں مبتلا تھا۔ فوری وجہِ مرگ نمونیہ اور گردے کا ناکارہ ہونا تھا جو کینسر ہی کا شاخسانہ تھا۔ ۱۱؍جولائی ۱۹۹۶ء کو جے پور میں انتقال کیا۔ ان کی دو کتابیں 'اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر' اور 'خس و خاشاک' (مجموعۂ کلام) شائع ہو چکی ہیں۔

امریکہ و تھائی لینڈ میں میرے قیام کے دوران لکھنؤ کے پتے پر آئے ہوئے متعدد

رسالے ڈاک میں غائب ہوئے۔ 'ہماری زبان' ۱۵ر مئی تک آیا پھر بند۔ اس کے بعد ۸ر جولائی سے شروع ہوا۔ گویا ۶ پرچے غائب ہوئے لیکن میں آپ سے طالب نہیں کہ انھیں ازسرِ نو بھیجیں۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ حبیب خاں صاحب کو سلام کہہ دیجیے۔

مخلص

گیان چند

(۸۸)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۴ر دسمبر ۱۹۹۶ء

مکرّمی تسلیم

اس لفافے میں مَیں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر پرکاش مونس کے نام چند پرانے خطوط بھیج رہا ہوں۔

تین خطوط نیاز فتح پوری کے ہیں۔ بڑے خط کو 'ہماری زبان' میں عکسی صورت میں چھاپ دیجیے۔ ایک خط ماسٹر بسوانی کا ہے۔ ایک خط میرے بھائی کے استاد باغ سنبھلی شاگردِ داغ کا ہے۔ ایک خط بالاسو سے کسی کا لکھا ہوا ہے۔ آخر میں نام جذبی پڑھا جاتا ہے۔ آپ قرأت کی کوشش کیجیے۔ ایک رومن رسمِ خط میں اُردو زبان کا ایک مطبوعہ دعوت نامہ ہے جو ظاہراً میرے بھائی ہی کے نام ہے کیوں کہ مجھے ان کے کاغذوں میں ملا۔ تاریخ درج نہیں۔ کہیں سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کرشنا ہتھی سنگھ کی شادی ۲۱ر اکتوبر کو کس سال میں ہوئی۔ میرا خیال ہے سروپ رانی جواہر لعل کی والدہ کا نام تھا۔

مخلص

گیان چند

بہ خدمت ڈاکٹر خلیق انجم
انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) دہلی

(۸۹)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
12/25، اندرا نگر
لکھنؤ–226016
۱۲/ مارچ ۱۹۹۷ء

محبّی خلیق انجم صاحب تسلیم

کتاب کا مسوّدہ بھیج رہا ہوں۔ پہلی کتاب سے مختلف رکھنے کی غرض سے اس کا نام 'قدیم و جدید اصنافِ ادب' رکھ دیا ہے۔ صفحات ۴۸ سے بڑھ جائیں گے۔ نمونے دینے ضروری تھے اس لیے بڑھ گئے۔ آپ ورق گردانی کر کے اپنا ابتدائی تاثر لکھیے۔

معاوضہ کمی کے ساتھ دے دیجیے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔ انتساب سرورق کی پشت پر ہے۔

مخلص
گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم
شیخ الجامعہ، اُردو، علی گڑھ

(۹۰)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
12/25، اندرا نگر
لکھنؤ–226016
۲۲/ مارچ ۱۹۹۷ء
فون: 0522-343293

محبّی خلیق انجم صاحب تسلیم

'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے ایک تبصرہ بھیج رہا ہوں۔ ڈاکٹر عقیل کی فرمائش تھی کہ میں ان کی سوانح عمری پر 'ہماری زبان' میں تبصرہ کر دوں۔ آپ کا قاعدہ ہے کہ تبصرے کے لیے کتاب کی دو جلدیں منگاتے ہیں جن میں غالباً ایک کاپی مبصّر کو دیتے ہوں گے۔ مجھے یہ

کاپی مل گئی ہے اگر آپ ضروری کہیں تو عقیل صاحب کو لکھ دیں کہ ان کی کتاب پر تبصرہ شائع کیا جارہا ہے، وہ اس اثنا میں کتاب کی ایک کاپی انجمن میں بھیج دیں۔ عقیل کا پتا یہ ہے:

محمود منزل، دریاباد، الٰہ آباد–211003

امید ہے 'قدیم وجدید اصنافِ ادب' آپ کو مل گئی ہوگی۔ آپ کے تاثر کا منتظر ہوں۔

دوسرا خط حبیب خاں صاحب کے نام ہے۔ اسے پڑھ کر انھیں دے دیجیے۔

میں نے پاکستان کے قارئین کے لیے اپنے منتخب مضامین کو بہت سی جلدوں میں موضوع وار مرتّب کیا ہے۔ مشفق خواجہ کہتے ہیں کہ وہ انھیں شائع کرادیں گے۔ ہر جلد کو ایک علاحدہ کتاب کا درجہ دیا۔ دوسری جلد یہ ہے:

تحقیقی تبصرے

(مضامینِ گیان چند کی دوسری کتاب)

اس کا انتساب یوں لکھا ہے:

تحقیق وتدوین کے سورما

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی

اور ڈاکٹر خلیق انجم

کے نام

اس کتاب میں قدیم وجدید اا تبصرے ہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب

پس نوشت: ایک بات یاد آئی۔ مالک رام نے غالبؔ پر اپنے مرقّع میں لکھا ہے کہ غالبؔ سے ان کی رشتے داری تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں۔ ان کی عزیز داری ہو کہ نہ ہو لیکن میری ضرور ہے۔ رشتہ پانچ وسیلوں سے ہو یا ۵۰ سے، بہرحال رشتہ ہے۔

میری بھتیجی کے شوہر کے ایک نزدیک cousin نے اندرو کی ایک مسلمان لڑکی سے شادی کی۔ وہ لڑکی فخر الدّین علی احمد کی نزدیکی رشتے دار ہے۔ اس کی معرفت میری رشتے

داری فخر الدّین احمد، جمیل الدین عالی (کراچی) اور غالبؔ سب سے ہو جاتی ہے۔ میں نے ایک بار حمیدہ سلطان صاحبہ سے پوچھا، ان کا خط ایسے writing میں تھا کہ میں پڑھ نہ سکا۔ حمیدہ سلطان ایک بار جمّوں آ کر میرے گھر مہمان رہ چکی ہیں۔ میں نے حال میں انھیں پھر لکھا کہ اندور کی لڑکی سے اپنی عزیز داری کی تفصیل بتا دیں۔ ان کا جواب نہیں آیا۔ آپ کسی طرح ان سے دریافت کر سکیں تو میں غالبؔ سے اپنی عزیز داری کی کڑیاں ترتیب دے سکوں گا۔ کبھی موقع نکال کر ان سے پوچھیے۔ حمیدہ صاحبہ اس لڑکی سے ناخوش ہیں۔ کہتی ہیں کہ آسام کی ان لڑکیوں سے ہماری کوئی عزیز داری نہیں۔ واللہ اعلم

گیان چند

(۹۱)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

12/25، اندرانگر

لکھنؤ-226016

۱۴؍دسمبر ۱۹۹۷ء

محبّان خلیق انجم و حبیب خاں تسلیم

میں ۲۲؍دسمبر کی صبح لکھنؤ دلّی میل سے نئی دہلی اسٹیشن پہنچوں گا۔ وہاں اسٹیشن کے باہر یاترک نواس میں ایک کمرہ ریزرو کرانے کا انتظام کیا ہے۔ وہاں دن گزاروں گا۔ ۲۲ اور ۲۳؍دسمبر کی درمیانی رات کو United Airlines سے ساڑھے بارہ بجے پرواز کروں گا۔ کوشش کروں گا کہ اسٹیشن سے آپ کو فون کر دوں تا کہ آپ میں سے کوئی میرے پاس آ سکے۔ میں بھاری سامان اور اہلیہ کو چھوڑ کر کہیں نہ جا سکوں گا۔

منسلکہ مراسلہ 'ہماری زبان' میں شائع کر دیجیے۔

مخلص

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم

ایم. حبیب خاں

انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)، نئی دہلی

(۹۲)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
12/25، اندرانگر
لکھنؤ-226016
۱۴؍دسمبر ۱۹۹۷ء

مراسلہ

الوداع، اے اہلِ اُردو الوداع

حالات کے جبر کے تحت میں ہندستان سے مستقلاً ہجرت کر کے امریکہ جا رہا ہوں۔ سوے اتّفاق سے میرے تینوں بچّے ملک کے باہر ہیں، دو امریکہ میں اور تیسرا بنکاک (تھائی لینڈ) میں۔ میں اور اہلیہ ۲۱ برسوں سے بچّوں کے بغیر تنہا زندگی گزار رہے ہیں۔ اب پیرانہ سالی میں دوسروں کی دیکھ ریکھ کی ضرورت ہے، اس لیے ہم ۲۳؍دسمبر ۱۹۹۷ء کو امریکہ سدھار رہے ہیں۔ کوشش کروں گا کہ وہاں حتی الوسع اُردو میں لکھتا پڑھتا رہوں۔

اگر میری کسی تحریر کے کسی جزو سے کسی اہلِ اُردو کی دل آزاری ہوئی ہو تو میں عفو کا طالب ہوں۔ خود مجھے نہ کسی سے کوئی شکایت ہے نہ کسی کے خلاف دل میں کوئی کد و پُرخاش۔

امریکہ میں میرا پتا اور فون نمبر حسبِ ذیل ہوگا:

22356 WEST HARRISON STREET
PORTERVILLE, CALIFORNIA-93257 (USA)
فون نمبر: (001)209-7848161

گیان چند

(۹۳)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

R. JINDAL M. D.
MANISHA JINDAL
22356, WEST HARRISON STREET
FORTERVILLE, CALIFORNIA-93257

یہ لڑکی کا پتا ہے، اِس سے بہتر میرے لڑکے کا پتا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

362, OAKLEAF
CHINO HILLS,
CA-91709, U. S. A.
۳۰/مارچ ۱۹۹۸ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب تسلیمِ خلوص

خطوط سے معلوم ہوا کہ حبیب خاں اوائلِ مارچ میں یکا یک داغِ مفارقت دے گئے۔ مجھے شدید دھکّا لگا۔ میرے امریکہ سدھارنے سے پہلے انھوں نے مجھے لکھا تھا کہ انھیں میرے ہندستان سے جانے کا بہت غم ہے۔ مجھے ان کے دنیا سے چلے جانے کا اور بھی زیادہ غم ہے۔ نہ معلوم کس طرح گذشتہ چند برسوں میں وہ میرے بہت قریب ہو گئے تھے۔ فروری میں ان کے کینسر کی تشخیص ہوئی اور مارچ کے اوائل ہی میں وہ چلے گئے۔ افسوس، صد افسوس۔ وہ شاید ۶۵ سال کے لگ بھگ رہے ہوں گے۔ مرنے کی عمر ان کی نہیں، میری ہے۔ میرا Prostate Gland بڑھا رہتا ہے۔ ۱۹۹۱ء میں Biopsy کرائی تھی، کینسر نہیں تھا۔ معلوم نہیں اب کیا صورتِ حال ہے۔ میں بہرحال پروسٹیٹ کے سرطان کے آس پاس گھومتا ہوں۔ حبیب خاں کے انتقال کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔

معلوم ہوا کہ آپ نے 'ہماری زبان' ۲۲/فروری میں میرا طویل مراسلہ شائع کر دیا۔ تہِ دل سے ممنون ہوں۔ کیا کوئی صورت ہے کہ آپ مجھے 'ہماری زبان' ہوائی ڈاک سے بھیجنے لگیں۔ جو مصارف ہوں گے میں ہندستان میں اتنی رقم آپ کو بھجوا دوں گا۔ دو ہفتوں کا پرچہ ایک بار بھیج سکتے ہیں۔ میں نے دسمبر ۹۷ء میں ۱۹۹۸ء کے لیے ہوائی ڈاک کا چندہ 'کتاب نما' کو ۵۰۰ روپے اور 'آجکل' کو ۶۰۰ روپیوں کا منی آرڈر کیا تھا۔ 'کتاب نما' فروری ۹۸ء سے آنے لگا، 'آجکل' آج تک نہیں آیا۔ اگر آپ مدیرِ 'آجکل' کو فون کر دیں تو مشکور ہوں گا۔

ہندستان کی، اور آپ جیسے کرم فرماؤں کی بہت یاد آتی ہے۔ ابھی تک میری کتابیں دہلی سے بحری جہاز سے نہیں آسکیں۔ ۱۱ ہزار روپے مانگ رہے ہیں جو دوں گا۔ کل چار Crates ہیں، بقیہ کتب میں نے مرکزی حیدرآباد یونی ورسٹی کو تحفتاً دے دیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔ اہلِ اُردو کو میرا سلام کہیے

مخلص گیان چند مہاجر

یہ لڑکی کا پتا ہے۔اس سے بہتر میرے لڑکے کا پتا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

3262, OAK LEAF
CHINO HILLS, CA-91709 (USA)

(۹۴)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
3262, OAK LEAF
CHINO HILLS, CA-91709 (USA)

۲۰؍جولائی ۱۹۹۸ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۱۵مئی کا کرم نامہ بروقت ملا تھا۔شکریہ۔

رشید حسن خاں نے ۱۶۷ روپے کے ٹکٹ لگا کر میرے پاس 'مثنویاتِ شوق' ہوائی ڈاک سے بھیجی۔اس پر ایک تبصرہ یا تعارف بھیج رہا ہوں۔ براہِ کرم 'ہماری زبان' میں چھاپ کر ممنون کیجیے۔

'ہماری زبان' میرے نام ابھی تک نہیں آنا شروع کیا۔ براہِ کرم ہوائی ڈاک سے بھیجنے کا انتظام کر دیجیے۔آپ چاہیں تو میں محصول ڈاک آپ کے پاس بھیجنے کا انتظام کر دوں گا یعنی سال بھر کا محصول ایک بار منی آرڈر کرا دوں گا۔بہتر یہ ہے کہ آپ 'ہماری زبان' کے دو یا چار ہفتوں کے شمارے ایک پیکٹ میں بھیجیں تو شاید محصول کی بچت ہو۔

ہندستان میں اس سال بہت گرمی پڑی ہے۔ میں اس کو ترس گیا ہوں۔آج کل یہاں موسم معتدل ہے۔

بہ شرطِ حیات اگست ۱۹۹۹ء میں ہندستان آنے کا ارادہ ہے۔تمام رشتے داروں اور دوستوں سے ملوں گا۔آپ کو مطّلع کر دوں گا گو ایک سال آگے کی بات کرنا حماقت معلوم ہوتا ہے۔

مشکور ہوں کہ آپ نے پاکستان لنک سے میرے خطوط 'ہماری زبان' میں ڈائجسٹ کیے۔

امید ہے آپ مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص گیان چند

(۹۵)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
3262 OAKLEAF
CHINO HILLS, CA-91709 (USA)
فون:(001) 909-393-2963
E-mail: gianchand@aol.com

۳/اگست ۱۹۹۸ء

محبّی خلیق انجم صاحب تسلیم

میں نے 'ہماری زبان' کے لیے مضمون 'خدائے تدوین کا چوتھا صحیفہ: مثنویاتِ شوق' بھیجا تھا۔ امید ہے مل گیا ہوگا۔

انجمن نے میری ایک پتلی سی کتاب 'مُقدّمے اور تبصرے' چھاپی تھی۔ میری کتابیں یہاں آئیں تو ان میں وہ نہیں نکلی۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے حیدرآباد مرکزی یونی ورسٹی کو جو کتابیں دی ہیں اُن میں چلی گئی ہے۔ اب مجھے اس کتاب کی ضرورت ہے۔ میں قاضی عبدالودود پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ اس کے لیے مجھے قاضی صاحب کی کتاب 'قاطعِ برہان اور رسائلِ متعلّقہ' خریدنی ہے۔ یہ غالب انسٹی ٹیوٹ نے شائع کی تھی۔ انجمن کے sales deprt. میں ہوگی۔

میرے لڑکے کی بیوی اور بچّے آج کل چنڈی گڑھ گئے ہوئے ہیں۔ ۱۴/اگست کو میرا لڑکا بھی وہاں جائے گا اور ہندستان سے تقریباً ۲۸/اگست کو چل دے گا۔ آپ براہِ کرم دونوں کتابیں: (۱) مُقدّمے اور تبصرے، (۲) قاطعِ برہان اور رسائلِ متعلّقہ' ذیل کے پتے پر بھیج دیجیے:

GURBIR SINGH
1079/1, SECTOR 39-B
CHANDIGARH

گُر بیر میرے لڑکے کے سالے کا نام ہے۔ یہ لوگ سکھ ہیں۔ آپ مجھے قیمت لکھ دیجیے، انجمن کو اس کا منی آرڈر چلا جائے گا۔

'ہماری زبان' آنا ابھی شروع نہیں ہوا۔ ہوائی ڈاک سے بھیجنے لگیے، محصول میرے

ذمّے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

نیاز مند

گیان چند

(۹۶)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

3262 OAKLEAF

CHINO HILLS, CA-91709 (USA)

۱۹/اگست ۱۹۹۸ء

محبّی خلیق صاحب، تسلیم

میں یہ خط اپنے داماد کے یہاں سے لکھ رہا ہوں۔ وہ ڈاکٹر ہیں۔ ایک مضمون 'خدائے تحقیق کا چوتھا صحیفہ' 'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے پہلے بھیجا تھا۔ آپ کو مل گیا ہوگا۔ ایک اور مختصر دل چسپ مضمون 'ایک ادبی کچہری میں سماعت' بھیج رہا ہوں۔ اسے بھی چھاپ کر ممنون کیجیے۔ اس میں ایک اخبار نگارش یا نگارشات کا ذکر ہے۔ مجھے صحیح یاد نہیں آ رہا۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو ایک نام کاٹ کر صحیح نام رہنے دیجیے۔ مضمون میں اس اخبار کا نام دو جگہ آیا ہے۔ اگر آپ کو معلوم نہ ہو تو نثار احمد فاروقی کو فون کر کے پوچھ لیجیے۔ میں نے چوتھی سطر میں اس کے اڈیٹر کا نام قیاس کیا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے 'امام مرتضیٰ نقوی' تھا جنھوں نے اُردو ادب میں سکھوں کی خدمات کے نام سے thesis لکھی تھی۔ اس نام کی بھی تصحیح کر سکیں تو خوب ہو۔

میں نے نثار احمد فاروقی کو ایک خط مدیر 'کتاب نما' کے لفافے میں رکھ کر بھیجا تھا۔ پھر ایک خط براہِ راست لکھا۔ ان کا جواب نہیں آیا۔ ظاہراً وہ مجھ جیسے بیکار آدمی پر ایروگرام کے ساڑھے چھے روپے خرچ کرنا نہیں چاہتے۔ انھیں کہیے کہ کنجوسی ہم بنیوں کے لیے چھوڑ دیں، انھیں زیب نہیں دیتا۔

میرا خیال ہے ۱۴/اگست کے پاکستان اُردو لنک میں میری دو مزاحیہ نظمیں آئی ہوں

گی۔ یہ اخبار Chino Hills میں آکر پڑا ہوگا۔

میں نے آپ کو یہ بھی لکھا تھا کہ میری کتاب 'مُقدّمے اور تبصرے' کی ایک جلد میرے لڑکے کی سسرال کے پتے پر چنڈی گڑھ بھیج دیں۔ میرے نام 'ہماری زبان' ہوائی ڈاک سے بھیجنے کا کوئی انتظام کیجیے۔ محصول کا خرچ میرے ذمّے۔

امید ہے مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب

(۹۷)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
3262 OAKLEAF
CHINO HILLS, CA-91709 (USA)

اتوار، ۴/اکتوبر کی شام ۱۹۹۸ء

محبّی تسلیم

آپ کی عنایت کردہ کتاب 'مُقدّمے اور تبصرے' مجھ تک پہنچ گئی۔ اس کے لیے تہِ دل سے مشکور ہوں۔ لکھیے اس کے سلسلے میں کتنی رقم انجمن کو بھجوادوں۔

میں نے 'قاضی عبدالودود بہ حیثیت محقّق' کے عنوان سے ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ ایک سال پہلے اس کا ایک جزو 'قاضی عبدالودود بہ حیثیت مرتّبِ متن' لکھا اور اسے آزاد کتاب کی حیثیت دے دی۔ ڈیڑھ سو صفحوں کے قریب کی کتاب بنے گی۔ اگر آپ اسے جلدی سے انجمن سے شائع کردیں تو ممنون ہوں گا۔ کتاب اچھی ہے۔ میں نے مشفق خواجہ کو بھی بھیجی تھی کہ اسے رسالہ 'اُردو' میں چھاپ دیں۔ وہ اس کتاب کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ ابھی تو وہ رسالہ 'اُردو' میں میرا بابائے اُردو لکچر بھی نہیں چھاپ سکے، اس کے بعد کبھی اسے رسالے میں لیں گے۔ میرے اصل قاری تو ہندستان میں ہیں۔ اگر آپ ۱۹۹۹ء میں کبھی اسے چھاپ دیں تو کیا کہنے۔ آپ کہیں تو مسوّدہ بھیج دوں۔ قاضی صاحب کی بقیہ کتابوں پر لکھنا اب شروع کروں گا لیکن امریکہ میں بیٹھ کر کام خاطر خواہ نہیں ہوگا۔

آپ نے رشید حسن خاں کا مضمون بڑی پھرتی سے 'کتاب نما' میں چھپوا دیا۔ اس کے لیے بھی آپ کا مشکور ہوں۔ شاید آپ 'ہماری زبان' میں اس لیے نہیں چھاپ سکے کہ میں نے خاں صاحب کو 'خدائے تدوین' کہہ دیا تھا نیز 'سلسلۂ مولوی عبدالحق' پر اعتراض کیا تھا۔

آپ کی فرمایش پر میں نے اُردو کی اصنافِ ادب پر جو کتابچہ لکھا تھا اس کا مسوّدہ میں نے اپنے کسی شاگرد کو دے دیا، یاد نہیں کس کو؟ شاید حیدرآباد کے انورالدّین یا حبیب نثار کو۔ کیا یہ کہیں سے چھپ سکتی ہے۔ آپ والا مسوّدہ کیا آپ کے پاس ہے کہ جامعہ اُردو کے دفتر میں ہے؟ آج کل جامعہ کے شیخ کون ہیں؟ غالباً مسعود حسین خاں۔

کیا آپ کے پاس Internet اور E-mail ہے؟ اگر ہو تو مفت میں فوراً مراسلت ہوسکتی ہے؟

'ہماری زبان' بھجوانے کا آپ کوئی انتظام نہ کر سکے۔ معلوم نہیں کیا دشواری ہے۔

کیا ڈاکٹر نورالحسن نقوی نے اُردو ادب کی کوئی مختصر تاریخ شائع کی ہے۔ ادھر پاکستان سے اُردو ادب کی دو ضخیم تاریخیں موصول ہوئیں۔ ڈاکٹر ابوسعید نورالدّین کی ۱۴۰۰ صفحوں کی ۱۹۹۷ء، ڈاکٹر ابواللیث صدّیقی کی ۱۲۶۴ صفحوں کی ۱۹۹۸ء کی۔ نورالدین کی تاریخ بالکل بیکار ہے۔ ابواللیث کی تاریخ میں قدم قدم پر موقع بے موقع ہندوؤں اور مہاتما گاندھی پر تبرّا ہے۔ میں نے اُردو میں ایسی متعصّبانہ کتاب نہیں دیکھی۔ تحقیقی اعتبار سے غلطیوں کا پشتارہ ہے۔ آپ مرزا مظہر جان جاناں کے محقّق ہیں۔ ان کا اُردو کلام چند اشعار تک محدود ہے۔ ابواللیث لکھتے ہیں کہ مصحفی نے ان کے اُردو دیوان کی تعریف کی ہے۔ 'تذکرۂ ہندی گویاں' میں مجھے مظہر کا تذکرہ ملا۔ مجھے تو اس میں مرزا مظہر کے اُردو دیوان کا تذکرہ ملا نہیں۔ ذرا آپ نکلوا کر پڑھیے اور رائے دیجیے کہ کیا لکھا ہے۔ 'ریاض الفصحا' میں مظہر کا ذکر ہے ہی نہیں۔ فارسی شاعروں کا تذکرہ 'عقدِ ثریا' میرے پاس نہیں۔ اس میں مظہر کا ذکر ضرور ہوگا۔ اس میں دیکھیے کہ کیا اُردو دیوان کی تعریف ہے۔ میں نے نورالدین اور ابواللیث کی تاریخوں پر مضمون لکھ کر اپنی زیرِ طبع کتاب 'اُردو کی ادبی تاریخیں' میں شامل ہونے کے لیے لکھے ہیں۔ پرسوں اس کے ناشر یو پی اُردو اکیڈمی اور انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان کراچی کو بھیجوں گا۔

ہاں اب امید کرتا ہوں کہ آپ بہ خیر ہوں گے

نیازمند گیان چند

(۹۸)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
3262 OAKLEAF
CHINO HILLS, CA-91709 (USA)

۱۷؍جون ۱۹۹۹ء

محبّی خلیق انجم صاحب، تسلیم

مشفق خواجہ نے کالڑا عابد پر مجھ سے ایک مضمون لکھوایا ہے۔ انھیں کل بھیجوں گا۔ آپ کو آج بھیج رہا ہوں کہ 'ہماری زبان' میں چھاپ دیں۔ دو شماروں میں آ جائے گا۔

آپ نے کرم کر کے 'ہماری زبان' کے اتنے شمارے بھیجے۔ ۱۹؍فروری کو دہلی سے چلے۔ ۹؍جون کو امریکہ پہنچے۔ چوں کہ آپ نے رجسٹری کرادی تھی اس لیے پوسٹ مین دستخط کے لیے رسید لیٹر بکس میں ڈال گیا۔ مجھے ۱۱؍جون کو پرچے ملے۔ آپ نے تقریباً ۳۹ یا ۴۲ روپے صرف کیے۔ آیندہ سطحی ڈاک سے نہ بھیجیے۔ پانچ مہینے پرانے پرچے پڑھنے سے کیا فائدہ۔ چار پرچوں کو تلوا کر معلوم کیجیے کہ ہوائی ڈاک سے ان کا کیا محصول لگتا ہے۔ اگر ۲۵؍روپے تک ہو تو میں برداشت کر سکتا ہوں۔

میں بہ شرطِ زیست ۲۵؍ستمبر سے ۳۰؍نومبر تک ہندستان کی سیاحت کروں گا۔ عزیزوں اور دوستوں سے ملنا ہے۔ آنا بھی دہلی سے ہوگا، جانا بھی۔ ابھی ٹکٹ نہیں لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہوائی ڈاک کی کوئی سبیل ہو تو بھیجیے ورنہ فی الحال چپ ہو جائیے۔ آنے پر میں سارے واجبات پیش کر دوں گا۔

انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان نے مجھے کتابوں کے نو پارسل بھیجے۔ ان میں آپ کے 'خطوطِ غالب' کی چاروں جلدیں ہیں۔ میرے لیے یہ بڑے کام کی کتاب ہے۔ مُقدّمے، حواشی اور اشاریے وغیرہ کی وجہ سے یہ خطوطِ غالبؔ کی قاموس کا کام دے رہی ہے۔ میں بار ہا اس سے استفادہ کرتا ہوں۔

ذوقؔ نمبر سے معلوم ہوا کہ آپ نے کتنی جدو جہد کر کے مزارِ ذوق کی زمین حاصل کی۔ کمال کا ہفت خواں ('خان' نہیں) ہے۔ آپ نے انجمن کی سکریٹری شپ کا حق ادا کر دیا۔ کبھی آپ رٹائر ہو گئے تو انجمن کو اتنا فعال سکریٹری نہیں ملے گا۔ مجھے تو ایک بھی نعم البدل نہیں دکھائی

دیتا۔

میں قاضی عبدالودود کو جھیل رہا ہوں۔ غالب بہ حیثیتِ محقّق اور عبدالحق بہ حیثیتِ محقّق کو تفصیل سے لکھ دیا۔ اب خواجہ احمد فاروقی پر پہنچوں گا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۹۹)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
23 NEVADA
IRVINE-CA 92606 (USA)

۲۰؍مارچ ۲۰۰۰ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم، تسلیم

'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے ایک مختصر تحریر بھیج رہا ہوں۔ اسے شائع کر کے مجھے ممنون کیجیے۔ اس کی اصلی غرض ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع شدہ میری دو کتابوں کی اغلاط کا پس منظر بیان کرتا ہے۔ میں نے مجتبیٰ خاں کو آپ کا نام دیا تھا کہ آپ کو قاضی عبدالودود والی کتاب اور ممکن ہو تو اشک والی بھی بھیج دیں۔ مجھے امید ہے کہ انھوں نے ایک یا دونوں بھیجی ہوں گی۔

واپسی میں یکم دسمبر کو آپ سے نہ ملنے کا افسوس ہوا۔ میں رضا لائبریری رام پور گیا تو اپنے ایک دوست کے پاس ٹھہرا تھا۔ وہاں غسل خانے میں میری بیوی گرم کھولتے پانی سے جل گئیں۔ اگلے دن ۱۰؍اکتوبر کو انھیں ٹیکسی میں مظفر نگر اپنے ہم زلف کے گھر لے آئے کہ وہاں علاج کی سہولت ہے۔ وہاں سے ۲۰ دن کے بعد نکل سکے۔ زیادہ تر سفر ہوائی جہاز سے کیا۔ ۹؍نومبر کو حیدرآباد میں سالار جنگ لائبریری کی تیسری منزل پر پیشاب گھر سے نکلتے ہوئے میرا پاؤں (پانو) غلط پڑ گیا اور ایک پنجہ frecture ہو گیا۔ اس کی وجہ سے آمد و رفت بہت محدود ہو گئی۔ ۲۸؍نومبر کی رات میں اور اہلیہ نئی دہلی پہنچے۔ اگلے دن ۲۹؍نومبر کی صبح میں اپنے میزبان محبّی نثار انور والی کار میں علی گڑھ گیا۔ وہاں شام کو مسعود حسین خاں اور مختار الدین احمد سے ملا۔

۳۰ر نومبر کی دو پہر میں شعبۂ اُردو کے تحت فیکلٹی ہال میں لکچر دیا۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے صدارت کی۔ سرور صاحب علی گڑھ میں نہیں تھے۔ معلوم ہوا دہلی گئے ہیں۔ میں ۳۰ر نومبر کی رات/ شام کو علی گڑھ سے واپس آیا۔ یکم دسمبر کی صبح/ دو پہر میں جامعہ زیدی وِلا میں جا کر سرور صاحب سے ملا، وہاں نثار احمد فاروقی بھی آئے ہوئے تھے۔ رات کو مجھے ہندستان سے پرواز کرنی تھی، اس لیے میں آپ کے پاس نہ آسکا۔ اگر سرور صاحب علی گڑھ میں مل گئے ہوتے تو میں یکم دسمبر کی صبح انجمن کے دفتر پہنچ کر آپ سے مل لیتا۔

کیا 'ہماری زبان' کا خلاصہ internet پر آنے لگا ہے۔ اگر آپ 'ہماری زبان' کے ایک مہینے کے شمارے مجھے ہوائی ڈاک سے بھیج دیا کریں تو جو محصول ہو وہ میں پیش کر دوں، لیکن بھیجوں کیسے۔ اگر امریکہ میں اسی رقم کے ڈالر کسی کو دے دینے کا انتظام کر لیں تو بہت سہولت ہو۔

مجھے ایجوکیشنل پبلشرز سے دونوں کتابوں کی کوئی رائلٹی نہیں مل رہی۔ انھوں نے میرے کہنے پر ایک یا دو کتابیں ۱۸-۱۷ آدمیوں کو بھیج دیں، یہی رائلٹی ہے۔ میں نے تو دونوں کتابوں کی صرف ایک ایک جلد لی ہے۔

رشید حسن خاں پر مضمون کی دوسری قسط اپریل کے 'کتاب نما' میں آئے گی۔ اسے آپ پہلی قسط سے زیادہ دل چسپ پائیں گے۔

امید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

یہ مضمون جس شمارے میں چھپے، وہ یا کم از کم مضمون کا تراشا مجھے ہوائی ڈاک سے بھیج دیں تو میں ممنون ہوں گا۔

مخلص

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم صاحب

(۱۰۰)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

23 NEVADA

IRVINE-CA 92606 (USA)

۱۵؍جولائی ۲۰۰۰ء

محبِّ مکرّم ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، تسلیم

کل جنوری اور فروری ۲۰۰۰ء کے 'ہماری زبان' کے شمارے ملے۔ اس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔ اب تو مفارقت کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ 'ہماری زبان' سے اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ آیندہ کے لیے دو صورتیں ہیں: ۱- آپ تین مہینے یا چار مہینے کے پرچے جمع کر کے بحری ڈاک سے بھیج دیا کریں۔ ان کے باسی (بعد از وقت) ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر دیر سے معلومات بہم پہنچے تو بھی میرے لیے کوئی پریشانی نہیں۔ یہ سب تازہ خبر ہے۔ آخر ہم کتابیں بھی تو برسوں گزرنے کے بعد پڑھتے ہیں۔ ان پرچوں کے پیکٹ پر ۱۵؍روپے محصول لگا۔ آپ محصول کی مد میں جو کچھ مجھ سے لینا چاہیں وہ پیش کر سکتا ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ پرچے بھیجنے کی پریشانی سے دامن جھٹک لیں۔ میں نے تو جب ہندستان چھوڑا، اُردو دنیا چھوڑی، تین چار رسالوں کے سوا بقیہ سب رسالے چھوڑے تو 'ہماری زبان' سے بھی مفارقت سہی۔ جیسا آپ چاہیں۔

دو لفظ امراض کے بارے میں بھی لکھ دوں۔ Parkinson's Disease ہو گیا ہے۔ اس میں رعشہ ضروری نہیں۔ اس کی بہت سی قسمیں اور منزلیں ہیں۔ میرے معاملے میں اس کی دو علامتیں ہیں: ۱- رفتار بہت سست ہو گئی ہے، ۲- پاؤں (پانْو) اور کمر کا توازن (Balance) بگڑ گیا ہے۔ کبھی کبھی ڈگمگا جاتا ہوں۔ روزانہ تین چار بار دوا کی گولی کھاتا ہوں۔ گھر ہی میں رہتا ہوں، باہر جانا شاذ ہے اس لیے کوئی پریشانی نہیں۔ دوسری بیماری ہرنیا ہے۔ اس کے پانچ آپریشن ماضی میں کرائے تھے: بائیں طرف دو بار، دائیں طرف تین بار۔ اب ایک زمانے کے بعد بائیں طرف پھر ہرنیا ہو گیا ہے۔ امید ہے دو تین ہفتوں کے اندر سرجری کرا لوں گا۔ مجھے آپریشن کا بالکل بھی خوف نہیں۔

قاضی عبدالودود پر کتاب پوری ہونے کو ہے۔ خاتمے چار باب اور لکھنے ہیں۔ میں نے اس کے صفحوں کی دیکھ ریکھ شروع کی ہے۔ امید ہے ۶۰۰، ساڑھے چھے سو صفحوں میں ختم کر لوں گا۔ مبیّضہ تیّار کرنے میں کوئی ۶ ماہ اور لگیں گے۔ یہ سب بہ شرطِ حیات۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص   گیان چند

(۱۰۱)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
23 NEVADA
IRVINE-CA 92606-1764 (USA)

۲۰ ستمبر ۲۰۰۰ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، تسلیم

پچھلے مہینے آپ کا کرم نامہ ملا تھا جس کے ساتھ آپ نے لاہور کے ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی کا خط بھیجا تھا۔ میں نے ایک ہفتے کے اندر انھیں ۷ اصفحوں کا مضمون بھیج دیا۔ 'حافظ محمود شیرانی سے میرے استفسارات'۔

۳ ر اگست کو میں نے ہرنیا کا آپریشن کرایا تھا۔ ایک ہفتے میں بالکل ٹھیک ہوگیا۔

میں نے قاضی عبدالودود پر اپنی کتاب کا مسوّدہ مکمّل کرلیا ہے۔ نام رکھوں گا 'قاضی عبدالودود: ایک نامکمّل مطالعہ'۔ اس کی صاف نقل کرنے میں کوئی پانچ مہینے لگیں گے۔ یہاں کراچی کے جمیل الدّین عالی آئے تھے۔ انھوں نے ازخود پیش کش کی کہ وہ اسے انجمن سے چھاپ دیں گے۔ میں نے انھیں خط لکھا تھا جس میں بتایا تھا کہ کتاب میں ۷۰۰ صفحات متوقّع ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ انجمن نے طے کیا ہوا ہے کہ ۶۰۰ صفحوں سے زیادہ کی کتاب شائع نہ کی جائے، اس لیے میں اسے کسی طرح ۶۰۰ صفحوں تک محدود کردوں۔

میں کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ لگا رہا تھا 'قاضی عبدالودود کے اور میرے معاملات'۔ اس میں اپنا مضمون 'بت شکن محقّق'، قاضی صاحب کے میرے خطبۂ صدارتِ شعبۂ تحقیق، انجمن اساتذۂ اُردو، لکھنؤ کانفرنس ('رہبرِ تحقیق' میں شائع) کے بعض بیانات پر اعتراضات اور پھر میرا مضمون 'قاضی عبدالودود ور میں' دینا چاہتا تھا۔ اس ضمیمے میں ۸۳ صفحے ہوتے۔ اب میں اسے حذف کررہا ہوں۔ معلوم نہیں کتاب میں ۶۰۰ صفحات ہوجائیں گے یا کم وبیش۔ مبیّضہ تیّار کرلوں تو اندازہ ہو۔

میرا آخری باب ہے 'قاضی عبدالودود کی تحقیق نگاری: محاسن اور کمزوریاں'۔ اس کے دوسرے حصّے میں مَیں نے ان کی کمزوریوں کا بیان کیا ہے لیکن بہت نرم لہجے میں۔ بات مدلّل کہی ہے کیوں کہ ہر بات کی متعدد دلیلیں دی ہیں۔ آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کی تحقیق کی

خوبیاں خامیوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ میں نے یہاں تک لکھ دیا ہے:

> ''شخصی سطح پر یہ اعتراف کروں گا کہ اُردو ادب کے برے میں جتنا میں نے اِن کی ذات سے سیکھا ہے اتنا پنے کسی استاد یا کسی دوسرے اہلِ قلم سے نہیں''۔

اس کے بعد بھی ان کے مداح اگر مجھ سے ناراض رہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ آخری باب کے دس پندرہ صفحوں کے علاوہ میں نے کتاب میں کہیں کچھ ان کے خلاف نہیں لکھا۔ آج کل لوگ میرے خلاف لکھ رہے ہیں۔ میری نظر سے نہیں گزرا۔ ابھی تو ستمبر کا 'کتاب نما' بھی نہیں آیا۔ لوگ خط یا فون سے مجھے مطّلع کر دیتے ہیں۔ میں کسی کو جواب نہیں دوں گا۔ سب کو حق ہے کہ میرے خلاف لکھ سکیں۔ میں اپنی کتاب میں کسی کے ڈر سے کوئی ترمیم نہ کروں گا۔

آپ لکھیے کہ کیا آپ انجمن سے ہندستانی اڈیشن شائع کریں گے؟ کیا آپ پسند کریں گے کہ ۸۳ صفحوں کا ضمیمہ شامل کیا جائے کہ حذف کیا جائے۔ پاکستان کے اڈیشن میں تو میں حذف کر رہا ہوں۔ اسے حذف کر کے کتاب ۷۰۰ صفحوں پر آجانی چاہیے۔ ضرورت ہو تو کتابت کو قدرے خفی کرایا جا سکتا ہے۔

مجھے بالکل امید نہیں کہ یہ کتاب میری زندگی میں شائع ہو سکے گی۔ اُردو کی کتاب چھپنے میں برسوں لگتے ہیں اور میں اتنے دن زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر آپ قدرے جلدی کام کرا سکیں تو خوب ہو۔ صاف صاف لکھیے کہ کیا آپ کتاب کی اشاعت انجمن سے منظور کرا سکیں گے۔ اگر ایک دفعہ کو کتاب ہندستان میں نہ بھی چھپ سکے تو میں پاکستانی اڈیشن ہی پر قناعت کر لوں گا۔

میں اپنی کتاب 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کو نئے اڈیشن کے لیے تیّار کروں گا۔ اب کی بار اس میں سے مختصر مثنویاں اور سیاسی اور سماجی پس منظر کا باب نکال دوں گا کچھ اور حصّے بھی حذف کروں گا۔ اس طرح کتاب کافی مختصر ہو جائے گی۔ یہ انجمن کی اشاعت کردہ ہے۔ نیا اڈیشن آپ شائع کرا سکیں گے۔ تازہ معلومات سے کچھ ترمیم کروں گا۔ اگر اس کے بعد بھی زندہ رہا تو شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کی لسانیات کی کتاب کے تعلّق سے اُردو کے آغاز کے بارے میں ایک مضمون لکھوں گا اور پھر قلم رکھ دوں گا۔ اگر اس کے بعد بھی بے حیائی سے جیتا رہا تو اُردو کے ناول اور افسانے پڑھوں گا۔ لکھوں گا کچھ نہیں۔ میرے تحریری کام ۲۰۰۱ء کے آخر تک نمٹ جائیں گے۔ ؎: سامان سو برس کے ہیں... کل ۷۷ برس پورے کر لیے ہیں۔

قاضی صاحب کی کتاب کے بارے میں اچھی طرح غور کر لیجیے اور مجھے لکھیے۔ امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۲)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
23 NEVADA
IRVINE-CA 92606-1764 (USA)

۴؍اکتوبر ۲۰۰۰ء

محبّی خلیق انجم صاحب، تسلیم

'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے ایک مراسلہ بھیجتا ہوں۔ کل رات (ہندستان کی صبح) فون پر آپ کی آواز سنی، انشراحِ قلب ہوا۔ فون بیچ میں کٹ گیا۔ دوبارہ لگایا تو فون والی خاتون ہلو ہلو کہتی رہیں، میں اپنا نام بتاتا رہا لیکن فون میں کوئی ایسی بات ہوگی کہ میں تو ان کی آواز صاف سن رہا تھا، وہ میرے الفاظ گرفت نہ کر سکتی تھیں، ایسے میں پھر فون لگانا بے کار تھا۔

اس خط سے پہلے میرا ایک اور عریضہ آپ کو مل جائے گا۔ اس سے فون کرنے کی غرض معلوم ہو جائے گی۔ دراصل میں نے بہت عجلت دکھائی۔ ابھی چار پانچ دن کے بعد فون کرنا چاہیے تھا۔ بہر حال اب آپ چٹھی سے جواب لکھیے۔

پرسوں آپ کے عنایت کردہ 'ہماری زبان' مارچ اپریل نیز جون کے پہلے دو شمارے ملے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ بحری ڈاک میں چار مہینے لگے۔

اب آپ سے کئی معروضات ہیں:

۱- آپ فرمایا کرتے ہیں کہ آپ ذخیرۂ خطوط کے لیے بھیجے ہوئے خطوں کو پلاسٹک کے لفافوں میں رکھتے ہیں۔ میں جب ۱۶؍ستمبر ۱۹۹۹ء کو آپ کے دفتر میں گیا تو لائبریری کے انچارج افسر سے کہا کہ میں اپنے نام قاضی عبدالودود کے خطوط دیکھنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ تو ایسے ہی بندھے رکھے ہیں جیسے آپ نے بھیجے تھے۔ پھر میں نے نیاز فتح پوری کے اپنے بھائی کے نام لکھے خطوں کے لیے پوچھا۔ اس کا بھی انھوں نے وہی جواب دیا اور کہا

کہ یہ خطوط تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔

قاضی عبدالودود کے میرے نام آٹھ دس پوسٹ کارڈ سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ آپ انھیں نکلوا کر دیکھ سکیں تو کسی کارڈ میں انھوں نے مجھے لکھا تھا کہ ''اعتراض کرنے میں کوئی ہرج نہیں''۔ مجھے ان کا یہ جملہ اور کارڈ کی تاریخ چاہیے۔

۲- میں جب ستمبر میں آپ کے پاس گیا، میں نے خطوں کا ایک پیکٹ دیا۔ اس میں میرے نام کے ۱۹۹۷ء تا اگست ۹۸ء کے خطوط تھے۔ ان میں دو چار خط مشفق خواجہ کے ہوں گے۔ انھوں نے ایک خط میں میری تحریر 'قاضی عبدالودود بہ حیثیت مرتّبِ متن' کی دو تین جملوں میں بہت داد دی تھی۔ اس وقت تک کتاب تو چھپی نہ تھی انھوں نے مضمون کا مسوّدہ دیکھا تھا۔ مجھے وہ جملے چاہئیں۔ مجھے یاد ہے کہ وہ جملے دائیں ہاتھ کے حاشیے پر لکھے تھے۔ آپ خطوط میں سے مجھے یہ دونوں اقتباسات بھیج سکیں تو میں بہت ممنون ہوں گا۔

۳- اپنے خلاف جون کے شماروں میں مضمون دیکھا۔ میں اس کے بارے میں صرف دو باتیں ایک چھوٹے سے مراسلے میں لکھ بھیجنا چاہتا ہوں۔ اوّل تو یہ کہ میں قاضی صاحب کے تبصرے کا خود بھی جواب نہ لکھتا لیکن کالی داس گپتا نے مجھ سے پُر زور اصرار کیا تھا کہ میں قاضی صاحب کی عمر اور صحت کو دیکھتے ہوئے ہرگز کچھ نہ لکھوں، خاموش رہوں۔ دوسری بات یہ کہ ایجوکیشنل پبلشنگ والے نے میری دونوں کتابوں 'قاضی عبدالودود' اور 'اپندر ناتھ اشک' میں اغلاطِ کتابت کا رکارڈ توڑ دیا ہے۔ میں خاص طور سے 'مثنویاتِ شوق' کے اضافے پر بھُنّایا۔ میرے پاس میرے مسودے کا فوٹو عکس اب بھی موجود ہے۔ اس میں کہیں مثنویاتِ شوق کا نام نہیں۔ کمپیوٹر کے کمپوزر نے یہ فقرہ اختراع کر کے سہوِ طباعت کی ایک انوکھی مثال ایجاد کی ہے۔

میں نے دونوں کتابوں کا مفصّل غلط نامہ ناشر کو بھیجا تھا۔ اس نے دونوں کا پروف چھاپ کر مجھے بھیجا۔ میں نے اس کی تصحیح کر کے واپس بھیج دیا۔ اس کام کو پانچ چھے مہینے ہو گئے۔ اس نے ابھی تک غلط نامہ نہیں چھاپا۔ واضح ہو کہ میں نے اس سے رائلٹی کا ایک پیسہ نہیں لیا۔ صرف ۲۰ کاپیاں کتاب کی طے ہوئی تھیں۔ وہ اس نے میرے لکھنے کے مطابق دوستوں کو بھیج دی ہوں گی۔

۴- آپ 'ہماری زبان' میں ہر اہم اور غیر اہم مضمون کے ساتھ پورے صفحے کے عرض

کی جلی سرخی چھاپتے ہیں۔ یہ رسالے کی قدر کم کرتا ہے۔ انگریزی اخبار 'ہندو' کے اڈیٹر جب کستوری سری نواسن تھے تو یہ اخبار کتنی ہی اہم خبر ہو، دو کالم سے بڑی سرخی نہیں قائم کرتا تھا۔ میرے خیال میں 'ہماری زبان' میں دو تین مہینوں میں ایک مضمون یا خبر اتنی اہم آتی ہوگی کہ پورے صفحے کے عرض کی سرخی دی جائے۔ آپ 'ہماری زبان' کو اتنا سستا (cheep) کیوں بنا رہے ہیں۔ دو کالم سے زیادہ کی کسی سرخی کی ضرورت نہیں۔

۵- غالباً دسمبر ۹۹ء میں کالی داس کے ترجمہ 'چراغِ رہبر' پر حنیف نقوی کا مضمون دو قسطوں میں آیا تھا۔ میں نے نہیں دیکھا۔ ان شماروں سے اس مضمون کا تراشہ بھیج دیں تو عنایت ہو۔

امید ہے مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۳)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
23 NEVADA
IRVINE-CA 92606-1764 (USA)

۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۰ء

محبی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، تسلیم

کل 'ہماری زبان' کے یکم مئی تا ۱۴ر اگست کے شمارے ملے۔ اس لطفِ خاص کے لیے آپ کا تہِ دل سے مشکور ہوں۔ دعا کرتا ہوں کہ اوپر والا آپ کو بہت سے پوتوں، پوتیوں، نواسوں اور نواسیوں سے نوازے۔ ان شماروں میں بعض بعض پرچے شامل ہونے سے رہ گئے ہیں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ڈاکٹر عطا خورشید نے میرے اور قاضی عبدالودود کے تعلّق سے جو مضمون لکھا ہے، اس کے سلسلے میں مَیں نے اپنی کتاب کی اغلاطِ طباعت کو لے کر ایک مراسلہ لکھا ہے۔ براہِ کرم اس وضاحت کو ضرور چھاپ دیجیے۔ جب آپ نے ان کا مضمون چھاپا ہے تو ایک نکتے سے متعلّق میرا بیان بھی دے دیجیے۔

کچھ عرصہ پہلے میں نے تذکرۂ کریم الدّین میں اُردو کی قدیم ترین نثری کتاب سے

متعلق ایک مراسلہ بھیجا تھا۔ امید ہے آپ اسے چھاپ چکے ہوں گے۔

میں نے اپنے نام کے دو خطوط کے اقتباسات مانگے تھے۔ آپ نہ بھیج سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خطوط کی حفاظت کی جو اسکیم بیان کرتے ہیں اس پر عمل نہیں ہو رہا۔

میں نے آپ سے قاضی عبدالودود پر اپنی کتاب کی اشاعت کی درخواست کی تھی۔ آپ کا جواب نہیں آیا، اس لیے میں نے کسی اور سے بات پکّی کر لی ہے۔ آپ سے اپنا التماس واپس لیتا ہوں۔ میں نے کتاب مکمّل کر لی ہے آج کل اس کا تبیض میں لگا ہوں۔ آپ نے جو قاضی صاحب پر معترضانہ مضمون لکھا تھا اس کا عکس فوراً بھیج دیں تو میں اس سے فائدہ اٹھا لوں نیز اپنی کتابیات میں اس کو شامل کر لوں۔

آپ کو میری کتاب 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کا ترمیم شدہ اڈیشن چھاپنا ہوگا۔ قاضی صاحب کی کتاب کے بعد میں 'اُردو مثنوی' کی ترمیم کروں گا۔ اس میں سے مختصر مثنویوں کو نکال دوں گا۔ پس منظر والا باب، دوسرے باب میں سے 'مثنوی دوسری زبانوں میں' وغیرہ کو خارج کر دوں گا۔ امید ہے کتاب میں کم از کم ۱/۳ کمی تو آ جائے گی، شاید اس سے بھی زیادہ۔ متعدد شعرا یکم قلم خارج ہو جائیں گے۔ اور کوئی بات قابلِ نگارش نہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۴)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
23 NEVADA
IRVINE-CA 92606-1764 (USA)

۱۷رنومبر ۲۰۰۰ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، تسلیم

آٹھ صفحوں کا ایک طویل مضمون 'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں کیوں کہ مجھے اس کی اشاعت کی جلدی ہے۔ میں نے رام پور سے معلوم کیا ہے کہ وہاں 'دیوانِ غالب' نسخۂ لاہور کے اوٹو گراف میں دو صفحوں پر پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کا accessories

6812 to درج ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ کسی اور کو معلوم نہیں۔ مشفق خواجہ کو فون کیا تو انھوں نے بتایا کہ ان کے پاس ان دونوں صفحوں کے اوٹو گراف کا عکس ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کسی اور کے انکشاف سے پہلے میں مضمون شائع کردوں اسی لیے آپ کو بھیج رہا ہوں۔ آپ نے ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے داماد کا مضمون مجھ سے متعلق تین شماروں میں شائع کیا تھا۔ یہ مضمون دو تین شماروں میں چھاپ سکیں تو اچھا ہے ورنہ ص۳ کے پہلے دو پیراگرافوں تک یعنی ص۳، سطر دس ...۱۵۴۸ ہونا چاہیے تک کو چھاپ دیجیے اور نوٹ دے دیجیے کہ ''مضمون بہت طویل تھا اس لیے اس کا ضروری ابتدائی حصہ 'ہماری زبان' میں شائع کیا جا رہا ہے، پورا مضمون 'کتاب نما' میں شائع ہو رہا ہے''۔ آپ 'کتاب نما' کے شاہد علی خاں سے بات کر لیجیے کہ وہ جنوری ۲۰۰۱ء کے شمارے میں چھاپ دیں۔ اگر آپ ہی 'ہماری زبان' کے دو تین شماروں میں دے سکیں تو سب سے اچھا ہوگا۔ آپ مجھے 'کتاب نما' یا ڈاکٹر نثار احمد فاروقی یا ڈاکٹر نارنگ کی e-mail کے ذریعے اطّلاع کرا دیں کہ مضمون کہاں اور کب شائع ہو رہا ہے۔

قاضی وا/ردو پر اپنے مضمون کی نقل بھیجیے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۵)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

23 NEVADA

IRVINE-CA 92606-1764 (USA)

ای میل:gianchand@aol.com

فون:949-559-6012

۵رمئی ۲۰۰۱ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، آداب وتسلیمات

کل ۴رمئی کو آپ کا ۲۳راپریل کا کرم نامہ ملا۔ 'ہماری زبان' کے ستمبر اکتوبر دسمبر جنوری کے شمارے ملے۔ ان سب کے لیے تہِ دل سے مشکور ہوں۔ آپ کے لفافے پر صرف دس روپے کا ٹکٹ لگا تھا حالاں کہ امریکہ کو ہوائی ڈاک کا لفافہ ۱۳ر روپے میں آتا ہے۔ اس پر کہیں By air mail بھی نہیں لکھا تھا۔ سطحی ڈاک سے تو تین چار ماہ میں آتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ

۱۰؍روپے میں کیوں کرآیا۔

’ہماری زبان‘ کے پرچے ۲۱ تا ۲۸؍اکتوبر اور پورے نومبر کے نہیں تھے۔ کیا ڈاک کی ہڑتال کے باعث سوا مہینے کا ناغہ ہوا؟ ۲۲ تا ۲۸؍اپریل کا معین الرحمٰن کے مضمون کا تراشہ بھیجنا آپ کی خاص الخاص عنایت ہے۔

اب میری عرض داشتیں: آپ کی ای میل مل کر بھی نہیں ملی۔ یہاں Junk. e mail بہت آتی ہے۔ روز جانے کس کس کی اشتہاری ای میل آجاتی ہے۔ آپ کی ای میل چٹھی سے فوراً پہلے اسی طرح کی ایک چٹھی تھی۔ میں نے سوچا کہ اسے ضائع کردوں۔ میں نے اس پر delete کو click کیا۔ سوئے اتّفاق سے اس کے ساتھ آپ کی چٹھی بھی تلف ہوگئی۔ اب مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ آپ کی ای میل آئی ہے۔ اس میں کیا لکھا تھا یہ معلوم نہیں۔

غالبًا آپ نے میرے مضمون کی اگلی قسط قدرت نقوی والی نہیں چھاپی۔ اس کا چھاپنا ضروری ہے کیوں کہ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ غالبؔ کا مرقّع نسخہ مہاراجا جے پور والا ہے۔ اب آپ اسے اس نوٹ کے ساتھ شائع کردیجیے کہ ’’گیان چند کی یہ پس نوشت ان کے مضمون کی اشاعت کے بعد ملی تھی اس لیے شائع نہ ہوسکی۔ اب ان کی خواہش کے بموجب شائع کی جارہی ہے۔

میں معین الرحمٰن کے مضمون کے کسی نکتے کے بارے میں کچھ نہ لکھوں گا، لیکن آپ کہیں سے معلوم کرکے ایک بات مجھے لکھیے۔ علی ابراہیم خاں خلیل نے خود اپنے تذکرے ’گلزارِ ابراہیم‘ کی عیسوی تاریخ ۱۷۸۴ء لکھی ہے۔ معین الرحمٰن لکھتے ہیں کہ سہ نثرِ ظہوری میں تین کتابوں کے مقدمے ہیں ’نورس‘، ’گلزارِ ابراہیم‘، ’خوانِ خلیل‘۔ اس کے معنی ہیں کہ ’گلزارِ ابراہیم‘ نام کی کوئی اور کتاب ’تذکرۂ گلزارِ ابراہیم‘ سے تقریباً دو صدی پہلے موجود تھی۔ اگر آپ کے یہاں سہ نثرِ ظہوری ہو تو اس میں دیکھ لیجیے۔ نہ ہو تو کسی فارسی والے کو فون کرکے پوچھیے۔ ممکن ہے نثار احمد فاروقی بتا سکیں یا کسی فارسی کے پروفیسر سے پوچھیے۔ سب سے مناسب آدمی تو ڈاکٹر نذیر احمد علی گڑھ والے ہیں۔

مجھے دوسری بات یہ جاننی ہے کہ کیا آپ میری کتاب ’اُردو مثنوی‘ کا ترمیم شدہ اڈیشن چھاپیں گے۔ میں نے قاضی عبدالودود کی کتاب کا مسوّدہ ناشرین انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان اور عزیز قریشی صدر مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی بھوپال کو پرسوں بھیج دیا ہے۔ میرے ہاتھ کے

pad سائز کے لکھے ہوئے ۹۴۴ صفحے ہیں۔ کتاب کم از کم ۱۲۰۰ صفحوں کی ہوگی۔ اب میں نے اُردو مثنوی کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس بار مختصر مثنویوں کو (۱۰۰ اشعروں سے کم کی) خارج کر رہا ہوں، شروع کے دو باب بھی نکال رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ کتاب کی ضخامت کم از کم سو صفحے کم ہو جائے گی۔ دوسرا اڈیشن بہت خراب چھپا تھا۔ آپ نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ اگلی بار آپ بہت اچھی طرح چھائیں گے۔

پٹنے میں عابد رضا بیدار نے لوگوں کی thesis پر تبصراتی مضامین لکھوائے اور پڑھوانے کا سلسلہ چلایا تھا۔ اسی سمینار میں کسی نے میری اس کتاب کی تنقیص کی تھی۔ اب اس مقالے کو ایسا کر دوں گا کہ گہری تحقیق کے بغیر اس پر کوئی اعتراض نہ کیا جا سکے۔ میں کتاب کے نئے اڈیشن کی کوئی رائلٹی نہ لوں گا۔ آپ نے میرے دونوں مراسلے چھاپ دیے ان کے لیے مشکور ہوں۔ اب آپ ای میل کی معرفت (یا ڈاک کے خط سے) میرے صرف دو استفسارات کے جواب دیجیے:

۱- کیا سہ نثرِ ظہوری میں کسی 'گلزارِ ابراہیم' نامی کتاب کا مقدمہ شامل ہے؟

۲- کیا آپ 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کا نیا اڈیشن چھاپنا پسند کریں گے۔ اب کی بار میں کتاب کا نام 'اُردو کی طویل مثنویاں شمالی ہند میں' یا 'شمالی ہند میں اُردو کی طویل مثنویاں' کر دینا چاہتا ہوں۔

میں ٹائپ کرنا نہیں جانتا، اس لیے ای میل کا خاطر خواہ استعمال نہیں کر سکتا۔ گھر میں کسی کی خوشامد کر کے ہاتھ سے لکھی چٹھی کو ای میل کے مسوّدے کے طور پر بھجواتا ہوں۔

آپ 'ہماری زبان' میں انجمن کا ای میل پتا بھی چھاپا کیجیے۔ میرا یہ letter head مجھ سے پوچھے بغیر علی گڑھ سے ڈاکٹر مختار الدین احمد نے چھپوا کر بھیج دیا۔ دو اس بڑے سائز کے پیڈ ہیں، دو چھوٹے سائز کے۔ میرے پتے میں نواڈا سڑک کا نام اروائن شہر کا۔ انھوں نے دونوں کو ملا کر ایک مرکّب کے طور پر ایک سطر میں لکھ دیا۔ فون نمبر اور ای میل پتا دیا ہی نہیں۔

میں قاضی صاحب پر اپنی کتاب کی ضخامت سے ہراساں ہوں۔ دراصل انھوں نے کام بہت زیادہ کیا ہے اور میں نے سب پر لکھا ہے۔ کتاب میں مَیں نے قاضی صاحب کی بے حد تعریف اور بے حد معترضانہ تنقید کی ہے۔ جب کتاب شائع ہو جائے گی تو اہلِ بہار میرا ہرسیہ پکا دیں گے لیکن میں ان کی زد سے بہت پرے پہنچ چکا ہوں گا۔ اس ضخامت کی کتاب چھے

سات سال سے کم میں تو شائع ہوگی نہیں۔ تب تک میرا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ میں نے کتاب میں قاضی صاحب کی تحیّات کے علاوہ دکھایا ہے کہ وہ بارہا بالکل سامنے کی باتیں نہ سمجھ پاتے تھے، دوسروں پر اعتراض کرنے کے لیے بارہا آدھی حقیقت پیش کرتے تھے اور آدھی چھپا لیتے تھے۔ متعدد صورتوں میں دوسروں کی پہلے کی تحقیقی دریافتوں کو اپنی طرف سے دیتے تھے اور پہلے کے محقق کا نام نہ لیتے تھے۔ ہر بات کی سند میں متعدد مثالیں دی ہیں۔

میں رہتا امریکہ میں ہوں، دل ہندستان اور پاکستان میں پڑا رہتا ہے، اس لیے اگست کے آخر میں براہِ یورپ دو ڈھائی مہینے کے لیے آؤں گا۔ راہ میں چار دن کے لیے کراچی ٹھہروں گا، پھر تقریباً دو مہینے ہندستان میں۔ اکتوبر کے آخر میں ہندستان سے امریکہ واپسی ہوگی۔ یہ سارا پروگرام بہ شرطِ حیات۔ آنے پر سب سے پہلے آپ کے پاس انجمن میں آؤں گا۔ کوشش کروں گا کہ ہندو پاک میں کہیں کی ادبی تقریب میں شامل نہ ہوں، کہیں کوئی تقریر نہ کروں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰٦)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

23 NEVADA

IRVINE-CA 92606-1764 (USA)

۱۴ر مئی ۲۰۰۱ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، تسلیم

آپ نے معین الرحمٰن کے جوابی مضمون کی دونوں قسطیں اتنی جلدی مجھے بھجوائیں اس کے لیے ممنون ہوں۔ معین چاہتے ہیں کہ رضا لائبریری کے ڈائرکٹر کا سرکاری جواب پیش کیا جائے۔ میں ملفوف کر رہا ہوں۔ براہِ کرم میرا امراسلہ اور سرکاری جواب شائع کر کے مجھے ممنون کیجیے۔

آپ کی ای میل دوبارہ مجھ تک نہیں پہنچ سکی۔ براہِ کرم یہ لکھنے کی زحمت کیجیے کہ آپ 'اُردو

مثنوی شمالی ہند میں' کا تیسرا ترمیم شدہ اڈیشن جلد نہیں تو بدیر ہی سہی، چھاپ سکیں گے کہ نہیں۔ آج کل میں اسی کتاب پر نظرِ ثانی میں لگا ہوں۔

آپ میری کتاب (قاضی عبدالودود) کا تعارف 'ہماری زبان' میں چھاپنے کی پیش کش کر رہے ہیں۔ اس عنایت کے لیے میں تہِ دل سے ممنون ہوں۔ یہ تعارف میں ابھی نہیں، چار پانچ مہینے بعد چھپواؤں گا۔ پہلے دونوں ناشروں سے جواب تو آجائے کہ وہ اس ضخیم کتاب کو چھاپ سکیں گے۔ کم از کم ۱۲۰۰ صفحوں کی کتاب ہوگی۔

مفصّل تعارف تو کبھی 'کتاب نما' میں دو قسطوں میں چھپواؤں گا جسے دیکھ کر اہلِ بہار میرا ہریسہ پکوانا چاہیں گے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۱۰۷)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

23 NEVADA

IRVINE-CA 92606-1764 (USA)

۲۱/جون ۲۰۰۱ء

محبّی خلیق انجم صاحب، تسلیم

آپ کا ۳۰/مئی ۲۰۰۱ء کا کرم نامہ چند روز پیشتر ملا۔ میں ۹/جون سے ۱۷/جون تک اروائن سے باہر اپنی بھتیجی کے پاس مشرقی USA میں گیا تھا۔ ۱۷/جون کی شام کو واپسی پر آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اس کے لیے مشکور ہوں۔

یہاں مغنی تبسم آئے تھے۔ انھوں نے مجھے 'شعر و حکمت' کا ضخیم شمارہ دیا۔ معاوضے میں انھوں نے مجھے یہ خواہش کی کہ میں اس پر ایک تبصرہ لکھ کر 'ہماری زبان' کو بھیج دوں۔ میں وہی ملفوف کر رہا ہوں۔ آپ اسے شائع کر کے مجھے ان سے سرخ رو ہونے کا موقع عطا کیجیے۔

مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ اُردو مثنوی کا اڈیشن ابھی ختم نہیں ہوا۔ معلوم نہیں کیوں مجھے یہ تاثر تھا کہ وہ کبھی کا ختم ہو گیا ہے۔ اگر معلوم ہوتا کہ وہ باقی ہے تو میں آپ کو تیسرے اڈیشن کے بارے میں ہرگز نہ لکھتا۔ یہ اڈیشن ۵۰۰ کی تعداد میں چھاپا گیا ہوگا۔ آپ لکھتے ہیں کہ دو سو سے

او پر جلدیں باقی ہیں یعنی ۱۹۸۷ء سے آج تک ۱۴ سال میں تین سو سے کم جلدیں نکل سکی ہیں، اس سے اپنی کساد بازاری کا احساس ہوا۔ اب انجمن سے یا ہندستان کے کسی اور ناشر سے اس کے چھپوانے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ میں نے ترمیم و تنسیخ کا کام تقریباً پورا کرلیا ہے۔ جب ہندستان آؤں گا تو آپ سے کتاب کی ایک کاپی خرید لوں گا اور دو کاپیوں کی مدد سے آخری نسخہ تیّار کروں گا۔ کوشش کروں گا کہ پاکستان میں کوئی ناشر مجھے کوئی پیسا دیے بغیر اس کتاب کو چھاپ دے۔

آپ نے سہ نثرِ ظہوری کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی، اس کے لیے شکریہ۔ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ یہ قدیمی 'گلزارِ ابراہیم' کس کی لکھی ہوئی ہے اور اس کا کیا موضوع ہے۔ اب آپ تردد نہ کریں۔ میں ہندستان آتے ہوئے چار پانچ دن کراچی ٹھہروں گا۔ وہاں معلوم کرلوں گا۔

آپ لکھتے ہیں کہ اپنے موجودہ خط سے پہلے دو تین خطوں میں مجھے 'مثنوی' کے اڈیشن کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔ مجھے ان میں کا کوئی خط نہیں ملا۔ معلوم ہوا کہ یکم جنوری ۲۰۰۱ء سے امریکہ میں باہر کی ڈاک کا نرخ بڑھا دیا گیا جس سے ہندو پاکستان کو خط 60 Cents سے بڑھا کر 80 Cents کا کردیا گیا۔ میں تو ابھی تک ۶۰ سینٹ کے ٹکٹ ہی لگاتا رہا۔ جنوری سے تا حال کم از کم ۵۰ چٹھیاں تو لکھی ہوں گی ان میں سے کوئی میرے پاس لوٹ کر نہیں آئی نہ کسی مکتوب الیہ نے بیرنگ کا تاوان دینے کی شکایت کی۔

آپ نے قاضی عبدالودود کی اشتر و سوزن پر جو مضمون لکھا تھا وہ مجھے آج تک دیکھنے کو نہ ملا۔ اب اُدھر آنے پر دیکھوں گا۔ ابھی کتاب میں کچھ اضافے اور ترمیم کرنی ہیں۔ غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی کی لائبریری میں 'معاصر'، 'خدا بخش جرنل' اور 'سفینہ' کے شمارے دیکھوں گا۔

میں جانتا ہوں کہ ہندستان میں مجھے حیدرآباد اور دو ایک دوسرے مقامات پر جلسوں کو خطاب کرنے سے مفر نہیں۔ آپ کی جو تجویز ہے کہ میں انجمن کی تقریب میں شرکت کروں، یہ بات اس لحاظ سے للچاتی ہے کہ اس بہانے بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوجائے گی۔ بغیر اس کے میں صرف معدودے چند ہی کے پاس جاسکتا ہوں لیکن ایک تامّل یہ ہے کہ میں نے پچھلے کئی سال سے اُردو کی نئی کتابیں نہیں دیکھیں، بیشتر رسالے نہیں دیکھے۔ حاضرین میں سب ان سے بہ خوبی واقف ہوں گے یعنی اس اجلاس میں سب سے کم علم آدمی میں ہی ہوں گا۔ دہلی میں

ملک گیر شہرت اور اہمیت کے پروفیسر، رٹائرڈ پروفیسر، محقّق، نقّاد، شاعر، افسانہ نگار، دوسرے تخلیق کار، رسالوں کے اڈیٹر، اکادمیوں اور انجمنوں کے عہدے دار اور بہت سے عظما ہیں۔ میں کس منہ سے انھیں اپنے جلسے میں آنے اور مجھ جاہلِ اجہل کو سننے کو کہوں۔ مجھے حجاب آتا ہے۔ میرے پاس صرف سال خوردگی ہے، عمر کی بزرگی ہے اور کچھ نہیں۔

پچھلی بار میں بہت سے مقامات پر گیا، میری بیوی رام پور میں گرم پانی سے جل گئیں، حیدرآباد میں میرے پاؤں (پانْو) میں فریکچر ہوگیا۔ اب صحت میں کچھ نہ کچھ زوال ہوا ہے، اس لیے آپ ابھی جلسے کی بات پکّی نہ کیجیے، میں ختمِ سفر سے دو تین ہفتے پہلے توثیق کروں گا بشرطیکہ میرے اعضا صحیح سلامت رہے۔ ۲؍نومبر کو میری دختر و داماد کی شادی کی ۲۵ویں سالگرہ امریکہ میں منائی جائے گی، اس لیے اکتوبر کے آخر میں مَیں بالیقین دہلی آؤں گا۔ آپ کو ۱۰؍اکتوبر کے قریب مطّلع کردوں گا۔ چوں کہ یہ طے ہے کہ میں اس دفعہ کے بعد ہندستان نہ آسکوں گا اس لیے آپ اسے میرا ہندستان سے وداعی جلسہ کہہ سکتے ہیں۔ بہرحال اگست کے آخر میں آپ سے ملوں گا تو مزید تفصیلات پر بات چیت ہوگی۔ آپ کا ممنون ہوں کہ آپ ایک دکانِ بے رونق کی خریداری پر تُلے ہوئے ہیں۔

عزیز قریشی نے میرے خطوں کے جواب نہ دینے کی قسم کھائی ہے۔ مسوّدے کی رسید بھی نہیں دی۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۸)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

دہرہ دون

۷؍ستمبر ۲۰۰۱ء

محبّی خلیق صاحب، تسلیم

لعنت ہے ہندستان کے ٹیلی فونوں پر کہ آپ میری بات نہ سن سکے۔

مشکور ہوں کہ آپ دہلی میں مجھ جیسے سب سے غیر اہم شخص (very unimportant

(person) سے ملانے کے لیے دہلی کے کچھ اہم اشخاص کو مدعو کر رہے ہیں۔ میں ۲۷؍اکتوبر اور ۲۸؍اکتوبر کی درمیانی شب کو ہندستان سے وداعی پرواز کروں گا۔ آپ اپنا اجتماع ۲۶؍اکتوبر جمعے کے دن رکھ سکتے ہیں۔ میں ۲۵؍اکتوبر کو کسی وقت دہلی پہنچ جاؤں گا۔ چوں کہ یہ قطعی طے ہے کہ میں اب کے بعد پھر کبھی ہندستان نہ آسکوں گا، اس لیے آپ اپنے اجتماع کا نام وادعی ملاقات رکھ سکتے ہیں۔

میں kingsway camp میں راجندر ارون کے یہاں قیام کروں گا۔ ان کے گھر کا فون نمبر 7240164 ہے۔ نئی سڑک پر ان کی کتابوں کی دکان کا فون نمبر 3263298 ہے۔ اس سے پہلے میں ایک بار اور دہلی سے گزروں گا۔ ۲۵؍ستمبر کو بھوپال سے ہوائی راستے سے جمّوں جانا ہے۔ ۲۵؍ستمبر کو میں تقریباً ایک بجے دوپہر کو دہلی پہنچوں گا اور وہاں سے ۲۶؍ستمبر کو صبح پونے دس بجے دہلی سے جمّوں کے لیے پرواز کروں گا۔ اس بار قیام انڈین ایرلائنس کے ڈپٹی جنرل منیجر اشوک گلانی (Ashok Gulani) کے یہاں ہوگا۔ ان کی بیوی بھی پالم پر منیجر ہیں۔ میں سہ پہر تک ان کے پاس پالم پر رہوں گا۔ شام کو ان کے ساتھ ان کے مستقر I.I.T کے پاس وسُندھرا اپارٹمنٹ میں ہوں گا۔ ان کے cell phone کا نمبر 9810508401 ہے اور گھر کے دو فون نمبر 6438590 اور 6415945 ہیں۔ میں خود آپ کو فون کروں گا۔ اگر آپ کے گھر کا فون نمبر معلوم ہوتا تو میں رات کو فون کر سکتا تھا۔

اجتماع میں آپ دوسرے لوگوں کے علاوہ حمید اللہ بھٹ (اُردو کونسل)، محبوب فاروقی (مدیر 'آجکل')، نارنگ، نثار فاروقی، شمیم حنفی، عنوان چشتی، محمد حسن، کرشن موہن، مجتبیٰ حسین مزاح نگار، کمال احمد صدیقی، ساقی نارنگ، شاہد ماہلی، شاہد صاحب ('کتاب نما') وغیرہ کو بلا سکتے ہیں۔

میں نے 'اُردو مثنوی شمالی ہند میں' کی دونوں جلدوں کی نظرِ ثانی اور تخفیف کر لی ہے۔ اگر ۱۵ سال میں بھی اس کی جلدیں ٹھکانے نہ لگا سکے تو مجھے اجازت دیجیے کہ میں نیا اڈیشن کسی اور سے شائع کرالوں۔ میں رائلٹی کا طلب گار نہیں۔

انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان سے میری کتاب 'اُردو کی ادبی تاریخیں' شائع ہوگئی ہے۔ تقریباً ساڑھے نو سو صفحے ہیں، قیمت ۳۵۰؍روپے۔ میں نے اس کی ایک جلد آپ کو بھیجنے کو لکھا ہے۔

بقیہ بروقتِ ملاقات۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

میری قاضی عبدالودود پر کتاب مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی کی طرف سے مکتبہ جامعہ میں زیرِ طباعت ہے۔

مخلص

گیان چند

(۱۰۹)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
23 NEVADA
IRVINE-CA 92606-1764 (USA)

۱۹ر نومبر ۲۰۰۱ء

محبّی ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، تسلیم

میں ہندستان سے آتے ہوئے کچھ پوسٹ کارڈ، اِن لینڈ لیٹر اور لفافے لے آیا تھا۔ ایک اِن لینڈ لیٹر شاہد علی خاں مکتبۂ جامعہ کے پیکٹ میں رکھ کر بھیج رہا ہوں۔ اسی لیٹر کے دوسرے کنارے سے 'ہماری زبان' کے لیے ایک مراسلہ ملفوف کر رہا ہوں۔ مراسلے کی آخری سطح کے نیچے سے کاٹ کر الگ کر دیجیے اور دفتر میں دے دیجیے۔

آپ نے میرے لیے انجمن کی طرف سے ایک تقریب کرنے کا جو پُر اصرار تقاضا کر رکھا تھا وہ آپ کی محبت ہے اور میری دکانِ بے رونق کی خریداری کرنا۔ میں نے آپ کو کئی بار لکھا کہ دہلی میں سب اُردو والے بڑے آدمی ہیں، یونی ورسٹیوں کے اساتذہ، رسالوں کے مدیر یا بڑے شاعر، نقّاد وغیرہ۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں ان سے کہوں کہ میری مزخرفات سننے کو آئیں۔ آپ نے کہا کہ ایسی بزمِ بے تکلّف کریں گے جس میں کوئی تقریر نہ ہوگی اور بیٹھ کر بات چیت کریں گے۔ آپ نے میری اور اہلِ دہلی کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ دہلی نے بڑی دانش مندی کا ثبوت دیا اور کوئی بھی جلسے میں نہیں آیا۔ نارنگ میری وجہ سے آئے، اسلم پرویز آپ کے عزیز اور انجمن کے رسالے 'اُردو ادب' کے مدیر ہیں، ان کے علاوہ کوئی بھی مصروف شخص نہیں آیا۔ نہ معلوم کون کون مجہول لوگ آئے تھے۔ دوسری طرف یہ دیکھیے کہ الٰہ آباد، بھوپال، حیدرآباد، جمّوں، بنگلور، جے پور اور احمد آباد میں میری کیا کیا قدر

افزائی ہوئی۔ کتنے سپاس نامے، شال، تحفے دیے گئے، میری بیوی تک کو شال دیے۔ حیدرآباد، بھوپال، جموں، بنگلور اور جے پور کی تقریبات یادگار رہیں گی۔ اہلِ اُردو نے میرے آخری سفرِ ہند پر دل کھول کر وداعی تقریبات کیں۔ لیکن سب سے زیادہ سبق آموز دہلی کی تقریب رہی۔ امید ہے آپ صحت اور ترقّیِ درجات کے ساتھ رہیں گے۔

خاکسار

گیان چند

میں نے ایک شعر کہا ہے:

کس شہر میں رہیں، یہ ہمیں سوجھتا نہیں
کوئی چھدام کو بھی ہمیں پوچھتا نہیں

(۱۱۰)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
23 NEVADA
IRVINE-CA 92606-1764 (USA)

۱۵/جنوری۲۰۰۲ء

محبّی خلیق انجم صاحب، تسلیم

میری کتاب 'اُردو کی ادبی تاریخیں' آپ کو ملی ہوگی۔ انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان نے دو کاپیاں نثار احمد فاروقی اور گوپی چند نارنگ کے لیے رکھی تھیں لیکن دفتر کی لاپروائی کی وجہ سے نام لکھنا نظرانداز کر گئے۔ بعد میں مشفق خواجہ نے آپ کو مطّلع کر دیا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ نے دونوں حضرات کو ان کا نسخہ دے دیا ہوگا۔ ایک نسخہ آپ کے لیے ہے۔

اگر رسید سے مطّلع کریں تو ممنون ہوں گا۔ یہ کتاب یوپی اُردو اکیڈمی میں بھی زیرِ اشاعت ہے لیکن کام کی تکمیل کی امید نہیں۔

اب تو آپ نے مجھے 'ہماری زبان' کے پرچے بھیجنے بند کر دیے۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

یہ خط شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے لفافے میں رکھ کر بھیج رہا ہوں۔

(۱۱۱)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم
23 NEVADA
IRVINE-CA 92606-1764 (USA)

۱۸/مارچ ۲۰۰۲ء

محبّی تسلیم

آپ کا ۲۷/فروری کا کرم نامہ بروقت ملا تھا۔ شکریہ۔ آپ نے میری کتاب 'اُردو کی ادبی تاریخیں' کو اہم قرار دیا ہے، میرے واسطے بڑا انعام ہے۔ آپ اس پر بہت خوش ہیں کہ یہ کتاب یوپی اُردو اکیڈمی سے بھی چھپ رہی ہے۔ میں اس سے خوش نہیں۔ میں نے اس کتاب کا مسوّدہ یوپی اکیڈمی کو تقریباً ۳۰/دسمبر ۱۹۹۴ء کو دیا تھا، اس کے بعد انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان کو جنوری ۱۹۹۵ء میں۔ کراچی سے یہ جولائی ۲۰۰۱ء میں شائع ہوگئی اور مجھے ایک جلد اگست میں ملی۔ یوپی اکیڈمی ابھی تک لیے بیٹھی ہے۔ ۱۹۹۴ء میں شمیمہ رضوی لکھنؤ اکیڈمی کی صدر تھیں۔ ۱۹۹۷ء میں مَیں نے کہا کہ اب میں امریکہ منتقل ہورہا ہوں، اگر اکیڈمی مجھے تخمیناً اس کا معاوضہ دے دے تو میرے کام آئے گا۔ انھوں نے علی الحساب معقول معاوضہ دے دیا لیکن کتاب کی اشاعت کا کوئی ذکر نہیں۔

میں ۱۹۹۹ء میں لکھنؤ گیا تو اظہر مسعود نے بتایا کہ ۷۰۰ صفحوں کی کتابت ہوگئی ہے۔ اکیڈمی کے پاس روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے کتابت رُک گئی ہے۔ ۲۰۰۱ء میں لکھنؤ گیا تو اظہر سے ملاقات نہ ہوسکی۔ نیّر مسعود نے فون پر بتایا کہ روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے اکیڈمی کے کام بند ہیں۔ کئی ماہ سے ملازموں کو تنخواہ نہیں ملی۔ کتاب کی اشاعت کا کام کیوں کر ہو۔

میں نے قاضی عبدالودود پر اپنی کتاب کا مسوّدہ انجمن پاکستان کو دیا۔ جمیل الدّین عالی نے اشاعت کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے انھیں خط میں لکھا کہ کتاب ۷۰۰ یا ۸۰۰ صفحوں کی ہوگی۔ اس پر وہ گھبرا گئے۔ انھوں نے کہا کہ ہماری کمیٹیوں نے طے کیا ہوا ہے کہ ۶۰۰ صفحوں سے زیادہ کی کتاب شائع نہ کی جائے۔ اس پر میں نے مشفق خواجہ کو لکھا کہ کتاب ۱۰۰۰ صفحوں کی ہوسکتی

ہے۔آپ ۶۰۰صفحوں کا صرفہ انجمن پر ڈالیے بقیہ مجھ پر۔ میری کتاب 'اُردو کی ادبی تاریخیں' انجمن سے شائع ہونے والی ہے۔ میری کتاب 'اُردو کی نثری داستانیں' کا ترمیم شدہ اڈیشن بھی انجمن سے آج کل میں شائع ہونے کو ہے۔ آپ ان دونوں کتابوں نیز قاضی کی کتاب یعنی تینوں کا کوئی معاوضہ نہ دیجیے،صرف قاضی کی کتاب چھاپ دیجیے، میرے لیے کافی ہے۔اس پر معاملہ طے ہو گیا۔ میں نے انجمن پاکستان سے طے کر لیا ہے کہ وہ آیندہ بھی میری کسی کتاب کا رائلٹی نہ دیں۔قاضی صاحب کی کتاب ۱۱۰۰صفحوں تک جائے گی۔

ہندستان میں اسے مدھیہ پردیش اُردو اکادمی بھوپال شائع کر رہی ہے۔ میں نے عزیز قریشی کو لکھا ہے کہ وہ چاہیں تو مجھے کوئی رائلٹی نہ دیں۔ وہ کتاب کی طباعت کا کام مکتبۂ جامعہ سے کرا رہے ہیں۔شاہد علی خاں نے اکتوبر ۲۰۰۱ء میں مجھ سے کہا تھا کہ ۷۰۰صفحوں کا کمپوزنگ ہوا ہے۔ میں نے کہا اکتوبر میں تو آپ نے ۷۰۰ صفحے بتائے تھے، اب صرف ۶۰۰ صفحے کہہ رہے ہیں۔

پچھلے ایک سال میں 'ہماری زبان' کے تقریباً تین مہینے کے پرچے آئے جن میں سے بعض ۱۰-۹ مہینے باسی تھے۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ اس سلسلے میں زحمت نہ کریں۔ مجھے رسالوں سے اُردو دنیا کی ضروری خبریں مل جاتی ہیں۔انھیں ہوائی ڈاک کا چندہ دے کر منگاتا ہوں۔

ہندستان کے سفر سے لوٹنے کے بعد میری پارکنسن (Parkinson) کی بیماری بہت بڑھ گئی ہے۔اب گھر سے باہر نکلتے وقت موٹی چھڑی (بید) لے کر ہی جاتا ہوں اور کبھی کبھی گھر میں بھی چھڑی کے سہارے سے چلنا ہوتا ہے۔

ساتھ کا خط پوسٹ آفس میں ڈلوا دیجیے۔ اگر پوسٹ کارڈ کی قیمت ۵۰ پیسے سے بڑھ گئی ہو تو مزید ٹکٹ لگانے کا کرم کریں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خاکسار
گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم
جنرل سکریٹری، انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)
نئی دہلی

(۱۱۲)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
23 NEVADA
IRVINE-CA 92606-1764 (USA)
۵؍جولائی ۲۰۰۲ء

محبّی خلیق انجم صاحب، تسلیم

عرصہ ہوا آپ نے مجھ سے فرمایش کی تھی کہ قاضی عبدالودود پر اپنی کتاب کا تعارف 'ہماری زبان' میں چھپوا دوں۔ میں اُس وقت ٹال گیا۔ اب یہ درخواست کر رہا ہوں کہ ملحقہ مضمون کو 'ہماری زبان' میں جلد چھاپ دیں۔ وجہ یہ ہے کہ میرا ایک مضمون 'گہے بر پشت پائے خود نہ بینم : قاضی عبدالودود' اگست کے 'آجکل' میں آرہا ہے۔ اس سے پہلے میرا ملفوف مضمون 'ہماری زبان' میں آجائے تو اچھا ہو۔ آپ نے یہ شعر سنا ہوگا:

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

میں نے 'آجکل' میں آنے والے مضمون میں کہا ہے کہ قاضی صاحب اکثر بہت دور کی باتیں سمجھ لیتے تھے لیکن بعض اوقات بالکل سامنے کی بات بھی نہ سمجھ سکتے تھے۔ میں نے ثانی الذکر کی چند مثالیں دی ہیں۔

اس لفافے میں ملفوف پوسٹ کارڈ کو لیٹر بکس میں ڈلوا دیجیے۔

'ہماری زبان' میں میرا مضمون چھپ پائے تو اس کا تراشہ ایک لفافے میں رکھ کر مجھے ہوائی ڈاک سے بھیج دیجیے، ممنون ہوں گا۔

اپنی طبیعت کے بارے میں آپ کو لکھتا ہوں۔ یہ چھپوانے کے لیے نہیں۔ میرا پارکنسن (Parkinson in Disease) کا معاملہ بگڑ رہا ہے۔ جب پچھلے دنوں دہلی آیا تھا اُس سے بہت خراب ہے۔ توازن ایسا بگڑ گیا ہے کہ چلتے پھرتے لڑکھڑاتا ہوں۔ بارہا گرنے کا اندیشہ رہتا ہے، بل کہ گر بھی جاتا ہوں۔ چلنا پھرنا دوبھر ہے۔ اس پر مزید یہ ہوا ہے کہ میرے دماغ گردن اور ریڑھ کی ہڈی کے MRI یعنی Cat Scan کرائے گئے تو معلوم ہوا کہ میرے دماغ کے نچلے حصے میں ایک متوسط سائز کا Cryst یعنی گٹھلی بن گئی ہے۔ دماغ کا آپریشن کرانا مہنگا

اور خطرناک ہوتا ہے۔ میں نے سوچا ہے کہ جب تک اس میں کوئی تکلیف درد وغیرہ نہیں اسے بھول جاؤں۔ جب کبھی کوئی تکلیف ہوگی تو فیصلہ کروں گا۔

عاقبت کی خبر خدا جانے　　اب تو آرام سے گزرتی ہے

میں وقت گزاری کے لیے کچھ لکھتا رہتا ہوں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص نیاز مند

گیان چند

ڈاکٹر خلیق انجم

جنرل سکریٹری انجمن ترقیِ اُردو (ہند)

(۱۱۳)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

اروائن

۷/اگست ۲۰۰۲ء

محبّی خلیق صاحب، تسلیم

آپ کا ۱۷/جولائی کا اور ایک اس کے بعد کا ۳۰/جولائی کا نوازش نامہ ملا۔ شکریہ۔

پہلے آپ ملفوف لفافہ سپردِ ڈاک کرادیجیے۔ اس میں ڈاکٹر شکیل الرحمٰن صاحب سے متعلق ایک مضمون ہے۔ اب خطوں کے جواب۔ ممنون ہوں کہ آپ نے قاضی صاحب سے متعلق میرا مضمون 'ہماری زبان' میں چھاپ دیا۔

ہاتھ پیر لرزنا محققوں کے لیے مخصوص نہیں۔ بڑھاپے میں توازن کا جاتا رہنا عام بات ہے لیکن پارکنسن کی وجہ سے پاؤں اور کمر وغیرہ کا توازن جانا دوسری بات ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ ماہر سرجن سے دماغ کا آپریشن کرانے میں کوئی خوف نہیں، لیکن میں آپریشن کیوں کرواؤں۔ جب تک وہ نامراد Cryst تکلیف نہیں دے رہا میں اسے کیوں چھیڑوں۔ کرانا پڑا تو ہونہار سرجن کے بہ جائے اناڑی سرجن سے کراؤں گا تا کہ آپریشن کی میز پر کبھی ہوش ہی نہ آئے اور میں آرام سے رخصت ہو جاؤں۔

میرا ذہن والا منصوبہ خوب ہے لیکن یہ سب تحریریں تخلیق کاروں کو زیب دیتی نہیں۔ اگر ہر قسم کے لکھنے والوں پر مجموعی نظر ڈالیں تو میرا نمبر پچاس ساٹھ کے بعد آنا چاہیے لیکن جب تک میں رخصت ہو جاؤں گا۔ کم سے کم ۲۵ شخصوں کے بعد لکھ سکتا ہوں۔ اس لیے فی الحال معذرت چاہتا ہوں۔

کسی کے فون سے معلوم ہوا کہ 'ہماری زبان' اور دوسرے پرچوں میں کالی داس کے خط کا بہت چرچا ہے۔ میں نے یہ خط اپنے لیے سنبھال کر رکھا تھا کہ کبھی میں نے کالی داس پر لکھا تو اس خط کا اقتباس دوں گا۔ ادھر رسالہ 'شاعر' میں کالی داس نمبر کے سلسلے میں اعلان دیکھا، ہم کالی داس صاحب سے متعلق گیان چند کا (یا شاید خود کالی داس کا خط گیان چند کے نام) چھاپیں گے۔

اب میں نے سوچا کہ میں نے تو ایسا کوئی اہم خط 'شاعر' کو دیا نہیں۔ تب ان کی بات رکھنے کو یہ اہم خط 'شاعر' کو بھیج دیا۔ میں یہ خوبی جانتا ہوں کہ حنیف نے معترضانہ مضمون کسی فرقہ واری جذبے کے زیرِ اثر نہیں لکھا۔ میری رائے میں نہ کالی داس متعصب آدمی تھے نہ حنیف نقوی ہیں۔ پھر معلوم نہیں کالی داس کو ایسا شبہ کیوں ہوا۔ بات جھگڑے کی ہے لیکن میں کہے بغیر نہیں رہوں گا کہ برسوں پہلے رشید حسن خاں نے مالک رام کے مرتّبہ 'غالب کے خطوط' اور 'دیوانِ غالب' پر جو معترضانہ مضمون لکھے تھے اور حنیف نے آپ کے مرتّبہ 'غالب کے خطوط' اور پھر کالی داس کے مترجمہ مثنوی 'چراغِ دیر' پر اعتراضات کیے وہ اس جذبے کے تحت ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ کہاں کے ماہرِ غالبیات ہیں۔ ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں۔

یہ واضح کر دوں کہ مسلمانوں نے کبھی میرے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ اگر کسی سلیکشن کمیٹی میں مجھے منتخب نہیں کیا گیا تو وہ فرقہ واریت کی وجہ سے نہیں تھا۔ میری ملازمت کے چاروں شہروں، بعد میں قیامِ لکھنؤ، پاکستان کے سفر میں وہاں کے اہلِ اُردو اور امریکہ کے اُردو حلقوں سے ہر جگہ مجھے جو احترام ملا ہے اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ مجھے اُردو دنیا سے کوئی شکایت نہیں۔ کسی نے مجھ سے کوئی تعصب نہیں دکھایا۔

آپ کسی سلسلے میں میری کسی تحریر کو شائع کرنا چاہیں تو مجھے اعتراض نہیں بہ شرطِ کہ میں نے اس پر ذاتی نہ لکھ دیا ہو اور یہ میں نہایت شاذ کرتا ہوں۔ 'ہماری زبان' سے نئے سلسلے کے لیے اگر موضوع 'میری محرومیاں' رکھو تو کیسا ہو۔

مخلص گیان چند

(۱۱۴)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم
23 NEVADA
IRVINE-CA 92606-1764 (USA)
۵؍ستمبر ۲۰۰۲ء

محبّی خلیق انجم صاحب، تسلیم

آپ کا ۲۱؍اگست ۲۰۰۲ء کا گرامی نامہ کل ملا۔ میں نے آپ کے کرم نامے کا تفصیلی جواب دیا تھا۔ افسوس ہے کہ خط آپ تک نہ پہنچا۔ شاید اب پہنچ گیا ہو۔ میں نے لکھا تھا کہ اس سلسلے کے مخاطب تخلیقی ادیب، شاعر، نقّاد اور محقّق سبھی ہوں گے۔ اس مجموعے میں میرا نمبر پچاس ساٹھ کے بعد آنا چاہیے۔ زیادہ رعایت کریں تو ۲۵ کے بعد نمبر آ سکتا ہوں۔ لیکن میں اُس وقت تک زندہ نہ رہوں گا۔

مجھے اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں۔ یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ پوری دُنیاے اُردو میں ایک بھی ایسا شخص نہیں جو میرا ذہنی سفر جاننے کا مشتاق ہو۔ میرے پاس کوئی اہم بات کہنے کو ہے بھی نہیں، اس لیے میں اس پر لکھنے سے معذرت چاہتا ہوں۔

اکتوبر ۲۰۰۱ء کے آخر میں آپ نے میرے لیے انجمن میں جو تقریب کی تھی اس کا دہلی کے تمام بڑے اور اوسط درجے کے اہلِ قلم نے بائی کاٹ کیا تھا۔

'آجکل' کے اڈیٹر سے میں نے کسی پُرانے شمارے میں سے حیات اللہ انصاری کے سفرِ ملکِ بکاولی کے بارے میں کچھ پوچھا تھا۔ انھوں نے ضروری تراشہ بھیجنے کے علاوہ مجھ سے ایک مضمون کی بھی فرمایش کی، میں نے اپنی بیماریوں کا ذکر کر کے معذرت چاہی، انھوں نے میرے خط کا بیماریوں والا حصہ 'آجکل' میں مراسلے کے طور پر چھاپ دیا، میں صرف بیماریوں کی تفصیل کا مراسلہ کیوں شائع کراتا۔

آپ کو محض اطّلاعاً عرض ہے کہ مجھے تین بڑی بیماریاں ہیں: ۱- پارکنسن، ۲- دماغ کے نچلے حصے میں کوئی پھوڑا یا گٹھلی، ۳- Prostate کا کینسر۔ میں نے ۱۹۹۱ء میں پروسٹیٹ کی biopsy کرائی تھی۔ اس وقت سرطان شروع نہ ہوا تھا۔ میرے داماد اور ان کے ایک دوست نے (جو صرف کینسر کے ڈاکٹر ہیں) میری یہ راے مان لی کہ کینسر ہونے پر اس کا کوئی علاج نہ

کراؤں گا۔خون کی جانچ میں ایک P.S.A ہوتا ہے جس سے کینسر کا پتا چل جاتا ہے۔ میری موجودہ جانچ میں PSA کی مقدار کینسر کی حد سے بہت زیادہ آ گے ہیں جس کے معنی مجھے یہ کینسر یقینی ہے۔ ابھی اس کی کوئی تکلیف ظاہر نہیں ہوئی۔ اب بھی سب کی یہی راے ہے کہ کینسر کی نہ biopsy کراؤں نہ علاج۔ ۷۹ سال کی عمر والے کو ڈاکٹر خطرناک علاج کی اجازت نہیں دیتے۔ یہ تفصیلات چھاپنے کے لیے نہیں۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ مجھے ان بیماریوں سے کوئی بھی تردد نہیں۔ آہستہ آہستہ اپنے کام کیے جا رہا ہوں۔ موت سے بالکل نہیں ڈرتا کیوں کہ وہ طبیبِ جملہ علّت ہاے ما بن کر آئے گی۔ مجھے مکمّل ذہنی سکون ہے۔

میں کچھ دنوں کے بعد 'ہماری زبان' کے لیے ایک معرکے کا مضمون بھیجوں گا جو مہاتما گاندھی اور قرآن کے حروف سے متعلّق ہوگا۔ کچھ حضرات سے کچھ کاغذات کا انتظام کر رہا ہوں۔ اس خط کے ساتھ کے دو کارڈ ڈاک میں ڈلوا دیجیے اور مراسلہ 'ہماری زبان' میں چھاپ دیجیے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۱۵)

به نام ڈاکٹر خلیق انجم

اروائن

غالباً ۱۳/ اکتوبر ۲۰۰۴ء

محبِّ مکرّم خلیق انجم صاحب، تسلیم

کیا عجب اتّفاق ہے کہ میں نے کچھ دن پہلے آپ کو خط لکھا کہ مجھے 'ہماری زبان' کے پرچوں کا بنڈل بھجوا دیجیے مبادا کوئی حاسد اعتراض کرے۔ اس کے اگلے دن پھر 'ہماری زبان' کا ایک پارسل ملا۔ اس لطفِ خاص کا کیوں کر شکریہ ادا کروں۔

بحری یا سطحی ڈاک سے جو پرچے بھیجے جاتے ہیں ان میں سے بعض ۷-۶ مہینے پُرانے ہوتے ہیں۔ کچھ لطف نہیں آتا۔ مجھے دلّی سے ایک سرکاری دفتر میں اس کی اچھی نظیر ملی۔ قومی

کونسل برائے فروغِ اُردو اپنے دو رسالے 'اُردو دنیا' اور 'صرف وتحقیق' (قیمتی رسالہ جس کا صحیح نام مجھے یاد نہیں آرہا) [اصل 'فکر وتحقیق'] بھیجتی ہے تو رسالے کی قیمت خریدار سے لیتی ہے اور محصل ڈاک، ہوائی ڈاک تک کا خود دیتی ہے چناں چہ یہ پرچے سو روپے سال کے چندے میں دیے جاتے ہیں اور منحصرین کو ہوائی ڈاک سے بھی۔ آپ مجھے 'ہماری زبان' کے پرچوں کا ہر ماہ کا بنڈل ہوائی ڈاک سے بھیجیے اور ہوائی ڈاک کا محصول اپنے ذمے رکھیے۔ اس کے ہر مہینے مجھے ایک بنڈل ملے۔

اس چٹھی میں اور بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے لیکن میں کچھ نہیں لکھتا اور آپ برا نہیں سمجھ سکتے۔ ملفوف خط ڈاک میں ڈلوا دیجیے۔ شکریہ۔

امید ہے مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۱۱۶)

بہ نام ڈاکٹر خلیق انجم

Porterville Convalescent Hospital

1100 W. Morton Ave

Porterville, CA 93257(USA)

۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۵ء

محبّی خلیق انجم صاحب، تسلیم

میں بہت دنوں سے آپ کو چٹھی لکھنا چاہتا تھا لیکن میری دستخطی تحریر اتنی بگڑ گئی ہے کہ اور تو اور، میں خود اپنی لکھائی کو بہت کم پڑھ پاتا ہوں۔ خوش قسمتی سے اس وقت اُردو لکھنے والے ایک صاحب میرے پاس بیٹھے ہیں اُن سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔ آپ کی کتاب 'غالب کا سفرِ کلکتہ' دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ کئی دفعہ آپ سے ٹیلی فون کرنے کی کوشش کی، لیکن ناکامی رہی۔ لعنت ہو میرے سابق وطن پر کہ یہاں سے آپ کو فون بھی نہیں ہو پاتا۔ آپ کی آواز بالکل صاف سنائی دیتی ہے لیکن میری آواز آپ سن نہیں پاتے۔ معلوم نہیں کہ ادھر سے واقعی آواز گم ہو جاتی ہے یا آپ گم کر دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ اب میں اور میرے اہلِ خانہ امریکہ کے شہری

ہو چکے ہیں۔ آپ کی کتاب کے لیے میں نے قیمت کی بھی پیش کش کی ہے، مگر ابھی تک کتاب نہیں ملی۔ مجھے آپ کی کتاب میں غالبؔ کی فارسی نظم بادِمخالف کی اوّلین روایت دیکھنی ہے۔

بہر حال میں انتظار بہت کروں گا۔ فی الوقت 'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے ایک مراسلہ/ خط بھیج رہا ہوں۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند جین

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام ڈاکٹر راج بہادر گوڑ

(۱)

شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۱۵/مارچ ۱۹۸۳ء

محبِّ محترم۔ تسلیم

ساہتیہ اکادمی ایوارڈ کا مبارک باد کا کرم نامہ کل ملا۔ تہِ دل سے مشکور ہوں۔ دیر سے لکھا تو کیا مضائقہ ہے۔ دیر آید درست آیا۔ یوں بھی میں نے کون سا سنجل کا پاٹ اتارا ہے کہ دنیا بھر سے خراجِ مبارک باد کی توقّع کروں۔ کتاب اعلا درجے کی چیز نہیں۔ ایوارڈ کے لائق نہ تھی۔ معلوم نہیں کیوں اہلِ کرم نے لطف کیا۔

آپ کے والا نامے سے میرا اعزاز بڑھا۔
امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

مکان مقام چمیلی کا منڈوا مزاج کی دیسی رومانیت کو ظاہر کرتا ہے۔ معلوم نہیں وہاں چمیلی کی کثرت سے واقعی سمن زار ہوگا کہ نہیں؟

(۲)

به نام ڈاکٹر راج بہادر گوڑ
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-500134
۲۱/ستمبر ۱۹۸۷ء

محبِّ مکرّم تسلیم

میں نے انجمن ترقّی اُردو (ہند) کی مجلسِ عام سے استعفا دے دیا ہے لیکن اُدھر سے

منظوری کی کوئی اطّلاع ہی نہیں۔ میں بار ہا انھیں لکھ چکا ہوں۔ ابھی گجرال صاحب کی خالی نشست کے لیے نامزدگی مانگی گئی۔ میں نے انھیں سختی سے یہ لکھ دیا ہے کہ میں مجلسِ عام کا رکن نہیں ہوں، مجھے کیوں لکھتے ہیں۔ میں نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ۱- ایک کے بہ جاے دو جگہوں کے لیے نامزدگی۔ ۲- اگر آپ نے مجھے بیلٹ کا کاغذ بھیجا تو میں رجسٹری کو لیے بغیر واپس کر دوں گا۔ چوں کہ آپ مجلسِ عام میں لیڈر آف اپوزیشن ہیں اِس لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے میرا استعفا منظور کرا دیجیے۔ ممنون ہوں گا۔

مخلص

گیان چند

Dr. Raj Bahadur Gaur
Chambeli ka Mandva
1-8-1/99, Surya Nagar
Hyderabad-500020

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام راہؔی فدائی

مکان نمبر ۲۵، سیکٹر ۹، اندرا نگر
لکھنؤ-226016
۲۷ر فروری ۱۹۹۲ء

مکرّمی، تسلیم

آپ کا مجموعۂ مضامین 'اکتسابِ نظر' ملا۔ اس لطفِ خاص کے لیے تہِ دل سے مشکور ہوں۔ آپ نے اہلِ جنوب کی خدمات کو خوب اُبھارا ہے۔ ص ۶۰ کا یہ شعر پُر لطف ہے:

مدراسیوں میں نکلے اُردو زبان والے
اب کیا کریں گے دعویٰ ہندوستان والے

محوؔی صاحب میرے بھی کرم فرما تھے۔ بھوپال کے باشندے تھے۔

دوسرے مضامین بھی معلومات افزا ہیں۔

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

نیازمند
گیان چند

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام جناب رشید حسن خاں

(۱)

۳۶، مالویہ نگر
بھوپال
۷/اکتوبر ۱۹۶۳ء

محبِّ مکرّم تسلیم

مضمون کی نقل ملی۔ ع: ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ آپ نے خوب تحقیق کی ہے اور بڑی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کے مضمون کو پڑھنے کے بعد یہ روشن ہو گیا کہ تاریخ پر نظرِ ثانی کا کام کیا ہی نہیں گیا۔ معیاری کتابوں اور معروف مصنّفوں کی غلطیوں کی نشان دہی بھی ایک خدمت ہے۔ آپ نے سرورؔ اور مجنوںؔ کے بارے میں وہ بات برملا کہہ دی ہے جو سب کے دلوں میں ہے یعنی وہ نقّاد ہیں تاریخِ ادب کے ماہر نہیں لیکن آپ کو یہ کچھ اور سنبھال کر کہنا تھا۔ سرورؔ صاحب کا معاملہ یہ ہے کہ علی گڑھ تاریخ کے لیے علی گڑھ کا صدر شعبۂ اُردو اپنے عہدے کی بدولت تاریخِ ادب کا ڈائرکٹر ہوتا ہے۔ پہلے رشید احمد تھے اب سرور ہیں۔ اس لیے ڈائرکٹر کے سلسلے میں اہمیت و اوصاف کی کوئی بحث ممکن نہیں، ہاں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے انتخاب میں موزونیت کا خیال رکھنا تھا۔

آپ نے لکھا ہے کہ برہان الدین جانم متن میں صحیح تھا غلط نامے میں اس کی تصحیح 'برہان الدین حانم' کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ متن میں 'برہا الدین' ہے، غلط نامے میں اس کی تصحیح 'برہان الدین' کی گئی ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ ایک غلطی کی تصحیح میں ایک صحیح لفظ 'جانم' غلط ہو کر 'خانم' رہ گیا۔ مانم ٹائپ کی خرابی ہے۔

امید ہے آپ کے تبصرے سے دوسری جلدوں میں قدرے احتیاط کی جائے گی۔

بڑا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے یہ گراں بہا مضمون عنایت کیا۔

مخلص گیان چند

Mr. Rasheed Hasan Khan M.A.
40, Jublee Hall, Delhi University, Delhi-6

(۲)

به نام رشید حسن خاں
شعبۂ اُردو، جموّں یونی ورسٹی
جمّوں-180001
تاریخ: ؟؟؟؟

محترمی خان صاحب تسلیم

'اردو املا' مجھے کہاں ملی ہے۔ ایک بار شہباز صاحب سری نگر گئے۔ مجھ سے کہا کہ اردو املا بستر یا بکس میں ہے، واپسی پر دیں گے۔ واپسی میں مجھ سے ملے نہیں اور کتاب ساتھ لے گئے۔ کتاب آجائے تو ضرور مطالعہ کروں گا۔

'ہندستانی زبان' بمبئی میں میرا ایک مضمون 'یاے اضافت اور ہمزہ' آیا ہے۔ معلوم نہیں آپ تک پہنچا کہ نہیں۔ نارنگ سے کہیے کہ آپ کو دکھا دیں۔ آپ اسے پڑھ کر اتّفاق تو نہ کریں گے۔

قاضی صاحب پر لکھوں گا تو لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ان پر کیوں کر لکھوں اور کیا لکھوں۔ ہمارے شعبے کی لائبریری کا حال دگرگوں ہے۔ کتابیں ملتی نہیں، اسی لیے قاضی صاحب کی جملہ تصانیف سامنے آنہیں سکتیں۔ بہرحال کوشش جاری رکھوں گا۔

'تحریک' میں آپ نے مالک رام صاحب کے مرتّبہ دیوان پر جو مضمون لکھا وہ نہایت عالمانہ تھا۔ اس کو پڑھنے سے پہلے مجھے اندازہ تھا کہ دیوان میں ایسی فروگذاشتیں رہ گئی ہوں گی۔ لیکن کہیں کہیں آپ شدتِ جذبات میں بہہ گئے ہیں اور خواہ مخواہ ایسا طنز کرنے لگے ہیں جیسے مالک رام بالکل جاہل اور غیر معتبر ہیں۔ یہ تاثّر نہیں دینا چاہیے تھا۔ بہرحال یہ مضمون بھی آپ کے دیوُکش مضامین میں شامل کیا جائے گا۔ 'اردو املا' نارنگ کے ہاتھ بھجوا دیجیے۔ وہ ۱۳؍ تاریخ کو جمّوں آنے والے ہیں۔

مخلص

گیان چند

(۳)

به نام رشید حسن خاں
شعبۂ اُردو، الٰہ آباد یونی ورسٹی

الٰہ آباد-211002
۹؍اگست ۱۹۷۸ء

ہند بچاؤ دِن
محبِّ مکرّم تسلیم

میں مالک رام پر ایک مضمون لکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے لکھنے سے قبل لازمی ہے کہ آپ نے ان کے دیوانِ غالب پر جو مفصل تبصرہ کیا تھا وہ دیکھ لوں۔ آپ کا یہ مضمون کئی سال پہلے 'تحریک' میں پڑھا تھا۔ اُس وقت 'تحریک' میرے پاس نہیں آتا تھا۔

خیال ہوا کہ یہ مضمون آپ کے مجموعے 'زبان وقواعد' میں شامل ہوسکتا ہے۔ میری کم توفیقی یہ ہے کہ سوءِ اتّفاق سے میں نے اب تک اس فاضلانہ کتاب کو نہیں دیکھا۔ کل لائبریری میں گیا کہ اسے لے آؤں لیکن نہ ملی۔ چوں کہ میں نے الٰہ آباد آنے کے بعد اس کتاب کا آرڈر دے کر منگائی تھی اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ یہ الٰہ آباد یونی ورسٹی لائبریری میں ہے۔ پھر تلاش کروں گا۔

آپ کی تحریر کی فوری ضرورت ہے۔ ہو سکے تو 'تحریک' کا متعلقہ پرچہ یا مضمون کا تراشہ بھیج دیجیے۔ یہ بھی لکھیے کہ کیا یہ مضمون 'زبان وقواعد' میں شامل ہے۔ اگر ہے تو یہ کتاب ضرور ہاتھ آجانی چاہیے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

نیاز کیش
گیان چند

(۴)

به نام رشید حسن خاں
شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد
حیدرآباد-500001
۶؍اکتوبر ۱۹۸۲ء

محبّی تسلیم

آپ کا خط آج ملا۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میں خود محسوس کرتا تھا اور سرؔور صاحب اور

کالی داس گپتا رضا نے بھی لکھا تھا کہ اس میں سب کچھ ٹھونس دیا ہے لیکن کسی نے آپ کی طرح تنبیہ نہ کی تھی۔ کاش یہ رہنمونی طباعت سے پہلے ہوگئی ہوتی۔ مختصر تحریریں ریڈیو یا رسالے والوں کی فرمایش پر لکھی گئی ہیں۔ مجموعے میں یہ سب نہ ہوتیں تو مقالہ زیادہ بہتر اور وزنی ہوتا۔ آپ کی رائے سے مجھے کامل اتّفاق ہے۔

حقائق ختم ہو چکی ہے۔ شاید انجمن ترقّیِ اردو (ہند) کے بک ڈپو میں کچھ جلدیں ہوں۔ اگر وہاں سے مل جائے تو آپ کو پیش کر دوں۔

ترقّی اُردو بورڈ سے چند کتابیں مل گئیں ان میں آپ کی 'زبان اور قواعد' بھی ہے۔ پڑھنے کی فرصت تو نہیں ملی لیکن جستہ جستہ دیکھنے سے اس کی افادیت اور اہمیت کا احساس ہوا۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۵)

بہ نام رشید حسن خاں

A 15، اسٹاف کوارٹرس

سنٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس

حیدرآباد 500134

۲۹ر ستمبر ۱۹۸۳ء

محبِّ مکرّم تسلیم

میری کتاب 'اردو کی نثری داستانیں' کا ہندستانی اڈیشن یوپی اردو اکیڈمی شائع کرے گی۔ میں طبعِ دوم کے اوراق پر نظرِ ثانی کر کے قسطوں میں بھیجتا رہتا ہوں۔ 'فسانۂ عجائب' پر آ کر گاڑی اٹک گئی ہے۔ مجھے ایک استفسار کا جواب جلد از جلد دینے کی عنایت کیجیے۔

'فسانۂ عجائب' کے مطبع مصطفائی لکھنؤ کے ۱۲۶۲ھ کے اڈیشن کے آخر سرورؔ کی طرف سے ایک عبارت ہے جو یوں شروع ہوتی ہے:

''برسوں یہ فسانہ کسادبازاریِ زمانہ سے تہ رہا، مشہور نہ ہوا''۔

اس میں محمد علی شاہ کو بادشاہ اور شرف الدولہ کو نائب السلطنت دکھایا ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں

کہ کیا یہ عبارت کسی اور اڈیشن میں بھی شامل ہے بالخصوص کیا مطبعِ حسنی کے پہلے اڈیشن ۱۲۵۹ھ اور کریم الدّین کے اڈیشن ۱۲۶۱ھ دلّی کے آخر میں؟ مجھے یقین ہے کہ آپ کی دسترس میں یہ دونوں اڈیشن ہوں گے۔ میں گرمیوں کی چھٹیوں میں مغرب کے سفر پر گیا تھا۔ انڈیا آفس لندن میں گیا، وہاں 'فسانۂ عجائب' کا ۱۲۶۲ھ سے پہلے کا کوئی اڈیشن نہیں۔ کئی سال پہلے نیّر مسعود سے ان تواریخ کے بارے میں مراسلت ہوئی لیکن ہم دونوں متفق الرائے نہیں ہو سکے۔

براہِ کرم جلد جواب دینے کی عنایت بے غایت کیجیے۔ امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص گیان چند

آپ کے مرتّبہ 'فسانۂ عجائب' کی اشاعت کب تک ہوگی؟

(۶)

بہ نام رشید حسن خاں

شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد-500001

۱۰؍اکتوبر ۱۹۸۳ء

محبّی تسلیم

میں نے استفسار کا جولسٹ کارڈ آپ کو بھی لکھا تھا ڈاکٹر تنویر علوی کو بھی۔ ایک کارڈ سے دوسرے پر نقل کر دیا تھا۔ آپ کا ۱۳؍اکتوبر کا لکھا کرم نامہ مجھے کل ۱۴؍اکتوبر کو مل گیا۔ جزاک اللہ، معلومات کے لیے تہِ دل سے مشکور ہوں۔

لعنت ہے ان صدورِ شعبہ اور دوسرے حضرات پر جو دوسرے کے کیے ہوئے کام میں اپنا نام جوڑنا چاہیں۔

لعنت ہے ان پر جو ایک فرد کے کیے کام کو صرف اس کے نام سے شائع کرنے کی اجازت نہ دیں۔

اگر آپ نے یہ کام شعبے کے پروجیکٹ کے طور پر شعبے کے ملازم کی حیثیت سے کیا ہے تو بھی اس پر مرتّب کی حیثیت سے آپ ہی کا نام چھپنا چاہیے۔ ہاں اگر کسی اور نے بھی اس میں کچھ کام کیا ہے، وہ نصف سے کم سہی، تو اس کا نام بھی آنا چاہیے۔

سنا ہے موجودہ صدرِ شعبہ اسم بامسمّٰی ہیں یعنی بہت شریف۔ وہ کوئی دیانت دارانہ حل

نکال سکیں گے۔ اگر آپ کا کام جلد شائع ہوکر قارئین کے سامنے نہ آیا تو یہ اردو کا نقصان ہے اور جو اس کا ذمّے دار ہے وہ اُردو دشمن ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا کام تاریخ ساز رہا ہوگا۔ آپ کے مکتوب سے مجھے بہت روشنی ملی۔

مخلص گیان چند

(۷)

به نام رشید حسن خاں
شعبۂ اردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-500134
۱۰/مارچ ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

رسالہ 'سیّارہ' لاہور میں آپ کا مضمون جوش پر دیکھا۔ خوب لکھا ہے۔ اس کے ہر تجزیے سے متّفق ہوں۔ آپ نے مثالیں خوب تلاش کی ہیں۔ خیال پڑتا ہے کہ یہی مضمون یا آپ کا کوئی اور مضمون جوش پر پہلے بھی دیکھا تھا۔ فیض کی زبان پر بھی آپ نے خوب لکھا تھا۔ ان مضامین میں تنقید کے ساتھ ایک تحقیقی شان بھی نظر آتی ہے۔ 'انتخابِ ناسخ' کے مقدمے میں آپ نے پہلے بھی اپنی تنقیدی صلاحیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر آپ کے تنقیدی مضامین کافی ہو گئے ہوں تو ان کا ایک مجموعہ چھاپ دیجیے تاکہ آپ کی علمی شخصیت کا یہ رُخ بھی سب کے سامنے آ جائے، یا پھر مضامین کا ایک مجموعہ شائع کرنے کی سبیل نکالیے جس میں ایک حصہ تحقیقی مضامین کا اور دوسرا تنقیدی مضامین کا ہو۔

میں نے 'اردو ادب' کے ایک مضمون 'ہندستان میں اردو تحقیق: رفتار و معیار، ۱۹۴۷ء تا ۱۹۸۷ء' بھیجا ہے۔ اس کے آخری پیراگراف میں لکھا ہے:

> ''اگر قاضی عبدالودود کی طرح محتاط، دقیق و عمیق تحقیق کی تلاش ہو تو رشید حسن خاں، کالی داس گپتا رضا، عابد پیشاوری اور حنیف احمد نقوی کی سطح دیکھ کر نومیدی کی کوئی وجہ نہیں رہتی''۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص گیان چند

(۸)

به نام رشید حسن خاں
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-500134
۸/نومبر ۱۹۸۸ء

محبّی تسلیم

کرم نامہ ملا۔ شکریہ۔ میں نے خط پر ذاتی اس لیے لکھ دیا تھا کہ ممتحن کو خط لکھنا نامناسب ہوتا ہے۔ اب جب کہ آپ انجمن کو مسوّدہ واپس کر چکے ہیں، خط پر سے 'ذاتی' کا لفظ کاٹ دیجیے اور اس خط کو انجمن میں یا کہیں اور جمع کر سکتے ہیں۔ میں پسِ پردہ کچھ کرنے کا قائل نہیں۔

'ذکر و فکر' کو میں کبھی اپنا قابلِ قدر مجموعہ نہیں مانتا۔ آپ کا تبصرہ میں نے قبول کیا۔ غالباً اپنی زیرِ اشاعت کتاب 'تحقیق کا فن' میں لکھ دیا ہے کہ 'ذکر و فکر' میں آخری طویل جز و نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ ایک ہوس ہے کہ جس طرح شعری اولادِ معنوی ہوتی ہے اسی طرح نثری اولادِ معنوی کو بھی محفوظ رکھا جائے۔ اب میں اس ہوس پر کافی قابو پا چکا ہوں۔ آپ کے پاس جو مجموعہ گیا تھا وہ محض مقدموں اور تبصروں تک محدود تھا۔ یقین مانیے کہ میں نے کئی مقدموں اور تبصروں کو خارج کر دیا ہے اور مجموعے میں نہیں لیا کیوں کہ وہ زیادہ ہلکے تھے۔

دراصل میں اپنے کسی مجموعۂ مضامین پر ناز نہیں کرتا۔ پسند کرتا ہوں صرف ان کتابوں کو جو ایک موضوع پر ہیں یعنی نثری داستانیں، اردو مثنوی، تفسیرِ غالب، عام لسانیات اور بس۔ زیرِ طبع کتابوں کا ذکر نہیں۔ 'لسانی مطالعے' کا آپ نے ذکر کیا۔ اس میں بھی بہت کچرا بھرا پڑا ہے۔ بیورو نے اس کا دوسرا اڈیشن میرے علم کے بغیر چھاپا۔ تیسرے اڈیشن کے لیے کتاب میرے پاس بھیجی۔ میں نے اس میں سے تقریباً دس بارہ مضامین خارج کرنے کو اور تین چار نئے مضمون شامل کرنے کو کہا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ 'یہ ممکن نہ ہو تو کتاب نہ چھاپیے۔ دو اڈیشن نکل آئے ہیں۔ مزید اڈیشن کی کیا ضرورت ہے'۔ شاید انھوں نے میری بات مان لی اور تیسرے اڈیشن کا خیال ترک کر دیا۔

مجھے کئی سال سے ایک بے ضرر سرطانِ خون کا مرض ہے۔ اسے لیوکیمیا (leukemia)

کہتے ہیں۔اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک شدید (acute) جس میں آدمی دو ایک مہینے میں مرجاتا ہے، دوسری مُزمِن (chronic) جو زیادہ عمر کے آدمی کو ہوتا ہے اور عموماً بےضرر ہوتا ہے۔یعنی میرے خون میں دوسروں کے مقابلے میں سفید ٹکیوں کی مقدار بہت زیادہ ہے۔کچھ اور بڑھ جائیں تو کام تمام ہوجائے۔۸۵ء میں میرا وزن ۶۳ کلو تھا۔ستمبر ۸۶ء میں ۵۸ کلو رہ گیا۔۱۹؍جنوری ۸۷ء کو ۵۶ کلو ہوگیا۔اُدھر مجھے جنوری کے آخر میں بخار، کھانسی، بھوک کی کمی وغیرہ ہوئی۔۹؍فروری کو وزن ۵۴ کلو رہ گیا یعنی ۱۸ دن میں دو کلو کم ہوا۔مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں کسی قسم کا cancer پوشیدہ ہے، جلد اپنے علمی کام سمیٹوں۔جسم کے بہت سے test کرائے، کہیں کچھ نہ نکلا۔پھر بھی مجھے یقین نہیں تھا کہ میں ۸۷ء کی گرمیوں کی چھٹی تک زندہ رہوں گا کہ نہیں۔میں نے جلدی جلدی مضامین کے تین مجموعے مرتّب کیے۔دو مجموعوں کے لیے عبدالصمد خاں کو ہموار کیا کہ وہ چھاپ دیں۔آفسیٹ کی کتابت کا صرف میں اٹھا رہا ہوں، طباعت کا وہ اٹھائیں گے۔آپ جن مضامین کا ذکر کررہے ہیں وہ ان مجموعوں میں آگئے ہیں۔

خلیق انجم نے لکھا کہ اگر میں کسی ایک موضوع پر ۳۰۰ صفحے تک کا مجموعۂ مضامین مرتّب کردوں تو وہ اسے چھاپ دیں گے۔نتیجتاً میں نے 'مقدّمے اور تبصرے' کے نام کا مجموعہ تیّار کیا یعنی اس میں دوسروں کی کتابوں کا ذکر ہے۔

امید کے لبِ گویا کا تبصرہ سرسری ہے۔اُدھر سے بہت تقاضا تھا، میں نے لکھا۔میں تنقیدی مضامین نہیں لکھ سکتا۔اس احساسِ کمتری کے سبب برے بھلے ہر طرح کے تنقیدی مضامین کو چھپوانا چاہتا ہوں۔یقین جانیے کہ زیرِ نظر مجموعے یا بقیہ دو مجموعوں میں کوئی ریڈیو تقریر شامل نہیں۔بسا اوقات میں ریڈیو تقریر کو وسعت دے کر مضمون کی شکل دے دیتا ہوں۔'ذکر و فکر' میں کئی تقریریں بغیر اضافہ وترمیم کے ہیں اور ان سے کتاب سبک تر ہوگئی۔

میرا خیال ہے کہ رشید ارشد کی کتاب کا مقدّمہ ہلکا نہیں۔میں نے اس کے مقدّمے میں ذریعۂ تعلیم کے بارے میں بڑی جرأت سے کئی ایسی باتیں کہی ہیں جو اہلِ اردو کو پسند نہ آئیں گی۔

اشکؔ نے بہت سے ناول لکھے۔میں 'گرتی دیواریں' کے علاوہ کسی کو قابلِ قدر نہیں سمجھتا۔آپ اگر وقت نکال کر اس ناول کو پورا پڑھیں تو شاید آپ بھی اسے پسند کریں۔میں اسے پریم چند کے ناولوں سے کسی طرح کم نہیں مانتا۔اس میں پنجاب کے نچلے متوسط طبقے کی

جس طرح مرقّع کشی کی گئی ہے، قابلِ قدر ہے۔ ہندی میں اس کے چار پانچ حصّے نکل چکے ہیں۔ آج کل اشکؔ اس کے آخری حصے کو تصنیف کرنے میں لگے ہیں۔ امریکہ، جرمنی وغیرہ میں اس ہندی ناول کی بہت قدر کی گئی۔ اردو میں اگر اس کے جملہ حصے شائع ہو جائیں تو اہلِ اردو بھی اس کی عظمت کو ماننے پر مجبور ہوں گے۔ یہ واضح کر دوں کہ مجھے اس پر تنقید لکھنے میں بڑی دقّت ہوئی۔ تنقید میں میرا قلم نہیں چلتا۔ ناچار میں نے اس سے اقتباسات کے ڈھیر لگا دیے اور ان پر خفیف سا تبصرہ شامل کر دیا۔ اس کے بارے میں اشکؔ سے میری کافی مراسلت اور اختلاف رہے۔

میری کتاب 'تحقیق کا فن' زیرِ کتابت ہے۔ اسی سلسلے کا آخری کام کرنا چاہتا ہوں۔ بقیہ زندگی میں صرف یہی ایک کام کرنا ہے۔ معلوم نہیں مکمّل کر سکوں گا کہ نہیں۔ یہ ہے اردو تحقیق کی مفصّل تاریخ جس میں میں دوسروں کی تحقیق پر تحقیق کر کے رائے دوں گا۔ تین جلدوں میں لکھنا چاہتا ہوں، ع: سامان سو برس کے ہیں... چار پانچ سال لگیں گے اس کے علاوہ اور کچھ نہ کروں گا۔

پنڈت خانہ کا لفظ پریشان کُن ہے۔ 'باغ و بہار' کے علاوہ پہلے یا بعد میں کہیں یہ لفظ دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔ پلیٹس اور 'فرہنگِ آصفیہ' نے اس کے معنی جیل خانہ، قمار خانہ لکھے ہیں لیکن یہ اندازے سے سوچے گئے ہوں گے۔ ترکیب عجیب ہے۔ 'باغ و بہار' کے ۱۸۰۳ء کے اڈیشن میں سہوِ کتابت سے بندی خانہ کی جگہ پنڈت خانہ تو نہیں چھپ گیا۔ یا کہیں ایسا تو نہیں کہ امّن کے زمانے میں یا اس سے کچھ قبل کسی جیل خانے کا داروغہ یا تھانیدار کوئی سخت قسم کا برہمن، پنڈت رہا ہو اور اس کے زیرِ انتظام جیل خانے کو مقامی لوگ مخول کے طور پر پنڈت خانہ کہتے ہوں۔ یہ میر امّن کا ذاتی لفظ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھیے سرشارؔ نے 'فسانۂ آزاد' میں صبح خیزیے کا لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال کیا ہے جو صبح اٹھ کر دوسروں کے مال کی اٹھائی گیری کریں۔ سرشارؔ سے قبل یہ مرکّب لفظ بھی کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ مقامی استعمال کا ہوگا۔

آپ نے میرے بارے میں جو اچھے الفاظ کہے ہیں، ان کے لیے تہِ دل سے ممنون ہوں۔ میں بھی آپ کی قدر شناسی میں کسی سے کم نہیں اور آپ کا قائل ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۹)

به نام رشید حسن خاں
A15، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-500134

۳؍جنوری ۱۹۹۰ء

محبّی تسلیم

نیا سال مبارک ہو۔ میں نے سنا ہے کہ آپ نومبر ۸۹ء یا شاید اکتوبر ۸۹ء ہی کے آخر میں رٹائر ہو گئے۔ سبک دوشی کے بعد کیا مبارک باد۔ اب آپ دلّی ہی رہیں گے یا شاہ جہان پور چلے جائیں گے۔

'فسانۂ عجائب' کا تحفہ دسمبر کے آخری دن ملا۔ اس کے لیے اپنی قسمت پر نازاں ہوں۔ آپ کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔ اس پر سنہ اشاعت ۱۹۹۰ء درج ہے حالاں کہ تحقیقی صحت کا تقاضا تھا کہ ۱۹۸۹ء ہوتا۔ یہی حرکت انجمن نے میری کتاب 'اردو کا اپنا عروض' کے ساتھ کی ہے۔ رسالے کی شکل میں اس پر شمارہ ۲-۱، ۱۹۸۹ء ڈالا ہے اور کتابی شکل میں ۱۹۹۰ء۔

اردو کی نثری کتابوں میں ابھی تک میری رائے میں مکاتیبِ غالب (عرشی)، تذکرہ از ابوالکلام آزاد (مالک رام)، غبارِ خاطر (مالک رام) اور کربل کتھا (مالک رام و مختارالدین احمد) بہترین تھیں۔ اب ان سب کے اوپر آپ کی مرتّبہ 'فسانۂ عجائب' کو رکھا جائے گا۔ اردو نثر میں بہترین تدوین یہ ہے اور شعر میں نسخۂ عرشی آپ نے مشقت و دیدہ ریزی کی انتہا کر دی ہے اور علم و فضل کے دریا بہا دیے ہیں۔

آپ نے کتاب کے آخر میں نہ کتابیات دی ہے نہ اشخاص و کتب پر مشتمل اشاریہ۔ اشاریے کو آپ نے محض متنِ داستان کے مندرجات تک محدود رکھا ہے۔ اگر مجھے یہ جاننا ہو کہ آپ نے سلیمان حسین کے مرتّبہ 'فسانۂ عجائب' کا کہاں کہاں ذکر کیا ہے تو میں اشاریے کی عدمِ موجودگی میں نہیں جان سکتا۔

ص ۱۱۳ کی پہلی سطر میں بعض وجوہِ تاخیر کی طرف اشارہ ہے جو میں بہ خوبی سمجھتا ہوں۔

اس کتاب کی صحیح طباعت بھی ایک معجزہ ہے اس کے لیے کاتب اور اس کے پروف ریڈر کو (جو آپ ہیں) نوازنا چاہیے۔

اردو تحقیق کی تاریخ کے سلسلے میں میں اگر دوسری جلد تک پہنچ سکا تو اس تدوین پر بھرپور طریقے سے لکھوں گا۔ میں نے طے کیا ہوا ہے کہ اپنے کام کے دوران کوئی مضمون نہ لکھوں گا تاکہ کام میں خلل نہ ہو۔

ابھی میں نے کتاب کے آخری سرورق پر آپ کی سوانح دیکھی۔ معلوم ہوا کہ آپ ۱۰ارجنوری ۱۹۹۰ءکو رٹائر ہوں گے یعنی ۳۱رجنوری کو۔

اگر ترازو کے ایک پلڑے میں آپ کو بٹھا دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں اردو کے متعدد پروفیسروں کو جن کا نام میں منتخب کروں تو میرا خیال ہے کہ آپ ۲۵-۲۰ یونی ورسٹی پروفیسروں سے گراں تر نکلیں گے۔ جائے عبرت ہے کہ یونی ورسٹیوں میں علم کو نہیں کاغذی ڈگری کو دیکھا جاتا ہے۔

امید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

کیا اب فضل الحق صدرِ شعبہ ہو گئے ہیں؟ کیا آپ نے وقت سے پہلے رٹائرمنٹ لے لیا ہے۔

(۱۰)

به نام رشید حسن خاں

چنو ہلز، کیلی فورنیا

۲۲رجون ۱۹۹۸ءسوموار

محبِّ مکرّم تسلیم

پرسوں سنیچر کو تحفۂ غیر مترقبہ ملا۔ اس پر ۱۶۵روپے کے ٹکٹ لگے تھے۔ یہ دیکھ کر میں لرز گیا۔ خود کو مجرم محسوس کر رہا ہوں۔ آپ بحری ڈاک سے بھیجتے تو محصول بہت کم لگتا لیکن اس کے آنے میں تقریباً دو مہینے لگ جاتے۔ بہرحال آپ کا نقصان میرا فائدہ ہوا ہے۔ میں نے پرسوں سے اب تک پورا مقدّمہ دیکھ لیا ہے۔ ضمیموں پر نظر ڈالی ہے۔ جلد ہی ایک تبصرہ لکھ کر 'کتاب نما' کو یا 'ہماری زبان' کو بھیجوں گا۔ اس فاضلانہ کام کی میں صرف قدر کر سکتا ہوں، ایک نکتہ، ایک جملہ بھی اس کے خلاف لکھنے کو نہ ملا۔

اردو دنیا کو آپ کی صحت مندانہ طویل زندگی کی کتنی ضرورت ہے۔ جیسے کام آپ کر رہے ہیں، کوئی دوسرا اس کا پاسنگ بھی نہیں کر سکتا۔ معلوم نہیں آپ کی صحت کا کیا عالم ہے۔ اگر تپِ

دق ہوتو اس زمانے میں اس سے شفا پانا کوئی مشکل نہیں۔

میں آج کل اپنے کئی دانت نکلوا رہا ہوں۔ نیا مصنوعی جبڑا بنواؤں گا۔ خدا (جس کے وجود کا میں قائل نہیں) کرے آپ بہ خیر ہوں۔

مخلص گیان چند

آپ نے کتاب رجسٹری سے بھیجی۔ ہندستان میں ڈاک کے ڈاکوؤں سے بچانے کے لیے یہ ضروری تھا۔ امریکہ میں تو رجسٹری ہوتی نہیں کیوں کہ یہاں ڈاک کھوئی نہیں جاتی۔ آپ کی کتاب گھر کے لیٹر بکس میں رکھی ملی۔ یہاں بڑے بڑے پارسل جن میں کپڑے وغیرہ ہوں، سب کچھ بغیر رجسٹری کے یوں ہی بھیج دیے جاتے ہیں اور وہ لیٹر بکس میں مل جاتے ہیں۔ چیک بُک کا پارسل بھی سادہ ڈاک سے آتا ہے یعنی وہ جس میں بینک بہت سی سادہ چیک بک رکھ کر بھیجتا ہے۔ ڈاک میں کسی چیز کے گم ہونے کا یہاں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ آپ کا ۹؍جون کا بھیجا ہوا پارسل مجھے ۲۰؍جون کو ملا۔ گ۔چ

(۱۱)

به نام رشید حسن خاں
23 NEVADA
IRVINE-CA-92606-1764
(USA)

۱۸؍مارچ ۲۰۰۲ء

محبّی خاں صاحب تسلیم

میری کتاب 'اردو کی ادبی تاریخیں' انجمن ترقّی اردو پاکستان سے جولائی ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی۔ میں نے اس کی ایک جلد آپ کو بھجوائی ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ سے دریافت کیا تھا۔ اب پھر عرض کرتا ہوں کہ لکھیے آپ کو مشفق خواجہ سے اس کا نسخہ ملا کہ نہیں؟

آج کل کس کتاب کی تدوین کر رہے ہیں؟ امید ہے کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔ یہ خط خلیق انجم صاحب کے لفافے میں رکھ کر بھیج رہا ہوں۔

مخلص گیان چند

Mr. Rasheed Hasan Khan
167-Baroozai-2, Shajahanpur (U.P), Pin: 242001

~~~~~~~
~~~~~~~

بہ نام رفیع الدّین ہاشمی

(۱)

Gian Chand Jain
University of Hyderabad, Hyderabad-500001
M.A., D.Phil.D.Lit
M.A.C. Sociallogy
Professor of Urd

گھر کا پتا: A 15، سنٹرل یونیورسٹی [یونی ورسٹی] پوسٹ آفس حیدرآباد-500134 (انڈیا)

۵رمئی ۱۹۸۶ء

محبّی! تسلیم۔

آپ کا ۲۴راپریل مقامی کرم نامہ مجھے ۲۸راپریل کو ملا۔ شکریہ۔

ہاں صاحب، آپ سے نہ ملنے کا مجھے بھی قلق ہے۔ میرے پانو کی ہڈی کو بھی سمینار [سیمی نار] کے دنوں میں چٹخنا تھا۔ گزشتہ [گذشتہ] سال بین الاقوامی جشنِ مزاح کے موقعے پر میں آنکھوں میں موتیابند کے آپریشن کی وجہ سے معذور تھا، اِس سال پانو کی وجہ سے نارسائی اور محرومی میرا مقدّر ہے۔ میں شہر سے دُور رہتا ہوں۔ ۲۱راپریل سے پہلے سمینار [سیمی نار] میں نہ آسکنے پر میں نے دو شعر کہے:

فنا کی سمت چلا جارہا ہوں تیزی سے
گِلہ ہو کیوں مجھے اپنی شکستہ پائی کا
حیدرآباد میں، حیدرآباد سے
دُور رہتے ہیں ہم، ہے یہ کیسا ستم

یہاں شہر والوں کو بھی پہنچنا مشکل ہے۔ آپ کے لیے تو اور بھی زیادہ مشکل تھا۔ میرے شعبے کے رحمت علی خاں نے چُوک کی۔ آپ کو بس میں بٹھا دیتے تو آپ یہاں آجاتے۔ تاراچرن رستوگی بھی میرے پاس آنے کے لیے تڑپا کیے۔ نہ آسکے، چلے گئے۔ اُن کا بھی دُکھ بھرا خط ملا۔ تمام مندوبین میں مَیں صرف آپ سے ملنے کا مشتاق تھا کیوں کہ محقّقینِ اقبال میں

ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ آپ سے کچھ باتیں دریافت کرنی تھیں۔ میرے پاس اقبال پر چھوٹے بڑے کئی مضمون رکھے ہیں۔ آپ کو دے دیتا کہ پاکستان کے رسالوں میں شائع کرا دیتے۔ ''کلامِ اقبال کے دو مخطوطے'' اقبالیات میں شائع ہوگا۔ بقیہ مضامین کے لیے، میں چاہتا تھا کہ اقبال سے مخصوص پرچوں میں بھیجوں یا کم از کم تحقیقی پرچوں میں۔ مجھے علم نہیں کہ وہاں کے کون سے پرچے مناسب ہیں۔ پاکستان کی ڈاک اتنی مہنگی ہے کہ فرداً فرداً پرچوں کو کچھ بھیجنا مشکل ہے۔

اب آپ کم از کم ایک سوال کا جواب مجھے لکھ دیں۔

آپ نے رسالہ نقوش اقبال نمبر ا، شمارہ ۱۲۱، بابت ستمبر ۱۹۷۷ء میں ۱۰ ر پر ۱۸۹۲ء کے تحت لکھا ہے:

''زبان، دہلی کے شمارہ نومبر میں ایک غزل شائع ہوئی جو اقبال کی قدیم ترین مطبوعہ دستیاب غزل ہے''۔

میں اقبال کی نومبر ۱۸۹۲ء کی کسی غزل سے واقف نہیں۔ براہِ کرم اِس غزل کی نقل اور اس کا ماخذ (یعنی یہ کہاں سے لی ہے) مجھے لکھ بھیجیے۔

مجھے زبان، دہلی میں شائع شدہ ذیل کی تین غزلوں ہی کا علم ہے:

ستمبر ۱۸۹۳ء آپ تیغ یار تھوڑا سا نہ لے کر رکھ دیا

نومبر ۱۸۹۳ء کیا مزہ بلبل کو آیا شیوۂ بے دود کا

فروری ۱۸۹۴ء جان دے کر تمھیں جینے کی دُعا دیتے ہیں

براہِ کرم جواب دینے کی زحمت ضرور کیجیے۔ مجھے یہ یقین ہے کہ آپ سے کبھی نہ کبھی پھر ملنا ضرور ہوگا۔ میں فروری ۱۹۸۷ء میں رِٹائر [ریٹائر] ہو رہا ہوں۔ ہندستان کی یونیورسٹیوں [یونی ورسٹیوں] کے شعبہ جاتِ اُردو میں سب سے سینئر پروفیسر ہوں یعنی اکتوبر ۱۹۶۵ء میں یونیورسٹی [یونی ورسٹی] پروفیسر ہوگیا تھا۔ آپ کے علم اور تصانیف کا قدرداں ہوں۔ حال میں اقبال سیمنار [سیمی نار] کے سووینیر میں آپ کا تعارف دیکھ کر تعجب ہوا۔ آپ نے ۱۹۶۶ء میں ایم اے پاس کیا جب کہ میں ایک سال پہلے پروفیسر ہوگیا تھا۔ اِس لحاظ سے آپ تو بالکل بچّے ہیں۔ جب تک آپ کو نہ دیکھا تھا میں سمجھتا تھا کہ آپ کوئی بزرگ آدمی ہوں گے۔

یہاں تک خط لکھنے کے بعد طے کیا کہ تین مضامین آپ کو بھیج دوں۔ آپ اِنھیں مناسب

پرچوں میں بھیج دیجیے۔ آپ کو ڈاک کے مصارف اٹھانے پڑیں گے۔ پہلے میں سوچتا تھا کہ مشفق خواجہ کو بھیجوں لیکن آپ چوں کہ ماہرِ اقبالیات ہیں اِس لیے آپ کی مدد زیادہ کارگر رہے گی۔ مصارف کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔ یہاں سے کچھ نہیں بھیج سکتا۔ آپ سے نئے نئے مراسم ہوئے ہیں۔ اِن کا آغاز اِس زحمت دہی سے کر رہا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ ''اقبالؔ کا منسوخ اُردو کلام'' میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ کسی رسالے کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی دقّت ہو تو سب رس کراچی کو بھیج دیجیے، وہ ضرور شائع کر دیں گے۔

اُمید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج مع الخیر ہوگا۔ یہ خط کل سہ پہر یونیورسٹی [یونی ورسٹی] بھیجوں گا جہاں سے پرسوں سپردِ ڈاک ہوگا۔

آپ خط لکھیں تو یہ بھی لکھیے کہ آپ کا وطنِ مالوف کیا ہے؟ کیا لاہور ہی ہے؟ میری کتاب ''ابتدائی کلامِ اقبال، بہ ترتیبِ مہ و سال'' اشاعت کے لیے تیّار ہے۔ چھپ کر تقریباً ۴۵۰ صفحات ہوں گے۔ جولائی ۱۹۰۸ء تک کا اُردو کلام ہے جس میں منسوخ اور متداول کو ملا جُلا کر لکھا ہے۔ حواشی ہیں، اختلافِ نسخ ہیں۔ کیا یہ کتاب پاکستان میں شائع ہوسکتی ہے؟ مشفق خواجہ نے تو لکھ دیا کہ پاکستان میں شائع نہیں ہوسکتی۔ ہندستان میں ابھی تک مجھے کوئی ناشر نہیں ملا۔ ساتھ میں منسلک تین مضامین۔

مخلص

گیان چند

(۲)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

A 15، سنٹرل یونیورسٹی [یونی ورسٹی] پوسٹ آفس

حیدرآباد - ۵۰۰۱۳۴، ہندستان

۲۳/ جون ۱۹۸۶ء

محبّی! تسلیم۔

میں نے رجسٹری سے اپنے کئی مضامین آپ کو بھیجے تھے کہ پاکستان کے مختلف رسالوں میں شائع کرانے کا کرم کریں۔ مجھے اِن کی رسید نہیں ملی۔ کیا اقبالؔ پر میرے کام کی اشاعت کی

اُدھر کوئی سبیل ہو سکتی ہے [؟]
اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص
گیان چند

(۳)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
15 A، سنٹرل یونیورسٹی [یونی ورسٹی] پوسٹ آفس
حیدر آباد-۵۰۰۱۳۴، ہندستان
۲۱/جولائی ۱۹۸۶ء
محبّی! تسلیم۔

آپ کا ۳/جولائی کا لطف نامہ مجھے ۱۸/جولائی کو ملا۔ ممنون و مشکور ہوں۔ ساتھ کا رقعہ مدیرِ اقبالیات کو پہنچا دینے کی زحمت کیجیے۔

آپ نے میرے مضامین بہت معیاری رسالوں کو دیے ہیں۔ آپ کی اِس عنایت کے لیے شکریہ عرض کرتا ہوں۔ میں نے مدیرِ سب رس، کراچی کو لکھا تھا کہ آپ سے کوئی مضمون حاصل کر لیں۔ اب اُنھیں نہ دیجیے۔ میرے پاس کئی غیر مطبوعہ مضامین ہیں۔ میں یہاں سے اُنھیں براہِ راست بھیج دوں گا۔

''ابتدائی کلامِ اقبال'' کو یہاں ہندستان ہی میں ایک کرم فرما نے شائع کرنے کا وعدہ کر لیا ہے اِس لیے آپ کو مزید زحمت نہ دوں گا۔ میں نے آپ کا مضمون ''بالِ جبریل کا مترادف کلام'' دیکھا ہے۔ میرے پاس آپ کی کتاب ''تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ'' نہیں ہے لیکن میں نے اِس سے مفصّل استفادہ کیا ہے۔ کسی ذریعے سے میرے پاس بھجوا دیں تو اِس دان پر آپ کو بہت سا پُن ملے گا۔

میں نے اپنی دو کتابیں خود شائع کیں۔ حقائق اور ذکر و فکر۔ حقائق کا اڈیشن ختم ہو چکا ہے۔ ذکر و فکر میرے پاس ہے۔ جب آپ یہاں اپریل ۱۹۸۶ء میں غریب خانے پر آنے کا پروگرام بنا رہے تھے، میں نے یہ کتاب آپ کے لیے نکال کر رکھّی تھی۔ اب کسی طرح آپ کو بھجواؤں گا۔ پاکستان کی ڈاک بہت مہنگی ہے، کسی کے ہاتھ دستی بھیج سکا تو سہولت ہو گی۔

لوگوں سے کہہ رکھوں گا کہ کسی قاصد کی خبر دے دیں۔ آج کل میں ایک کتاب تحقیق کا فن لکھنے میں مصروف ہوں۔ میں نے انگریزی کی ۲۵ کتابیں پڑھی ہیں لیکن زیادہ تر اپنی معلومات پر تکیہ کر رہا ہوں۔ اُردو کے حساب سے لکھ رہا ہوں۔ پاکستان میں اِس قسم کی کتابیں لکھّی گئی ہوں گی۔ میری نظر سے کوئی نہیں گزری۔ ایک صاحب عبدالصمد خاں ہیں جو اَب کلکتہ چلے گئے ہیں، اُن کے پاس ہیں۔ میں نے اُنھیں لکھّا ہے کہ بھیج دیں۔ میری دوسری کتابوں میں سے کئی Out of Print ہیں۔ حیدرآباد میں کوئی نہیں ملتی۔

یکم جون ۱۹۸۶ء کے ہماری زبان، دلّی میں میرا ایک مضمون ''اقبالؔ سے متعلّق کچھ تحقیق پارے'' شائع ہوا ہے۔

یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اقبالؔ کی قدیم ترین غزل ستمبر ۱۸۹۳ء ہی کی ہے۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۴)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

A 15، سنٹرل یونیورسٹی [یونی ورسٹی] پوسٹ آفس

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴، ہندستان

۱۱راگست ۱۹۸۶ء، شام

محبّی! تسلیم۔

آپ کا بغیر تاریخ کا کرم نامہ نیز بیش بہا مضمون ملا۔ مضمون قیمتی ہے لیکن چوں کہ اِس میں ۱۹۰۸ء تک کا کوئی کلام نہیں اِس لیے میں اپنی کتاب کے لیے اِس سے استفادہ نہ کر سکا۔

اقبال اکادمی کے لیے دو خط آپ ہی کو بھیج رہا ہوں تا کہ آپ بھی پڑھ لیں اور پھر اِسے وہاں پہنچانے کی بہ نفسِ نفیس زحمت کریں۔ مجھے پاکستان جانے والے حضرات کا علم نہیں ہو پاتا۔ اپنی کتاب ذکر وفکر آپ کو بھیجنی ہے، تلاش میں رہوں گا۔ آپ کا پچھلا خط مجھے مل گیا تھا جس میں آپ نے لکھّا تھا کہ رسالہ زبان میں ۱۸۹۲ء میں کوئی غزل شائع نہیں ہوئی تھی۔

آپ کے الطاف واکرام کے لیے تہِ دل سے مشکور ہوں۔ اُمید ہے آپ بخیر [بہ خیر]

ہوں گے۔

مخلص
گیان چند

(۵)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
A 15، سنٹرل یونیورسٹی [یونی ورسٹی]
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴، ہندستان
۷؍اگست ۱۹۸۷ء

محبّی! تسلیم۔

میری ایک ریسرچ اسکالر صبیحہ نسرین پاکستان جارہی ہے۔ اس کے ہاتھ کتاب ذکر و فکر بھیج رہا ہوں۔ یہ کتاب ایک قسم کا بھان متی کا پٹارہ ہے۔ اِس میں آخری تبصرے نہ ہوتے تو اِس کی قیمت میں اضافہ ہوتا۔

میری کتاب ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیبِ مہ وسال کی آفسیٹ کتابت مکمّل ہوگئی ہے اور اِس کی بار بار تصحیح کردی ہے۔ اب عبدالصمد خاں کے خط کا انتظار ہے کہ وہ اِسے پریس کو بھجوادیں۔

سیّارہ کے لیے ایک مفصّل مضمون ''ترانۂ ہندی کی کہانی'' بھیج رہا ہوں۔ وہ اقبال نمبر نکالیں گے اِس میں شامل کرنے کے لیے ہے۔

آپ نے کسی کے ہاتھوں میرے لیے کچھ چیزیں بھیجی ہیں۔ انجینئرنگ کالج عثمانیہ یونی ورسٹی کے وہ استاد ایک نکاح میں مجھے ملے تھے۔ میں نے اُن سے کہا تھا کہ وہ یہ تحفہ، عثمانیہ [یونی ورسٹی] کے شعبۂ اُردو میں پہنچادیں وہاں سے کوئی مجھ تک لے آئے گا۔ ابھی تک مجھے نہیں ملا۔ بہرحال اِس نعمتِ غائبانہ کے لیے مشکور ہوں۔ دوچار دن میں مل جائے گا۔ صمد صاحب ہی معلوم کریں گے کہ میری اقبال کی کتاب اقبال اکادمی، پاکستان بھی چھاپ سکتی ہے کہ نہیں۔

حاملِ رقعہ لڑکی میراں جی شمس العشاق پر کام کررہی ہے۔ آپ اِس کی تو کیا مدد کرسکیں گے؟ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔

مخلص
گیان چند

(۶)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
A 15،سنٹرل یونیورسٹی[یونی ورسٹی]
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴،ہندستان
۷راگست۱۹۸۷ء

محبّی! تسلیم۔

دودن پہلے سیّارہ کا شمارہ ۱۲۴اشاعتِ خاص ملا۔تہِ دل سے مشکور ہوں۔آپ کے خطوط بھی ملتے رہتے ہیں۔حالیہ شمارے میں ڈاکٹر تحسین فراقی کا مضمون ''مسلم فلسفہ میں زبان کا مسئلہ:علاّمہ اقبال کی ایک نایاب تحریر کی روشنی میں'' اقبالیات میں ایک اضافہ ہے۔

آپ غالبًا اقبال نمبر نکالنے والے ہیں۔ایک مضمون ''ترانۂ ہندی کی کہانی'' بھیج رہا ہوں۔اِسے شامل کر کے ممنون کیجیے۔

اُمید ہے آپ حضرات بخیر[بہ خیر] ہوں گے۔

زیراکس نقل ٹھیک نہیں آئی۔کاتب کو اِس کے پڑھنے میں زحمت ہوگی۔اِس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۷)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
Univesity of Hyderabad
Phones: 558220, 550396
۲۴رستمبر۱۹۸۷ء

محبّی! تسلیم۔

آپ کا ۱۳رستمبر کا کرم نامہ مقامی ڈاک سے پرسوں ۲۲رستمبر کو ملا۔شکریہ۔آپ نے مضامین کے جو تراشے بھیجے تھے وہ حیدرآباد پہنچنے کے ایک ماہ بعد میں حاصل کر سکا۔پاکستان سے حیدرآباد تک کا فاصلہ جلدی طے ہوجاتا ہے لیکن شہر حیدرآباد سے مضافات تک آنے میں

عرصۂ دراز درکار ہوتا ہے۔

میری ایک ریسرچ کی طالبہ ۲۰/اگست کو یہاں سے کراچی گئی تھی بعد میں اُسے لاہور جانا تھا اور آپ سے ملنا تھا۔ میں نے اُس کے ہاتھ ذکر وفکر کی ایک جلد نیز آپ کے کرم نامے کا جواب بھیجا تھا۔ حیرت ہے کہ وہ سست گام ابھی تک آپ کے پاس نہیں پہنچی، بہرحال پہنچ جائے گی۔ ذکر وفکر کوئی اچھا مجموعہ نہیں ہے۔ اِس سے بہتر ہے حقائق۔ میں نے دیکھا تو میرے گھر میں کُل ملا کر چار پانچ جلدیں نکل آئیں۔ایک جلد آپ کو بھیجوں گا۔ یہاں سے آپ کے ہم نام فاروقی تک کتاب بھیجنا بھی ایک مسئلہ ہے۔ کسی کے ہاتھ بھیجوں گا۔ یہ کم بخت RTC کراس روڈ کا نام توسُنا ہے، اِسے کھوجنا ممکن نہیں، اِس لیے عثمانیہ یونی ورسٹی ہی میں دوں گا۔

آپ مجموعے میں میرا مضمون ''اقبال کا منسوخ اُردو کلام'' شائع کر دیجیے۔ شاید اِس موضوع پر کسی اور نے اِس انداز سے نہ لکھا ہو۔ میں نے صبیحہ نسرین (میری ریسرچ اسکالر) کے ہاتھوں ایک مضمون ''ترانۂ ہندی کی کہانی'' رسالہ سیّارہ، لاہور کے اقبال نمبر کے لیے بھیجا ہے۔ وہ اِس مضمون کو آپ ہی کو دے گی۔ یہ بھی اچھا تحقیقی مضمون ہے۔ مجموعے میں آپ اِسے لینا چاہیں تو منسوخ کلام کو چھوڑ کر اِسے لے سکتے ہیں۔ اگر آپ کو یہ مضمون مل گیا ہو یا سیّارہ کو اِس لڑکی نے کراچی سے ڈاک سے بھیج دیا ہو تو دونوں مضامین کو پڑھ کر انتخاب کر لیجیے۔ اگر دونوں کو شامل کیا جا سکے تو کیا کہنا۔

یہ غلط ہے کہ میں علیل ہوں یا تھا۔ جب آپ نے مجھے پاشکستہ دیکھا تھا، اُس کے بعد زکام کھانسی یا کبھی کمر میں درد تو ضرور ہوا ہے لیکن ایسا نہیں کہ جس کی وجہ سے مجھے یونیورسٹی [یونی ورسٹی] سے ایک دن کی چھٹی بھی لینی پڑی ہو۔ ہاں! آپ کہاں سے میرے عقائد کے پھیر میں پڑ گئے۔ میں جین مذہب کا فرد ہوں۔ قاعدہ ہے کہ انسان جس مذہبی گروہ میں پیدا ہوتا ہے، اُسی پر عقیدہ رکھتا ہے۔ خاندان اور ماحول کی وجہ سے اُس پر اتنا Suggestion اور Brain Washing ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کو عقل کی رو سے مکمّل ترین سمجھنے لگتا ہے۔ کسی کو اپنے مذہب میں خامی نہیں دکھائی دیتی جب کہ دوسرے مذاہب کی خام خالیاں بل کہ لغویت خوب دکھائی دیتی ہیں۔ نفسیاتی شعبدہ بازی کا یہی اثر ہے۔ آپ اسلام کو بہترین مذہب سمجھتے ہیں، میں جین دھرم کو۔ میں اپنے مذہب میں عقیدہ رکھتا ہوں لیکن تعقّل پرستی کی وجہ سے محض ۵۰ فی صد۔ بقیہ بہت سی روایات کو ایجادِ بندہ اور اساطیر کو بے اصل جانتا ہوں۔ بہرحال میں غیبی

طاقتوں کو مانتا ہوں۔ یہ یقینی ہے کہ اِس دُنیا کے علاوہ اور بھی کوئی دُنیا ہے۔حیات قبلِ ولادت اور حیات بعدِ ممات کا قائل ہوں۔ یہ مانتا ہوں کہ انسان کا ازدواجی رشتہ اور انسان کی موت پہلے سے طے شدہ ہے، جس میں ہماری کوشش کوئی دخل نہیں دے سکتی۔ لیکن حقیقت کیا ہے؟ اِس کا علم نہیں۔ تناسخِ ارواح یعنی آواگون یعنی انسان کے بار بار جنم لینے کا معتقد ہوں۔ پھر بھی یہ واضح کرنا چاہوں گا کہ جین دھرم ایک خُدا کو نہیں مانتا۔ میں بھی اِسی عقیدے پر قائم ہوں یعنی موحّد نہیں ہوں، مشکّک ہوں۔

آپ کو اِس سب کے تردّد میں نہیں پڑھنا [پڑنا] چاہیے تھا۔ ہمارے دو محقّق قاضی عبدالودود اور رشید حسن خاں کسی مذہب کے قائل نہیں تھے۔ دونوں کو دہریہ کہا جاسکتا ہے۔ ادب کی تحقیق میں اِس کے مذکور کی ضرورت نہیں، ہاں اُن کی شخصیت زیرِ بحث ہو تو اِس پہلو کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ میرا مسلک یہ ہے کہ مذہب سے قطعِ نظر کسی انسان کی خوشی میں اضافہ کرسکو تو یہ بہترین ہے۔ اگر یہ نہ کرسکو تو تم سے کم کسی انسان کے مصائب اور آلام میں اضافہ نہ کرو۔ یہی اصل مذہب ہے۔

یوپی اُردو اکیڈمی، لکھنؤ نے میری کتاب ''اُردو کی نثری داستانیں'' کا تیسرا اڈیشن اضافہ و ترمیم شدہ (پہلا ہندستانی اڈیشن) شائع کردیا ہے۔ اقبالؔ کی کتاب کی کتابت شدہ کاپیاں عبدالصمد خاں لے گئے تھے، دیکھیے کب تک چھپتی ہیں۔

اُمید ہے آپ بخیر [بہ خیر] ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۸)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

شعبۂ اُردو

سنٹرل یونیورسٹی [یونی ورسٹی]، حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴

۲۶/اکتوبر ۱۹۸۷ء

محبّی! تسلیم۔

رفیع الدّین فاروقی صاحب کی مدد لے کر آپ کو حقائق کی ایک جلد بھیج رہا ہوں۔ میری

جو شاگردہ پاکستان گئی تھی وہ بوجوہ لاہور میں محض ایک دن ٹھہر سکی اور فوراً ہندستان آ گئی۔ اُس نے ڈاک کے پارسل سے ذکر وفکر آپ کو بھیج دی تھی۔ اُمید ہے مل گئی ہوگی۔

ساتھ میں ملفوف دو چٹھیاں آپ پڑھ لیجیے اور انھیں مکتوب الیہم کو بھیجنے کی زحمت کیجیے۔ میری اقبال کی کتاب عبدالصمد خاں لے گئے ہیں۔ معلوم نہیں کب تک شائع ہوگی۔ آفسیٹ کتابت اُن کے پاس ہے۔ تحقیق کا فن نامی کتاب کی جو صورتِ حال ہے وہ جمیل جالبی صاحب کے خط سے آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ آپ اِس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکتے ہیں؟ کیا مقتدرہ یا انجمن پاکستان کے کسی شہری کو اِس کا معاوضہ دے سکتی ہے یا کبھی میرا پاکستان آنا ہو تو کیا مجھے معاوضہ مل سکتا ہے؟

اُمید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بخیر[بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۹)

بہ نام رفیع الدّین ہاشمی

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونیورسٹی[یونی ورسٹی]
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴، ہندستان

۶ردسمبر ۱۹۸۷ء

محبّی! تسلیم۔

آپ کا ۲۵رنومبر کا کرم نامہ پرسوں ۴ردسمبر کو ملا۔ جواب میں حسبِ ذیل معروضات ہیں:

۱- مضمون ''ترانۂ ہندی کی کہانی'' ص ۸ پر اُسی جگہ ختم ہو گیا ہے جو آپ کے پاس ہے یعنی ''کم از کم ہندستان میں'' پر۔ یہ صفحہ واپس کر رہا ہوں۔ ترانے کا تراشا بھیجنے کے لیے آپ کا تہِ دل سے ممنون ہوں۔ آپ میری نہ صرف ادبی مدد کر رہے ہیں بل کہ ہمہ وقت پاکستان میں میری شہرت کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ تراشے کی مدد سے مضمون کے ص ۳ میں بہت سا اضافہ کیا، ص ۴ میں صرف تین جگہ۔ اب آپ ص ۳، ۴ کی نئی کاپی کو پُرانی کاپی کی جگہ رکھ دیجیے۔ مضمون کا ایک off print مجھے بھجوا دیجیے۔

۲- دو چار دن پہلے ایک مختصر مضمون لکھا تھا۔ اِس میں اضافہ کیا اور آج ہی صاف کیا

"کیا علامہ اقبال نے غیر موزوں اشعار کہے تھے"۔ اِسے اورینٹل کالج میگزین کے اقبال نمبر میں دے دیجیے۔ مشکور ہوں گا۔

۳- یہاں کی اقبال اکیڈمی کو توجہ دلاؤں گا کہ ڈاکٹر اقبال کی پچاسویں برسی شاندار طریقے سے منائیے۔ آپ کو بلائیں تو اب کی بار تفصیل سے ملاقات ہو۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔

۴- وقار عظیم صاحب کی پروفیسر کی تاریخ دُرست کرنے پر شکریہ۔ سجّاد باقر رضوی صاحب ہندستان میں اب بھی معروف نہیں۔ پاکستان میں ضرور اِن کا اہم مقام ہوگا۔

۵- رفیع الدّین فاروقی کو حقائق میں نے نومبر کے اوائل میں بھیج دی تھی۔ حیرت ہے کہ وہ ۲۵/نومبر تک آپ کو نہ دے سکے۔

۶- "علم و دانش"، سری نگر کا ایک بہت گھٹیا رسالہ تھا۔ اِس کے اڈیٹر وہاں کے ایک سابق وزیر پیر غیاث الدّین تھے۔ ظاہر ہے دو ایک سال میں یہ پرچہ بند ہو گیا ہوگا۔ ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۴ء میں نکلا ہوگا۔ میرے سامنے "علم و دانش" جلد ۲، شمارہ ۲، ۳، ۴، ۵ اقبال نمبر دوم ہے۔ اِس کا سائز رسالوں کا عام سائز یعنی بانگِ درا جیسا ہے۔ صفحات ۸۰ ہیں۔ اقبال نمبر ا شاید جلد ۲ کا شمارہ ا رہا ہو۔ اِس میں ۱۱ مضامین ہیں جن میں صرف چار اقبال سے متعلق ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱- علّامہ اقبال بیدارِیِ مشرق کا شاعر — سیّد میر قاسم
۲- اقبال اور تصوّف (افتتاحی خطاب) — پیر غیاث الدّین
۳- علّامہ اقبال (تقریر) — ڈاکٹر شکیل الرّحمٰن
۴- صدارتی تقریر — رضی الحسن حسین، وائس چانسلر، کشمیر یونی ورسٹی

(یہ تقریر اِسی رسالے کے اقبال نمبر کی اشاعت پر کی گئی)

رسالہ کاغذ، کتابت اور طباعت کے لحاظ سے اچھا نہیں۔ میں اپنی کتاب تحقیق کا فن کا مسوّدہ اشاعت کے لیے مقتدرہ قومی زبان کو بھیج رہا ہوں ڈاک سے۔ اِس میں یہ مضامین رکھ رہا ہوں۔ مقتدرہ والے کوئی معاوضہ دینے کو تیّار نہیں۔ میں نے لکھّا ہے کہ مشفق خواجہ کے نام کاپی رائٹ کرتا ہوں۔ دیکھیے اُنھیں دیتے ہیں کہ نہیں۔

میں چاہتا تھا کہ اپنی دو تین کتابیں، جو ہندستان میں چھپ چکی ہیں، پاکستان میں بھی

چھپوادوں۔ یہ کتابیں وہ ہیں جو ایک موضوع پر ہیں یعنی:

۱- ''اُردو مثنوی شمالی ہند میں'': اِس کا دوسرا اڈیشن آج کل میں انجمن ترقّیِ اُردو (ہند) سے شائع ہونے کو ہے۔

۲- ''تفسیرِ غالب'': غالب کے غیر متداول کلام کی شرح، یہاں ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی تھی۔

۳- ''عام لسانیات'': ۹۱۰ صفحوں کی کتاب جو ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔

۴- ''ادبی اصناف'': کوئی ۱۸۰ صفحات کی کتاب جو گجرات اُردو اکیڈمی سے شائع ہونے کو ہے۔

پاکستان میں اِنھیں کوئی کسی بھی شرط پر چھاپ دے، میں تیّار ہوں۔ جب حقائق اور یہ مضمون آپ کو مل جائے تو کسی کے ذریعے رسید بھجوا دیجیے۔ شکریہ۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۱۰)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونیورسٹی [یونی ورسٹی]
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴، ہندستان

۱۶/جنوری ۱۹۸۸ء

محبّی! تسلیم۔

آپ کا ۳۰/دسمبر کا مکتوب بروقت مل گیا تھا۔ شکریہ۔

نئے سال کی دعاؤں کے لیے شکریہ۔ میں بھی خُدا سے دُعا کرتا ہوں کہ یہ سال آپ کے لیے شادمانی و ترقّیِ درجات کا وسیلہ ثابت ہو۔ آمین

براہِ کرم ساتھ کا خط قمر رئیس صاحب کو راولپنڈی بھیج دیجیے۔ ممنون ہوں۔ آپ اِسے پڑھ لیجیے۔

جی چاہتا ہے آپ سے مسلسل مراسلت کروں لیکن پاکستان کی ڈاک مشکل اور مہنگی ہے،

اِس لیے دیر ہو جاتی ہے۔ ابھی تک تحقیق کا فن کی اسلام آباد سے رسید نہیں آئی۔ میں نے کسی طرح ہوائی ڈاک سے اُنھیں دسمبر کے اوائل میں یہ مسوّدہ بھیج دیا تھا۔ یہاں یو پی اُردو اکادمی، لکھنؤ نے اِس کی اشاعت کی ہامی بھر لی ہے۔

مجھے اہل وعیال سے تحقیق وتصنیف میں کبھی رکاوٹ نہیں ہوئی۔ میرے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہیں۔ نومبر ۱۹۷۶ء سے وہ سب الگ ہیں۔ اب سب کی شادی ہو چکی ہے۔ پچھلے ۱۱ سال سے میں اور میری اہلیہ تنہا رہتے ہیں۔ اِس سے پہلے جب بچّے ساتھ بھی تھے مجھے اِن کے لیے بالکل وقت نہ دینا ہوتا تھا۔ حسبِ دلخواہ [دل خواہ] اپنا وقت لکھنے پڑھنے میں گزارتا تھا۔ اب تو پورا وقت میرا ہے۔

قاضی عبدالودود مجرّد نہیں تھے۔ اِن کے ایک بیٹے کا مجھے علم ہے۔ لیکن قاضی صاحب نے ساری عمر معاش کے لیے کچھ نہیں کیا۔ اِن کا پورا وقت تصنیف وتالیف کے لیے تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ مشفق خواجہ کے بچّے نہیں ہیں۔ اُمید ہے آپ بخیر [بہ خیر] ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۱۱)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

A 15، سنٹرل یونیورسٹی [یونی ورسٹی]

حیدرآباد -۵۰۰۱۳۴، ہندستان

۲۰ر اپریل ۱۹۸۸ء

مُحبّی! تسلیم۔

کئی مہینے پہلے میں نے آپ کو ایک مضمون ''ترانۂ ہندی کی کہانی'' کسی رسالے میں اشاعت کے لیے بھیجا تھا۔ آپ نے اِس سلسلے میں مرغوب ایجنسی کے ترانے کا تراشا بھیجا۔ میں نے مضمون کو ضروری ترمیمات کے بعد آپ کو واپس کر دیا، اُمید ہے مل گیا ہوگا۔

ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری نے اِس میں دو تسامحات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اِن کی روشنی میں دو حصّے حذف کرنے ہیں۔ اگر مضمون ابھی نہ چھپا ہو تو حذف کر دیجیے۔

۱۔ ص ۲ کی آخری سطر میں اور ص ۳ کی کئی ابتدائی سطروں میں مَیں نے سری نگر کشمیر

میں سروری صاحب کے ساتھ صاحب زادہ محمد عمر سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اکبر حیدری نے بتایا کہ وہ محمد عمر نہیں، ان کے چچازاد بھائی تھے، اِس لیے آپ ص۲ کی آخری سطر سے ص۳ کی ابتدا میں اِن سے ملاقات کا پورا بیان قلم زد کردیجیے۔ اِس کے بعد کا برقرار رہنے والا جملہ یہ ہوگا: ''سوویز کی انگریزی عبارت میں لکھا تھا...''

۲- ص۶ کے آخر میں نیز ص۷ کے شروع میں مَیں نے اقبالؔ اور حسرتؔ وغیرہ کے معرکوں کا بیان کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اقبالؔ کا مضمون ''اُردو زبان پنجاب میں'' مخزن، اکتوبر ۱۹۰۳ء میں چھپا تھا اور اِس کا جواب حسرتؔ نے ''اصلاحِ زبانِ پنجاب'' کے عنوان سے اُردوے معلّیٰ فروری ۱۹۰۴ء میں دیا۔ اکبر حیدری لکھتے ہیں کہ یہ اقبالؔ کا مضمون مخزن، اکتوبر ۱۹۰۲ء میں چھپا تھا۔ چوں کہ میرے مضمون سے یہ بحث غیر متعلّق ہے، اِس لیے ص۶ کے آخری پیراگراف سے یہ حصّہ نکال دیجیے:

''اِس کے جواب میں اقبالؔ نے مخزن اکتوبر ۱۹۰۳ء...تا ص۷ پر یہ بھی تنقیدی تھا''۔ ص۶ کے آخر کے دونوں فٹ نوٹ بھی نکل جائیں گے۔

میری کتاب ''ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیبِ مہ و سال'' شائع ہوگئی ہے۔ پونے پان سو صفحے ہیں، قیمت ۱۲۵ روپے۔ آفسیٹ پر اچھی چھپی ہے۔ صمد خاں صاحب کسی طرح یہ کتاب آپ تک بھیجیں گے۔ تقسیم کار ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دلّی۔

اُمید ہے آپ بخیر [بہ خیر] ہوں گے۔ یہ خط جمیل الدّین عالی صاحب کے لفافے میں رکھ کر بھیج رہا ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۱۲)

بہ نام رفیع الدّین ہاشمی
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونیورسٹی [یونی ورسٹی]
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴، ہندستان

۲۸ر جولائی ۱۹۸۸ء

محبّی! تسلیم۔

آپ کو بہت سے خطوط تقسیم کرنے کی ذمّے داری سونپ رہا ہوں۔ ایک خط آپ کے پرنسپل صاحب کے نام ہے، ایک ڈاکٹر وحید قریشی کے نام ہے۔ وحید صاحب کا موجودہ پتا معلوم نہیں۔ مقتدرہ قومی زبان میری کتابیات کا پمفلٹ شائع کرے گا۔ میں نے انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان کو نثری داستانیں کی طبع چہارم کا مسوّدہ بھیجا تھا، اِسی کے ساتھ کتابیات رکھ دی تھی۔ اُمید ہے اُنھوں نے مقتدرہ کو بھیج دی ہوگی۔ اِس کتابیات میں چند اضافے بھیج رہا ہوں۔ جمیل جالبی صاحب کے نام کے خط کے ساتھ اضافوں سے متعلّق یہ پرزہ مقتدرہ کے پتے پر بھیجنے کا کرم کریں۔

میں نے مئی کے آخر میں زندہ دلانِ کراچی مشاعرے والوں کو آپ کے لیے اپنی کتاب ''ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیبِ مہ و سال ۱۹۰۸ء تک'' بھیجی تھی۔ لکھیے کہ آپ کو ملی کہ نہیں؟ اگر نہیں ملی تو خواجہ حمید الدّین شاہد اڈیٹر سب رس سے پوچھیے کہ حیدرآباد دکن سے کچھ شعرا آپ کے لیے یہ کتاب لائے تھے، وہ کہاں ہے؟

اکبر حیدری نے لکھا ہے کہ میری کتاب پاکستان میں شائع ہوگئی ہے۔ مجھے کوئی علم نہیں۔ براہِ کرم لکھیے کہ کیا یہ خبر صحیح ہے

رفیع الدّین فاروقی حیدرآباد والے نے قرآنِ کریم کا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا اُردو ترجمہ مرحمت فرمایا۔ میں اِس سے بہت خوش ہوں۔ کیا حسنِ اتّفاق ہے کہ اِسی ڈاک سے ایک صاحب کا گیتا کا اُردو ترجمہ موصول ہوا۔ اب میں تلاش میں ہوں کہ کہیں سے بائبل کا انگریزی ترجمہ بھی خرید لوں۔ میں قرآنِ پاک کو شروع سے آخر تک لفظ بہ لفظ پڑھوں گا لیکن آہستہ آہستہ، جستہ جستہ، بہ شرطِ فرصت، رٹائر [ریٹائر] ہونے کے بعد مذہبیات کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں تا کہ میری اصلاح ہو سکے۔ قرآن سے استفادے کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں۔ دوسرے بھی بہ شرطِ استطاعت بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی معاملہ صحیفوں کا ہے۔

اُمید ہے آپ بخیر [بہ خیر] ہوں گے۔ منسلکہ تمام خطوط پڑھ لیجیے تا کہ آپ کو کوائف سے آگاہی ہو سکے۔

مخلص گیان چند

[پس نوشت]
آپ کی کتاب اقبالیات ۸۶ء بھی ملی۔ اِس وقت شعبے میں لکھ رہا ہوں۔ سامنے نہیں۔ گیان چند

(۱۳)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونیورسٹی [یونی ورسٹی]
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴، ہندستان
۲۴/اکتوبر ۱۹۸۸ء

محبّی! تسلیم۔

۲۱/ستمبر کا کرم نامہ بروقت ملا، شکریہ۔ مشکور ہوں کہ آپ میرے دو مضمون رسالوں کے خاص نمبر میں شائع کرا رہے ہیں۔ وحید قریشی صاحب کا خط نہیں آیا۔ اِس میں کوئی جواب طلب بات بھی نہ تھی۔

میں نے یہاں سے تین حضرات کے لیے کتابیں بھیجی تھیں۔ ۱- مشفق خواجہ کو ''اُردو مثنوی شمالی ہند میں'' طبع دوم، نیز ''ابتدائی کلامِ اقبال''، ۲- ڈاکٹر جمیل جالبی کو ''اُردو مثنوی شمالی ہند میں'' اور ۳- آپ کو ''ابتدائی کلامِ اقبال''۔ بقیہ دو حضرات کو کتابیں مل گئی ہیں۔ صرف آپ کو نہیں ملی۔ اِس چٹّھی کے آخری حصّے پر خواجہ حمید الدّین شاہد کے نام ایک رقعہ لکھ رہا ہوں۔ اِسے علاحدہ کر کے لفافے میں رکھ کر پوسٹ کر دیجیے۔ مجھے کراچی کا اڈیشن دیکھنے کو نہیں ملا۔

یہ دُرست ہے کہ ذکر و فکر کے مضامین میں کئی غیر تحقیقی کتابوں کا ذکر آ گیا ہے۔ رفیع الدّین فاروقی کا خط آیا تھا۔ وہ دسمبر میں پاکستان جائیں گے۔ جانے سے پہلے مجھ سے ملیں گے۔ اُن کے ہاتھ کچھ چٹّھیاں بھیج دوں گا۔

میں ۲۸/فروری ۱۹۸۷ء کو رٹائر [ریٹائر] ہوا۔ اِس کے بعد ۱۴ مہینے کا Re-appointment ملا۔ اب بہ شرطِ حیات ۳۰/اپریل ۱۹۸۹ء کو رٹائر [ریٹائر] ہو جاؤں گا۔ لکھنؤ میں بسنے کا ارادہ ہے۔ اِدھر میرے مضامین کے دو مجموعے شائع ہو رہے ہیں۔ اُردو ریسرچ سنٹر کے عبدالصمد خاں شائع کر رہے ہیں۔ آفسیٹ کی کتابت میں نے کرائی ہے۔ آگے کے مصارف وہ برداشت کریں گے۔ کتاب تحقیق کا فن ہندستان میں یوپی اُردو اکادمی، لکھنؤ شائع کر رہی ہے۔ اِن کی جانب سے میں ہی یہاں Vendike کی کتابت کرا رہا ہوں۔ ابھی دو تہائی کی کتابت ہوئی

ہے جو ۴۳۰ صفحات پر آئی ہے۔ پوری کتاب پونے سات سو اور سات سو صفحوں کے بیچ آئے گی۔ اُمید کرتا ہوں کہ دسمبر کے آخر تک کتابت پوری ہو جائے گی اور فروری ۱۹۸۹ء تک اشاعت ہو جائے گی۔ یہی کتاب پاکستان میں انجمن ترقّیِ اُردو کے بجائے مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد شائع کر رہا ہے۔ اِس کے بعد میں نے ایک مختصر کتاب ''اُردو کا نیا عروض'' لکھنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اِس کے لیے پڑھ لیا ہے، لکھنا باقی ہے۔ میرا عروض آسان اور تجدید کے ساتھ ہوگا جس میں زحافات کے نام نہ دوں گا، غیر مانوس اوزان نہ لوں گا۔ ہندی کے جو اوزان اُردو میں آ گئے ہیں اُنھیں اُردو ارکان میں ظاہر کر کے دوں گا۔ نیز اُردو شعرا نے مختلف اوزان میں جن اجتہادات اور آزادیوں کو جائز کیا ہے، اُن کو تسلیم کروں گا۔ تقریباً سو صفحے کی کتاب ہوگی۔ اِس کے بعد زندگی کا آخری بڑا کام کرنا چاہتا ہوں اور بس، اُردو تحقیق کی تاریخ۔ یہ دو جلدوں میں ہوگی۔ تقریباً چار سال لگیں گے۔ میری حماقت تو دیکھیے:

ع: سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

اِس میں تذکروں سے لے کر آج تک کی تحقیق کو پرکھوں گا۔ معاصرین کی تحقیق کا بے لاگ جائزہ لوں گا۔ کل دیکھنا ہے کہ تحقیق کی تاریخ پوری ہوتی ہے کہ میری زندگی کی کتاب۔ میری صحیح عمر دفتری عمر سے زیادہ ہے۔ پچھلے مہینے ۶۵ پورے کر چکا ہوں۔ تحقیق کی تاریخ کے بعد اُردو میں اور کچھ نہ لکھوں گا، مذہبیت کا مطالعہ کروں گا۔

محمود شیرانی کی پنجاب میں اُردو کمزور کتاب ہے لیکن مقالاتِ شیرانی اعلا درجے کی تحقیق ہیں۔ ذکر و فکر میں لکھتے وقت میں نے مقالاتِ شیرانی نہیں دیکھی تھی۔ اب اُن کو اُردو کا پہلا بڑا محقق مانتا ہوں۔ اُن کے بعد قاضی عبدالودود، مسعود حسن رضوی، مولانا عرشی اور مالک رام ہیں۔ ہندستان کے موجودہ محققین میں چار حضرات بہت گاڑھے اور گہرے محقق ہیں۔ ۱- رشید حسن خاں، ۲- کالی داس گپتا رضا بمبئی، ۳- ڈاکٹر شیام لال کالڑا عابد پیشاوری، پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو جمّوں یونی ورسٹی، ۴- ڈاکٹر حنیف احمد نقوی، ریڈر اُردو بنارس ہندو یونی ورسٹی۔ اقبال کے محقق ہیں ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، آپ اور محمد عبداللہ قریشی چوٹی پر معلوم ہوتے ہیں۔ تینوں میں آپ ممتاز معلوم ہوتے ہیں۔ پاکستان کے عمومی محققین میں جمیل جالبی اور مشفق خواجہ سب سے اوپر دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں تک میرا سوال ہے، میں ایک اوسط درجے کا محقق ہوں، کسی بلند مقام کا حق دار نہیں۔ تحقیق کی تاریخ کے سلسلے میں پاکستان کے

محقّقین کے بارے میں لکھنے سے پہلے پاکستان کا ایک لمبا سفر کرنا ہوگا، لیکن یہ سب خیالی پلاؤ ہیں۔ کوچ کا نقارہ بج رہا ہے گو میں اِس بانگِ درا کو نہ سُن سکوں۔

براہِ کرم ڈاکٹر اسلم فرخی ادبی مشیر انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان کو میری جانب سے ایک کارڈ لکھ دیجیے کہ وہ میرا بھیجا ہوا مضمون ''ہندستان میں اُردو تحقیق کی رفتار ۱۹۴۷ء تا ۱۹۸۷ء'' فوراً رسالہ اُردو میں شائع کر دیں۔ یوں یہ مضمون رسالہ اُردو ادب، دہلی کے خاص نمبر کے لیے لکھا گیا تھا، جس نمبر کا موضوع ہے: ''ہندستان میں اُردو ادب کی رفتار گزشتہ [گذشتہ] ۴۰ سال میں''۔ معلوم نہیں اُردو ادب کا خصوصی شمارہ کب شائع ہو۔ اُردو، کراچی والوں کو چھاپ لینے دیجیے۔ ذیل کا خط خواجہ حمید الدّین شاہد صاحب کو بھیج دیجیے۔ اُمید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

[پس نوشت]

ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری میرے شعبے میں پروفیسر ہوکر آ گئے ہیں۔ ۵۹ سال کے ہیں۔ مکتبۂ روایت ص-ب ۵۰۸۴ لاہور ۱۴ نے مجھے روایت ۳ اور ۴ بیادِ سلیم احمد کی دو جلدیں بھیجی ہیں۔ براہِ کرم فون ۸۱۰۲۹ ۷ پر فون کر کے میری طرف سے شکریہ اور رسید پہنچا دیجیے۔ گیان چند

(۱۴)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

Univesity of Hyderabad
Hyderabad-500134 (India)
Phones:558220, 550396

۶ رفروری ۱۹۸۹ء

محبّی! تسلیم۔

یہ چٹھی یونی ورسٹی کی ڈاک سے بھیج رہا ہوں۔ معلوم نہیں آپ تک پہنچے گی کہ نہیں۔ میں نے آپ کو ایک مضمون ''اقبال کی مہارتِ عروض'' بھیجا تھا۔ اِس کا دوسرا حصّہ ہے۔ ''اقبال کے چند منسوخ اشعار کا وزن''۔ اِس میں تین غلطیاں رہ گئیں جن پر یہاں گرفت کی گئی۔ اگر ابھی

وہ مضمون شائع نہ ہوا ہو تو اِس میں ذیل کی تصحیحات کرا دیجیے۔ یہ سب جزوِ دوم منسوخ اشعار کا وزن سے متعلّق ہیں۔

۱- میں نے لکھا ہے: ''فارسی کی دو غزلوں کے مطلعے یہ ہیں''۔ اِس کے آگے دو شعر ہیں:

پیرہنِ وجودِ من چہ آتشِ جنوں گرفت
سینہ بہ برق در کنم، دیدہ بہ نیشتر زنم

اور اِس کے بعد مطلع ہے: رسیدۂ، دمیدۂ۔ چوں کہ اِن میں پہلا شعر مطلع نہیں اس لیے تعارفی جملے میں 'مطلعے' کی جگہ 'شعر' کر دیا جائے یعنی: ''فارسی کی دو غزلوں کے یہ شعر ہیں:''

۲- اِس کے آگے دو اُردو اشعار درج کیے ہیں اور اُن کا وزن اُن کے نیچے دیا ہے۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

پہلے 'مفاعلن' کو بدل کر 'مفاعلان' کر دیا جائے یعنی: مفتعلن فاعلان مفتعلن مفاعلن۔

۳- کافی آگے چل کر خاقانی کے دو فارسی اشعار درج ہیں۔ اِن میں دوسرے شعر کا پہلا مصرع یوں چھپا ہے:

گرچہ بہ موقعِ لقب مفتعلن دوبارہ شد

اِس مصرعے میں 'موقع' کی جگہ 'موضع' کر دیجیے 'موضعِ لقب'۔

اگر یہ تصحیحات کی جا سکیں تو میں خوش ہوں گا۔

آج کل میرے پاس میری تین کتابوں کی مکمّل کتابت موجود ہے۔ کاتب غلطیوں کو بنا رہا ہے۔ اُمید ہے چند ماہ میں چھپ جائیں گی۔ کتابیں یہ ہیں:

۱- ''تحقیق کا فن'': اِسے یو پی اُردو اکیڈمی، لکھنؤ شائع کر رہی ہے۔ اِن کے لیے میں نے یہیں کتابت کرائی، جلد بھیج دوں گا۔

۲- ''کھوج'': یہ تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے۔

۳- ''پرکھ اور پہچان'': اِس کے دو حصّے ہیں: پہلے میں تنقیدی مضامین ہیں، دوسرے میں ادیبوں کے بارے میں مضامین ہیں۔ اِن دونوں کو عبدالصمد خاں اپنے حیدر آباد

اُردو ریسرچ سنٹر سے شائع کریں گے۔ ''تحقیق کا فن'' میں تقریباً ۶۷۰ صفحات ہیں۔ اِسے مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد بھی شائع کر رہا ہے۔ وہ لوگ ''کتابیاتِ گیان چند'' بھی چھاپنے والے تھے۔ معلوم نہیں اِس کا کیا ہوا؟

یہاں کے رفیع الدّین فاروقی پاکستان جانے والے تھے اور جانے سے پہلے مجھ سے ملنے کا وعدہ تھا۔ آئے نہیں۔ میں خود ۲۶/نومبر سے ۹/دسمبر تک دُور جنوب کی سیاحت پر چلا گیا تھا۔ وہاں آنکھ کی Retina detach کر لی۔ حیدرآباد آ کر ۱۲/دسمبر ۸۸ء کو آپریشن کر دیا جو ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا۔ اب آنکھ ٹھیک ہے۔

میں اپریل ۸۹ء کے آخر میں حیدرآباد سے سبک دوش ہو جاؤں گا۔ بعد میں، بہ شرطِ حیات، لکھنؤ بسنے کا پروگرام ہے۔ میرے شعبے میں ڈاکٹر اکبر حیدری بھی پروفیسر ہو کر آ گئے ہیں۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر[بخیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۱۵)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴، ہندستان

۱۲/اپریل ۱۹۸۹ء

محبّی! تسلیم۔

کرم نامہ ملا، شکریہ۔ ایک مختصر سا مضمون ''اقبالؔ کا ایک ہم نشیں'' بھیج رہا ہوں۔ کسی رسالے میں چھپوا دیجیے۔

مجھے ابھی لاہور سے دعوت نامہ نہیں ملا۔ جیوں [جوں] ہی آئے گا میں منظوری بھیج دوں گا۔ آپ کا مشکور ہوں۔ کوئی تحقیقی مضمون تو شاید ممکن نہ ہو، ایک تنقیدی مضمون ہی لکھنے پر اکتفا کروں گا۔ عنوان ''غیر مسلموں کے لیے اقبالؔ کے اُردو کلام کی معنویت'' اِس میں دکھاؤں گا کہ اقبالؔ کی تعلیمات میں سے کون کون سے ایسی ہیں جو غیر مسلموں کے لیے بھی مفید ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے اِس موضوع پر پہلے ہی تو نہیں لکھ دیا؟

میری جو کتابیں ایک موضوع پر ہیں، چاہتا ہوں کہ پاکستان میں بھی چھپ جائیں، معاوضہ جو بھی کچھ ہو، سفرِ پاکستان میں کام آئے گا۔ کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱- اُردو مثنوی شمالی ہند میں
۲- تفسیرِ غالب (منسوخ کلام کی شرح)
۳- عام لسانیات: ۹۱۰ صفحے
۴- ادبی اصناف تقریباً پونے دوسو صفحے: یہ ابھی ہندستان میں زیرِ طبع ہے
۵- اُردو کا اپنا عروض: تقریباً ۱۲۵ صفحے۔ اِس میں عروض کی تشکیلِ جدید کی ہے اور اصطلاحوں سے بچ کر آسان زبان میں لکھا ہے۔

مندرجۂ بالا میں سے کسی بھی کتاب کی اشاعت کی کوئی صورت نکل آئے تو لکھیے، مشکور ہوں گا۔

سیّارہ میں ''ترانۂ ہندی'' پر جو میرا مضمون چھپا اِس کے ایک بیان کی تصحیح کی ضرورت ہے۔ ساتھ میں ملفوف کر رہا ہوں۔ مراسلے کے طور پر چھپوا دیجیے۔

اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔ یہ خط اپنے ایک شاگرد کے ہاتھ بھیج رہا ہوں جو اپنی تحقیق کے سلسلے میں پاکستان جا رہے ہیں۔

مخلص گیان چند

(۱۶)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

۱۵/اپریل ۱۹۸۹ء

محبّی! آج آپ کا ۸/اپریل کا کرم نامہ ملا۔ آغا سہیل کا مقالہ مشفق خواجہ نے میرے پاس بھیج دیا تھا۔ اِن کے اعتراض خواہ مخواہ کے ہیں۔ اگر میں نے پہلے اڈیشن کے بعد کتاب کو بدل کر نئی ترتیب سے لکھ دیا ہے تو اِس میں آغا سہیل کو یا کئی دوسرے کو کیا اعتراض۔ سہیل بخاری کے مقالے سے میں نے جو کچھ لیا ہے اِس کا اعتراف کیا ہے، جہاں اعتراف نہیں وہ اِن کے مقالے سے نہیں لیا۔ کتاب کا تیسرا اڈیشن یوپی اُردو اکیڈمی، لکھنؤ سے چھپا۔ وہ اور زیادہ مفصّل ہے۔ چوتھا اڈیشن قدرے ترمیم کے ساتھ انجمن کراچی میں چھپ رہا ہے۔ غالباً جولائی میں آجائے گا۔ اِس میں سہیل کے مقالے کا زیادہ تفصیل سے ذکر ہے۔

مخلص گیان چند

(۱۷)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی
حیدرآباد-۵۰۰۱۳۴، ہندستان
یکم جنوری ۱۹۹۰ء
محبّی! تسلیم۔

آپ کا ۲۷رنومبر کا کرم نامہ مجھے شمالی ہند کے سفر سے واپسی پر ملا۔ میں ۳۰رنومبر کو دلّی و لکھنؤ کے سفر پر گیا تھا۔ ۲۳ردسمبر کو واپس آیا۔ مکتوب سے یہ تشویش ناک خبر ملی کہ آپ کسی حادثے کے شکار ہو گئے تھے۔ اُمید ہے اب آپ شفائے کلّی حاصل کر چکے ہوں گے۔ میری دُعا ہے کہ یہ سال ۱۹۹۰ء آپ کی صحّت اور خوشی وترقّی کا سال ثابت ہو اور اس میں آپ مزید علمی وادبی فتوحات حاصل کریں۔

میں ''اُردو تحقیق کی تاریخ'' کے منصوبے پر کام کر رہا ہوں۔ کام آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے، زندگی تیزی سے گزرتی جارہی ہے۔ ۶۶ سال سے بڑھ گیا ہوں۔ کون جانے کہ کام پورا کر سکوں گا کہ نہیں۔ میں نے طے کیا ہے کہ تحقیق کی تاریخ لکھنے کے دوران کوئی مضمون نہ لکھوں گا تاکہ کام میں خلل نہ پڑے۔ اِس لیے علاّمہ اقبالؔ پر مضمون لکھنے کا ارادہ بھی فسخ کرتا ہوں۔ جگن ناتھ آزادؔ تقریباً اِس موضوع پر لکھ چکے ہیں۔ اُن کا مضمون میری نظر سے نہیں گزرا، لائبریری میں کتاب تلاش کر کے دیکھوں گا۔ پاکستان آنے کا ارادہ بھی فی الحال موقوف۔ اگر زندہ رہا تو ''تحقیق کی تاریخ'' جلد اوّل مکمّل کرنے کے بعد آؤں گا کیوں کہ دوسری جلد میں پاکستان کے محقّقین کی تفصیل ہوگی۔ پہلی جلد کی تکمیل ہی کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اصلاً میں یہ تاریخ تین جلدوں میں لکھنا چاہتا تھا۔ اب قطع کر کے دو جلدوں پر آ گیا ہوں۔

خورشید احمد خاں صاحب کے دو خطوط میرے نام آئے۔ میں اُنھیں جواب نہ دے سکا۔ وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے میرے ساتھ کام کرنے والے ریسرچ اسکالر کلیم الحق قریشی سے کچھ دریافت کرایا تھا۔ یہ صاحب کئی ماہ سے ملے ہی نہیں۔ براہِ کرم خورشید احمد خاں کو 414658 پر فون کر کے کہہ دیجیے کہ مجھے اُن کے دونوں خط نومبر میں مل گئے تھے۔ کلیم الحق قریشی سے متعلّقہ امر کے متعلّق دریافت کر کے اُنھیں جواب لکھوں گا۔

معلوم نہیں آپ کو رسالہ اُردو ادب، دہلی ملتا ہے کہ نہیں۔ اِس کے تازہ شمارے میں میرا ایک کتابچہ ''اُردو کا اپنا عروض'' شائع ہوا ہے۔ اِس کے آخر میں دوسروں کے دو چھوٹے چھوٹے مضمون بھی ہیں۔ کتابچے کو علاحدہ سے کتابی صورت میں بھی چھاپا ہے۔ ستم ظریفی یہ کی ہے کہ اِس کے آخر میں بھی وہ دونوں مضمون شامل کر دیے ہیں۔ اگر آپ کو اُردو ادب نہ ملے تو میں کتابچہ بھیجوں۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۱۸)

بہ نام رفیع الدّین ہاشمی

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدر آباد-۵۰۰۱۳۴

۱۴؍فروری ۱۹۹۰ء

محبّی! تسلیم۔

آپ کا ۱۷؍جنوری کا کرم نامہ ملا، مشکور ہوں۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اب آپ بخیر [بہ خیر] ہیں۔

میرے پاس ''اُردو کا اپنا عروض'' کی کوئی کاپی نہیں بچی۔ محض ۹۶ صفحات کی کتاب ہے۔ میں نے اِس کی ایک کاپی مشفق خواجہ کے لیے اور ایک مزید کاپی بھی اُنھیں بھیجی ہے کہ فوٹو کے ذریعے پاکستان کے کسی ناشر سے چھپوا دیں، جلد چھپ جانی چاہیے۔ اگر آپ کا عروضی شاگرد اشتیاق مالا یطاق رکھتا ہو تو مشفق خواجہ صاحب سے رسالے کا زیراکس منگا لے۔

شاعر نے گوشۂ گیان چند نکالا تھا۔ مجھے ساہتیہ اکادمی کا انعام ملنے پر یہاں کے شعبۂ اُردو نے مجھے ایک کتابچہ نذر کیا تھا جس کے کئی مضامین رسالہ شاعر سے لیے گئے تھے۔ کتابچے کا نام نذرِ جبین تھا اور یہ، ۸؍مارچ ۱۹۸۳ء کو دیا۔ میرے پاس اِس کی بھی محض ایک کاپی ہے۔ کتابچہ چنداں اہم نہیں۔ شعبے کے اساتذہ اور طلبہ کے مضامین پر مشتمل ہے۔

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔ یہ خط ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کی معرفت بھجوا رہا ہوں۔

مخلص

گیان چند

(۱۹)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
9/25،اندرانگر،لکھنؤ-226016
(ہندستان)
۱۵/مارچ۱۹۹۱ء

محبّی! تسلیم۔

آپ کا ۱۸/جنوری کا کرم نامہ دو تین دن پہلے ملا۔ بہت وقت لگا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے میری دونوں کتابیں دیکھ لیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ندامت ہے کہ میں یہ آپ کو پیش نہ کر سکا۔ تجزیے اور تحریریں دونوں کی میرے پاس محض ایک ایک کاپی ہے۔ یہ مجموعے مدّت ہوئی out of print ہو گئے۔

میں نے لکھنؤ میں مکان بنایا ہے لیکن کم ہمّتی کے سبب ایک ٹھیکیدار کو مع سامان کے ٹھیکہ دیا۔ اِس سے روپیہ بھی زیادہ لگا اور شاید اتنا اچھا نہ بن سکا جیسا کہ خود بنانے میں ہوتا لیکن پریشانی اور بھاگ دوڑ سے بچ گیا۔

میں اہلیہ کے ساتھ پاکستان آؤں گا، تقریباً تین ہفتے کے لیے میری ایمریٹس فیلوشپ کی Contigency کی رقم ہے اِس میں سے میرے سفر کے جزوی اخراجات مل جائیں گے۔ اہلیہ کے اخراجات میرے ذمّے ہوں گے۔ دس پندرہ دن کراچی میں رہوں گا، دو تین دن لاہور اور دو تین دن اسلام آباد۔

یہاں پاکستان ہائی کمیشن میں ویزا کے لیے درخواست دی ہے۔ ارادہ کر رہا ہوں کہ رمضان گزرنے کے فوراً بعد آجاؤں۔ پہلے دہلی سے ہوائی جہاز سے کراچی جاؤں گا، وہاں ابتداً مشفق خواجہ کے یہاں قیام کروں گا۔

براہِ کرم ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن اور وحید قریشی صاحب کو (اگر وہ لاہور میں رہتے ہیں) فون کر کے میرے متوقّع ورود کی خبر دے دیجیے۔

ساتھ کا خط پوسٹ کرنے کی زحمت کیجیے۔ یہ صاحب انٹرمیڈیٹ میں میرے کالج ہوسٹل میں تھے، مجھ سے ایک سال جونیر۔

اُمید ہے آپ بخیر [بہ خیر] ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۲۰)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

مظفرنگر، یوپی، ہندستان

۱۳/اپریل۱۹۹۱ء

محبّی! تسلیم۔

میں عزیزوں سے ملنے مغربی یوپی آیا ہوا ہوں۔ کئی مقامات پر گھوم کر ۱۵/مئی کو لکھنؤ واپس ہوں گا۔

ایک نظم کہی ہے جو سیّارہ میں اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں۔ یہاں میرے پاس سیّارہ کا پتا نہیں۔ اِس لیے آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔

پاکستان کا سفر ملتوی ہو گیا ہے۔ حیات باقی ہے تو جاڑوں میں آؤں گا۔ رام لعل صاحب کی معرفت آپ کے نام ایک خط بھیجا ہے۔

سیّارہ میں آپ کا خاکہ بہت پسند آیا۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہو گا۔

مخلص

گیان چند

(۲۱)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

9/25، اندرانگر، لکھنؤ-226016

ہندستان

۱۸/اپریل۱۹۹۱ء

محبّی! تسلیم۔

رام لعل صاحب یکم مئی کو فیض سیمنار [سیمی نار] میں شرکت کے لیے کراچی جا رہے ہیں۔ یہ چٹھی اُنھیں کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔ میں اپریل مئی میں پاکستان آنا چاہتا تھا لیکن میں

کوتاہ دست ہوں۔ مجھے ابھی تک ویزا ہی نہیں ملا۔ انجمن ترقیِ اُردو (ہند) دہلی میں ایم۔ حبیب خاں نے یہ ذمّے داری لی تھی۔ میں نے اپنا پاسپورٹ اور فارم اُنھیں بھیج دیا تھا۔ آگے کیا ہوا؟ معلوم نہیں۔ مجبوراً میں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ اگر زندہ رہا تو نومبر ۹۱ء یا فروری ۹۲ء میں آؤں گا۔

سیّارہ کا نیا شمارہ ۳۰ ملا، خوب ہے۔ اِس کے کئی مضامین دیکھ ڈالے، سب سے زیادہ دل چسپ اشفاق احمد درک کا مضمون ''بھلا مانس پروفیسر'' ہے۔ اِس کے ذریعے آپ کو مزید جانا۔ آپ بالکل توبۃ النصوح ہیں۔ میں عاصی پُر معاصی ہوں۔ آپ کو لکھتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔

حفیظ الرحمٰن احسن صاحب کا مجموعہ فصلِ زیاں ملا۔ میری طرف سے اُنھیں شکریہ پہنچا دیجیے۔ کتاب پر نام اِس طرح لکھّا ہے کہ 'فصل زیادہ' پڑھا جاتا ہے۔ تعارفی مضامین سے اِن کے بارے میں اندازہ ہوا۔ غزلوں میں واقعی بہت سنبھلا ہوا طنز ہے، ریشم میں لپٹا ہوا سمجھیے۔ خوب کہتے ہیں۔ غزلوں میں سماج پر تبصرے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اِس کے باوجود غزلیت کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

میں اپنی وہ کتابیں پاکستان میں شائع کرانا چاہتا ہوں جو مضامین کے مجموعے نہیں بل کہ کسی ایک مستقل موضوع پر ہیں۔ نثری داستانیں اور تحقیق کا فن تو وہاں چھپ ہی رہی ہیں، مزید کتب یہ ہیں:

۱- ''اُردو مثنوی شمالی ہند میں''۔ میں نے اِس میں خاصی ترمیم کی ہے۔ اب کی بار مختصر مثنویوں کو خارج کر دیا ہے۔ اِس کتاب کے دو اڈیشن انجمن ترقیِ اُردو (ہند) سے شائع ہو چکے ہیں۔

۲- ''تفسیرِ غالب'': غالبؔ کے منسوخ کلام کی شرح

۳- ''ادبی اصناف'': تقریباً پونے دو سو صفحوں کی مختصر کتاب جو چند ماہ قبل گجرات اُردو اکادمی، احمد آباد سے شائع ہوئی ہے۔

۴- ''اُردو کا اپنا عروض''، محض ۹۷ صفحے

۵- ''عام لسانیات'': نو سو سے زیادہ صفحات

اِس کے علاوہ میں اپنے منتخب مضامین ''مضامینِ گیان چند'' کے نام سے چھپوانا چاہتا ہوں۔ اِن کی پانچ جلدیں ہوں گی جو اِس طرح ہیں:

۱- پہلی جلد تحقیقی　　۲- دوسری جلد غالبیات　　۳- تیسری جلد تحقیقی
۴- چوتھی جلد تنقیدی　　۵- پانچویں جلد لسانیاتی

اِن جلدوں میں ہلکے پھُلکے مضامین نہیں ہے، صرف ٹھوس مضامین کو جگہ دی ہے۔ اگر اِن سب کتب کی اشاعت کا وہاں انتظام ہو جائے تو کیا کہنا۔ عام لسانیات تو کسی ادارے سے چھپنی چاہیے۔ میں نے اِس کے لیے جمیل جالبی صاحب صاحب کو لکھا ہے کہ کیا مقتدرہ سے چھاپ دیں گے؟

سب کتابوں کو خفیف سی ترمیم کے ساتھ تیّار کر رہا ہوں۔ کوئی صورت نکلے تو میں اِن چیزوں کو ڈاک سے بھیج سکتا ہوں۔ کل میں مغربی یو پی میں اپنے وطن جا رہا ہوں۔ کئی مقامات پر جاؤں مظفر نگر، بجنور، سیوہارہ، دہرہ دون۔ یہ مقامات میرے اور میری بیوی کے بھائی بہنوں کے ہیں۔ ۱۵رمئی کو لکھنؤ واپس آؤں گا۔ اُمید کرتا ہوں کہ آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہو گا۔

مخلص

گیان چند

(۲۲)

بہ نام رفیع الدّین ہاشمی

۲۵/ ۹، اندرا نگر، لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

۲۲رجون ۱۹۹۱ء

محبّی! تسلیم۔

آپ کا ۲۹رمئی کا کرم نامہ چند روز پہلے ملا تھا۔ میں مغربی یو پی کے دورے سے ۱۵رمئی کو واپس آ گیا تھا۔

ساتھ کی چھٹّی جاوید طفیل صاحب کو بھیجنے کا کرم کریں یا اُنھیں پڑھ کر سُنا دیں۔

ممنون ہوں کہ آپ میری کتابیں شائع کرانے کی فکر کر رہے ہیں۔ جمیل جالبی بھی اِس سلسلے میں کچھ کر رہے ہیں۔ کتابیں تیّار کر لوں تو اُنھیں بھیجوں گا۔ آئندہ کبھی مجھے لکھیں تو ڈاکٹر وحید قریشی کا موجودہ پتا لکھیے:

میں نے حال میں مزید کچھ نہیں لکھّا ہے۔ بس ایک سرسری مضمون ''شمس الرحمٰن فاروقی

کی اصلاحیں'' لکھا تھا جو کراچی میں طلوعِ افکار کے لیے بھیج دیا ہے۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر[بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۲۳)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

۲۵/۹، اندرانگر، لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶

گھر کا فون نمبر: ۳۸۲۶۳۰

۱۸-۲۰/مارچ ۱۹۹۲ء

محبّی! تسلیم۔

آپ کا ۱۷/فروری کا کرم نامہ کافی دن سے ملا تھا، شکریہ۔ ''اُردو کی نثری داستانیں'' لکھنؤ ۱۹۸۷ء اس کا کتاب کا آخری اڈیشن ہے۔ یہی معمولی ترمیم کے ساتھ برسوں سے انجمن ترقیِ اُردو پاکستان میں زیرِ طبع ہے۔ میں نے ''تحقیق کا فن'' کا مسوّدہ پہلے مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد میں اور اِس کے کچھ بعد یو پی اُردو اکادمی، لکھنؤ کو دیا۔ لکھنؤ کا اڈیشن کبھی کا چھپ گیا۔ مقتدرہ میں منظوری کے باوجود آج تک نہیں چھپا۔ میں نے جمیل جالبی صاحب کو لکھا ہے کہ کہیں اور سے چھپوادیں۔

میرے پاس اِس کتاب کی کوئی کاپی نہیں۔ کئی حضرات کو خرید کر تحفتاً دے چکا ہوں۔ ایک کاپی خرید کر آپ کو بھی پیش کروں گا۔ اگر اِدھر سے کوئی شخص لے جاسکے تو مجھے لکھیے۔ ''مقدمے اور تبصرے'' آپ کو پسند آئی، اِس کا شکریہ۔ اِدھر میری لچر شاعری کا ایک مجموعہ ''کچّے بول'' کے نام سے چھپ گیا ہے۔ علامت جس میں میری نظم شائع ہوئی ہوگی، مجھے آج تک نہیں ملا۔ مشفق خواجہ صاحب نے لکھا تھا کہ وہ ۹۲-۱۹۹۱ء کے بابائے اُردو لکچر کے لیے مجھے مدعو کرادیں گے۔ وہاں سے دعوت نامہ نہیں آیا۔ میرا جانا رُک گیا۔ کسی تقریب کے بغیر ویزا ملنا مشکل ہے۔ میں نے اپنی آپ بیتی پر ایک مضمون لکھ دیا ہے۔ کتاب ہرگز نہ لکھّوں گا۔ میرے ایسے کوئی اکتسابات نہیں کہ اِن پر کتاب لکھّوں۔ آج کل میں ''اُردو کی ادبی تاریخوں کا تحقیقی جائزہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ کام کی رفتار سُست ہے۔ اُمید ہے آپ کا

مزاج بخیر[بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۲۴)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

۹/۲۵، اندرانگر، لکھنؤ-۲۲۶۰۱۶ (ہندستان)

فون: ۳۸۲۶۳۰

۲۵/مارچ ۱۹۹۳ء

مجّی! تسلیم۔

آج عید ہے۔ آپ کو مبارک ہو۔ میرا یہ رقعۂ تہنیت کل نکلے گا کیوں کہ آج ڈاک خانے کی چھٹّی ہے۔ آپ کا ۱۴/مارچ کا کرم نامہ کل ملا۔ میرے سامنے ڈاکٹر اشفاق احمد اعظمی کی کتاب ''نذیر احمد، شخصیت اور کارنامے'' لکھنؤ ۱۹۷۴ء ہے۔ اِس کے ص ۱۸۵ پر وہ خبر دیتے ہیں کہ اُنھوں نے توبۃ النصوح کا مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۷۴ء کا اڈیشن عظیم الشان صدّیقی کے پاس دیکھا۔ ڈاکٹر عظیم الشان صدّیقی شعبۂ اُردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی میں اُردو کے استاد ہیں۔ اُنھوں نے دہلی یونی ورسٹی سے ''اُردو ناولوں کا آغاز وارتقا ۱۸۵۷ء تا ۱۹۱۴ء'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی، ۱۹۷۰ء میں۔ آپ اُن سے رابطہ قائم کیجیے۔

مجھے انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان نے بابائے اُردو لکچر کے لیے مدعو کیا تھا۔ میں نے ضخیم لکچر، اُردو کی ادبی تاریخوں کا جائزہ ۱۹۴۷ء تک لکھ کر بھیج دیا۔ لکچر کی تاریخ ۲۸/اکتوبر ۱۹۹۲ء تھی۔ ستمبر میں اپنے اور اہلیہ کے ویزے کی درخواست دی، نہ ملا۔ میں پچھلے ہفتے دہلی گیا تھا۔ پاکستان ہائی کمیشن میں پریس کے افسر جمیل صاحب سے مل کر اپنے پاسپورٹ واپس لے آیا۔ ویزا نہ دینے کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی۔ مارچ کے اوائل میں ڈاکٹر محمد حسن اور الٰہ آباد کے ڈاکٹر عقیل رضوی پاکستان کے طویل ادبی دورے سے واپس آئے ہیں۔ قدغن ہے تو مجھ سے غیر سیاسی آدمی پر۔ اُن کی مرضی! اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر[بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۲۵)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
۲۵/ ۹، اندرانگر، لکھنؤ - ۲۲۶۰۱۶ (ہندستان)

۱۵/دسمبر ۱۹۹۶ء

محبّی ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی صاحب! تسلیم

آپ کا کرم نامہ ملا۔ اِس کی ابتدا میں ۱۵/اکتوبر ۹۶ء کی تاریخ پڑی ہے، انتہا میں ۳/نومبر کی لیکن مجھے یہ دسمبر ۹۶ء میں ملا۔ بڑے بھائی مونس صاحب کی تعزیت کا شکریہ۔ ہماری زبان کے اڈیٹر خلیق انجم کے اصرار پر میں نے یہ مضمون لکھ کر بھیجا تھا۔

تحقیق کا فن کی آپ ضرور ورق گردانی کیجیے۔ شاید آپ کو پسند آئے۔

میں نے اسلوب احمد صاحب کا خط بھیج دیا ہے۔ آپ اِس کے لیے معذرت خواہ کیوں ہیں؟ آئندہ ہندستان میں اگر پانسات [پان سات] خطوط بھی بھیجنے ہوں تو مجھے بھیج دیجیے۔ میں اُنھیں لفافوں میں بند کر کے بھیج دوں گا۔ اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۲۶)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
۲۵/ ۹، اندرانگر، لکھنؤ - ۲۲۶۰۱۶

امریکہ کا پتا: 22356, West Harrison Street,
Porterville, California-93257 (U.S.A)

۳/دسمبر ۱۹۹۷ء

محبِّ مکرّم! تسلیم۔

پاکستان جنّت نشاں سے واپسی کے بعد مکروہاتِ محفلِ مکانی میں اِس طرح پھنسا رہا کہ آپ کو آپ کی چشمِ لطف کے لیے شکریے کا خط بھی نہ لکھ سکا۔ مصروفیت نے چٹھّیاں لکھنے کی مہلتِ فرصت فراہم نہ ہونے دی۔ مجھے پاکستان اور اہلِ پاکستان بہت پسند آئے۔ اُردو والوں کے حسنِ سلوک نے میرا جی موہ لیا۔ لاہور کے اساتذہ، طلبہ اور درس گاہیں کبھی میرے جذبات

سے محو ہونے والی نہیں۔ آپ حضرات سے ملاقات محض ایک دو لحظے کے لیے ہوئی۔ سمندر سے پیاسے کو شبنم ملے تو تشفی تھوڑے ہوتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بہ شرطِ حیات ایک بار پھر آپ کے پاس آؤں۔ آپ نے تاریخی ادارے اورینٹل کالج میں مجھ کم سواد کے لیے جیسا شاندار اجتماع کیا، اِس کے لیے کالج اور شعبے کا تہِ دل سے مشکور ہوں۔ آپ نے لطفِ خاص الخاص سے کام لے کر میرے مستقر پر دوبارقدم رنجہ کیا۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُردو کے سب سے بڑے شاعر اقبال کا سب سے بڑا اداشناس و ماہر (آپ) [کو] ابھی تک پروفیسر پر فائز نہیں کیا گیا۔ یہ پاکستان کے لیے شرم کی بات ہے۔ ہندستان میں متعدّد ایسے معلّم جو آپ کی خاکِ پا بھی نہیں، پروفیسر بنے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں آپ کے ساتھ کب انصاف ہوگا؟

آپ سے مل کر قلب و ذہن دونوں کو استراحت اور روشنی ملی۔ آپ کے خُلوص نے مجھے بندۂ بے دام بنا دیا۔ میں ۲۲ر دسمبر کو امریکہ سدھار رہا ہوں۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔

تحسین فراقی اور اورنگ زیب صاحب کو میرا اسلام پہنچا دیجیے۔ فراقی بڑے شگفتہ ہیں، وہ فراقی نہیں وصالی ہیں۔

مخلص

گیان چند

(۲۷)

به نام رفيع الدّين ہاشمی

23 NEVADA, IRVINE-CA.92606 (U.S.A)

Phone: 949-559-6012

email: gianchand@alo.com

۵رجنوری ۲۰۰۰ء

محبِّ مکرّم! تسلیم۔

تین چار دن پہلے آپ کے لیے ایک صاحب نے ای میل کا پیغام بھیجا۔ عجیب سا خط تھا، اِس میں ایک جگہ یہ بھی لکھا تھا: may be forged۔ میں یہ سمجھا کہ کوئی مذاق کر رہا ہے۔ جب اُردو میں لکھا خط اِسی کے سلسلے میں دیکھا تو اندازہ ہوا کہ پیغام آپ کی طرف سے ہے۔ شروع میں صرف ڈاکٹر ہاشمی دیکھ کر میں یہ سمجھا کہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی مخاطب ہیں۔

میری اصل تاریخ ولادت ۱۹ر ستمبر ۱۹۲۳ء ہے، سرکاری کاغذات میں ۴ر فروری ۱۹۲۷ء ہے۔ معلوم نہیں آپ کو اِس کی کیوں ضرورت پڑی؟ میرا ہائی اسکول سرٹیفکیٹ میں میرا نام Gian Chand Jain ہے۔ اُردو میں مَیں نے جین لکھنا ترک کر دیا کیوں کہ یہ مذہب کا نام ہے، اِسے Sur name بنانا مناسب نہ تھا۔ یہاں آرام سے گزر رہی ہے لیکن اُردو کا ماحول نہیں، مشرق کی ملنساری نہیں۔ آسایش ہے لیکن جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں۔

پاکستان کے بارے میں یہی کہوں گا۔ ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔ لاہور تو میں نے جیسے دیکھا ہی نہیں۔ کتب خانوں میں نہیں گیا۔ اہلِ ادب کے دولت خانوں میں جان کر اِن کے نجی کتب خانے نہیں دیکھے مثلاً ڈاکٹر معین الرحمٰن کے یہاں کیا کیا نوادر نہ ہوں گے۔ افسوس تو یہ ہے کہ پاکستان یا ہندستان جانے کی اب کوئی اُمید نہیں۔ ساڑھے چھیتّر سال کا ہونے کو ہوں۔ جسم کا توازن (Balance) بگڑ گیا ہے۔ وسط جنوری کے بعد Prostate کا آپریشن کرانا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر معین الرحمٰن اور دوسرے اصحاب کو میرا سلام کہہ دیجیے۔ آپ سب کو عید اور نیا سال مبارک ہو۔ میں نئی صدی نہ کہوں گا کیوں کہ میرے نزدیک ۳۱ر دسمبر ۲۰۰۰ء کو بیسویں صدی ختم ہوگی۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۲۸)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
23 NEVADA, IRVINE-CA.92606 (U.S.A)
Phone: 949-559-6012
email: gianchand@alo.com

۲۴ر اگست ۲۰۰۰ء

محبّی ڈاکٹر رفیع الدّین صاحب! تسلیم۔

ڈاکٹر خلیق انجم کی معرفت بھیجا ہوا آپ کا کرم نامہ ایک ہفتے پہلے ملا۔ میں قاضی عبدالودود پر ایک ضخیم کتاب لکھنے میں مستغرق ہوں۔ ۷۰۰ صفحوں کی ہوگی اور اُمید ہے میں آئندہ تین ہفتوں میں اِسے پورا کرلوں گا۔ اِس کی وجہ سے مجھے کوئی مضمون لکھنے میں تو تکلّف

تھا لیکن آپ کی فرمایش کا تو احترام کرنا تھا۔ ایک مضمون بہ عجلت تیار کر کے بھیج رہا ہوں۔ رجسٹری نہیں کرا رہا۔ اُمید کرتا ہوں کہ آپ کو مل جائے گا۔ جیوں [جوں] ہی ملے اپنے دوست صاحب کی معرفت مجھے ای میل سے رسید بھیج دیجیے۔

حیرت ہے کہ آپ کو میرے مستقر کے بارے میں تذبذب تھا۔ میں اور اہلیہ شروع ۱۹۹۸ء میں امریکہ منتقل ہو گئے ہیں، گرین کارڈ لے کر۔ یہاں میں اپنے لڑکے کے ساتھ رہتا ہوں۔ یہاں سے دو سو میل کے فاصلے پر میری لڑکی اور داماد رہتے ہیں۔ اِن سے اکثر ملنا اور فون پر بات کرنا ہوتا رہتا ہے۔ میرا ایک لڑکا بنکاک (تھائی لینڈ) میں ہے۔ ہندستان میں کوئی نہیں، اِس لیے منتقل ہوئے۔ میں اور میری بیوی بیماریوں کے تھیلے ہیں۔ ابھی ۳ راگست کو میں نے ہرنیا کا آپریشن کرایا جو اِس بیماری کا میرا چھٹا آپریشن ہے۔ ساتھ ہی مجھے Parkinson's Disease بھی ہو گیا ہے لیکن مجھے رعشہ نہیں۔ پاٗنو کا توازن کمزور ہو گیا ہے اور چال سُست ہو گئی ہے۔ میرے داماد ڈاکٹر ہیں، اِس لیے علاج کی بہت سہولت ہے۔ میں ۷۷ سال کا بوڑھا ہوں۔ آپ مجھے اپنا مجموعہ بھیجیں تو کسی آتے جاتے کے ہاتھ بھیجیں۔ ہوائی ڈاک نہایت مہنگی ہے۔ بحری ڈاک سے بھیجیں تو محصول کم ہوگا لیکن تین چار مہینے میں ملے گا۔

میں قاضی صاحب والی کتاب پوری کر کے اِس کی تبییض کروں گا جس میں کوئی پانچ مہینے لگیں گے؛ اِس کے بعد تین چار مہینوں میں اپنی کتاب ''اُردو مثنوی شمالی ہند میں'' کو ترمیم و نظرِ ثانی کر کے نئے اڈیشن کے لیے تیار کروں۔ اِس کے بعد فرصت ہوگی۔ اگر مجھے مجلس ترقّیِ ادب، لاہور سے ''مقالاتِ شیرانی'' کا Set اور ''پنجاب میں اُردو'' کا کوئی اچھّا اڈیشن مل جائے تو میں حافظ شیرانی مرحوم پر ایک کتابچہ لکھوں۔ وعدہ نہیں کر سکتا کیوں کہ زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔

سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

لیکن چوں کہ سانس پر آس قائم ہے اِس لیے مجلس ترقّیِ ادب اگر ''مقالاتِ حافظ محمود شیرانی'' کا Set مجھے بحری ڈاک سے بھیج دیں تو میں کچھ کروں گا۔

تحسین فراقی صاحب کی کتاب مشفق خواجہ نے بھیج دی۔ تحسین صاحب نے بڑا کام کیا اور بڑی جرأت دکھائی۔ اُن کا موقف صحیح دکھائی دیتا ہے۔

یہاں مجھے اور سب آرام ہے لیکن اُردو دُنیا سے کٹ گیا ہوں۔ امریکہ میں شاعر ہیں

لیکن کوئی مُحقّق یا نقّاد نہیں۔ میری یہ کیفیت ہے:

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دُور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دُور اور شکستہ پر

صرف تصنیف وتالیف کے سہارے وقت کاٹتا ہوں۔

آپ جیسے عالم اور مشفق سے ملنے کی طرح ملنا نہیں ہوا۔ افسوس کہ اِس کی اُمید بھی نہیں، لیکن یہ، تو اُمید ہے کہ آپ بخیر[بہ خیر] ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(۲۹)

به نام رفیع الدّین ہاشمی
23 NEVADA, IRVINE-CA.926061764 (U.S.A)
Phone: 949-559-6012
email: gianchand@alo.com

۱۱رنومبر ۲۰۰۰ء

مکرّمی ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی صاحب! تسلیم۔

میں نے رضا لائبریری رام پور کے ڈائرکٹر کو نسخۂ لاہور کے روٹو گراف کے تعلّق سے کچھ وضاحتیں چاہی تھیں۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ ڈاکٹر ظہیر علی صدّیقی کو بلا اُن کی مدد لے لیں۔ ظہیر علی صدّیقی اُردو کے پی ایچ ڈی ہیں۔ پرسوں ظہیر صدّیقی کا جواب آیا جس میں نسخۂ لاہور کے روٹو گراف کو دیکھ کر یہ معلومات دی ہیں:

۱- نسخۂ خواجہ کے ص ۲۲ کی تلی کی مہر میں روٹو گراف میں مہر ہے جس پر Accession No. 6812 تحریر ہے۔

۲- نسخۂ خواجہ کے آخری ص ۱۲۷ فتح دین والے پر مہر میں تحریر ہے:

نوّاب یونی ورسٹی لائبریری، عربک سیکشن 6812

ظہیر نے جسے نوّاب پڑھ لیا ہے، وہ دراصل پنجاب کا ہوگا۔

۳- روٹو گراف میں آخر کے صفحے (نسخۂ خواجہ کا ص ۱۲۳) پر عنوانِ خاتمہ ہے اور ساری

عبارت بالکل وہی ہے جو مطبوعہ نسخۂ خواجہ میں ہے۔ قاضی عبدالودود نقل کرنے میں غلطی کر گئے۔

۴- نسخۂ خواجہ کے ص ۱۱ والے مصرعے کی ردیف ہونا ہی ہے، روگا نہیں۔

جو ہر آئینہ بھی چاہی ہی مژگاں ہونا

۵- ورق ۲۴ (نسخۂ خواجہ، ص ۵۰) پر تین شعروں کی غزل روٹو گرف میں ہے:

دونوں جہان... تکرار کیا کریں

اب آپ یونی ورسٹی لائبریری میں Accession No. 6812 کی کتاب کا پتا لگائیے۔ یہ کیا وجہ ہے کہ یہ اُردو کے بہ جائے عربک سیکشن میں چڑھائی گئی۔

میرے پاس تحسین کی کتاب ''دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ اصل حقائق'' اور معین الرحمٰن کی ''نسخۂ خواجہ صحیح صورتِ حال'' ہیں۔ میں نے سب کتابوں کو بہت باریکی سے پڑھا ہے۔ اِن پر مضمون لکھ کر ہندستان میں شائع کرا دینا چاہتا ہوں۔ مجھے ابھی تک قدرت نقوی کی کتاب ''مالِ مسروقہ'' نہیں ملی۔ مشفق خواجہ کو فون کر کے معلوم کروں گا۔

آپ اپنا دولت خانے کا پتا اور وہاں کا فون نمبر لکھ بھیجیے۔ تحسین فراقی شعبۂ اُردو میں ہیں یا فارسی میں؟ میں اُن کی کسی کتاب کے نام سے واقف نہیں۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(۳۰)

به نام رفیع الدّین ہاشمی

Gian Chand Jain
23 NEVADA, IRVINE-CA.92606-1764 (U.S.A)
Phone: 949-559-6012
email: gianchand@alo.com

۱۲/اپریل ۲۰۰۱ء

محبّی ڈاکٹر رفیع الدّین صاحب! تسلیم۔

آپ کے ۱۵/مارچ کے کرم نامے کا جواب بہت دیر سے دے رہا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ

قاضی عبدالودود پر ایک کتاب کو مکمّل کرنے میں مستغرق تھا۔ اب اِس کا مبیضہ بھی مکمّل کر لیا۔ قاضی صاحب کے مضامین کی فہرست بطورِ ضمیمہ اور اپنی کتابیات تیّار کرنی باقی ہے۔ کتاب ۱۱۰۰ صفحات کی ہوگی۔ اِس ماہ کے آخر تک ناشرین کو بھیج دوں گا۔

مجھے آپ کا مجموعہ ''تفہیم و تجزیہ'' نہیں ملا۔ ڈاکٹر ممتاز احمد کو چٹّھی بھی لکھّی۔ ایک شام فون کیا تو کسی نے بتایا کہ وہ ایک گھنٹے بعد ملیں گے۔ میں نے آپ کا حوالہ بھی دیا۔ سوچا کہ چٹّھی کا جواب دیں گے لیکن اُنھوں نے نہیں دیا۔

میں نے ہماری زبان کے لیے اپنے مضمون میں شمول کے لیے ایک صفحہ قدرت نقوی مرحوم کے کتابچے ''نسخۂ مسروقہ'' کے بارے میں بھی لکھا تھا۔ معلوم نہیں وہ شامل ہوا کہ نہیں؟ میرے پاس تو ہماری زبان آتا نہیں۔ کراچی میں میرا مکمّل مضمون مشفق خواجہ رسالہ مکالمہ میں شائع کرا رہے ہیں۔

تحسین فراقی صاحب کو میرا اسلام شوق پہنچا دیجیے۔

میں اور اہلیہ بہ شرطِ حیات آئندہ ستمبر اکتوبر میں ہندستان جائیں گے۔ سفر براہِ یورپ کریں گے اور راستے میں چار دن کے لیے کراچی میں سفر Break کریں گے۔ جمیل جالبی صاحب کے یہاں قیام ہوگا۔ لاہور نہیں آسکتے کیوں کہ سفر میں صرف ایک ہی جگہ درمیان میں ٹھہر سکتے ہیں۔ یوں بھی میں لاہور آکر معین الرحمٰن صاحب سے دوبدو نہیں ہونا چاہتا۔

ضروری بات تو رہ ہی گئی۔ میں نے آپ کی فرمایش پر حافظ شیرانی مرحوم پر دس صفحوں کا مضمون لکھ کر آپ کو بھیجا تھا۔ اِس کی پہنچ کا پتا نہ چلا۔ اگر سوءِ اتّفاق سے نہ ملا ہو تو اِس کی نقل مشفق خواجہ کے پاس ہے، اُن سے لے لیجیے۔ مجھے اِس مضمون کی رسید کے بارے میں email سے مطّلع کیجیے۔

اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر [بہ خیر] ہوگا۔ یہ letter head اور اِس سے بڑے سائز کے پیڈ علی گڑھ سے مختارالدّین احمد نے مجھ سے پوچھے بغیر بھیج دیے۔ سڑک کا نام اور شہر کا نام ملا کر لکھ دیا۔

مخلص

گیان چند

❀❀❀

تصانیف:

- رشید حسن خاں کے خطوط (جلد اوّل) — فروری ۲۰۱۱ء
- پنڈت میلا رام وفاؔ: حیات و خدمات — مئی ۲۰۱۱ء
- ادبی اور تحقیقی مضامین — مارچ ۲۰۱۳ء
- پروفیسر عابدؔ پیشاوری: شخصیت اور فن — فروری ۲۰۱۴ء
- رشید حسن خاں: محقق اور مدوّن — فروری ۲۰۱۵ء
- رشید حسن خاں کے خطوط (جلد دوم) — نومبر ۲۰۱۵ء
- مقالاتِ رشید حسن خاں (جلد اوّل) — فروری ۲۰۱۶ء
- مقالاتِ رشید حسن خاں (جلد دوم) — اپریل ۲۰۱۹ء
- رشید حسن خاں کے خطوط (جلد سوم) — نومبر ۲۰۱۹ء
- مقالاتِ رشید حسن خاں (جلد چہارم) — ستمبر ۲۰۲۰ء
- بیاضِ رشید حسن خاں — اکتوبر ۲۰۲۰ء
- رشید حسن خاں و مظفر احمد صدیقی — جون ۲۰۲۱ء
  رشید حسن خاں کے خطوط
- (جلد اوّل، دوم، سوم) کراچی پاکستان — اگست ۲۰۲۱ء
- رشید حسن خاں و حنیف نقوی — دسمبر ۲۰۲۱ء
- مقالاتِ رشید حسن خاں جلد پنجم — دسمبر ۲۰۲۱ء
- رشید حسن خاں اور شمس بدایونی کا ادبی رشتہ — جنوری ۲۰۲۲ء
- رشید حسن خاں اور اُردو محققین — اپریل ۲۰۲۲ء
- رشید حسن خاں کے خطوط بنام خلیق انجم — اپریل ۲۰۲۳ء
- رشید حسن خاں اور قاضی عبدالودود — جون ۲۰۲۳ء
- مقالاتِ رشید حسن خاں (جلد سوم) — جنوری ۲۰۲۳ء
- گیان چند جین کے خطوط مشاہیرِ ادب
  کے نام (جلد اوّل) — نومبر ۲۰۲۳ء
- مونوگراف پنڈت میلا رام وفا — زیرِ طبع
- مقالاتِ رشید حسن خاں (جلد ششم) — غیر مطبوعہ
- غالب، سرسید اور اقبال — غیر مطبوعہ
- گیان چند جین کے خطوط مشاہیر
  ادب کے نام (جلد دوم، سوم) — زیرِ طبع
- مشاہیر کے خطوط گیان چند جین کے نام — زیرِ ترتیب
- مشاہیر کے خطوط راقم کے نام — زیرِ ترتیب
- مقالاتِ رشید حسن خاں (جلد ہشتم) — زیرِ ترتیب
- میرے مضامین کے چار مجموعے — زیرِ ترتیب

ISBN 819640549-9
9 788196 405496

Dr. T.R. RAINA
F-237, Lower Hari Singh Nagar,
Rehari Colony, Jammu-180005
(J&K, U.T.) Mob.: 9419828542

Price : 750/-